سیرالمتاخرین

★

زوالِ سلطنتِ مغلیہ

شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات کا عبرت ناک مرقع جو ۱۱۹۵ھ تا ۱۱۱۸ھ یا ۱۷۷۵ء تا ۱۶۹۸ء کے حالات پر محیط ہے - یہ کتاب شاہان مغلیہ کے تاریخی ماخذوں میں اہم ترین ماخذ ہے - جس کا مطالعہ تاریخ ہند سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ناگزیر ہے -

مُصنّف

غلام حسین طباطبائی

اُردُو ترجمہ

یونس احمر

نفیس اکیڈمی

بلاسس اسٹریٹ ـــــــ کراچی نمبر ۱

قیمت بارہ روپے مجلد

فون نمبر ———— ۲۳۲۹۵۶

بہ اہتمام

خالد اقبال گاہندری

طبع اوّل ———— جولائی ۱۹۶۶ء

٩٥ ١٤ ٢٥
ع ١ ١ ٨

مطبوعہ

جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی

زوالِ سلطنتِ مغلیہ کے اسباب

محمد اقبال سلیم گاھندری

برِعظیم ہند میں سلطنت آرائی اور فرماں روائی کی تاریخ میں سلطنتِ مغلیہ کا زریں عہد ایک ناقابلِ فراموش یادگار ہے۔ اس کی یہ لازوال تابانی بابر سے عالمگیر تک کے اولوالعزم جہاں دار و جہاں کشا فرماں رواؤں کی مرہونِ منت ہے جس بہادری اور شجاعت اور جس تدبر و سیاست سے انھوں نے اس خطۂ ارض کو بنانے سنوارنے کا فریضہ انجام دیا اور جس محنت و سلیقہ سے انھوں نے ہندوستان میں ایک نئی تہذیب اور ایک نئے تمدن کو پروان چڑھایا اس کی مثال ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے آج بھی سرزمین پاکستان و ہند کے چپہ چپہ پر مغلوں کے پرشکوہ حکمرانی کے انمٹ نشان ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔ زمانے کے تیز و تند انقلابات کے باوجود اسی آب و تاب کے ساتھ درخشاں ہیں ہندوستان میں پہلے مغل فاتح ظہیرالدین بابر کا داخلہ مسلمانوں کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اگر خانوادۂ تیموری کا یہ جنگجو سلطان ہندوستان کا رخ نہ کرتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا تین سو سالہ اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔ مغلوں نے بر وقت ہندوستان پہنچ کر مسلم اقتدار کو ہندو گردی کی نذر ہونے سے بچا لیا بابر کے بعد اس کے جانشینوں نے جس بہادری اور شجاعت سے، حکمت و تدبر سے جزیرہ نمائے ہند کی وسعتوں پر فرماں روائی کی اس نے یہ ثابت کر دیا کہ مغلوں ہی کو قدرت نے حکمرانی کی تمام صلاحیتیں بخشی تھیں،

قانونِ قدرت کے تحت جس طرح ہر صبح کے بعد شام آتی ہے اسی طرح سلطنتوں کو بھی عروج کے بعد زوال کا سامنا ہوتا ہے۔ مگر سلطنتوں کا عروج و زوال کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں ہوتا جب کوئی قوم عروج کے مدارج عالیہ تک پہنچتی ہے تو زینہ بہ زینہ ہی پہنچتی ہے اسی طرح اس کا زوال بھی بتدریج ہوتا ہے سلطنت مغلیہ کے عروج کی داستان بابر سے عالمگیر تک انسانی جد و جہد کے تدریجی ارتقاء کی داستان ہے اسی طرح اس کا زوال بھی بہت سے اسباب و محرکات کا نتیجہ ہے جو برسہا برس سے واقعات کے پس پردہ پیدا ہوتے جا رہے تھے۔

پیش نظر کتاب سیر المتاخرین مصنفہ علامہ غلام حسین طباطبائی، زوال سلطنت مغلیہ کی انتہائی عبرت ناک تاریخ ہے جس میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ سادات بارہہ کی سازشوں سے مرہٹوں کی شورش اور سکھوں کی ابلہ فریبیوں تک ہزارہا واقعات پیش آئے اس عرصہ میں متعدد بادشاہ تخت نشین ہوئے شمال سے جنوب تک بڑی ہنگامہ خیز لڑائیاں لڑی گئیں۔ تخت و تاج کے لئے سازشیں ہوئیں یہ سلسلہ واقعات اتنا حیران کن اور دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا ان میں گم ہو کر رہ جاتا ہے غرضیکہ زوال سلطنت مغلیہ کی داستان ریشہ دوانیوں، قتل و غارت گری، خونریزی کی بڑی ہی دلخراش داستان ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر جو پچاس سال تک ہندوستان کے وسیع و عریض ملک پر پرچم مغلیہ لہراتا رہا۔ اس نے بھی اپنی زندگی کے آخری دنوں میں محسوس کر لیا تھا کہ خانوادۂ بابر کا چراغ اب گل ہوا چاہتا ہے۔ ادھر شہنشاہ عالمگیر نے آخری ہچکی لی اور ادھر تینوں شہزادوں نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے تلواریں نیام سے نکالیں۔ اور پھر کشت و خون اور غارتگری کا وہ سلسلہ لامتناہی شروع ہوا۔ کہ سلطنتِ مغلیہ کی عظمت در فعت خاک میں مل گئی۔ ان ساری بد عنوانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر صوبے خود مختار ہو گئے۔ بہار، بنگال اور اڑیسہ میں مرشد قلی خاں اور اودھ میں سعادت خاں نے دہلی سے اپنا ناطہ تقریباً منقطع کر لیا۔ کابل اور لاہور کے صوبے دار خود سر ہو گئے۔ مرہٹوں نے گجرات، بہار، مالوہ، بندیل کھنڈ کے کچھ حصوں پر قبضہ کر لیا۔ روہیلوں نے دوآبہ میں خود مختاری قائم کر لی۔

زوالِ سلطنتِ مغلیہ نواب علی وردی خاں کے قریبی عزیز سید غلام حسین خاں طباطبائی کی معرکہ آرا تصنیف "سیر المتاخرین" کا اردو ترجمہ ہے۔ سید غلام حسین طباطبائی سید ہدایت علی خاں اسد جنگ ناظم صوبہ بہار کے فرزند ہیں۔ غلام حسین طباطبائی کی ولادت ۱۱۴۰ھ میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ فارسی کے بڑے انشا پرداز تھے۔

سیر المتاخرین صحیح حقائق پر مبنی زوال سلطنت مغلیہ کی قیمتی تاریخی دستاویز ہے ۱۱۹۵ھ تا ۱۱۱۸ھ یا ۱۷۷۵ء تا ۱۶۹۶ء کے واقعات پر محیط ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ منتخب اللباب چار حصے، اقبال نامہ جہانگیری، ماثر عالمگیری اور ڈاکٹر برنیر کا روزنامچہ چھاپنے کے بعد سیر المتاخرین جیسی اہم کتاب کے شائع کرنے کی سعادت بھی مجھے حاصل ہوئی اس کتاب کا مطالعہ تاریخ ہند سے دلچسپی رکھنے والوں اور تاریخ کے طالب علموں کے لئے ناگزیر ہے۔ اس کتاب کے مترجم ملک کے جانے پہچانے ادیب "یونس احمر" ہیں جنھوں نے انتہائی عرق ریزی سے اس کو اردو میں منتقل کیا۔ ہمارے قارئین واقف ہیں "مشن ود لارڈ ماؤنٹ بیٹن" کا اردو ترجمہ بھی یونس احمر صاحب نے کیا تھا۔ جو عام طور پر پسند کیا گیا۔ امید ہے کہ یہ ترجمہ بھی پسند کیا جائے گا ہم عنقریب اس کا دوسرا حصہ جو آخری حصہ ہوگا پبلش کریں گے۔

وما توفیقی الا باللہ ؕ

سیر المتاخرین

زوالِ سلطنتِ مغلیہ

★

باب ۲

سلطان معظم کا مکتوب اعظم شاہ کے نام

"اگر تم دکن جیسے وسیع و عریض ملک پر قانع رہو اور باپ کے بخشے ہوئے اتنے بڑے خطے سے آگے نہ بڑھو یعنی تخت دہلی پر حریصانہ نگاہ نہ ڈالو اور الصلح خیراً کے پیش نظر مطمئن رہو تو اس رویے سے نہ صرف تم کو بے شمار فوائد پہنچیں گے بلکہ میری دعائیں بھی تمہارے شامل حال رہیں گی۔"

اعظم شاہ کا جواب

"دو بادشاہ در اقلیمے نہ نگنجند"

"یعنی دو بادشاہ کا ایک ملک میں فرماں روا ہونا ممکن نہیں"

باب ۱

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی زندگی کا بیشتر حصہ سرزمین دکن کو زیر کرنے میں گزر گیا۔ ادھر سے جب اسکو اطمینان نصیب نہ ہوا تو اس نے شاہ جہاں آباد کا رخ کیا۔ شاہجہاں آباد کہ جو دولت سلاطین بابر[1] کا مرکز اور سواد اعظم بلاد ہندوستان ہے۔ لیکن افسوس شہنشاہ کے دماغ میں جو منصوبے پرورش پا رہے تھے وہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اکانوے سالہ طویل زندگی اور باون سالہ تخت نشینی نے اس کے قویٰ اس حد تک مضمحل اور کمزور کر دیئے تھے کہ اس پر مختلف قسم کے امراض کا تابڑ توڑ حملہ ہونے لگا یہاں تک کہ مزید زندگی کی امید بھی جاتی رہی۔ احمد نگر کے دوران قیام شہنشاہ کے سر پر موت کا ہیبب سایہ آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ اس وقت اس کے قریب صرف کام بخش اور اعظم شاہ موجود تھے۔ کام بخش شہزادوں میں سب سے چھوٹا اور شہنشاہ کا بے حد چہیتا تھا۔ لیکن اعظم شاہ کی شجاعت و قابلیت اور اس کی سپاہیانہ اولوالعزمی ضرب المثل بن گئی تھی۔

اورنگ زیب نے جب اپنی زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہوا دیکھا تو اس نے فوراً کام بخش کو طلب کیا۔ دوشنبہ کا دن تھا ذی قعدہ کی ۲۸ تاریخ تھی اور چار گھڑی دن

---

[1] اگرچہ تیمور ہندوستان کے شاہی خاندان کا بانی ہے لیکن وہ ہمیشہ ترکستان یا ازبک میں رہا اور اس نے کبھی ہندوستان کو اپنا وطن بنانے کا خیال نہ کیا اس کے برخلاف اس کے پوتے شہنشاہ بابر نے یہیں اقامت کر لی اس لئے خانوادہ شاہی کو خانوادہ بابر کہا جاتا ہے۔

نکلا تھا۔ اس کو اسی وقت بیجاپور کا صوبہ مرحمت فرما کر یہ حکم دیا کہ وہ اسی وقت دولت سرائے شاہی سے شاہانہ طمطراق کے ساتھ بیجاپور کا قصد کرے اور ساتھ ساتھ نوبت بھی بجتی جائے۔ کوچ اسی وقت ہو اور کہیں بھی پڑاؤ نہ ڈالے۔ ان واضح ہدایات کا مقصد دراصل یہ تھا کہ کام بخش کو مبادا اعظم شاہ سے گزند نہ پہنچے۔

تین دن کے بعد یعنی بروز پنجشنبہ ذی قعدہ کی ۲۰ رتاریخ کو چار گھڑی دن چڑھے عالمگیر نے اپنے منجھلے بیٹے محمد اعظم شاہ کو مالوہ کا صوبہ عطا کیا اور حکم دیا کہ وہ روزانہ پانچ کوس مسافت طے کرے اور ہر منزل پر دو دن قیام کر کے تیسرے دن روانہ ہو۔ کوچ کرنے سے غرض یہ تھی کہ کہیں ضعف بیماری دیکھ کر وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو خود عالمگیر نے اپنے باپ شاہجہاںؒ کے ساتھ کیا تھا اور ٹھہر ٹھہر کر قدم اٹھانے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ اس شہزادہ کی قربت سے لشکر پر شجاع کا زور نہیں چلے گا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات

ابھی شہزادہ اعظم شاہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ شہنشاہ موت کے دست و برد میں آگیا۔ اس نے عالم بے ہوشی میں اَللّٰھُمَّ لبیّک کہا اور ہمیشہ کے لئے ابدیت کی راہ لی۔ جمعہ کا دن تھا، ذی قعدہ کی ۲۸ رتاریخ تھی اور پو پھٹنے کو صرف ایک پہر اور تین گھڑی ہوئی تھی۔

القصہ اعظم شاہ چند فرسخ ہی گیا تھا کہ اس کو باپ کی رحلت کی اطلاع ملی۔ اس اطلاع کے ملتے ہی وہ برق رفتاری کے ساتھ شاہی خیمے کی طرف بڑھا۔ جب وہ پہنچا ذیقعدہ کی ۲۹ رتاریخ تھی، اتوار کا دن تھا اور شام ہونے میں صرف پون گھنٹہ باقی تھا۔ دوسرے روز طلوع آفتاب سے دو ساعت پیشتر اس نے شاہی جنازے کو چند قدم کندھا دے کر اورنگ آباد روانہ کر دیا۔

آئندہ ماہ کی ۸ رتاریخ اتوار کا دن اور صبح کا وقت تھا۔ اعظم شاہ نے اس روز نوبت[۲] بجانے کا حکم صادر کیا۔ پھر ۱۰ عید الضحیٰ کو منگل کے روز بلدۂ احمد نگر میں وہ اپنے آبا و اجداد کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ تخت نشینی کے فوراً بعد معاً اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر اس

---

[۱] اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہجہاں کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا تھا یہیں آٹھ سال کی مسلسل نظر بندی نے اسکو اتنا دل شکستہ بنا دیا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکا۔

[۲] نوبت میں ڈھول اور دوسرے باجے استعمال کئے جاتے تھے جن کو بجا بجا کر شہنشاہ کی تاجپوشی کا اعلان کیا جاتا تھا

کہ اپنی حکومت مضبوط اور مستحکم بنانی ہے تو دربار کے امراء و رؤسا کا تعاون حاصل کرنا ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ تخت نشینی کے دوسرے روز اس نے شاہی خزانہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور امرا اور ارکان دولت کو دربار عام میں طلب کر کے حسب لیاقت منصب و عہدے عطا کئے۔ آصف الدولہ اسد خاں بہادر بدستور وزیر کے عہدہ پر فائز رہا اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں نصرت جنگ بہادر کو فوج کی کمان سونپی۔ المختصر یہ سمجھئے کہ نئے بادشاہ کی تخت نشینی سے کسی نے کوئی خاص تبدیلی محسوس نہ کی کیونکہ دربار میں جو بھی جس منصب پر فائز تھا وہ اسی پر فائز رہا۔ اور جو اعلیٰ منصب کا مستحق تھا اس کو ترقی دیدی گئی۔

اب ذرا دوسرے شہزادوں کا حال سنئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی علالت کی خبر جوں ہی سارے قلمرو میں آگ کی طرح پھیلی کہ ہر شہزادے نے اپنے اپنے اختیارات کو کام میں لاکر اپنی حیثیت کو مستحکم بنانے کی کوشش شروع کر دی سلطان معظم جو شہزادوں میں سب سے بڑا تھا ان دنوں کابل میں وائسرائے کے عہدہ پر فائز تھا یہی شہزادہ دراصل بعد میں بہادر شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ کابل کے دوران قیام میں اس کے ساتھ اس کے دو چھوٹے لڑکے۔ خجستہ اختر جہاں شاہ۔ اور رفیع القدر بھی تھے لیکن سب سے بڑا لڑکا محمد معزالدین جہاندار شاہ ملتان کا صوبہ دار تھا اور عظیم الشان جو چاروں شہزادوں میں لائق ترین سمجھا جاتا تھا اور جس کو اپنے دادا کی محبت و شفقت حاصل تھی بنگالہ میں صوبہ دار تھا اور محمد کام بخش عالمگیر کے ایما سے بیجاپور میں تھا۔

شہنشاہ اورنگ زیب دراصل مرنے سے پہلے ہند کی سلطنت سلطان معظم بہادر شاہ کو، دکن کی حکومت اعظم شاہ کو اور بیجاپور کام بخش کو سونپنا چاہتا تھا۔ اس کو نہ جانے کیوں یہ یقین ہو چلا تھا کہ تینوں شہزادے اس حصہ بخرے سے مطمئن ہو کر بندگان خدا کی فلاح و بہبود میں لگ جائیں گے لیکن شہنشاہ شاید بھول رہا تھا کہ انسان کے حوصلے سمندر کی سرکش موجوں جیسے ہوتے ہیں جن کو کبھی سکون نہیں، اور پھر تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ شہنشاہ اس فریب میں کیسے مبتلا ہو گیا کہ اس کے بیٹے چین سے بیٹھ جائیں گے۔

باپ کی وفات کے بعد بیجاپور میں کام بخش اپنی قسمت پر قانع نظر آرہا تھا لیکن اعظم شاہ نے اس کو اور اپنی ماں کو خوش کرنے کے لئے اس کی حکومت میں ایک صوبے کا اور اضافہ کر کے حکم دیا کہ وہ اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرے۔

سلطان معظم کا کوچ

لیکن سلطان معظم کی حالت بالکل مختلف تھی۔ باپ کی علالت کی اطلاع پاتے ہی اس نے فوراً کابل سے کوچ کیا۔ بنگال سے عظیم الشان لاؤ لشکر سمیت روانہ ہوا۔ دونوں اکبر آباد کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اکبر آباد عظیم شہر ہے اس کی سڑک دکن تک چلی گئی ہے۔ سلطان معظم لشکر جرار لے کر ہوا سے باتیں کرتا ہوا اپنے گھوڑے پر سوار بھاگا جا رہا تھا کہ اس کو باپ کی موت کی اطلاع ملی اس اطلاع کے پاتے ہی اس نے فوراً شاہی لقب اختیار کیا اور تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ سہ شنبہ کا دن اور محرم کا مہینہ تھا۔ یہ سب کچھ دوپہر کے وقت ہوا۔ نجومیوں نے اس گھڑی کو نازک اور تشویشناک قرار دیا۔

سلطان معظم کا مکتوب اعظم شاہ کے نام

تخت نشینی کے اعلان کے فوراً بعد سلطان معظم نے اپنے بھائی اعظم شاہ کو حسب ذیل مکتوب روانہ کیا۔

"اگر تم دکن جیسے وسیع و عریض ملک پر قانع رہو اور باپ کے بخشے ہوئے اتنے بڑے خطّے سے آگے نہ بڑھو یعنی تخت دہلی پر حریصانہ نگاہ نہ ڈالو اور الصلح خیرٌ کے پیش نظر مطمئن رہو اس رویے سے نہ صرف تم کو بیشمار فوائد پہنچیں گے بلکہ میری دعائیں بھی تمہارے شامل حال رہیں گی۔"

لیکن سلطان معظم کی یہ دل نشیں باتیں اعظم شاہ کے دل پر اثر انداز نہ ہو سکیں کیونکہ اس کو اپنے دست و بازو اپنی صلاحیت و اہلیت اور اپنے اختیارات و کمالات پر کامل اعتماد تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے مکتوب کا جواب ان مختصر الفاظ میں دیا:-

اعظم شاہ کا جواب

"دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" یعنی ایک ہی ملک میں دو بادشاہوں کا فرماں روا ہونا ممکن نہیں۔

یہ جواب پڑھ کر سلطان معظم خاک دہا دکو روندتا ہوا اور چیرتا ہوا لاہور پہنچ گیا۔ اسی اثنا میں اس کا دوسرا لڑکا معز الدین بھی توپ و تفنگ اور لشکر جرار سمیت لاہور آگیا۔ آتے ہی وہ باپ کے قدموں پر سجدہ ریز ہوگیا۔ پاؤں کو بوسے دیئے درازی عمر اور اقبال مندی کی دعائیں مانگیں اور پھر باپ کے ساتھ ساتھ اکبر آباد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ بنگال سے بھاری سامان حرب لے کر عظیم الشان بھی اکبر آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ راستہ ہی میں جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ کروڑوں روپے بنگال سے دارالحکومت بھیجے جا رہے ہیں تو اس نے فوراً ان پر قبضہ کر لیا۔ لیکن باپ کو حوالہ

کرنے سے پہلے اس نے خزانہ کو کھول کر بھی نہ دیکھا۔ ساتھ ہی اس نے اکبرآباد کے صوبہ دار مختار خاں کو بھی گرفتار کر لیا۔ مختار خاں امرا میں خاص اہمیت کا حامل تھا شہزادہ بیدار بخت سے اس کی لڑکی بیاہی گئی تھی اور وہ بذات خود اعظم شاہ کا خیر خواہ تھا۔ معزالدین کی طاقت روز بروز مستحکم ہوتی گئی۔ اس کے قبضہ میں بے شمار مال و زر آگئے تھے۔ امرا و عوام بھی اس کے مدح خواں تھے لیکن جب اکبرآباد کے قلعہ دار سے قلعہ خالی کرنے کو کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے آہنی عزائم میں ذرا بھی کمی نہ آئی اس نے صاف صاف کہدیا۔

"ایسے نازک وقت میں جبکہ شاہی خاندان کے تینوں شہزادے تخت و تاج کے لئے آپس میں دست و گریباں ہیں اور کشت و خون اور تعصب و عداوت کے شعلے ہوا سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں کسی کو شہر کا قلعہ نہیں دے سکتا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ فرائض منصبی سے میری غفلت کا نتیجہ کیا ہوگا"

یہ کہہ کر اس نے قلعہ کا آہنی پھاٹک بند کر دیا۔ اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن شہزادے نے اس غیر اہم کام میں وقت ضائع کرنے سے بہتر یہ سمجھا کہ جو دوسرے اہم کام پڑے ہوئے ہیں پہلے ان سے نمٹ لیا جائے۔ وہ منصوبہ بندی میں مصروف تھا کہ اس کا باپ سلطان معظم بھی آگیا اس کی غیر متوقع آمد سے شہزادے کو انتہائی تقویت ملی۔ وہ اس کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ درازی عمر اقبال مندی اور درازی حکومت کی دعائیں مانگیں اور پھر وہ سارے خزانے اس کے سامنے رکھ دیئے جو خوبیٔ قسمت سے اس کو مل گئے تھے۔ اتنے خزانے دیکھ کر سلطان معظم کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام تھا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ اس کی فوجیں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے شکستہ پا ہو گئی تھیں ان کے اندر انتشار کی کیفیت پائی جا رہی تھی ان میں مزید مشکلات و مصائب جھیلنے کی ہمت جواب دے چکی تھی ایسے عالمِ سراسیمگی میں اتنے بھاری خزانے کا مل جانا نیک شگون ثابت ہوا۔

فوج میں خزانہ کی تقسیم

سلطان معظم کو کامیابی و کامرانی کا متبسم اور درخشاں چہرہ سامنے آتا دکھائی دیا۔ سب سے پہلے وہ خدا کے سامنے سربسجود ہوا پھر فوجوں کی ضروریات کے پیش نظر اس نے خزانہ تقسیم کیا۔ اس طرح ان

کی مشکلات خوشی و مسرت سے بدل گئیں۔

اعظم شاہ کو شاہی خیمہ میں قیام کرتے ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے اور وہ فوج کو منظم کرنے کے بعد اکبر آباد کی طرف پیش قدمی کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے اپنے بڑے بھائی سلطان معظم سے نمٹنے کا قصد کیا۔ وہ جانتا تھا کہ تخت و تاج پر اس وقت تک اس کا قبضہ نہیں ہو سکتا جب تک معظم اس کے راستے سے ہٹ نہیں جاتا۔ وہ اس کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتا تھا۔ ان خیالات نے اس کے غصہ کی آگ کو اس حد تک ہوا دی کہ وہ برق و باد کی طرح آگے بڑھا۔ اس کی سبک رفتاری کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی بیشتر فوجیں اور توپ خانے پیچھے رہ گئے۔ شب و روز کی برق رفتاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ چشم زدن میں گوالیار کے قلعے کے دامن میں آگیا۔ یہاں وہ ۱۱ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو دوشنبہ کے روز اپنے اسپ تازی کی پشت سے نیچے اترا اور اسی جگہ کو اس نے اپنا صدر مقام بنا لیا۔

جنگ آگرہ

سات روز گزر جانے کے بعد اعظم شاہ اپنے غنیم کی سمت بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا حریف سلطان معظم اکبر آباد سے قریب جاجو کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ اعظم شاہ کی فوج نے موقعہ غنیمت جان کر سلطان معظم کے صدر مقام کے بعض حصوں میں آگ لگا دی اور اس طرح کچھ گھوڑ اسوار منتشر ہو گئے۔ عظیم الشان بھی وہیں خیمہ زن تھا۔ یہ دیکھ کر اس کے پاؤں ڈگمگا گئے — اس یکایک اور غیر متوقع حملہ سے وہ منقلب ہوا ہی چاہتا تھا کہ سلطان معظم کو حملہ کی اطلاع مل گئی۔ اس وقت وہ شکار گاہ میں شکار کھیل رہا تھا۔ اطلاع پاتے ہی اس نے تجربہ کار اور فنون حرب میں ماہر سپہ سالار معزالدین کے ہمراہ لشکر جرار سمیت ادھر کا رخ کیا۔ اب کیا تھا فریقین میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ابھی شمشیروں کی برق پاشی اور تیروں کی پیہم یورش سے فضا آگ و خون میں غلطاں تھی کہ ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ جس سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ گویا اس طرح سلطان معظم کی قسمت میں حیرت انگیز تبدیلی آگئی۔ ایکا ایکی ہولناک طوفان آگیا جس کو فریقین نے وہی باد صرصر سمجھا جس کے دست تظلم نے قبیلہء عاد کو سرزمین عرب کی تپتی اور جھلستی ریت کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ بہادر شاہی فوج کے پسِ پشت اور اعظم شاہیوں کی آنکھوں کے رخ باد تند

کے جھونکے آنے لگے۔ اعظم شاہ نے لشکر مرتب کر کے چھوٹے شہزادہ بیدار بخت کو ہراول اور شہزادہ والاجاہ کو میمنہ اور عالی تبار کو اپنے ہمراہ ہاتھی پر سوار کیا۔ آصف الدولہ اسد خاں اس وقت گوالیار میں فوجیں لے کر فرمان کا منتظر تھا۔ اعظم شاہ دشمن پر چڑھ دوڑنا چاہتا تھا کہ اس کے سپہ سالار ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ نے جو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بھی یہی فرائض انجام دے چکا تھا یہ تقریر کی:۔

ذوالفقار کی تقریر

"اب جبکہ دن ڈھلنے ہی والا ہے اور ہماری فوج بلاکت خیز آندھی کی زد میں ہے ــــ اب جبکہ ہماری فوج کی بیشتر تعداد اور توپ گاڑیاں بہت پیچھے رہ گئی ہیں۔ ایسے عالم میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تخت و تاج کے لئے جنگ کا خطرہ مول نہ لیا جائے بہتر یہی ہے کہ ہم نے دشمنوں کو جو تھوڑا بہت نقصان پہنچایا ہے آج اسی پر قناعت کر لیں۔ البتہ کل جب سورج طلوع ہوگا اور ہمارے باقی سپاہی اور سامان جنگ اپنے پاس آجائیں گے تو پھر فتح و کامرانی ہمارے قدم چومے گی اور ہم دشمنوں کا سر ہمیشہ کے لئے کچل کر رکھ دیں گے۔"

اس شعلہ فشاں تقریر کا اثر اعظم شاہ پر کچھ نہ ہوا۔ کیونکہ اس کو اپنی عسکری طاقت اور اپنے دست و باز و پر ناز تھا۔ اس نے اپنے بھائی سلطان معظم کی طاقت کو اہمیت نہ دی نتیجہ یہ ہوا کہ ذوالفقار خاں کی تقریر بے اثر ثابت ہوئی۔ اس کی غضب ناک آنکھوں کی چنگاریاں سرد نہ ہو سکیں۔ اس کی تلوار نیام سے باہر نکل ہی گئی۔ ذوالفقار خاں نے جب اعظم خاں کی یہ کیفیت دیکھی تو اس نے کہا۔ "اب جبکہ میری دور اندیشی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور عالم پناہ تباہی کے خطرناک راستے پر کود پڑنے کو بے تاب نظر آرہے ہیں مجھے امید ہے کہ میں اگر عالم پناہ سے رخصت چاہوں تو مجرم نہیں ٹھہرایا جاؤں گا۔" چنانچہ اس نے ذوالفقار خاں کی طرف سے اپنا منہ اس طرح موڑ لیا جس طرح قسمت نے اس کو خدا حافظ کہدیا تھا۔ سپہ سالار بھی وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آن کی آن میں وہ گوالیار پہنچ گیا جہاں اس کا باپ خیمہ زن تھا۔

ذوالفقار خاں کے چلے جانے کے بعد اعظم شاہ اپنی شکست اور پسپائی کی پرواہ کئے بغیر دشمن پر حملہ آور ہوگیا۔ دونوں طرف کے بہادروں میں گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔

دونوں فریق اپنی اپنی شجاعت وبہادری کے جوہر دکھانے لگے اور سپاہی گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے روندے جانے لگے۔ آندھی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ فضا چشم زدن میں اس حد تک گرد آلود ہوگئی کہ میدان جنگ میں گھرا اندھیرا چھا گیا دوست و دشمن میں تمیز مشکل ہوگئی۔ حاضرین جنگ کا بیان ہے کہ سنگریزے اتنے گرم ہوگئے تھے کہ ہواؤں کے ساتھ جب آنکھوں اور منہ میں گھستے تو دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا اس لئے سپاہی اپنا منہ پھیر لیتے اس کے علاوہ تاریکی بھی اس حد تک پھیل گئی تھی کہ یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ تیرانداز کہاں ہیں اور تیروں کی بارش کہاں سے ہو رہی ہے۔ ان ساری مشکلات اور مصیبتوں کے باوجود اعظم شاہ کی فوجیں سینہ تانے کھڑی رہیں اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتی گئیں غنیم خطروں میں گھر گئے تھے کہا جاتا ہے کہ فریقین کے سپہ سالار اور لشکر اتنے بھرے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی خون آشام تلواروں سے اتنی جانیں ہلاک کیں کہ آج بھی ملک کے گوشے گوشے میں اکبرآباد کی جنگ لوگوں کے حافظے میں تازی ہے۔

میدان رزم یا جلسہ بزم

اعظم شاہ کی فوج میں ایک افغانی سردار تھا۔ بڑا ہی کس بل والا۔ نام تھا منور خاں۔ وہ بھی اپنے ساتھ پانچ ہزار سپاہی لے کر آ گیا۔ اس کو اپنی شجاعت اور بہادری پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ میدان رزم کو جلسۂ بزم قرار دیتا تھا۔ چنانچہ جب وہ میدان جنگ میں اترا اس کے جسم پر لباس زرتاری تھا اور اس نے اپنے پانچ ہزار ہمراہیوں کے سروں پر زرتار بادے کی پگڑیاں باندھ دی تھیں۔ اس کی اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام سپاہیوں نے مرنے مارنے کیلئے اپنی جانیں پیش کر دیں۔

یہ افغانی سردار موقع کو غنیمت جان کر اعظم شاہ کے پاس آیا اور غنیموں کی صفیں درہم برہم کرنے کے لئے گھوڑا دوڑانے کی اجازت چاہی تاکہ دنیا دیکھ لے کہ وہ اپنے مالک کا کتنا وفادار ہے جس نے نیک کام کی تکمیل کے لئے خون بہانے سے دریغ نہ کیا۔ چونکہ اعظم شاہ ایسے جانبازوں اور سرفروشوں سے بدظن تھا اس نے سواری اسپ کا حکم نہ دیا۔ منور خاں کو انکار کی جرأت نہ ہوئی اس نے فوراً سر جھکا لیا اور مجبوراً ہاتھی پر سوار اپنی فوج سمیت اس تیزی سے میدان جنگ کے اندر گھسا کہ بالکل عظیم الشان کے مدمقابل پہنچ گیا۔ لیکن ادھر سے حسین علی خاں جو اجمیر کی نامی گرامی شخصیت عبداللہ خاں الملقب

میاں خاں کے صاحبزادے مقابلے کو آ گئے دشمنوں کی یلغار اتنی شدید تھی کہ بیشتر افسران موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ساتھ ہی حسین علی خاں کو اتنے گہرے زخم آئے کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ منور خاں کے بھی بہت سے جوان جنگ میں کام آئے۔ لیکن جو تھوڑے بہت بچ گئے تھے ان ہی کو لے کر وہ عظیم الشان کے فیل مست کے عین مقابل آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بلم بھی تھا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے بلم اس زور سے مارا کہ اس کی سنان ہودج کے پار نکل گئی۔ لیکن شہزادے کی قسمت اچھی تھی کہ اس نے فوراً اپنا رخ موڑ لیا اور اس طرح اس کی زندگی نہ صرف بچ گئی بلکہ منور خاں خود داد شجاعت دے کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

بیدار بخت اور والا جاہ موت کی آغوش میں

اس گھمسان کی جنگ میں بے شمار جانیں تلف ہوئیں شہزادہ بیدار بخت جو اعظم شاہ کا ہراول تھا مارا گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی والا جاہ کو بھی موت کا تلخ جام منہ سے لگانا پڑا۔ ان دونوں شہزادوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے بعد یہ خبر اعظم شاہ کو سنانا ضروری ہو گئی۔ اعظم شاہ دونوں شہزادوں کو بے انتہا چاہتا تھا۔ خصوصاً سب سے بڑے لڑکے کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ چنانچہ جب اس کے کانوں نے یہ منحوس خبر سنی، اس کے دل سے ایک آہ نکلی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ برآمد ہوئے۔

"اب میرے لئے فتح و شکست دونوں برابر ہیں!" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے فیل بان کو دشمنوں کی صفوں کے اندر گھس جانے کا حکم دیا۔ کہتے ہیں کہ اعظم شاہ کی عماری پر اتنے پتھر برسے تھے جیسے آسمان سے بارش ہو رہی ہو۔ اعظم شاہ کے اردگرد منتخب محافظ اور سپاہی تھے جو اپنے آقا کی خاطر جانیں نچھاور کرنے کو فخر سمجھتے تھے۔ لیکن اس کو اپنی جان سے زیادہ اپنے بچے تالی تبار کی زندگی عزیز تھی۔ چنانچہ اس نے بچے کو سپر کے نیچے اس طرح سلا دیا کہ کہیں سے وہ نظر نہ آ سکے۔ اس کا ہاتھی آگے بڑھتا گیا۔ اور وہ مسلسل تیروں کی بارش کرتا رہا۔ لیکن موت کا بھیانک سایہ خود اس کے اردگرد منڈلا رہا تھا۔ اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ دن ڈھلتے ڈھلتے اس کے بہترین اور آزمودہ سپاہی مثلاً ربت خاں، امان اللہ خاں، مطلب خاں اور خان عالم معہ اپنے بھائی منور خاں کے موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے۔ دو ہندو راجے، راجہ رام سنگھ اور راجہ دلیپت بھی

جنگ میں کام آ گئے۔

اعظم شاہ کا خاتمہ

اعظم شاہ کی آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ وہ زخموں سے چور چور ہو رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہودج کے اندر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی رستم دل خاں جیسا بے رحم انسان فوراً اس جنگجو کے ہاتھی پر چڑھ گیا اور اس کا سر تن سے جدا کرنے میں اس کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اس کے بعد اس نے مقتول کا سر ایک ہاتھ میں رکھ کر اور عالی تبار کو دوسرے ہاتھ سے سہارا دے کر اپنے آقا سلطان معظم کے حضور میں آیا۔ شہنشاہ کی آنکھیں اس المناک منظر کی تاب نہ لا سکیں بھلا سگے بھائی کے خون آلودہ سر کو دیکھنے کی اس کے اندر کہاں سے طاقت آتی۔ اس کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔ اس نے سرد آہ کھینچی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یتیم بچے کو اس نے سینے سے بھینچ لیا۔ اس کے رخساروں کو بوسے دیئے اور اس کے نازک دل کو تشفی دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس کو اس بچے سے ایسی والہانہ محبت ہو گئی کہ کبھی بھی اس نے اس سے بے تعلقی یا بے التفاتی نہ برتی بلکہ وہ اسکو بھی اپنی ہی اولاد سمجھتا تھا۔ اس بچے سے باپ کی بے پناہ محبت کو دیکھ کر سلطان معظم کی اولادوں کو شکایت پیدا ہو گئی۔ وہ بارہا زبان پر حرف شکایت لایا کئے۔ لیکن شہنشاہ نے ہر بار ان کو یہ کہہ کر خاموش کرایا۔

"اگر تم لوگوں کو اس بات کا خوف اور اندیشہ ہے کہ وہ بڑا ہو کر میرے تخت و تاج کے لئے خطرہ ثابت ہو گا تو تم لوگ کان کھول کر سن لو کہ یہ اندیشہ مجھے تم لوگوں کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی کوئی ضرورت پیش آئی تو اس بچے کو میرا خیال تم لوگوں سے کہیں زیادہ ہوگا۔

اسد خاں اور ذوالفقار خاں سلطان معظم کے حضور میں

اعظم شاہ کے تخت کا درخشندہ آفتاب جب غروب ہو گیا تو اس کے وزیر اور سپہ سالار مثلاً اسد خاں اور ذوالفقار خاں دست بستہ سلطان معظم کے حضور میں اس طرح بند کی عرض کرنے تشریف لے گئے کہ ان کے دونوں ہاتھ رومال سے بندھے ہوئے تھے۔ دونوں بادشاہ کے دربار میں باریاب ہوتے ہی سربسجود ہو گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے ہاتھوں سے اس نے وزیر کے

بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھولا۔ معز الدین کو جو وہیں تھا بادشاہ نے رخصت ہونے کا حکم دیا اس کے رخصت ہو جانے کے بعد بادشاہ ذوالفقار خاں کے پاس آیا اور اس کے ہاتھوں کو کھول دیا۔ اس کے بعد باپ اور بیٹے سے اس نے نہایت ہی نرم لہجے میں گفتگو کی۔ خصوصاً باپ کے ساتھ اس کا سلوک نہایت ہی مشفقانہ تھا۔ اس کے لئے بادشاہ نے شاہی خلعت منگوایا اور اپنی موجودگی میں اسے زیب تن کرنے کا حکم دیا اور اس طرح اسدخاں کو چشم زدن میں وہ عزت و توقیر ملی کہ شاذ ہی ایسی عزت افزائی کسی کی کیجاتی ہے۔ جب اسدخاں نے خلعت زیب تن کر لیا تو بادشاہ نے اسکو گلے سے لگا لیا۔ پھر اس کو اپنے مدمقابل بٹھایا، منصب نو ہزاری، ہفت ہزار سوار اور دو کرور درم انعام دیا۔ ساتھ ہی یہ فرمان بھی جاری کیا کہ اسکی پالکی شاہی محل کے غسلخانہ تک جہاں تک شہزادوں کی پالکی آتی ہے آیا کرے (یہ عزت و توقیر صرف شہزادوں کے لئے مخصوص تھی) اس کے علاوہ اس کو جلیل القدر جیسے خطاب سے نوازا اور وکیل الملک کے منصب پر فائز کیا۔ منعم خاں کو جملۃ الملک کا خطاب ملا اور اسے وزارت عظمیٰ سونپی گئی۔ اس عہدہ کے ساتھ ساتھ اس کو اکبرآباد کی صوبہ داری بھی ملی اور حکم صادر ہوا کہ کچہری میں آصف الدولہ کے دست راست بیٹھ کر اپنی مہر آصف الدولہ کی مہر نیچے رکھ کر ثبت کرے۔

یہ سارے انتظامات مکمل ہو گئے تو بادشاہ نے اپنی توجہ ان چند ہندو راجاؤں کی طرف مبذول کی جنھوں نے اعظم شاہ کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ خصوصاً امبر کے راجہ جے سنگھ کی کیفیت طلب کی۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ اس کا سگا بھائی وجے سنگھ بادشاہ کے آڑے وقت میں کام آیا تھا اس لئے آمبر اسی کے حوالے کیا گیا۔ اجیت سنگھ ولد جسونت سنگھ راٹھور زمیندار جودھپور میں باغی ہوا تھا لہٰذا بادشاہ نے شروع جلوس میں اکبرآباد سے آمبر اور جودھپور کو کوچ فرمایا اور ریاست ہائے مذکورہ کے قلعے فتح کئے اور اجیت سنگھ اور جے سنگھ کو ساتھ لے کر آصف الدولہ کو شاہجہان آباد کا نظم ونسق درست کرنے کے لئے روانہ کیا۔ غرضیکہ آہستہ آہستہ حکومت کا نظم ونسق اور ملک کے ہر حصہ کے انتظامات معمول پر آ گئے۔ اور شہنشاہ کی رحم دلی وانکساری نے دلوں کو چند ہی روز میں مسخر کر لیا۔ لیکن اسی اثناء میں اورنگ زیب کے باقی دو اور شہزادوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کی وجہ سے حالات پھر درہم برہم ہو گئے۔

شہزادہ کام بخش کو جوں ہی اپنے بھائی کی موت کی دلخراش خبر ملی وہ اپنے فاتح بھائی معظم کا مخالف بن گیا۔ وہ کسی حال میں اس کے سامنے سربسجود ہونا نہیں چاہتا تھا بادشاہ نے اس کو پرامن رہنے کا پیغام بھی بھیجا۔ جس میں اس کو مشورہ دیا گیا کہ وہ خاموش اور پرسکون زندگی گزارے۔ لیکن اس مشورہ نے زخم پر نمک کا کام کیا۔ کام بخش کی آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں برسنے لگیں، اس کی رگوں کا خون آتش فشاں کی طرح گرم ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی معظم سے جس نے بہادر شاہ کا شاہی لقب اختیار کیا تھا ٹکر لینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی کے پیغام کے جواب میں جو تحریر روانہ کی وہ اشتعال دلانے کے لئے کافی تھی۔ بادشاہ اب بھی کام بخش کو بخش دیتا اور اس کی اس تحریر کو نظر انداز کر دیتا جس سے بغاوت کی بُو آ رہی تھی۔ لیکن جب اس کے بیٹوں نے بار بار اس کی پرامن پالیسی کی مذمت کی تو وہ کام بخش سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

بہادر شاہ اور کام بخش کے درمیان جنگ

شعبان کی ۱۷ تاریخ تھی اور پیر کا دن تھا نصف شب میں صرف آدھ گھنٹے کی دیر تھی۔ بہادر شاہ فتح پور اور اجمیر کے راستے سے بیجاپور کی طرف بڑھا۔ دونوں کی فوجیں ذیقعدہ کی ۳ تاریخ کو بدھ کے دن حیدر آباد کے علاقے میں صف آرا ہوئیں — ان دنوں حیدر آباد میں کام بخش کا مکمل قبضہ تھا۔ کئی دنوں تک گھمسان کی جنگ ہوئی۔ طرفین نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن کام بخش کا کوئی داؤ کارگر ثابت نہ ہوا۔ بہادر شاہ کی فوج دشمن کی صفیں چیر کر آگے بڑھ گئی اور کام بخش کے بیشتر سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جو بچ رہے تھے انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

کام بخش کی وفات

کام بخش زندگی کی آخری سانس تک لڑتا رہا۔ اس کا جسم زخموں سے چور ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ اور وہ زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کی زندگی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ بہادر شاہ کے سپاہی اس کے قریب آئے اس کو اٹھا کر ہاتھی پر رکھا، بچوں کو بھی اس ہاتھی پر بٹھا دیا اور بادشاہ کے حضور میں بھیجدیا جب بہادر شاہ کو اطلاع ملی اس نے فوراً اپنے لڑکے معزالدین کو حکم دیا کہ کام بخش

کو میرے حضور میں شاہی آداب کے ساتھ لایا جائے۔ اور جب زخمی شہزادہ پہنچ گیا تو اس کو شاہی خیمے کے قریب ہی دوسرے خیمے میں رکھا گیا۔ بہادر شاہ اس سے ملنے پیدل ہی گیا۔ جب اس کی نگاہ اپنے زخمی بھائی پر پڑی اس نے سرد آہ کھینچی اور زبان سے اتنا نکلا ــ" اس عالم میں تم سے ملنا نہیں چاہتا تھا" شہزادہ نے بھی اپنی آنکھیں کھولیں اور بڑی مشکل سے جواب دیا ــ" میں بھی تم سے اس عالم میں ملنا نہیں چاہتا تھا .... میں .... اور اتنا کہہ کر اس کی سانس اکھڑ گئی۔

بادشاہ اس دردناک منظر سے بہت متاثر ہوا۔ اس کا دل بھر آیا اور اپنے بھتیجوں کو لے کر خیمے کے اندر چلا گیا۔ جس طرح اس نے عالی تبار کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا تھا اسی طرح اس نے اپنے ان بھتیجوں کو تعلیم و تربیت دینے کا فرمان جاری کیا۔ بادشاہ نے اس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی کہ اس کے اپنے لڑکے اس اقدام کا برا مان رہے تھے۔

بہادر شاہ سارے دکن کا فرماں روا

اس ظفر مندی نے بہادر شاہ کو سارے دکن کا فرماں روا بنا دیا۔ جب ممالک محروسہ ہند و دکن اس کے ماتحت آ گئے، اور وہ ہر طرف سے مطمئن ہو گیا تو اس نے انتظام حکومت میں چند تبدیلیاں کرنا چاہیں۔ ایک دن اس نے نرم لہجے میں وزیر اعظم اسد خاں اور اس کے فرزند ذوالفقار خاں سے کہا:-

" منعم خاں نہ صرف بڑا قدیم نمک خوار ہے۔ بلکہ دوست بھی ہے۔ میرے دکھ سکھ میں وہ برابر کا شریک رہا ہے۔ جب میں محض ایک شہزادہ تھا میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی میں اس ملک کے تخت و تاج کا وارث بنوں گا میں اس کو وزیر کے عہدہ پر ضرور فائز کروں گا۔ چنانچہ جب سے میں تخت نشین ہوا ہوں وہ برابر مجھے میرا وعدہ یاد دلا رہا ہے۔ میں چونکہ تم کو اس منصب سے برطرف کرنا نہیں چاہتا۔ اور ساتھ ہی اس وعدہ سے انحراف بھی نہیں کر سکتا جو منعم خاں سے کر چکا ہوں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس نازک وقت میں تم میری مدد کرو اور ایسی صورت نکالو کہ دونوں کام بھی بن جائیں اور میرا وقار بھی مجروح نہ ہونے پائے۔"

اسد خاں نے بادشاہ کو جواب دیا ۔ "شہنشاہوں کے لئے انحراف وعدہ انتہائی بزدلی ہے ۔ مجھے امید ہے کہ بادشاہ اپنے دونوں وفادار خدام کے وقار کو بھی جو برسوں سے خانوادۂ بابر کا نمک کھا رہے ہیں ٹھیس نہیں پہنچائیں گے ۔"

اسد خاں کے اس جواب سے بادشاہ کی ذہنی و روحانی پریشانی رفع ہو گئی ۔ اس نے فوراً فرمان جاری کیا کہ اسد خاں کو وکیل المطلق کے عہدے پر فائز کیا جائے اور قیمتی خلعت سے نوازا جائے ۔ ساتھ ہی منعم خاں کو خطاب خانخانی اور قلمدان وزارت سے سرفراز کیا اور حکم دیا کہ آصف الدولہ مسندِ وکالت پر زیر شامیانہ وزارت بیٹھا کرے ۔ اور منعم خاں آداب نوکری کے کاغذات پر آصف الدولہ کے دستخط کرایا کرے ۔

اس آئین وقاعدے سے جب دونوں مطمئن ہو گئے تو انھوں نے مملکت کے امور کو نمٹانے اور رعایا کی خوشحالی کی طرف توجہ دی ۔ دونوں نے ان فرائض کو دیگر فرائض پر مقدم خیال کیا ۔

سپہ سالار ذوالفقار خاں کو امیر الامراء کا خطاب ملا اور اس کو کل صوبہ جات دکن کی صوبہ داری ملی ۔ یہ ایسی اہم ذمہ داری تھی جو اس کے شانوں پر رکھی گئی ۔ اس اہم ذمہ داری کا وہ مستحق بھی تھا ۔ کیونکہ یہ بات طے تھی کہ جن علاقوں کو فتح کر لیا گیا تھا یا جو علاقے عنقریب فتح کئے جانے والے تھے ان پر اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص خوش اسلوبی سے حکومت نہیں کر سکتا تھا ۔

داؤد خاں

ذوالفقار خاں جب دکن کے عسکری اور مالیاتی نظام سے مطمئن ہو گیا تو اس نے داؤد خاں کے شانے پر جو فرقہ پنی اور مشہور امرائے دکن سے تعلق رکھتا تھا ساری ذمہ داریاں رکھدیں اور خود بادشاہ کے ہمراہ امور سلطنت کے بندوبست کو چلا ۔ داؤد خاں اپنے وقت کا بہت ہی مشہور و معروف افغان امیر تھا ۔ یہ اتنا طاقتور شخص تھا کہ اس کی عسکری طاقت سے پورا دکن کانپتا تھا ۔ ذوالفقار خاں نے نہ صرف اس کو خارجی بلکہ داخلی امور کا بھی سربراہ مقرر کیا ۔ اس کو اس حد تک آزادی مل گئی تھی کہ وہ جو چاہتا کر سکتا تھا ۔

ذوالفقار خاں کو جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو وہ ہند کے تمام علاقوں کے

بہتر نظم ونسق کی طرف متوجہ ہوا۔ صوبجات بنگالہ، اڑیسہ، عظیم آباد اور الٰہ آباد جو اب تک بادشاہ کے دوسرے لڑکے عظیم الشان کے ماتحت چلے آ رہے تھے ان میں ذرا بھی تبدیلی نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہزادہ کو اس بات کا موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ ان دو جاں بازوں کو ان کی وفاداری اور جانبازی کا صلہ دے جنھوں نے اکبر آباد کی جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ یہ دونوں جانباز سید عبداللہ خاں عرف میاں خاں کے صاحب زادے عبداللہ خاں اور سید علی خاں تھے۔ بڑے لڑکے عبداللہ خاں کو صوبہ اکبر آباد اور عظیم آباد اس کے چھوٹے بھائی سید علی خاں کو اور بنگالہ واڑیسہ جعفر خاں کو سپرد کر کے شہزادہ خود باپ کے دربار میں اقامت گزیں ہوا۔

بہادر شاہ کا خدا سے عہد

چونکہ بہادر شاہ اپنے اعلیٰ اخلاق اور نرم مزاجی کی وجہ سے ہر دل عزیز تھا۔ اس لئے اس کو اپنا وہ عہد یاد آ گیا جو اس نے بارگاہِ الٰہی میں کیا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی وہ تخت وتاج کا مالک ہو گا وہ ہر شخص کی حاجت روائی کرے گا اور کسی کو اپنے دربار سے مایوس ونامراد نہیں لوٹائے گا۔ چنانچہ اب جبکہ وہ تخت نشین ہوا وہ اس عہد کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے خطابات اور اعلیٰ اعلیٰ منصب ہر ایک کو اس طرح تقسیم کئے کہ ان کی اہمیت باقی نہ رہی حالانکہ منعم خاں جیسے اہم اور ذمہ دار شخص کو اس کام پر مامور کیا گیا تھا۔ اس سخاوت وجودت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو اور مسلمان شش ہزاری وہفت ہزاری ہو گئے۔ جنگ اور ملک رائے اور راجہ کے خطابات ہر کس وناکس کو مل گئے۔ منصب وخطابات کی ایسی فراوانی ہوئی کہ اس کی اہمیت جاتی رہی۔

نظم ونسق کی کمزوری

دریں اثنا وہ فوجیں جو ہندوستان کی سمت پیش قدمی کر رہی تھیں۔ یکایک ان کو موسلا دھار بارش کی وجہ سے رک جانا پڑا۔ چنانچہ اس موقع کو غنیمت جان کر وزیر اعظم نے غازی الدین کو گجرات کا صوبہ دینے کا ارادہ کیا۔ اورنگ زیب کے عہد ہی سے غازی الدین کے ہاتھوں میں برار کا نظم ونسق تھا۔ لیکن اس کو حکومت کی کمزوری کہیئے یا کچھ اور کہ نیا صوبہ دار بادشاہ کا انتظار کئے بغیر رخصت پر روانہ ہو گیا۔ اس کی حرکت سے راجہ جے سنگھ اور اجیت سنگھ راٹھور بھی جو دربار میں قیام پذیر تھے یکایک غائب ہو گئے۔ دونوں دریائے نربدا پار کر کے اپنے ملک واپس آ گئے اور ان قلعوں پر دوبارہ

قابض ہو گئے جن کو سرداران سلطانی نے قتل و غارتگری کے بعد بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا۔

جے سنگھ اور اجیت سنگھ راٹھور بادشاہ ان دونوں ہندو راجاؤں کے طرز عمل سے اتنا مشتعل ہوا کہ وہ فوراً دریائے نربدا عبور کر کے ان کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ وہ ان راجاؤں کو ان کی شورش انگیزی اور فتنہ پردازی کا مزہ چکھانا چاہتا تھا۔ انھوں نے احمد خاں، حسین خاں اور خیرات خاں یعنی ان تینوں سادات کو شہید کر دیا تھا۔ ان سادات کی شہادت سے بادشاہ کو اور اشتعال آگیا۔ وہ ان کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا ہی تھا کہ یکایک اس کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود جب اس کو گرو گوبند سنگھ کی بغاوت کی اطلاع ملی اس نے آرام کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

گرو گوبند سنگھ گرو گوبند سنگھ نے سرہند کے وزیر خاں کو جنگ میں قتل بھی کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ کو اور بھی ملال ہوا۔ اس نے فوراً اسد خاں اور ذوالفقار خاں کو پہاڑوں کو سر کرنے اور گرو گوبند کو مع اس کے آدمیوں کے محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن راجہ راتوں رات ایک پراسرار راستے سے بادشاہ کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے آدمیوں سمیت راہ فرار اختیار کر گیا۔ اس واقعہ سے اسد خاں کے کردار پر بڑا اثر پڑا۔

بہادر شاہ کی روانگی لاہور بہادر شاہ جب اس علاقے سے مایوس ہو گیا تو اس نے رستم دل خاں کو فوج کا ایک دستہ دے کر یہیں قیام کرنے کا حکم دیا اور خود لاہور روانہ ہو گیا۔ اسد خاں کی زندگی نے مزید وفا نہ کی وہ دوسری دنیا کو سدھار گیا۔ اس کی جگہ پر بادشاہ نے مراتب خاں ولد عنایت الدین خاں کو وکیل المطلق مقرر کیا اور اسے پیش بہا خلعت بھی عطا کیا۔ اسی اثناء میں غازی الدین خاں بھی گجرات میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ربیع الاول کی ۲۶ رتاریخ تھی بادشاہ دریائے راوی کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ رستم دل خاں کی شومئی قسمت کہیئے کہ وہ بلا اجازت قلعہ گورو سے اٹھ آیا۔ لہٰذا اس کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا۔ اور جاگیر ضبط ہو گئی۔ اور پھر اسے قید کر کے لاہور بھیج دیا گیا۔ محمد امین خاں نے اس کی جگہ لی۔

فقہ وحدیث سے دلچسپی

لاہور کے دوران قیام میں۔ بادشاہ کے ساتھ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ چونکہ بادشاہ کو اہل علم و کمال کی صحبت سے خاص انسیت تھی اور خود علوم و فنون میں مہارت رکھتا تھا۔ خصوصاً فقہ و حدیث میں اس کی کل سلاطین تیموریہ سے زیادہ تعلیم ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ صاحب علم وکمال کی صحبت میں بیٹھ کر مناظرہ علمی میں حصہ لیتا اس کو اپنی تحقیق و جستجو کی روشنی میں مذہب امامیہ بہتر معلوم ہوا۔ اس لیئے اس نے اس کو برحق سمجھا اور یہی راہ اختیار کی۔ غرض کہ جب وہ لاہور میں قیام پذیر ہوا اس نے وہاں کے علماء کو جن میں اکثریت سنیوں کی تھی اکٹھا کر کے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی حقیقت دریافت کی اور اتمام حجت کے بعد اس نے اس بات کی کوشش کی کہ خطبہ میں کلمہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ جاری کیا جائے۔ اس اقدام کو عملی جامہ پہنانے کے ثابت قدمی، ذہنی بلندی اور اولوالعزمی انتہائی ضروری تھیں۔ لیکن چونکہ خانوادۂ بابر کے تمام شہزادے خصوصاً دور آخری کے شہزادے ان صفات سے عاری تھے اس لئے ہر طرف انتشار پھیل گیا خصوصاً عظیم الشان اور خجستہ اختر نے جو کٹر قسم کے سنی تھے بادشاہ کی شدید مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کا یہ منصوبہ جڑ نہ پکڑ سکا۔ خود بادشاہ کو مخالفت کا علم ہو چکا تھا اس کے باوجود اس نے ایک دن شیعہ خطیب کو شہزادہ عظیم الشان کے ہمراہ جامع مسجد میں بھیجا۔ شاہزادہ شیعہ خطیب کو اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ مگر باپ کی رضا جوئی کی خاطر اسے مسجد لے گیا جب اس نے مجمع میں اپنی عقیدت کا پرچار کرنا چاہا تو اس کو قتل کر دیا گیا۔ مسجد میں حاضرین کی بیشتر تعداد حنفیوں پر مشتمل تھی۔ وہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ شہزادہ دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ذرا بھی مدافعت نہیں کی۔

اس شورش انگیزی کے بعد ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ سنی علماء جن کو فقہ وحدیث پر کامل دسترس حاصل تھی مسجد میں جمع ہوئے اور سبھوں نے متفقہ طور پر بادشاہ کو صحیح فرقہ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ لیکن اس نے اس دعوت کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن شیعہ فرقہ کی اشاعت میں گزارتا رہا اور سنی علماء سے بحث وتمحیص میں حصہ لیتا رہا۔ حالانکہ اس مباحثہ کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔

بہادر شاہ کی وفات

بہادر شاہ کی تخت نشینی کو پورے پانچ سال اور دریائے راوی کے ساحل میں خیمہ زن ہوئے تین سال ہوئے تھے کہ اس کے ذہن میں عجیب وغریب خیال آیا ۔ ۱۱۲۴ھ کا زمانہ تھا۔ ماہ محرم کے پندرہ ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن اس نے لشکر اور شہر لاہور میں سگ کشی کا حکم صادر فرمایا۔ جب لوگوں نے یہ فرمان سنا وہ سناٹے میں آ گئے۔ کیونکہ ایسے سنجیدہ اور دانا بادشاہ سے اس نوعیت کے فرمان کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے سمجھا کہ یقیناً اس پر جن یا آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی سکھوں کی وجہ سے بھی حالات تکلیف دہ ہو گئے تھے چنانچہ شہر لاہور میں ان کی آمد بند کر دی گئی دن بھر ان کی پرچھائیں تک نظر نہ آتی تھی۔ مگر اندھیرا ہوتے ہی وہ شام کو چپکے سے نکلتے اور صبح کو دریائے راوی عبور کر کے جنگلوں میں چھپ جاتے تھے۔

ایک طرف سکھوں کی فتنہ پروری اور دوسری طرف مسجد میں شورش انگیزی یہ دونوں چیزیں میں نے امین الدولہ سنبل کے مکتوب سے جو اس نے اپنے والد کو تحریر کیا تھا اس کے منشی کے پاس دیکھا ہے۔ منشی کا کہنا ہے کہ بعض علما، خطیب کے قتل کے جرم میں معتوب و مقہور ہوئے اور بعض قلعہ گوالیار میں اور بعض کوتوال کے حوالات میں قید ہوئے۔ اتفاقاً بادشاہ کو معمولی سا عارضہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے بہتر برس کی عمر میں ۱۹ محرم کو دو گھڑی دن رہے دار فانی سے رخصت ہو گیا۔

بادشاہ پر جب نزع کا عالم طاری ہوا شہزادہ عظیم الشان پاس ہی موجود تھا یہ حال دیکھ کر وہ ایک دم سے گھبرا گیا، وہاں مزید رک نہ سکا، فوراً اپنے خیمے کے اندر آیا اور امین الدولہ کو تازہ ترین خبر لانے کے لئے وہاں روانہ کر دیا۔

جونہی بادشاہ نے قضا کی امین الدولہ وہاں سے شہزادہ کے پاس آیا اور خبر بد سنا کر تسلی دی کہ قسمت کو جو منظور تھا وہ ہو گیا۔ شہزادہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ امین الدولہ نے اپنے رومال سے اس کے آنسو خشک کئے اور کہا۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ مزید وقت گنوانا مناسب نہیں ہے۔ ہمت کر کے جلوس فرمائیے۔"

عظیم الشان کی تاج پوشی

اتنا کہنا تھا کہ نوبت بجنے لگی۔ اس کے بعد چند

ہواخواہ درباری جو اس وقت موجود تھے رسم و رواج کے مطابق شاہزادہ کے حضور میں نذرانے لے کر آئے اور سبھوں نے درازی عمر کی دعائیں مانگیں۔

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ادھر امین الدولہ اور نعمت اللہ خاں بہادر وغیرہ نے عظیم الشان سے عرض کیا کہ حضور سے ذوالفقار خاں کی عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے لہٰذا اس وقت جبکہ وہ مع حمید الدین خاں اور محفوظ خاں کے بادشاہ کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہے اسے زیر حراست لے لینا چاہیئے۔ بادشاہ اس مشورہ سے ذرا بھی متاثر ہوتا دکھائی نہ دیا۔ اس نے جواب دیا۔

"اس جلد بازی سے ناموس شاہی غارت ہو جائے گا۔ ذوالفقار خاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے فضل الٰہی اور اپنے دست و بازو پر پختہ اعتماد ہے۔"

یہ جواب باصواب سن کر اس کے مشیران اور خیر خواہ ششدر رہ گئے۔ لیکن سرگوشی کے لہجے میں انھوں نے ایک دوسرے سے کہا "خدا خیر کرے بسم اللہ ہی غلط ہوئی"۔ لیکن نعمت اللہ خاں غیظ و غضب میں آ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مع فوج کے ذوالفقار خاں کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اس وقت تک ذوالفقار خاں اپنے خیمہ میں آگیا تھا لہٰذا وہ مایوس و نامراد لوٹ گیا۔

عظیم الشان جو باپ کی زندگی ہی میں امور مرجوعہ کے کاغذات پر دستخط کرتا تھا اور محل کے اندر سب ہی اس پر شفقت فرمایا کرتے تھے اس لئے اس کو شاہی جائداد پر قابض ہونے اور تخت نشین ہونے میں ذرا بھی مشکل پیش نہ آئی۔ اس کے بعض سپاہیوں نے اس کام میں اس کی مدد کی لیکن بعض جو کشت و خون اور غارت گری کو بھانپ گئے تھے راتوں رات اپنے اہل و عیال کو گاڑیوں میں یا جانوروں کی پشت پر بٹھا کر لاہور روانہ کر دیا اور بعض کلال باڑہ میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے۔

معز الدین کے عزائم

ایک طرف تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف حکیم الملک حکیم صادق خاں، مہابت خاں، شاہنواز خاں اور حمید الدین خاں وغیرہ نے حضور میں آ کر بندگی عرض کی۔ لیکن رستم دل خاں اور

دیگر امرا خجستہ اختر سے جا ملے۔ ذوالفقار خاں بہادر سپہ سالار نے جو عظیم الشان کا جانی دشمن تھا فوراً بہادر شاہ کے سب سے بڑے لڑکے معزالدین کے حضور میں آکر اس کی مرضی دریافت کی۔اس نے جواب دیا۔" فی الحال میں کچھ کرنے سے رہا کیونکہ میرے پاس نہ تو زرومال ہے اور نہ فوج ہی۔ لہٰذا چاہتا ہوں کہ ملتان واپس چلا جاؤں اور وہاں پہنچ کر فوج اکٹھا کروں۔اور اگر قسمت نے یاوری کی تو حملہ کر دوں "۔

ذوالفقار خاں نے شہزادے کے ان عزائم کی ہمت افزائی نہیں کی۔اس کے پاس جو زرواسباب تھے شہزادے کے حوالے کرتے ہوئے کہا" فی الحال رفیع القدر اور خجستہ اختر کو شریک کر لیجئے۔بعد میں عظیم الشان پر مکمل قابو پا لیا جائے گا تو پھر تینوں بھائی مل کر کوئی فیصلہ کرلیں گے۔ معزالدین نے اس بات کو غنیمت جان کر ذوالفقار خاں سے کہا کہ وہ پہلے دونوں بھائیوں کو یہاں لے آئے۔ذوالفقار خاں یہ سن کر فوراً اپنے خیمے میں آیا، جو کچھ ملا معزالدین کو بھجوادیا اور رفیع القدر اور خجستہ اختر کے دلوں کو بھی اپنی شیریں کلامی سے مغلوب کر لیا اور رضامند کر لیا کہ دونوں شہزادوں کو مرحوم باپ کے خزانے کے مساوی حصہ ملے گا۔

عظیم الشان کی رحلت

عظیم الشان کے ارد گرد امرا اور روساء اور سپہ سالار کھڑے ہوئے تھے۔اس نے اعلان کیا کہ جو بھی مجھ پر حملہ آور ہوگا میں اس کا مقابلہ کروں گا۔اس نے خیمہ کے چاروں طرف خندقیں کھدوائیں اور توپیں نصب کرادیں۔چند دنوں تک اس خیال سے اس نے توقف کیا کہ چونکہ اوروں کے پاس خزانہ نہیں ہے اس لئے سپاہی خود بخود منتشر ہو جائیں گے یا پھر اس کے لشکر سے آملیں گے۔ لیکن اس کی تقدیر میں تو کچھ اور ہی لکھا ہوا تھا۔ذوالفقار خاں نے شہزادوں کو اپنے ساتھ لے کر معزالدین کے خیمہ کے قریب ہی اپنا دربار لگایا اس کا دربار شاہی دربار سے کچھ کم نہ تھا۔ یہ واقعہ ۱۱۲۴ھ کا ہے۔ دوسرے دن ذوالفقار خاں نے عظیم الشان پر حملہ کر دیا۔گھمسان کی جنگ شروع ہوئی لیکن جلد ہی جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ عظیم الشان کی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور وہ خود موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔حیرت کی بات تو یہ ہے کہ تلاش وجستجو کے بعد بھی اس کی لاش کا کہیں نام ونشان تک نہ ملا۔ تفصیل اس واقعہ کی یوں درج کی گئی ہے۔

”پہلے روز دشمن کی طرف سے حملہ زور دار نہ تھا۔ سات روز تک صرف عظیم الشان کے خیمہ میں توپوں کی گولہ باری ہوتی رہی۔ ادھر سے بھی ایسا ہی جواب ملتا۔ سات دن گذر جانے کے بعد نعمت اللہ خاں، عزیز خاں، دیا بہادر ناگر، راجہ محکم سنگھ کھتری، راجہ راج سنگھ بہادر اور شاہنواز خاں نے بیک زبان بادشاہ سے عرض کیا کہ دشمنوں کی تعداد اتنی ہے کہ ایک ہی حملہ میں ان کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ لہٰذا تاخیر نہ کی جائے۔ لیکن بادشاہ نے جواب دیا کہ توقف کرو۔ مجبوراً تعمیل حکم ہوئی۔ عظیم الشان کو اس بات کا زعم تھا کہ چورامن جاٹ اور بنجارہ نے غلہ ارزاں کر دیا۔ لہٰذا مخالف مفلسی سے جابر نہ ہو سکیں گے۔ اس وجہ سے جنگ کو ٹالتا رہا اور سپاہ کے داد و دہش میں اس وجہ سے بخل کرنا چاہتا تھا کہ جو خزانے اس نے جمع کئے تھے وہ ان کو اپنے ہمراہ قبر میں لے جانا چاہتا تھا۔ جب بھی کسی نے یورش کا مشورہ دیا جواب یہی ملا۔ صبر کرو آٹھویں روز ذوالفقار خاں نے تینوں شہزادوں کو ہمراہ لے کر لاہور سے لائی ہوئی توپوں کو بلند زمین پر نصب کیا اور عظیم الشان کے خیمے میں برابر گولوں کی بارش کرتا رہا۔ لاہور کی سڑک غالباً اسی دن کے لئے صاف کی گئی تھی۔ چنانچہ عظیم الشان کے سپاہیوں نے غنیمت جان کر راہ فرار اختیار کی۔ سپاہیوں کی اس بزدلی سے دیا بہادر ناگر، اور راجہ محکم سنگھ بہادر نے خفت محسوس کی۔ دونوں دست بستہ عظیم الشان کے روبرو حاضر ہوئے اور فریاد کی کہ اب ہم کو تاب خفت نہیں۔ حضور حکم دیں تاکہ ہم دشمنوں کے دانت کھٹے کر سکیں۔ پھر بھی یہی حکم ہوا کہ ٹھہرو۔ اس جواب سے دونوں کو سخت صدمہ ہوا۔ لیکن خاموش تماشائی بننے کی بجائے ان کے منہ میں جو آیا بادشاہ کو کہہ سنایا اور مخالفوں سے جا بھڑے۔ دشمنوں کو شکست ہوئی اور بلندی پر پہنچ کر انکی توپیں چھین لیں دشمن اس غیر متوقع حملہ کیلئے تیار نہ تھے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن اس کے باوجود بادشاہ نے ان کی اعانت نہ کی۔ بلکہ اس نے اپنا قراول بھیج کر

ان سپاہیوں کو بلا بھیجا جو دشمنوں کی صفیں چیر کر آگے بڑھ گئے تھے۔ سپہ سالار ذوالفقار خاں اور رستم دل خاں نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے ہندو راجاؤں پر حملہ کر دیا۔ سخت آویزش ہوئی۔ لیکن دونوں راجہ سخت زخمی ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے ہمراہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ لاہور کی طرف بھاگے۔ اس وقت سلیمان خاں پنی برادر داؤد خاں ہزاروں گھوڑوں سمیت ان کی مدد کو میدان جنگ میں پہنچا ہی تھا کہ وہ تیر و بندوق کا نشانہ بن گیا۔ اس کی لاش فاتحین کے پاس بھیج دی گئی۔

عظیم الشان کا ہاتھی

عظیم الشان کے پاس ساٹھ ستر ہزار گھوڑے تھے لیکن اب اس کے پاس چند ہاتھیوں اور دس بارہ ہزار گھوڑوں کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ اور جب شام ہوتے ہوتے عظیم الشان خیمہ میں داخل ہوا تو ان میں سے بھی اکثر ہاتھی گھوڑے شہر بھیج دیئے گئے تھے۔ اب اس کے ہمراہ دو تین ہزار گھوڑے سوار سے زیادہ نہ رہے۔ اتنی تھوڑی سی فوج کی مدد سے جب وہ دشمن پر حملہ کرنے کی غرض سے ہاتھی پر بیٹھا ہی چاہتا تھا کہ ہاتھی بھر گیا فیل بان نے اس پر قابو پانے کی بہتیری کوشش کی مگر اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ لا محالہ اس کو دوسرے ہاتھی پر سوار ہونا پڑا اس عرصہ میں اس کے مزید سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب اس کے ساتھ صرف نعمت اللہ خاں معہ دس سوار، امین الدولہ معہ بیس سوار اور راجہ راج سنگھ معہ ہزار سوار کے موجود تھے۔ ان ہی کو ہمراہ لے کر عظیم الشان میدان جنگ میں آیا۔ قسمت کی خوبی دیکھیے کہ عین اسی وقت باد تند سے فضا گرد آلود ہو گئی۔ دریائے راوی کی ریت اڑ اڑ کر سپاہیوں کی آنکھوں میں گھسنے لگی۔ ایک طرف سنگ ریزوں سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئی تھیں اور دوسری طرف دشمنوں کی توپوں کی باڑ سے کان بہرے ہو گئے تھے۔ دشمن کے سپاہیوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ عظیم الشان چونکہ گرد آلود فضا میں کہیں نظر نہ آتا تھا اس لئے دشمن خزانہ لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ چند ہی لمحے بعد ایک گولہ نیک ڈنبر سواری پر گرا جس پر عظیم الشان سوار تھا تکیہ میں آگ لگ گئی اور دھویں کے بادل اٹھنے لگے شہزادے نے اپنی جان بچانے کی غرض سے تکیہ کو نیچے گرا دیا امین الدولہ نے جب یہ حالت دیکھی تو پوچھا "خیریت تو ہے؟" عظیم الشان نے جواب دیا، ہاں: یہ سن کر امین الدولہ سسکیاں بھرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے عظیم الشان نے اسکی بزدلی پر لعنت ملامت کی اور استقلال و پامردی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا حکم دیا امین الدولہ نے کہا "استقلال کی باتیں نہ کیجئے۔ ہماری امیدوں کی ناؤ گرداب میں پھنس گئی ہے اور کسی دم میں

وہ غرق آب ہو جائے گی۔ اب سر پھوڑنے کے علاوہ میرے لئے کوئی چارہ نہیں رہ گیا ہے۔ ہم نے جب بھی پیش قدمی کرنے کی درخواست کی آپ کی طرف سے یہی جواب ملا "ٹھہرو" اس میں حضرت کی بھی کیا خطا۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حضور ہاتھی کے بجائے گھوڑے پر سوار ہوں اور ہمارے ساتھ بنگالہ کا رخ کریں۔ وہاں حضور کے اعزہ، احباب اور رفقا موجود ہیں یا پھر دکن چلیں جہاں داؤد خاں جیسا آپ کا وفادار خادم موجود ہے۔ مزید غور و فکر میں تباہی و بربادی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ہم بنگالہ کا رخ کریں۔ وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہاں دم لے کر فوج کو اکھٹا کر کے اور مضبوط ہو کر پھر حملہ آور ہو سکتے ہیں"

عظیم الشان نے جواب دیا "تسلیم کہ جو کچھ تم نے کہا لیکن کیا بھول گئے کہ اپنی شکست اور پسپائی کے بعد دارا شکوہ نے کیا کیا؟ شجاع کی باتیں بھی یاد کرو[1]۔ اگر سلطنت تقدیر میں ہے تو ہم فتحیاب ہو کر رہیں گے"

یہ سن کر امین الدولہ نے صرف اتنا کہا کہ میرے پاس کل بیس سوار ہیں۔ اور باقی نے راہ فرار اختیار کر لی ہے"

عظیم الشان نے کہا "بہت خوب بیس میں سے دس مجھے دیدو تاکہ میں معز الدین کے خلاف حملہ آور ہو سکوں اور باقی نصف کو لے کر تم "ناخجستہ اختر"[2] پر ہلہ بول دو" ان الفاظ کو سن کر امین الدولہ کا پارہ چڑھنے ہی والا تھا کہ عقب سے خواجہ حسن (بعد میں خانِ دوراں کے نام سے مشہور ہوا) کی آواز سنائی دی "میں بنگالہ کا رخ کر رہا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ سب ساتھ چلیں"

"نہیں" امین الدولہ نے جواب دیا "جب تک عظیم الشان زندہ ہے۔ میں اس سے جدا نہیں ہو سکتا" مشکل سے یہ جملہ پورا ہوا تھا کہ توپ کا ایک بھاری گولہ عظیم الشان کے ہاتھی کے خرطوم میں لگا۔ وہ پاگل کی طرح بھاگا۔ اس کا رخ پانی کی طرف تھا۔ اس کی چال میں بجلی سما گئی تھی اور غصہ میں طوفان کی شورش انگیزی تھی۔ نیل بان زمین پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی جلیل خاں لودھی[3] جو عظیم الشان کی پشت کی طرف بیٹھا تھا فوراً رسیاں پکڑ کر نیچے کود پڑا اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ متعدد لوگوں نے ہاتھی کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ امین الدولہ بھی ناکام ثابت ہوا۔ چند ثانیہ کے اندر ہاتھی پانی میں کود پڑا اور چشم زدن میں

---

[1] اورنگ زیب کے ان دو بیٹوں کو تو ایسی شکست ہوئی کہ وہ ہمیشہ کے لئے زیر زمین دفن ہو گئے۔

[2] لفظ خجستہ اختر کے معنی ہیں خوش قسمت ستارا۔ لیکن عظیم الشان نے "نا" شامل کر کے معنی کو بالکل بدل دیا۔

[3] جلیل خاں اس خاندان لودھی کا فرد تھا جن کے ہاتھوں میں کبھی ہندوستان کی (باقی ص۳۵ پر)

نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ امین الدولہ نے قریب آکر پانی میں غیر معمولی حرکت دیکھی پھر وہاں لہروں نے ہاتھی کی طرح چنگھاڑا مگر اس کو ہاتھی نظر نہ آیا چنانچہ اس کو یقین ہو چلا کہ ہاتھی عظیم الشان سمیت لہروں کی نذر ہو گیا ہے اس خیال کے آتے ہی وہ فوراً بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن گرفتار کر لیا گیا اور شاہ جہاں آباد کے قلعہ کے قریب ہی اس کو نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن جب فرخ سیر نے معز الدین پر فتح حاصل کی تو اس نے محمد یار خاں قلعہ دار شاہجہاں آباد کے نام اس کی رہائی کا حکمنامہ جاری کر دیا۔ چنانچہ رہائی کے بعد وہ مراتب عالی پر فائز ہوا۔

اس فتح و نصرت کے بعد معز الدین کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اس نے اپنے بھائیوں اور ذوالفقار خاں سے جو وعدے کئے تھے وہ یاد نہ رہے۔ بلکہ وہ پورے ملک کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھنے لگا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کے دل میں برتری اور فوقیت کا جذبہ پیدا ہوا اور اپنے بھائیوں کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تینوں بھائیوں کے درمیان تیر و تفنگ کی نوبت پہنچ گئی اس نااتفاقی اور خون خرابے کا سبب محض شاہی خزانے کی تقسیم تھا۔ شاہی خزانے میں ایک سو اسی ارابہ خزانہ تھا۔ جس میں اسی ارابہ اشرفی اور سو ارابہ روپیہ خجستہ اختر کے قبضہ میں تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ تینوں میں یہ حصہ برابر برابر تقسیم ہو لیکن ذوالفقار خاں نے فیصلہ کیا کہ پانچ حصوں میں سے تین حصہ معز الدین کو اور باقی دو حصے دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوں اس فیصلے سے فضا اور ناخوشگوار ہو گئی۔ خجستہ اختر نے تاج پوشی کا ارادہ کیا اور اسی مقصد کے تحت اس نے جہاں شاہ کا لقب بھی اختیار کیا اس کے ساتھ رحمت خاں امیر خاں اور رستم دل خاں جیسے امرا تھے جنھوں نے معز الدین کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ قتل و غارتگری اور کشت و خون کا بازار ایسا گرم ہوا کہ ہر دو فریق کے سپاہیوں کی آنکھوں میں نفرت و حقارت کا لاوا بکنے لگا۔ تین روز تک میدان کارزار گرم رہا۔ چوتھے روز جہاں شاہ کا زوال یقین میں بدل گیا۔ آخری روز اس نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا اور ہرکاروں کو تاکید کر دی۔ کہ معز الدین جب اپنی فوج کو لے کر خیمہ میں داخل ہو اور گھوڑوں پر سے زین اور لگام اتار دی جائیں تو مجھے فوراً اطلاع دی جائے۔ چنانچہ ہرکارے تعمیل حکم میں مصروف ہو گئے۔ جونہی ہرکاروں نے معز الدین کو لشکر سمیت خیمہ میں داخل ہوتے دیکھا اور گھوڑوں کو زین اور لگام سے آزاد کر دیا گیا جہاں شاہ کو فوراً اسکی اطلاع

بقیہ صفحہ گذشتہ :-

حکومت تھی ہاتھی کی پشت پر بادشاہ کے عقب میں صرف صاحب اقتدار یا اعلیٰ منصب دار ہی بیٹھتے تھے صوبہ میں یہ نشست دیوان کے لئے مخصوص تھی جس کے ایک ہاتھ میں مورچھل ہوا کرتا تھا۔

دیدی گئی۔ اس نے لشکر سمیت معزالدین پر حملہ کر دیا۔

معزالدین کے خلاف غیر متوقع حملہ

تھوڑی دیر کے کشت و خون کے بعد چاروں طرف انتشار پھیل گیا۔ حملہ اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ معزالدین کے رفیقوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اسی اثنا میں لال کنور نے جو جہاں دار شاہ کے ملازمین خواص میں تھی اور ہر وقت اسی کے ساتھ رہتی تھی ہاتھی پر سوار ہو گئی اور آگے بڑھی لیکن وہ رستم دل خاں کے ہاتھوں پکڑی گئی۔ شدۂ مروارید جو اس کے ازار بند میں بندھا تھا۔ اس کو کھولنے میں رستم دل خاں اتنا معروف ہوا کہ اس نے لال کنور کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ اسی اثنا میں جہاں دار شاہ (معزالدین) نے دوسری عماری میں جس میں ڈنبر نہ تھا چھپ کر سفید چاندنی اوڑھ لی اور فیل بان کو حکم دیا کہ اس کی سواری زنانہ کے بہانے یا کسی امیر مقتول کے حیلے سے باہر لے جائے اور کسی طرح ذوالفقار خاں تک پہنچا دے چنانچہ اس نے جہاندار شاہ کو ذوالفقار خاں سپہ سالار تک پہنچا دیا۔ اسی اثنا میں جہاں شاہ کے لشکر نے فتح کے شادیانے بجائے۔ جہاندار شاہ کو اس حال میں دیکھ کر ذوالفقار خاں حیران رہ گیا۔

چونکہ شام ہو گئی تھی اور چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اس نے برقندازوں کو طلب کیا اور ان پر سونا نچھاور کرتے ہوئے فرمایا۔

"اب تم لوگوں سے اہم خدمت لینے کا وقت آ گیا ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دیدیا تو میں سبھوں کو مالا مال کر دوں گا۔ دیکھو اس وقت جہاں شاہ اپنے لشکروں اور افسروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے نذرانے قبول کرنے میں مصروف ہے تم لوگوں میں سے تین چار سو نفر مع سردار کے نذرانے پیش کرنے کے بہانے وہاں پہنچ جاؤ اور تم سب مل کر جہاں شاہ کو موت کے گھاٹ اتار دو:"

خجستہ اختر جہاں شاہ کا خاتمہ

اتنا کہنا تھا کہ تین چار سو نفر سردار سمیت جہاں شاہ کے حضور میں جہاں دو تین سو آدمی نذرانے پیش کرنے میں مصروف تھے پہنچ گئے۔ جہاں شاہ اس وقت اپنے آدمیوں سے کچھ کہہ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جہاندار شاہ کے خیمے کی طرف نگاہ بھی کرتا جاتا تھا۔ عین اسی وقت ذوالفقار خاں کے آدمیوں نے اس کو گولی کا ایسا نشانہ بنایا کہ اس کی لاش خاک و خون میں لت پت تڑپنے لگی اور اس طرح جہاندار شاہ فاتح و کامران ہوا۔ وہ اس غیر متوقع فتح و نصرت کی خبر پا کر اپنی معشوقہ لال کنور کے ہمراہ دولت خانے میں داخل ہوا اور ساری رات اس کے ساتھ عیش کوشی اور شراب نوشی میں گذار دی۔

صبح ہوئی تو رفیع القدر نے اپنے خاص خواجہ سرا کو جہاندار شاہ کے پاس اس ناگہانی فتح کی مبارکباد دینے کے لئے بھیجا۔ لیکن فاتح جہاندار شاہ تو رات بھر عیش و نشاط میں ایسا مست رہا تھا کہ اسکی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ بستر استراحت پر دراز تھا۔ خواجہ سرایانِ شاہی نے رفیع القدر کے خواجہ سرا سے استہزا کیا اور کہا "اجی تم تو بڑے احمق معلوم ہوتے ہو کہ پیغام تہنیت لے کر آئے ہو۔ عظیم الشان اور جہاں شاہ کے انجام سے تمہارے مالک کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اس کے لئے یہ ایک قسم کا انتباہ ہے۔" خواجہ سرا اپنے آقا کی غلطی پر نادم ہوا اور فوراً واپس چلا گیا اور رفیع القدر سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر رفیع القدر کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر آمادۂ پیکار ہوا اور خود مسلح ہو کر رفیقوں کے ہمراہ دربار میں آپہنچا۔ ذوالفقار خاں کو جب یہ خبر ملی اس نے فوراً لشکر کو تیار رہنے کا حکم دیا اور خواجہ سرا معتمد سے کہا کہ جیسے بھی ہو جہاندار شاہ کو محفل عیش و نشاط سے باہر لائے اور اس کو کسی طرح ہاتھی پر سوار کر دے۔

جہاں دار شاہ کی رحلت

جہاندار شاہ اس وقت عالم خمار میں تھا۔ سر پہ نہ پگڑی تھی نہ ٹوپی۔ جسم پر کپڑے بھی بے ترتیب تھے۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ آخر کار وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس کو کسی طرح ہاتھی پر سوار کیا اور اس حالت میں میدانِ کارزار تک لایا گیا۔ اس وقت ذوالفقار خاں سپہ سالار مع امرا وغیرہ رفیع القدر کے مقابل کھڑا تھا رفیع القدر نے غنیم کی طرف گھوڑا دوڑا دیا اور صفیں چیر کر اندر گھس گیا۔ اس کا جسم زخموں سے چور چور ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے تلوار نہ کھینچی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے بیشتر سپاہی اور رفقاء دم توڑ چکے ہیں اور وہ خود اکیلا میدان کارزار میں ہے تو وہ ہاتھوں پر سپر اور شمشیر لے کر ہاتھی کی پشت پر سے کود پڑا اور آخر کار داد شجاعت لے کر جان بحق ہو گیا۔

معز الدین جہاندار شاہ جب ملک کا فرماں روا بن گیا تو اس نے تمام صوبہ جات میں فرامین صادر فرمائے اور خود لاہور سے مراجعت کر کے شاہجہاں آباد آ گیا۔ ۱۴ جمادی الاول روز یکشنبہ ۱۱۲۴ھ میں تین گھڑی دن رہے وہ اس شہر میں شاہانہ جاہ و جلال اور طمطراق کے ساتھ باؤلی کے راستے سے آیا۔ محمد یار خاں صوبہ دار شاہجہاں آباد نے اس کا شایانِ شان استقبال کیا۔ چار روز گزر جانے کے بعد جب آفتاب نصف النہار پر تھا کہ شہنشاہ داخل قلعہ ہوا اور شاہی محل پر قابض ہو گیا۔

آصف الدولہ اور اسد خاں بدستور وکیل المطلق کے عہدے پر فائز رہا اور ذوالفقار خاں کو وزارت کا منصب سپرد کیا گیا۔ منصب کی تقسیم کے بعد جہاندار شاہ نے اپنے ہاتھوں کو خون سے آلودہ کیا

یعنی جب سلطان کریم الدین ولد عظیم الشان۔ ہدایت خاں کیش کی کوششوں سے شہنشاہ کے حضور میں قید ہو کر آیا فوراً اس کو تہہ تیغ کرنے کا حکم صادر کیا گیا اعظم شاہ کے دیگر شہزادوں اور محمد کام بخش پر نگاہ کرم کی گئی لیکن ان شہزادوں کو جو شورش انگیزی میں مبتلا نہ تھے بلکہ جو خاموش زندگی گزار رہے تھے فوراً گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا ان کے نام یہ ہیں: عالی تبار ولد اعظم شاہ اور محمد کام بخش کی اولادیں محمد محی السنہ اور محمد فیروز۔ تیسرے شہزادے کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

اعزاز و اکرام کی بارش

ان حد بندیوں سے فرصت ملی تو شہنشاہ اپنے اعزا و اقربا کو اعزاز و اکرام سے نوازنے اور احباب کو اقتدار اور اعلیٰ مراتب دینے کی طرف مائل ہوا اس نے اپنے برادر رضاعی گوکل تاش خاں کو خان جہاں بہادر کا خطاب دیا اور خود اس کی معشوقہ لال کنور امتیاز محل بیگم بن گئیں۔ ساتھ ہی اس کو یہ عزت بھی بخشی گئی کہ وہ شہنشاہ کے ساتھ ایک ہی ہاتھی پر سوار ہو کرے گی۔ یہ اعزاز صرف شاہی افراد کو نصیب ہوا کرتا تھا۔ لال کنور کے ساتھ ساتھ شہنشاہ نے اپنے برادر رضاعی کو امیر الامرا جیسے اعلیٰ خطاب سے نوازا۔ وہ گوکلتاش پر اس حد تک مہربان تھا کہ روزانہ اس کے اقتدار میں اضافہ کرتا رہتا۔ لال کنور کے عشق کا جادو بھی شہنشاہ کے دل و دماغ پر اس حد تک سرائت کر گیا تھا کہ اس کے بھائی خوشحال خاں کو ہفت ہزاری اور دوسرے بھائی نعمت خاں کو پنج ہزاری کے رتبے تک پہنچا دیا۔ وہ اس جود و سخا سے بھی مطمئن نہ ہوا تو اس نے ایک معزز امیر کو اکبر آباد کی صوبہ داری سے معطل کر کے خوشحال خاں کو صوبیدار بنانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس نامعلوم شخص کو اس مرتبہ تک پہنچانے اور شہنشاہ کی جانب داری نے دربار میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ذوالفقار خاں نے سند جاری کی اور لطیفہ کے طور پر درخواست حق التحریر کی کہ پانچ ہزار دہل اور سات ہزار طنبور پیش کیے جائیں۔ خوشحال خاں کو اس تمسخر سے صدمہ پہنچا چنانچہ اس نے اپنی بہن کی معرفت اس کی اطلاع شہنشاہ کو دیدی۔ شہنشاہ اگرچہ ذوالفقار خاں کا سراپا ممنون تھا لیکن جب لال کنور نے اس استہزا کی اطلاع دی تو اس نے سپہ سالار کو جو اب وزیر تھا اپنے روبرو طلب کیا اور دھیمے لہجے میں اس سے خوشحال خاں کی سفارش کی اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تم نے دہل اور طنبور کی درخواست ازراہ مذاق کی ہے لیکن وزیر الممالک نے کہا "حضور اسے مذاق یا شوخی تصور نہ فرمائیں بلکہ حقیقت ہے بندوبست امور سلطنت خانہ زادانِ موروثی کا کام ہے مگر قوال اور رقاصوں کی رعائت ڈھب سے کرنا چاہیئے۔ جب کلاونت صوبہ داری کے فرائض انجام دیں گے تو خانہ زادانِ موروثی کس مرض کی دوا ہیں کام آئیں گے۔ میں نے خوشحال خاں سے محض اس مقصد کے تحت اتنے ہزار دہل اور طنبورہ

طلب کئے تھے تاکہ معزول شدہ صوبہ داروں اور سپہ سالاروں میں تقسیم کردوں کیونکہ ان کو بھی اسی طرح جینے کا حق ہے جس طرح دوسروں کو ۔"

یہ جواب سن کر معزالدین جہاندار شاہ نے شرم و ندامت کے مارے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

اس کے باوجود حالات میں ذرا بھی تبدیلی نہ آئی اور غالباً اسی پرانے ڈھب سے حکومت کا کام چلتا رہتا اگر اسی اثنا میں ایک عجیب و غریب واقعہ رونما نہ ہوتا جس نے شہنشاہ کی آنکھیں کھولدیں

لال کنور رقاصہ کی دوگانہ بہن زہرہ

لال کنور نے زہرہ نامی ایک کنجڑن کو اپنی بہ اعتقاد ہند دوگانہ بہن بنایا تھا اس کو بھی لال کنور کی وجہ سے شاہی محل میں اتنا عروج حاصل ہوا کہ وہ مادہ فیل پر سوار حرم سرائے شاہی میں لال کنور سے ملنے کے لئے آمد و رفت کرنے لگی۔ لال کنور کی قربت شاہی کی وجہ سے شاہی محل میں زہرہ کنجڑن کو بھی برابر اعزاز و اکرام سے نوازا جانے لگا۔ شاہی محل میں وہ بڑے ٹھاٹ سے حرم سرا تک بے خوف و خطر چلی جاتی۔ یہ اعزاز صرف شاہزادیوں یا بادشاہی خاندان کی بیگمات کو ملا کرتا تھا اس کے اس ٹھاٹ باٹ سے اندرونِ محل میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اس کے ساتھ جو ہمراہی ہوا کرتے تھے وہ بھی اپنی حد سے گذر کر ضعیف عورتوں پر طعنے کستے۔ اسی شہر میں فتح خاں ولد غازی الدین خاں فیروز جنگ تورانی رہتا تھا۔ جو عہد عالمگیری میں سپہ سالار، صاحب اقتدار اور مورد الطاف شہریار تھا اور جو ذوالفقار خاں کے علاوہ کسی اور کو ہم مرتبہ نہیں سمجھتا تھا۔ عالمگیر کی رحلت کے بعد وہ دربار سے نکل کر گوشہ گزیں ہوگیا۔ البتہ کبھی کبھی علماء سے ملنے جلنے خلوت سے نکل کر جلوت میں چلا جایا کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ کسی عالم سے ملنے جا رہا تھا کہ راہ میں زہرہ کنجڑن کی سواری ملی۔ اس نے بکمال ہوشیاری اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ زہرہ کی سواری کے قریب نہ جائیں کیونکہ وہ اس کی اور اس کے آدمیوں کی ذلیل حرکتوں سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ لیکن زہرہ کے ہمراہیوں نے عادتاً اور فطرتاً فتح خاں کے آدمیوں کو نشانہ طعن و تشنیع بنایا۔ یہ دیکھ کر فتح خاں کا غصہ کے مارے برا حال ہوا لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اتنے میں زہرہ کی سواری نزدیک آگئی اور اس کا ہاتھی فتح خاں کے برابر آگیا۔ تو اس نے دریافت کیا کہ سواری کس کی ہے لوگوں نے جواب دیا کہ چین قلیچ خاں کی۔ یہ سن کر اس نے پردہ اٹھایا اور بلند آواز سے کہا۔" قلیچ خاں آج مجھے معلوم ہوا کہ ولد کور تو ہی ہے"۔ ان الفاظ کو سن کر فتح خاں فیل مست کی طرح بپھر گیا۔ اس نے فوراً اپنے لوگوں

کو اس توہین کا انتقام لینے کا اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے پاتے ہی اس کے لوگوں نے زہرہ کنجڑن کو زدوکوب کرکے ہاتھی سے گرا دیا۔ اس واقعہ کے بعد فوراً فتح خاں کو ہوش آیا کہ اس نے اپنے لیئے زبردست خطرہ مول لیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ مڑا اور ذوالفقار خاں کے گھر گیا۔ حالانکہ عالمگیر کی وفات کے بعد وہ اب تک ذوالفقار خاں سے نہیں ملا تھا فتح خاں کی اچانک تشریف آوری پر ذوالفقار خاں کو سخت حیرت ہوئی۔ فتح خاں نے مفصل ماجرا بیان کیا۔ ذوالفقار خاں نے واقعہ کی تفصیل سنی تو اسکی دل جوئی کی اور اس کی ہمت وجرأت کی تعریف کی اور اسے اطیمنان دلایا کہ جو ناخوشگوار واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے وہ اس سے شہنشاہ کو مطلع کر دے گا۔

فتح خاں وہاں سے رخصت ہوا تو ذوالفقار خاں نے یہ مختصر سی تحریر شہنشاہ کے حضور میں روانہ کی۔

"سلطنت کے ہر امیر اور ہر پرجا کی عزت وناموس بے حد عزیز ہے۔ حضور کا وفادار خادم، چین قلیچ خاں سے متحد و متفق ہے"

شہنشاہ کے حضور میں اس تحریر کا پہنچ جانا بہت ضروری تھا۔ ابھی زہرہ کنجڑن محل کے پھاٹک کے پاس پہنچ کر آہ وزاری کر ہی رہی تھی اور لال کنور اس حادثہ کے نشیب و فراز سے شہنشاہ کو فتح خاں کے خلاف مشتعل کر ہی رہی تھی کہ ذوالفقار خاں کی تحریر اس کے ہاتھوں میں پہنچی۔

لال کنور کے بھائی کا عشق

قریب تھا کہ کوئی شاہی فرمان جاری ہو اس عرصہ میں لال کنور کا بھائی ذوالفقار خاں کے ہمسایہ کی ایک عورت کے عشق میں ناکام ہوگیا اور اس کی پردہ ریزی کرنے پر تل گیا۔ اس کا شوہر گریہ وزاری کرتا ہوا، ذوالفقار خاں کے پاس پہنچ گیا۔ ذوالفقار خاں جو عدل وانصاف کا پیکر اور شجاعت ودلاوری میں یکتا تھا اس نازیبا حرکت سے بیحد متاثر ہوا۔ وہ اس واقعہ سے اس حدتک مشتعل ہوا کہ فوراً اپنی نشست سے اٹھا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ خوشحال خاں کو کشاں کشاں حاضر کیا جائے۔ اس حکم کے اجرار کے فوراً بعد خوشحال خاں کو خان عادل کے حضور میں لایا گیا اور اس عالم اشتعال میں اس نے زدوکوب کا حکم دیا تا کہ اس کا سارا غرور اتر جائے۔ اس کے بعد اس کو سلیم گڈھ بھیج کر قید کر دیا۔ اس نے اس کی ساری جائیداد کی ضبطی کا حکم بھی نافذ کیا۔

اس واقعہ کے بعد بادشاہ اور وزیر کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ لیکن بادشاہ اس کے خلاف کوئی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا جو خود اس کا زوال کا باعث بن جائے۔ وہ اپنے وزیر کا سراپا ممنون احسان تھا۔ کیونکہ اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے نہ صرف اس کی جان بچ گئی تھی بلکہ یہ تخت و تاج بھی اسی کی بدولت اس کو ملے تھے ــــ اور پھر ایسے حالات میں جبکہ سلطنت کے مشرقی صوبوں میں انتشار برپا تھا۔ بادشاہ نے کوئی قدم اٹھانے سے گریز کیا۔

بنگالہ ـ سلطنت کا مشرقی صوبہ

سلطنت کے مشرقی صوبہ بنگال سے شہنشاہ کو سب سے زیادہ مال و زر ملتا تھا اور اسی وجہ سے اس کی دیوانی سارے ملک میں بہت اہم خیال کی جاتی تھی اس لئے عہد عالمگیری سے جعفر خاں صوبہ بنگالہ کی دیوانی پر مقرر تھا اسی زمانے میں عظیم الشان ناظم صوبہ بنگالہ، بہادر شاہ صوبہ دار اڑیسہ، بنگالہ، عظیم آباد اور الہ آباد کا تھا اور حسب تحریر سابق کے صوبۂ عظیم آباد و الہ آباد حسن علی خاں اور عبید اللہ خاں کو اور صوبہ اڑیسہ و بنگالہ علاوہ دیوانی کے جعفر خاں کو دیئے تھے لیکن اورنگ زیب کی رحلت کے بعد شہزادہ جب اپنے باپ بہادر شاہ کی مدد کو جانے لگا تو اس نے اپنے لڑکے فرخ سیر کو مع بعض حرم سرا اور اسباب وغیرہ کے چند منصب داروں کے ہمراہ اکبر نگر عرف راج محل میں بھیجا (راج محل گنگا کنارے اس محل کا نام ہے جسے اورنگ زیب کے بھائی سلطان شجاع نے تعمیر کروایا تھا) شہزادہ عظیم الشان اپنے باپ بہادر شاہ کی بہت عزت و توقیر کرتا تھا اس لئے وہ مال و دولت اور ان تمام اسباب سے جو فرخ سیر کے حوالے کئے تھے غافل رہا یہاں تک کہ لاہور میں اسکی وفات ہو گئی۔ معز الدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جعفر خاں کو تحریر فرمایا کہ فرخ سیر کو اسیر کر کے دربار بھیجا جائے۔ اس تحریر سے جعفر خاں کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ وہ شہزادے کے باپ کا سراپا ممنون تھا۔ چنانچہ اپنے ایک معتبر شخص کو اس نے بلایا اور مشورہ کیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ شہزادہ کو فوراً ملک چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی چاہیئے۔ خیر واقعہ جو بھی ہو اتنی بات درست ہے کہ فرخ سیر نے راج محل میں مزید قیام کر کے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ حسین علی خان ناظم صوبہ عظیم آباد مرد بہادر اور خاندان نجابت سے ہے۔ اپنے خاندان سمیت مایوس و نامراد راج محل سے عظیم آباد آ گیا۔ شہر میں داخل ہونے کی بجائے اس نے جعفر خاں کے باغ کے قریب جو لب دریا واقع تھا ایک کاروان سرائے میں قیام کیا وہیں سے اس نے حسین علی خاں کی خدمت

میں بہ کمالِ عجز و نیاز ایک پیغام بھیجا۔ جس میں اس نے اپنی بے بسی و بے کسی ظاہر کی۔ ناظم عظیم آباد کو چونکہ بادشاہ ہند اور ذوالفقار خاں کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ تھی اور وہ فرخ سیر کی کھل کر مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے اس نے انکار کر کے کہا۔

"دربار کی طرف سے مجھے جو فرمان ملا ہے وہ تمہارے حق میں نہیں ہے لیکن حق نمک کا پاس ہے اس لئے میں فرمان کے مطابق تم کو گرفتار نہیں کر سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم صوبے سے کہیں باہر نکل جاؤ۔ بندہ کسی حیلے سے خود کو شاہی قہر و غضب سے بچائے گا۔"

لیکن جلوس فرخ سیر کے بعد جو حال تحریر کیا گیا ہے وہ قطعی مختلف ہے۔ بہر حال میں اس کو بھی بیان کروں گا۔ بموجب روایت اول کے یہ ہے کہ احمد بیگ مخاطب بہ غازی الدین خاں کو شہ نے دربار میں آکر جو اپنے حسن بیان کی وجہ سے کافی مشہور تھا حسن علی خاں کو فرخ سیر سے ملاقات کرنے پر رضا مند کر لیا۔ فرخ سیر اس سے اس خندہ پیشانی اور محبت سے ملا کہ اس سے پہلے کسی آقا نے اپنے خادم سے ایسا سلوک نہیں کیا ہوگا وہ بعد انکسار و احترام اپنی نشست سے اٹھ گیا اور اس کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اس کے بعد اس نے اپنی مایوسی و نامرادی تکلیف و مصیبت اور خوف و ہراس بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میں اس حد تک خوف زدہ ہوں کہ مجھے میرا انجام اپنے بھائی سلطان کریم الدین جیسا نظر آرہا ہے۔ اگر مجھے کہیں سے کوئی مدد نہ ملی اور میری حفاظت نہ کی گئی تو موت لازمی ہے۔ اس کی زبان سے یہ دل ہلا دینے والے الفاظ ابھی ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ پردہ حرم سرا کے پیچھے سے خواتین دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں ساتھ ہی شہزادے کی سب سے چھوٹی لڑکی ملکہ زمانی پردہ حرم سے نکل کر ناظم حسن علی خاں کی گود میں بیٹھ گئی اور کمال شیریں بیانی سے اپنے باپ کی مدد خواہ ہوئی اور اسکی تعریف میں قصیدے بیان کرتی ہوئی بولی۔

"یہ حقیقت ہے کہ تم بڑے شجاع اور مردِ نامور ہو لیکن اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ تم پر عظیم الشان کے ان گنت احسانات ہیں لہٰذا میرے باپ کی مدد کرنا تم پر واجب ہے اور اگر تم نے کوئی اور قدم اٹھایا تو قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو پیش آئے گا لیکن خلق اللہ تم کو کیا کہے گی۔"

دیگر محرمان نے بھی پردہ حرم کے اندر اور باہر سے اسی قسم کی التجائیں کیں انکی سسکیوں اور

آہ و فغاں سے ساری فضا مغموم ہوگئی۔

حسن علی خاں کو خلعت خاص کا تحفہ

فرخ سیر کہ جس نے حسن علی خاں کو خلعت خاص پہنایا تھا اب اپنی نشست سے اٹھ کر شمشیر خاصہ بھی اس کی کمر میں باندھ دی۔ اس غیر متوقعہ منظر کو دیکھ کر حسن علی خاں کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ سارے شکوک وشبہات اور اندیشے بھول گیا اور عاجزی وانکساری سے عرض کیا۔

" جو کچھ حضور سے میرے حق میں صادر ہوا شانِ خداوندی سے بعید ہے۔ اس وقت بجز اس سر کے میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ حضور کی خدمت میں پیش کرسکوں یہ شمشیر کہ جو حضور نے میری کمر میں باندھی ہے اسے پاکر میں اپنی زندگی کو خدا حافظ کہہ چکا ہوں۔ غلام کی یہ زندگی اب حضور کے لئے وقف ہے حضور حکم صادر فرمائیے کہ میں میدان جنگ میں کود پڑوں۔ فوج اور سامان جمع کرنے اور میدانِ جنگ کی طرف یلغار کرنے کا وقت آگیا ہے۔ جلوس فرمائیے اور دشمن کو مہلت نہ دیجئے۔ مقدر کی تحریر امٹ ہے جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا "

بہ بینم کہ تا کردگار جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں

اس کے بعد حسن علی خاں کے حکم کے مطابق ہر ایک چھوٹا بڑا جان ومال سمیت حاضر درگاہ ہوا۔ اس حال کے دیکھتے ہی منجم اور رمال نے بھی حاضر حضور ہو کر نوید سلطنت دی علمار نے بھی بیک زبان شہزادے کی خوش بختی کی دعائیں مانگیں۔ شہزادہ کو اپنے اوپر ذرا بھی اعتماد نہ تھا وہ بار بار نجومیوں سے اپنی قسمت کا حال پوچھتا اور دریافت کرتا کہ کیا اس کو فتح حاصل ہوگی نجومی اور رمال اس کو تسلی اور دلاسا دیتے اور اس کی ہمت بڑھاتے۔ شہزادہ سبھوں سے کہتا کہ اگر اس کو فتح حاصل ہوگئی اور قسمت نے یاوری کی تو وہ ایک ایک کو اعزاز واکرام سے نواز دے گا۔ فی الحقیقت حصول مدعا کے بعد اس نے حسب لیاقت ہر ایک کی پرورش کی۔

عبداللہ اور حسن علی خاں میں اختلاف

ادھر شہزادہ نجومیوں کی پیشین گوئیاں سننے میں مصروف تھا اور ادھر حسین علی خان سامان حرب جمع کرنے میں مصروف۔ اس نے اپنے بڑے بھائی عبداللہ خاں ناظم الہ آباد کو لکھا کہ وہ فرخ سیر کی اعانت ورفاقت کا عزم بالجزم کرچکا ہے۔ عبداللہ خاں کو اپنے بھائی کی اس

تحریر سے سخت حیرت ہوئی۔ اس نے بھائی کو اس ارادے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ کیونکہ اس کے خیال میں اگر اس نے فرخ سیر کا ساتھ دیا تو نہ صرف ساری عزت خاک میں مل جائے گی بلکہ شاہجہاں آباد میں اس کے بال بچوں، خاندان اور دیگر افراد کے ساتھ برا سلوک کیا جائیگا

حسین علی خاں نے جواب میں لکھا:

"جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس کی رفاقت سے منکر نہیں ہو سکتا خواہ تقدیر جو دکھائے۔ آپ بزرگ ہیں اور معز الدین کے رفیق ہیں"

عبید اللہ خاں کو بھائی کی یہ باتیں دل کو بھاگئیں۔ اس نے اپنا سابق ارادہ ترک کر دیا۔ اور حسین علی خاں کو مندرجہ ذیل تحریر لکھ بھیجی۔

"اگر یہی ارادہ ہے تو میں حاضر ہوں۔ تم فوراً اپنے آدمیوں اور سامان سمیت مجھ سے آملو۔ ہم دونوں مل کر اپنے نصب العین کی تکمیل میں قدم اٹھائیں"

دوسری روایت ہے کہ:۔

بہادر شاہ نے اعز الدولہ خان جہاں بہادر کو صوبیدار بنگالہ مقرر کیا اور فرخ سیر کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ لیکن فرخ سیر کے سامنے چونکہ اپنے دو بھائیوں سلطان کریم الدین اور شہزادہ ہمایوں کا انجام تھا اس نے بادشاہ کی قربت میں جانے سے گریز کیا۔ اور اس لئے وہ مختلف حیلے تراش کر تاخیر کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ عظیم آباد پٹنہ پہنچ کر اپنی بیوی کے وضع حمل کا بہانہ بنا کر وہیں سے حضور میں عرضی لکھ بھیجی۔ اس درمیان میں بعض نجومیوں اور فقیروں نے محمد رفیع حکیم سے متفق ہو کر فرخ سیر کو بادشاہی کی خوشخبری سنائی۔ یہ بہروپیئے شہزادے کے کمزور ذہن کو متزلزل کر رہے تھے کہ اسی دوران میں محمد رضا جو رعیت خاں کے نام سے بھی مشہور رہے اور جو بہادر شاہ کے مغضوبوں میں تھا آوارہ ہو کر عظیم آباد آیا اور ایک فرمان جعلی رہتاس کے قلعہ داری کا بنا کر قلعہ مذکور میں داخل ہو گیا قلعہ میں داخل ہو کر اسنے اجناس پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ ملازمان شاہی اپنے فرائض سے اس حد تک غافل ہیں کہ فدوی نے اس مکان پر قبضہ کر لیا ہے۔ اخباروں سے بھی یہی حال دریافت ہوا لہٰذا بہادر شاہ کا فرمان اور عظیم الشان کا حکم فرخ سیر کے نام صادر ہوا تاکہ مجرم کی تادیب کی جائے۔ لیکن قلعہ میں داخل ہونا چونکہ آسان بات نہ تھی اس لئے فرخ سیر ہمراہیوں سے صلاح مشورہ کر ہی رہا تھا کہ ایک ہمراہی نے جس کا نام لاچین بیگ قلماق تھا اور جو فرخ سیر کا نوکر ادر بیباک اور جملہ مقہوروں میں سے تھا فرخ سیر کو پوشیدہ طور پر پیغام دیا کہ:۔

اگر شہزادہ اس بات کا اعلان کر دے کہ مجرم کو اس کے عہدے پر فائز کرنے کا حکم مل چکا ہے اور یہ کہ میں فرمان و خلعت بادشاہی لے کر جا رہا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ شہزادے کی مشکل آسان ہو جائے گی۔ اس کام میں اگر میری جان چلی جائے تو میرے اہل و عیال کو لطف شاہی سے لوازا جائے۔"

لاچین بیگ قلماق

شہزادے کو لاچین بیگ قلماق کا یہ منصوبہ پسند آیا۔ چنانچہ چوتھے روز قلماق کی معرفت فرخ سیر نے خلعت اور نشان روانہ کیا۔ یہ شخص بہت سے ہمراہیوں سمیت پہاڑ کے دامن میں پہنچا جس کے اوپر رہتاس کا قلعہ ہے یہاں پہنچ کر مجرم کو لاچین بیگ کی آمد کی اطلاع بھجوائی گئی۔ لیکن محمد رضا کو اتنے سارے لوگوں کا آنا ناپسند ہوا اس لئے اس نے صرف دو آدمیوں کو داخل ہونے کی اجازت دی۔ چنانچہ قلماق ایک نفر کے ساتھ قلعہ مذکور میں داخل ہوا اور قلعہ دار کے ہاتھوں میں سند دی۔ وہ اسے پڑھنے میں مصروف تھا کہ قلماق نے اس کے چھرا گھونپ دیا اور پھر تابڑ توڑ اس کے جسم کے مختلف حصوں کو مجروح کر کے اس کو ہلاک کر دیا۔ قلماق اور اس کے کئی ہمراہی بھی اس کشتم کشتا کی وجہ سے زخمی ہوئے اس کے بعد قلماق کے ہمراہی محمد رضا کے ساتھیوں پر جھپٹ پڑے۔ بہتیرے ہلاک ہوئے، بہت سے زخمی ہوئے اور جو بچ گئے ان کو قید کر لیا گیا۔ محمد رضا کا سر قلماق کے ہاتھوں میں تھا جسے فرخ سیر کے پاس بھیج دیا گیا۔ لاچین بیگ کو فرخ سیر نے انعام و اکرام سے لوازا۔ یہ سارا واقعہ اس وقت پیش آیا جب بہادر شاہ کی وفات کی خبر ملی اور جب حسین علی خاں بہادر سلطنت کے دور دراز علاقوں میں بغاوت و سرکشی کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔

فرخ سیر کی تخت نشینی

اس سے پہلے کہ فرخ سیر کو شہنشاہ کے کسی لڑکے کی تخت نشینی کی اطلاع ملے اس نے اپنے باپ عظیم الشان کے نام کا خطبہ پڑھایا اور اس کا جلوس اور تسلط مشہور کر کے شادیانہ تہنیت بجوایا اور اسکی کامیابی و کامرانی کی دعا مانگی اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے ناظم صوبہ حسین علی خاں کو نرم الفاظ میں ایک مکتوب روانہ کیا جس میں اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار تھا اور اس سے اپنی دلی عقیدت بھی ظاہر کی گئی تھی چند روز کے بعد حسین علی خاں عظیم آباد واپس آیا لیکن چونکہ وہ فرخ سیر سے ملنا نہیں چاہتا تھا اس لئے والدۂ فرخ سیر اس کے پاس گئی اس کے غصہ کو سرد کر دیا اور اسے مدار المہامی کا عہدیدار بنانے کا وعدہ کیا۔ قرآن مجید کو گواہ بنا کر جسے وہ اپنے ساتھ لائی تھی اس نے حسین علی سے وعدہ

لیا کہ وہ اپنے الفاظ سے انحراف نہیں کرے گا۔ اس ملاقات سے ناظم کے شکوک وشبہات دور ہوگئے اسی اثنا میں عظیم الشان کی رحلت اور جہاندار شاہ کی تخت نشینی کی اطلاع ملی۔ لیکن ناظم صوبہ فرخ سیر سے اتنا قریب آگیا تھا کہ پیچھے ہٹنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ حسین علی خاں بہادر نے فرخ سیر کو تخت سلطنت پر جلوس کرایا، مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھایا اور اس کے نام کے سکے جاری کرائے اور جہاندار شاہ سے جنگ کرنے کی ٹھانی۔ فرخ سیر نے بھی روز بروز حسین علی خاں سے اپنے تعلقات زیادہ سے زیادہ استوار کرنا شروع کیے۔

جہاندار شاہ سے جنگ

حسین علی خاں نے فرخ سیر کو تخت سلطنت پر جلوس کرا کے مہاجنوں اور شہر کے امیروں سے جس قدر ممکن ہوا روپیہ اس شرط پر قرض لیا کہ دشمنوں کو مغلوب کرتے ہی ساری رقم ادا کردی جائے گی شہزادے نے خود شرائط پر دستخط کیے۔ اس کے بعد وہ تازہ دم فوج اکٹھا کر کے ساعت سعید میں معرکہ کو روانہ ہوا۔ شہزادہ فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے بھانجے غیرت خاں کو عظیم آباد کی نیابت پر مقرر کیا اور اپنی طرف سے اپنے بھائی عبداللہ کو لکھا کہ بنگالہ سے الہ آباد کو جو خزانہ بھیجا جا رہا ہے اس کو فوراً ضبط کرے اور بقدر ضرورت خرچ کر کے باقی ماندہ امانت اپنے پاس رکھے۔ یہ خزانہ جعفر خاں داماد شجاع الدین خاں کے قبضے میں تھا۔ اس خبر کو وصول کرتے ہی عبداللہ خاں نے سارا خزانہ فوراً ضبط کرلیا۔ اس میں سے کچھ رقم فوج کی ضرورت پوری کرنے کے لئے رکھدی اور باقی ماندہ بھائی کے لئے رکھ چھوڑی۔ اس کے بعد اس نے قلعہ اور صوبے کی توپوں کا معائنہ کیا اور پھر ان کو موزوں جگہوں پر نصب کروادیا۔

حسین علی خاں ابھی فرخ سیر کے ہمراہ الہ آباد پہنچا بھی نہ تھا کہ جہاندار شاہ نے اپنی حکومت راجی محمد خاں کے حوالے کردی اور سید عبدالغفار خاں دس بارہ ہزار سوار لے کر عبداللہ خاں کی تادیب کو نکل گیا عبداللہ خاں جب اپنے بھائی اور شہزادہ فرخ سیر کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے خود کو قلعہ کے اندر بند کرلیا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اس کی مختصر سی فوج شاہی فوج کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے گی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی نصف فوج شاہی فوجوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے بھیج دی جسکی کمان کیلئے اس نے اپنے تین بھائی سراج الدین علی خاں، نجم الدین علی خاں اور سیف الدین علی خاں کو معہ بخشی عبدالمحسن خاں کے مقرر کیا تھا۔ بخشی محسن خاں کی دلاوری اور شجاعت مشہور تھی وہ بیجاپور میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن دراصل وہ تھا نجف اشرف کا رہنے والا۔

سید عبدالغفار خاں نے جس کو اپنے دست و بازو پر بڑا گھمنڈ تھا تینوں بھائیوں کو دیکھا لیکن ان سے لڑنا باعث عار سمجھ کر قلعہ کے اندر چلا گیا اور وہیں سے کہلا بھیجا کہ بچوں سے قوت آزمائی میں مناسب نہیں سمجھتا۔ عبدالغفار خاں کا یہ طنز یہ جملہ تینوں بھائیوں کو ناگوار گزرا چنانچہ انھوں نے مجبوراً لڑائی میں پیش قدمی کی اور اپنی نومشق فوج کو لے کر اس پر جھپٹ پڑے فوج کی تعداد کم اور سامان جنگ قلیل ہونے کی وجہ سے اول حملہ میں ان کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ ہر لمحہ اس بات کی تشویش بڑھتی جارہی تھی کہ اب ان کے پاؤں ضرور اکھڑ جائیں گے جب انھیں اپنی شکست کا یقین ہو چلا تو انھوں نے دیگر سادات کو ہمراہ لے کر دشمنوں پر یکایک ہلہ بول دیا وہ دشمنوں کی صفیں چیر کر اس طرح آگے بڑھے جیسے گھنے جنگل میں بھوکا شیر کسی شکار پر جھپٹتا ہے ساتھ ہی مدد ایزدی نے ان نوجوانوں کی پشت پناہی کی۔ اچانک زور کی آندھی چلی اور چاروں طرف مٹی اور سنگ ریزوں نے اڑا کر فضا کو گھپ اندھیرا بنا دیا۔ دشمن کو کچھ سجھائی نہ دیتا تھا ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی تھیں اور دوست و دشمن میں تمیز بھی مشکل ہو گئی تھی وہ گھبرا گئے اور ان کے اندر انتشار و خلفشار پھیل گیا یہ دیکھ کر تینوں بھائیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ سادات نے دوڑ دوڑ کر تیغ آزمائی کی نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے دشمن مع برادر عبدالغفار کے تہہ تیغ کر ڈالے گئے۔ وہ پیش قدمی کرتے جارہے تھے کہ دشمنوں کی صفوں میں عبدالغفار خاں کے قتل ہو جانے کی افواہ پھیل گئی اس افواہ نے ان بہادروں کے قدم بھی اکھاڑ دیئے جو اب تک میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے تھے۔

عبدالغفار خاں کی شکست

عبدالغفار کے ایک ایک آدمی نے راہ فرار اختیار کی اور اس طرح عبدالغفار نے شکست فاش کھائی۔ جہاندار شاہ کا ستارہ اقبال بھی ڈوبنے لگا۔ اس فتح سے ایک طرف تو فرخ سیر کی جماعت کے اندر نئے حوصلے اور ولولے پیدا ہوئے تو دوسری طرف عبداللہ خاں کے دل و دماغ پر اس کا اندوہناک اثر ہوا۔ کیونکہ اس کا چھوٹا بھائی نورالدین علی خاں جس سے بہت ساری امیدیں وابستہ تھیں اس جنگ میں کام آکر جام شہادت نوش کر لیا تھا۔ عبداللہ خاں نے اگرچہ فتح و نصرت کے شادیانے بجانے کا حکم دیا لیکن وہ اپنے غم کی آگ کو جو اس کے دل کے اندر دہک رہی تھی کیسے چھپا سکتا تھا۔ وہ اپنے آنسو روک نہ سکا اور اس کی زبان سے یہ الفاظ شدت جذبات سے نکل ہی پڑے۔

زمانہ جام بدست ....

"زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است۔"

اس شکست کے بعد معزالدین کے دل میں جنگ کے بارے میں شکوک پیدا ہوئے چنانچہ اس نے ایسی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا جس سے اس کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ لٰہذا اس خیال کے تحت اس نے عبداللہ خاں کو نہ صرف خلعت روانہ کیا اور اس کے کارناموں کو سراہا۔ بلکہ الہ آباد کی صوبہ داری کی سند بھی بھیجی مگر اس کا کوئی حاصل نہ نکلا کیونکہ فرخ سیر اپنے تازہ دم لشکروں اور سپہ سالاروں سمیت پہلے ہی الہ آباد پہنچ چکا تھا۔ اس کے ہمراہ صف شکن خاں، احمد خاں بیگ کہ جس کا خطاب غازی الدین خاں غالب جنگ کو سہ تھا اور خواجہ عاصم خان دوراں وغیرہ تھے وہ دو بھائی جن کی شجاعت وجرأت سے دشمن کانپتے تھے جنگ کے لئے آگے آئے اور انھوں نے اپنی شعلہ بیانی اور آتش نوائی سے اپنے آباو اجداد کی روحوں تک کو گرما دیا۔ فوجوں نے بھی میدان مارنے کی قسم کھائی جوں ہی شہنشاہ کو اس حملے کی اطلاع ملی اس نے فوراً اپنے بیٹے سلطان اعزالدین کو پچاس ہزار سوار لے کر عبداللہ خاں کی گوشمالی اور قلعہ آباد کی تسخیر کو روانہ کیا لیکن یہ شاہزادہ تنہا کیا کر سکتا تھا وہ تو خود کوکلتاش خاں کے بھائی خواجہ حسن خاں کی اتالیقی میں تھا۔ لٰہذا شہنشاہ نے خواجہ احسن خاں کو جو کہ پنج ہزاری تھا ہفت ہزاری اور خان دوران کے خطاب سے سرفراز کر کے کل فوج کی ترتیب کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ شہزادہ کی سلامتی جان کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد کی۔ اس کے کوچ کرنے کے بعد شہنشاہ نے چین قلیچ خاں کو بھی فوجیں ترتیب دینے کی غرض سے عقب سے روانہ کیا۔

اعزالدین ابھی اکبر آباد سے کھجوہ تک پہنچا ہی تھا کہ اس کو فرخ سیر اور عبداللہ خاں اور حسین علی خاں کے اکٹھا ہونے کی اطلاع ملی۔ اس اطلاع کے پاتے ہی اس کے قدم ڈھیلے پڑ گئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے پاس دشمنوں کے مقابلے میں فوجیں کئی گنا زیادہ تھیں اور سامان حرب بھی کافی تھا۔ مگر اس نے خود کو حریف سے مقابلہ کرنے کے لائق نہ سمجھا اس لئے وہیں رک کر خندق کھودنے اور مورچہ درست کرنے کا حکم صادر کیا۔ دشمنوں کا رعب و دبدبہ ویسے ہی اس کے دماغ پر مسلط ہو چکا تھا اب جو اس کو دشمنوں کی برابر پیش قدمی کرتے رہنے کی خبر ملی تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ اس نے اپنی اس حرکت ناشائستہ سے سرداروں کے دلوں میں بھی بزدلی پیدا کر دی تاآنکہ فرخ سیر سامان حرب کے ساتھ قریب آ پہنچا عبداللہ خاں ہراول دن بھر توپ اندازی کرتا رہا۔ اس مسلسل توپ اندازی کی تاب نہ لا کر شہزادہ اور دار المہام یعنی دونوں نے پریشان ہو کر بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ جس قدر ممکن ہوسکا

اشرفی و جواہرات لے کر پہر رات رہے دونوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر بھی بہت سارے جواہرات، توشک خانہ اور فوجی صندوق دشمنوں کے لئے چھوڑ دیئے۔ ان کے فرار ہوتے ہی لشکر میں عجیب قسم کا انتشار پھیل گیا۔ سردار اور فوج رات بھر کوئی فیصلہ نہ کرسکے کہ اب کیا کرنا چاہیئے بلکہ انھوں نے آپس ہی میں لوٹ مار مچادی۔ دوسری شام کو دشمنوں کو جب اس بات کی خبر ملی تو انھوں نے احکام سلطانی کا انتظار کئے بغیر مال و دولت پر اس طرح لوٹ مار مچادی کہ وہ لوگ جو زندگی بھر آسودہ حال ہونے کا تصور بھی نہ کرسکتے تھے راتوں رات امیر بن گئے اس لوٹ مار کے باوجود بھی بہت ساری دولت فرخ سیر کے ہاتھ آئی اس نے چند روز تک فوج کو آرام کرنے کی مہلت دی اور ادھر شہزادہ اعزالدین اکبرآباد کی طرف بھاگ رہا تھا کہ چین قلیچ خاں کی فوجوں سے اس کا تصادم ہوگیا۔ یہ سردار شہزادہ کی کیفیت دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس نے شہزادہ کو قابو میں کرنے کے لئے طاقت کا بھی استعمال کیا جب وہ قابو میں آگیا تو چین قلیچ خاں نے شہزادہ سے کہا کہ وہ شہنشاہ کا فرمان آنے تک خیمہ کے اندر انتظار کرے۔

سلطان معزالدین کی اکبرآباد کو روانگی

اس شرمناک شکست سے شہنشاہ کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں چنانچہ اس نے بارہ ذی قعدہ دوشنبہ کی شب کو ساڑھے تین گھڑی گزرنے پر دا قع ۱۱۲۴ھ فرخ سیر کی سرکوبی کے لئے شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ بے شمار توپ و تفنگ کے علاوہ ستر ہزار گھوڑ سوار فوجیں لے کر اپنے دارالخلافہ سے کوچ کیا۔ فوجوں کی کمان ذوالفقار خاں کے ہاتھ میں تھی اور اس کی معاونت کوکلتاش خاں کر رہا تھا۔ نیز اس کے ساتھ بہت سے نامور اور شہسوار سرداران ایران و توران کے علاوہ اعظم خاں، جانی خاں اور محمد امین خاں وغیرہ بھی تھے کشت و خون اور جنگ جوئی میں ان کا ثانی نہ تھا۔ وہ دشمنوں پر شیروں کی طرح حملہ آور ہوتے اور ان کے خون سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ اثنائے راہ میں سربلند خاں جس نے فوجداری کچھی کا سے بہت سی دولت جمع کرلی تھی فرخ سیر کی رفاقت سے نجات پاکر زرمذکور سمیت معزالدین کے حضور میں آیا اور مورد تحسین و آفریں ہوا اور اسے گجرات کی صوبہ داری عنایت کی گئی۔

دوسری طرف چھبیلہ رام فوجدار کورہ اور علی اصغر خاں ولد کارطلب خاں فوجدار آتاوہ اعزالدین کی رفاقت سے ہٹ کر فرخ سیر کے رفیق ہوئے۔ جب معزالدین قصبہ

سموگر متصل اکبر آباد میں پہنچا تو اس نے اپنے حریف فرخ سیر کو رفقا سمیت اپنے قریب ہی پایا دونوں کے خیموں میں مختلف مناظر دیکھنے میں آئے ایک طرف تو سید برادران اور فرخ سیر مع رفقار کے خوشی و مسرت کے شادیانے بجا رہے تھے تو دوسری طرف شہنشاہ کے دربار میں کشیدگی اور غم و غصہ کی لہر پائی جاتی تھی۔ اس تضاد کی وجہ بالکل صاف ہے معزالدین کی بری حرکات سے عوام و خواص برہم ہو گئے تھے حتیٰ کہ تورانی امراء بھی سوائے عبدالصمد خاں کے متنفر اور کشیدہ نظر آتے تھے چنانچہ ان امراء نے پیغامات اور مکتوبات کے ذریعہ فرخ سیر کو اپنی امداد واعانت کا یقین دلا دیا۔ بلاشبہ شہنشاہ کے لشکر جرار کو دیکھتے ہوئے کسی فرخ سیر کی فتح یابی کی امید نہ تھی لیکن اس کے باوجود شومی قسمت کہئے یا کچھ اور کہ اس کے ارکان دولت کوکلتاش خاں اور ذوالفقار خاں کے درمیان بعض معاملات میں شدید اختلافات پائے جاتے تھے جس کی وجہ سے دربار کے اندر مخالفت بڑھتی گئی۔ کوکلتاش خاں خصوصاً جس کو شہنشاہ کا کلی اعتماد حاصل تھا نہ تو اس قابل تھا کہ کوئی اس کا مشورہ قبول کرے۔ اور نہ اس کا مشورہ ہی مفید ہوتا تھا اس انتشاری کیفیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہ رہا حتیٰ کہ دریائے جمنا کے عبور کے مشورہ پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ شہنشاہ خود اتنا کمزور تھا کہ دونوں کے اختلافات کو مٹانے کی بجائے ان باتوں سے غافل ہو کر لال کنور کے عشق میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس کے ہوش و حواس تک گم ہو گئے

عبداللہ خاں کا حملہ

ان حالات کا دشمنوں کو بھلا علم کیسے نہ ہوتا خصوصاً ایسے عالم میں جبکہ فرخ سیر کے خیرخواہوں کی تعداد کم نہ تھی۔ عبداللہ خاں کو جب انتشار وخلفشار کی اطلاع ملی تو اس نے راتوں رات دریا عبور کیا اور برائے کوز بہاری میں جو اکبر آباد سے چار کوس ادھر ہے جا ٹھہرا۔ تھوڑی دیر میں فرخ سیر بھی ہمراہیوں سمیت دریا عبور کر کے عبداللہ خاں کے پاس پہنچ گیا۔ حسین علی خاں دشمن کو مغالطہ میں رکھنے کے لئے جس جگہ تھا اسی جگہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے رکا رہا۔ جب دن ختم ہوا اور دوسری رات آئی اس نے رائے چھبیلہ رام ناگر کو ساتھ لے کر دریا عبور کیا۔ قسمت کی خوبی دیکھئے کہ معزالدین اور اس کے دیگر امرا اس وقت ہوش میں آئے جب فرخ سیر کی فوج اس کے عقب میں پہنچ کر تب خوں مارنے لگی۔ اس صورت حال کے پیش نظر ضرورت اس بات کی تھی کہ فوجوں کی ترتیب بدلی جائے اور گاڑیوں سے توپیں اتاری جائیں لیکن عالم سراسیمگی اور گھبراہٹ میں یہ سب کچھ نہ ہو سکا۔

یہ سارا واقعہ ۱۴ ذی الحجہ سنہ مذکور میں رونما ہوا۔ طرفین کی فوجیں ایک دوسرے

کے مقابل بھڑ گئیں فرخ سیر کی فوج مرتب و منظم تھی لیکن جہاندار شاہ کی فوج میں نام کو بھی انتظام نہ تھا۔ جہاندار شاہ معزالدین نے فوج اور توپ خانہ سمیت اور تجملات خسروانہ کے ساتھ درمیان میں اپنی جگہ لی۔ ذوالفقار خاں جو سلطنت کا معتمد علیہ تھا اور جو بادشاہ سے کبیدہ خاطر رہا کرتا تھا اپنے نام و نمود کا خیال کر کے سامانِ جنگ لے کر میدان جنگ میں آگیا۔ سامان جنگ کے علاوہ وہ اپنے ساتھ شاہی نوبت اور ڈھول تاشے بھی لے آیا تھا۔ کوکلتاش خاں معہ اعظم خاں و جانی خاں وغیرہ ہمراہیوں کے دست راست اور محمد امین خاں و عبدالصمد خاں رحین قلیچ خاں اور جانثار خاں وغیرہ تورانیوں کے جانبِ چپ اور راجی محمد خاں و اسلام خاں و مرتضیٰ خاں و حفیظ اللہ خاں وغیرہ بطور التمش اور رضا قلی خاں داروغۂ توپ خانہ کو مناسب جگہوں پر مامور کیا۔

فرخ سیر کی فوج کی ترتیب

مخالف سمت میں فرخ سیر نے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ فوجوں کے بالکل بیچوں بیچ اپنی جگہ لی۔ وہ ایک ہاتھی پر بیٹھ گیا عبداللہ خاں اس کے بالمقابل کھڑا ہوا۔ حسین علی خاں، صف شکن خان اور حسین بیگ دست راست میں ذوالفقار خاں کے مقابل اور خاں زماں اور چھبیلہ رام ناگر معہ چند دیگر مبارزوں کے کوکلتاش خاں کے برابر صف آرا ہوئے۔ سب سے پہلے عبداللہ خاں اپنی منظم و مرتب فوجوں کو لے کر تورانی سرداروں کے مقابل جاکر جہاندار شاہ معزالدین کے توپ خانے پر پہنچ گیا۔ دوسری طرف حسین علی خاں معہ صف شکن خاں و فتح خاں داروغہ توپ خانہ کے دوڑا۔ اس حملہ میں صف شکن خاں، فتح علی خاں اور زین الدین خاں ولد بہادر خاں روہیلہ اور میر شرف اور میر اشرف جو حسین علی خاں کے رفقائے بہادر تھے جاں بحق ہوئے۔ ان کی لاشیں گاجر مولی کی طرح میدان جنگ میں پڑی رہیں حسن علی خاں کو اپنے ان بہادر ساتھیوں پر نہ صرف فخر تھا بلکہ اس کو یقین تھا کہ اس کی شجاعت و دلیری دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیگی۔ حسین علی خاں نے جب اپنے بہادر ساتھیوں کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو بہ مقتضائے غیرت ہندوستان ہاتھی سے کود پڑا اور دست بہ دست جنگ کرنے لگا۔ غنیموں کے بہت سے بہادر اس کے مقابلے کو آئے سبھوں کے ساتھ اس نے جنگ کی اور داد شجاعت دی لیکن تیر و بندوق کھا کر اس کے جسم میں اتنے زخم آئے کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور گھوڑوں اور ہاتھیوں نے اس کی لاش کو روند ڈالا۔

عبداللہ خاں کی بہادری

سید عبداللہ خاں کی قسمت کا ستارہ ابھی بدلیوں میں چھپ رہا تھا جب اس نے تورانیوں پر حملہ کیا تو چاروں طرف سے اس پر تیروں کی

بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ اس کی وجہ سے اس کی فوج میں انتشار پھیل گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوجیں کئی حصوں میں بٹ گئیں۔ وہ پریشان ہو کر تازہ حملہ کرنے ہی والا تھا کہ اژدہام کا ایک ایسا ریلا آیا کہ وہ بھی اسی میں بہہ گیا۔ اس کو کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے خود کو تین سو گھوڑ سواروں کے بیچ میں پایا۔ اتنے میں سید عبدالغفار خاں اس کے ہاتھی کے پاس آیا۔ یہ وہی عبدالغفار خاں تھا جس کو الہ آباد میں شرمناک شکست ہوئی تھی۔ اس نے گرجدار آواز میں پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس کے بعد ہی اس نے عبداللہ پر تیر کی بارش کر دی لیکن عبداللہ خاں نے بھی پہلو بچا کر عبدالغفار خاں کے سینے میں تیر پیوست کر دیا۔ وہ جان بچا کر کچھ دور تک بھاگا عبداللہ خاں ایک بار پھر ہجوم میں گم ہوگیا اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور کدھر جا رہا ہے اور نہ اس کو انجام ہی کا پتہ تھا۔ شومئی قسمت کہئے کہ عین اس وقت کچھ نقّا نے اس کی یاوری کی اور اس طرح اس کے مایوس دل کو تقویت ملی۔ فوراً ہی وہ ان ہمراہیوں سمیت جہاندار شاہ معزالدین کے مقابل آگیا اور تیروں کی بارش شروع کر دی اس کو اپنے دشمنوں میں خلفشار مچ جانے کی وجہ سے بہت خوشی ہوئی چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ فیلانِ سواری زنانہ کے اندگھس گیا لال کنور اور اس کے ہمراہی خواجہ سراؤں کے ہاتھی صدمۂ تیر کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے یہ دیکھ کر جہاندار شاہ معزالدین نے مدافعت کرنا چاہی۔ لیکن اس کا ہاتھی بھی غضبناک ہوگیا فیلبان نے اس کو قابو میں لانے کی بے انتہا کوشش کی مگر کسی طرح وہ قابو میں نہ آسکا فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی سپہ سالار اپنے مراتب بھول کر ہجوم میں شامل ہو گئے اور بھاگنے لگے تیروں کی بارش برابر ہو رہی تھی اور میدان جنگ میں چیخ پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ بادشاہ جب بے قابو نظر آیا اور اس کا ہاتھی کسی طرح سنبھل نہ سکا تو عبداللہ خاں نے اپنی فوج سمیت اس کا تعاقب کیا۔ وہ اس برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا کہ دشمن اس کو شناخت بھی نہ کر سکے۔ اور باوجودیکہ شاہی شادیانہ بھی بجایا گیا۔ مگر فوج جم نہ سکی اور جدھر سینگ سمایا بھاگ نکلی۔

لال کنور کے ساتھ معزالدین کا فرار

کوکلتاش خاں اس منظر کو دیکھ کر اور جہاندار شاہ معزالدین کے حضور میں پہنچ کر اس کی اعانت کرنا چاہتا ہی تھا کہ خان زماں اور چھبیلہ رام جو گھات میں کھڑے تھے کمین گاہ سے نکل کر کوکلتاش پر ٹوٹ پڑے۔ کوکلتاش کو اتنے تیر لگے کہ وہ زخموں سے چور ہوگیا رضا علی خاں داروغہ توپ خانہ اس جنگ میں کام آگیا اس

سے پہلے جانی خاں اور مختار خاں حسین علی خاں کے مقابلہ میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ دریں اثنا اعظم خاں برادر کوکلتاش خاں مجروح ہو کر جہاندار شاہ معزالدین کے حضور میں آیا لیکن معزالدین وقت تنگ دیکھ کر لال کنور کے پاس آیا اور اسے اپنے ہمراہ لے کر دن ڈھلتے ڈھلتے اکبر آباد کی راہ لی۔ لیکن ذوالفقار خاں چاروں سمت مخالف ہجوم کے باوجود پہر رات تک میدان جنگ میں ڈٹا رہا اس کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ وہ جم کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاندار شاہ معزالدین یا اس کا بیٹا اعزالدین آجائے تو حریفوں سے مقابلہ کرکے داد شجاعت حاصل کرے مگر نہ جہاندار شاہ ہی کا پتہ چلا اور نہ اعزالدین کا۔ اس کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں وہ سارے مخبر جن کو دولت اور عہدے کا لالچ دے کر ان کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ بھی ناکام و نامراد واپس آگئے۔

فرخ سیر کے لشکر فتح و نصرت کے شادیانے بجانے لگے اور اس کے رفقا اس کو مبارکباد دینے اور نذرانے پیش کرنے میں مصروف ہو گئے لیکن ان خوشیوں اور شادمانیوں سے فرخ سیر کو سکون قلب نہ ملا کیونکہ ذوالفقار خاں توپ و تفنگ، تیروں بندوقوں اور جانثاروں کے ساتھ اب تک میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ اس کے عزائم فرخ سیر کو خطرناک معلوم ہوئے چنانچہ اس نے اس کو حسب ذیل پیغام بھیجا۔

فرخ سیر کا پیغام ذوالفقار کے نام

"جتنے دعویدار حکومت تھے وہ تو فرار ہوئے کیا تم بھی حکومت کے دعویداروں میں سے ہو جو اب تک میدان میں ڈٹے ہوئے ہو؟ اگر دعویداروں میں سے ہو تو یہ امر جدا ہے اور نہیں تو نسل عالمگیری میں معزالدین نہیں تو میں ہوں۔ تمہیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

اس پیغام کو پڑھ کر ذوالفقار خاں نے فوراً اکبر آباد کی راہ لی۔ اس کے ساتھ اس کی کل فوج بھی گئی۔ دشمنوں کے دلوں میں اس کی شخصیت کا اتنا رعب تھا کہ کسی نے اس کی راہ میں کانٹے نہ بچھائے۔

شہنشاہ معزالدین نے اکبر آباد میں شب گذاری۔ وہیں اس نے ہندوؤں کی طرح ڈاڑھی مونچھ منڈوا وضع بدل آخر شب کو لال کنور اور چند نفر کو ساتھ لے کر شاہجہاں آباد کو روانہ ہوا لیکن قلعہ میں جانے کی بجائے وہ آصف الدولہ اسد خاں کے محل میں اترا جہاں اس کو گرفتار کرکے فوراً

نظر بند کر دیا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ذوالفقار خاں بھی دارالخلافہ پہنچا۔

ایک اور روایت ہے کہ جب دونوں ملازمین نے اپنے آقا کی لاش دریافت کی اس وقت وہاں دو افسران لاش کی نگہبانی کر رہے تھے۔ ان کے نام ہیں، شکراللہ خاں اور ماہیار خاں اس کے علاوہ ایک اور روایت ہے جس کا راوی محمد ہاشم علی خاں خافی مصنف تاریخ سلطنتِ تیمور ہے۔ اس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حسین علی خاں میدان رزم میں مجروح ہوا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لُچے اس کا لباس تک اتار کر لے گئے تھے۔ اور اسی عالم میں اس کے وفادار خادموں نے اس کو تلاش و جستجو کے بعد یہاں پایا۔ اس حالت میں جب اس کو یہ اطلاع ملی کہ فتح اس کی ہوئی ہے اور امداد بھی آگئی ہے تو اس نے خوشی سے آنکھیں کھول دیں بڑی مشکلوں سے اس کو پالکی میں سوار کیا گیا اور اس کو بھائی کے پاس بھیجا گیا۔ عبداللہ خاں نے اپنے بھائی کو زندہ پاکر سجدۂ شکر ادا کیا۔

آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں فرخ سیر کے دربار میں

ذوالفقار خاں نے اپنے باپ کے محل میں داخل ہوتے ہی شہنشاہ کی گرفتاری و نظر بندی کو تسلیم نہ کیا وہ ایک بار اور شہنشاہ کو میدان رزم میں لاکر قسمت آزمائی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن باپ نے بیٹے کے منصوبے کو پسند نہ کیا۔ اس نے کہا کہ مخالفت کے سارے خیالات ذہن سے نکال کر چپ چاپ نئے شہزادے کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ۔ باپ کا یہ مشورہ ذوالفقار خاں کو پسند نہ آیا۔ اس نے عزم دکن کرنا چاہا جہاں اسکو پورے اختیارات حاصل تھے اور جہاں رہ کر وہ فرخ سیر کے خلاف مورچے تیار کر سکتا تھا لیکن باپ نے اس کو روک دیا۔ غرض کہ اسداللہ خاں اور ذوالفقار خاں کا اقبال تمام ہوا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ فرخ سیر اس کے لڑکے کی زندگی نہیں بخشے گا اس کو نہ جانے کیوں یہ امید تھی کہ خاندان تیموریہ اس کا ممنون ہے اور نیز عالمگیر اس کی قدر و منزلت کرتا تھا اس لئے فرخ سیر کو شاید رحم آجائے لہٰذا وہ ہمراہیوں کے بغیر اپنے لڑکے ذوالفقار خاں کو ساتھ لے کر فرخ سیر کے حضور میں آیا۔

فرخ سیر کی تاج پوشی

شہزادہ ابھی میدان رزم ہی میں تھا کہ اس نے رسم تاجپوشی ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ لڑائی کے دوسرے روز یعنی پندرھویں ذی الحجہ روز پنجشنبہ کو وقت صبح جلوہ آرائے تخت ہوا اور دربار عام فرمایا۔ اس رسم کی ادائیگی کے فوراً بعد عبداللہ خاں نے چین قلیچ خاں، عبدالصمد خاں اور محمد امین خاں کو مع تورانی سرداروں

کے بادشاہ سے متعارف کرایا۔ ان سرداروں نے نئے شہنشاہ کے سامنے آداب کورنش بجالا کر درازی عمر کی و اقبال مندی کی دعا مانگی۔ ان سرداروں کو بڑے اعزاز کے ساتھ باریابی ملی اور ان میں سے بہتوں کے قصور معاف کر دیئے گئے۔ اسی اثنا میں عبداللہ خاں کو معہ لطف اللہ خاں صادق وغیرہ امرا کے فوراً دارالخلافہ کوچ کرنے کا فرمان ملا تاکہ وہ وہاں پہنچ کر امن و امان قائم کرنے میں لوگوں کا ہاتھ بٹائیں۔ شہنشاہ نے شاہی محل، قلعہ اور شہزادوں اور شہزادیوں کی حفاظت کا بھی فرمان صادر فرمایا۔ فرخ سیر خود بھی ایک ہفتہ کے بعد شاہجہاں آباد کو روانہ ہوا۔ ۱۴ محرم کو بارہ پلہ متصل شاہجہاں آباد میں وہ خیمہ زن ہوا جہاں اس نے عبداللہ خاں کو منصب ہفت ہزاری سے سرفراز کر کے قطب الملک کا خطاب دیا اور وزیراعظم کے عہدے پر فائز کیا اس کے بھائی حسین علی خاں کو خطاب امام الملکی اور منصب ہفت ہزاری اور امیرالامرائی کے عہدہ پر سرفراز کیا اور بخشی اول مقرر کیا۔ محمد امین خاں۔ بخشی دوم معہ اضافہ ہزاری منصب و ہزار سوار و خطاب اعتمادالدولہ سے مفتخر ہوا۔ چین قلیچ خاں پنج ہزاری سے ہفت ہزاری مقرر ہوا اور اسکو نظام الملک کا خطاب ملا اور وہ داؤد خاں کے عوض میں دکن کی صوبہ داری سے سرفراز ہوا اور داؤد خاں کو گجرات کی صوبہ داری ملی۔ خواجہ عالم نے صمصام الدولہ خانِ دوراں کا خطاب اور ہفت ہزاری شش ہزار سوار کا منصب حاصل کیا۔ احمد بیگ کو کامعزالدین کو جس نے شجاعت و بہادری کے شاندار کارنامے انجام دیئے تھے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب اور منصب شش ہزاری پنج ہزار سوار اور عہدۂ بخش گری درجہ سوم ملا۔ لیکن جس شخص کو چشم زدن میں عالی مقام حاصل ہوا اور جس کے اس عالی مرتبے کی وجہ سے فرخ سیر کے دورِ حکومت میں سیاست نے کئی پلٹے کھائے اس کا نام ہے قاضی عبداللہ تورانی اور جو اس وقت جہانگیر نگر ڈھاکہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھا۔ اس شخص کو فرخ سیر نے میر جملہ خانِ خاناں کا خطاب دیا اور منصب ہفت ہزاری ہفت سوار سے سرفراز فرمایا اور دستخط خاص کا اختیار بھی اس کو ملا حالانکہ وہ اب بھی جہانگیر نگر ڈھاکہ ہی میں متعین تھا۔ لیکن چونکہ بادشاہ کو اس پر کامل اعتماد تھا۔ اور اس نے صحیح معنوں میں بادشاہ کے بہت سے مشکل امور کو سہل بنایا تھا اس لئے بادشاہ بھی اس پر مہربان تھا۔ محمد جعفر منشی کو جو پہلے ہی بہت سے عہدوں پر فائز رہ چکا تھا اب تقرب خاں کے خطاب اور امیر سامانی اور دارالانشا سے مفتخر فرمایا گیا۔ عبداللہ خاں کے قریبی رشتہ دار سیف خاں کو بیوتات میں مامور کیا گیا۔ قطب الملک کے دو چھوٹے بھائی سیف الدین

علی خاں اور نجم الدین علی خاں معہ دیگر رفقار کے انعام و خلعت سے نوازے گئے۔

عہدوں کی تقسیم کے بعد جب عبداللہ خاں کو فرصت ملی تو اس نے اپنی تمام تر توجہ اپنے فرائض منصبی کی طرف مبذول کر دی۔ سب سے پہلے اس نے خانہ جنگی کی آگ کو بجھایا جو عالم انتشار و خلفشار میں دور دور تک پھیلتی جا رہی تھی۔ ایک بات سے البتہ اس کو دکھ ہو رہا تھا کہ بادشاہ نہ صرف قدیم خاندانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے تھا بلکہ آصف الدولہ اسد خاں جیسی معزز شخصیت کو جس کی عزت پوری سلطنت میں تھی ختم کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اگر وہ ادھر سے ہاتھ کھینچ لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ نہ صرف خود تباہ ہونے سے بچ جاتا بلکہ اس کی حکومت کی بنیاد بھی مستحکم ہو جاتی۔

قدیم خاندانوں کو خطرہ

آصف الدولہ اسد خاں نے اپنے لڑکے ذوالفقار خاں کو سے کبارہ پلہ کے شاہی خیمہ میں آتے ہی بادشاہ کے حضور میں سر تسلیم خم کرنے کی درخواست پیش کی۔ میر جملہ اس گھات میں تھا کہ آصف الدولہ آئے تو انتقام لیا جائے اس شخص کو نہ صرف بادشاہ کا مکمل اعتماد حاصل تھا بلکہ اس کی ہر تجویز اس کے لئے قابل قبول تھی۔ بادشاہ . . . قدیم خاندانوں کا دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ قدیم خاندان کے جو لوگ عالی منصب اور بلند عہدوں پر فائز ہیں ان کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے دوست احباب سے پر کیجائے بادشاہ پہلے ہی ذوالفقار خاں کی خودسری سے سخت برہم تھا اب میر جملہ نے اس کے خلاف شکایت کر کے اس کی برہمی میں اور اضافہ کر دیا۔ امیر الامرا حسین علی خاں کو جب اس شورہ پشتی کی اطلاع ملی اس نے فوراً ذوالفقار خاں کو پیغام دیا کہ اگر وہ اس کی وساطت سے بادشاہ سے ملے گا تو کوئی بھی سردار اس کو آزار پہنچانے کی ہمت نہیں کرے گا۔ یہ پیغام میر جملہ سے راز نہ رہ سکا اب اس کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ حسین علی خاں اور ذوالفقار خاں کے اتحاد سے کیا نتائج نکلیں گے چنانچہ اس نے تقرب خاں کو جو اہالی ایران سے تھا ذوالفقار خاں کے پاس اس مقصد سے بھیجا کہ مغل ہونے کی وجہ سے اس کے ذہن پر اثر انداز ہو سکے گا۔ تقرب خاں کو ذوالفقار خاں نے خوش آمدید کہا تقرب خاں نے کہا کہ :- چونکہ بادشاہ باطن میں سادات سے خوش نہیں ہے کیونکہ انھوں نے اپنے ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ اختیارات لے لئے ہیں۔ لہٰذا امیر الامرا کی معرفت تمہاری ملازمت بے سود ہے۔ نقصان جان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا تمہیں دوسروں کی امانت اور سفارش کی کیا ضرورت ہے اگر تم خود بادشاہ کے حضور میں سر تسلیم خم کرو گے تو دربار میں تمہارے اس اقدام

کو سراہا جائے گا اور خداوندانِ دولت تمہاری تعریف میں رطب اللسان ہونگے۔ بادشاہ کو خود تمہاری ذہانت و شجاعت پر ناز ہے۔ وہ تمہاری ذات سے بہت کچھ توقع رکھتا ہے۔" تقرب خاں نے اپنی تقریر کے خاتمہ پر کلام خدا کی قسم کھائی اور دونوں باپ بیٹے کو اپنی اعانت کا یقین دلایا۔

آصف الدولہ کے دل پر اس کی بات اثر انداز تو ہوئی لیکن ذوالفقار خاں کے ذہن میں شکوک و شبہات باقی رہے۔ اس کو بادشاہ کی کرم گستری پر شک تھا۔ چنانچہ ان شکوک کو اس کے ذہن سے دور کرنے کے لئے میر جملہ خود اس کے پاس گیا اور سوگند کھا کر اس کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

ذوالفقار خاں بادشاہ کے روبرو

اس کے بعد ذوالفقار خاں کے ہاتھوں کو باندھ کر میر جملہ اس کو بادشاہ کے روبرو لے آیا۔ آصف الدولہ نے بادشاہ سے سفارش کی کہ اگر اس کے لڑکے سے بادشاہ کے خلاف نازیبا حرکت سرزد ہوئی ہے۔ تو اس کو درگزر کیا جائے۔ فرخ سیر نے بہ کمال مہربانی اس کے ہاتھوں کو کھول دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس کو بیش بہا خلعت اور جواہرات سے نوازا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے آصف الدولہ کو بہ حیلۂ ضعف رخصت کر کے فرمایا کہ ذوالفقار خاں باہر کے خیمے میں رہے۔ کیونکہ اس سے اہم معاملے پر مشورہ لینا ہے۔ بادشاہ کی اس خلاف توقع حرکت سے آصف الدولہ پریشان ہو گیا اور چاروناچار وہ متوہم باہر نکلا۔ ذوالفقار خاں بھی بادشاہ کے اس حکم سے گھبرایا۔ اس کو اپنی جان کی سلامتی نظر نہ آئی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکتا تھا۔

ذوالفقار خاں اور جہاندار شاہ کا قتل

ابھی وہ مشکل سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ اس کے خیمہ کو مردم مامور نے چاروں طرف سے گھیر لیا اسی اثنا میں بادشاہ نے بھی اس کے خلاف عظیم الشان اور سلطان کریم الدین کے قتل کا دعویٰ کیا لیکن ذوالفقار خاں اس الزام سے ذرا نہ گھبرایا۔ اس نے جب دیکھا کہ فرخ سیر اس کے درپۂ خون ہے عاجزی و مسکینی کو بالائے طاق رکھ کر سخت جواب دہی پر اتر آیا۔ لاچین قلماق بہادر دل خاں نے جو گھات میں پیچھے کھڑا تھا اسکی گردن میں تسمہ ڈالا۔ ذوالفقار خاں اس سے رہائی پانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ اس پر لوٹ پڑے اور اس کو قتل کر ڈالا اسی روز کہ اتوار کا دن تھا اور محرم کی ۱۶ تاریخ تھی لوگوں نے فرخ سیر کا اشارہ پا کر قلعہ کے اندر جہاندار شاہ معزالدین کو تسمہ سے پھانسی دے کر مار ڈالا۔

قلعہ شاہجہاں آباد میں بادشاہ کا داخلہ

اس قتل و خون کے بعد فرخ سیر دوشنبہ کے روز

۷ ارمحرم ۱۱۲۵ھ کو بہ تجمل تمام قلعہ شاہجہاں آباد میں داخل ہوا۔ لوگوں کو اب یقین ہو چلا تھا کہ ان کی آنکھیں مزید ہولناک اور ہوشربا مناظر نہ دیکھیں گی۔ لیکن جونہی وہ محل میں آیا اور تخت نشین ہوا کہ اس نے حسب ذیل فرمان جاری کیا۔

"جہاندار شاہ معز الدین کا سر نیزہ پر اور اس کی لاش ہاتھی پر اور اس ہاتھی کی دم سے ذوالفقار خاں کی لاش الٹی ٹکا کر تمام شہر میں گھمائی جائے۔ اور پھر دونوں لاشوں کو قلعہ کے دروازہ پر ڈال دیا جائے۔" اس فرمان سے بھی جب اس کو تشفی نہ ہوئی تو اس نے ایک اور فرمان جاری کیا "آصف الدولہ اسد خاں کو گرفتار کر کے پالکی میں سوار کیا جائے اور اسکے جسم پر وہی کپڑا رہے جو اس وقت وہ زیب تن کئے ہوئے ہے اسی حالت میں وہ اس ہاتھی کے پیچھے ہو جس پر لاشیں رکھی ہوئی ہیں نیز اس کے خاندان کی خواتین نقاب میں علیحدہ گاڑی پر سوار ہو کر ساتھ ساتھ جائیں۔ شہر کا گشت کرنے کے بعد اس کو خان جہاں بہادر کے محل میں قید کیا جائے اور کل زر و مال ضبط سرکار ہو۔"

دردناک منظر جب یہ اندوہناک اور غمناک جلوس بڑی بڑی سڑکوں سے گذر رہا تھا کہ بادشاہ کو ایک بات یاد آئی۔ راجہ سبھا چند دیوان جو آدمیوں سے زبان درازی کیا کرتا تھا فوراً حکم ہوا کہ اس کی زبان کاٹی جائے اور اس کی جائداد ضبط کی جائے باوجود زبان بریدگی کے وہ لکنت میں قاصر نہ تھا ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

گویا فرخ سیر کی حکومت کا پہلا دن کشت و خون سے شروع ہوا۔ اس کے عتاب کا پہلا شکار صرف ذوالفقار خاں ہی نہ تھا۔ بلکہ اور بھی بہت سے امرا تسمہ زیب گلوگیر ہو کر راہی ملک عدم ہوئے۔ شہزادگان بھی اس کے عتاب سے بچ کر نہ نکل سکے اس نے اعز الدین ولد معز الدین اور عالی تبار ولد اعظم شاہ اور ہمایوں بخت برادر خود کی آنکھوں میں گرم سلائیں ڈال کر ان کی آنکھیں نکلوالیں۔

حکومت کے روز اول ہی ایسی خونریزی اور کشت و خون سے خورد و کلاں کے ذہنوں میں ایسا خوف سمایا کہ سب موت کے خوف سے سہم اٹھے اور سبھوں کی آنکھوں میں موت کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔ کسی کو بھی اپنی جان کی سلامتی نظر نہ آئی۔ جب وہ دربار میں اپنے فرائض

دیکھ زندہ وسلامت گھر پہنچتے تو نہ صرف وہ سکون کی سانس لیتے بلکہ اپنی جان کا صدقہ بھی غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرتے۔

فرخ سیر اور سادات میں تنازعہ کی ابتدار

جب فرخ سیر نے قطب الملک عبداللہ خاں کو شہر قلعہ دارالخلافہ کو بھیجا اس کے ہمراہ لطف اللہ خاں صادق کو بھی کر دیا عبداللہ خاں کو دارالخلافہ بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں لوگوں کے اندر جو نا آسودگی اور غم وغصہ کی لہر پائی جاتی ہے۔ وہ دور کی جائے۔ فرخ سیر نے دیوان خالصہ لطف اللہ خاں کو اور کل کی صدارت سید امجد خاں کو مقرر کی۔ قطب الملک کے چلے جانے کے بعد فرخ سیر نے دیوانی خالصہ چھبیلہ رام ناگر کو اور افضل خاں استاد کو صدر الصدور مقرر کیا افضل خاں کبھی اس کے بچوں کا اتالیق بھی رہ چکا تھا کچھ دنوں کے بعد بادشاہ شہر و قلعہ میں آیا اور انتظام سلطنت ملاحظہ فرمایا۔ صدارت اور دیوانی کے تقرر میں شاہ اور وزیر کے درمیان طویل گفتگو ہوئی۔ قطب الملک نے کہا۔

"اگر آغاز کار ہیں میری باتوں کو اہمیت نہ دی گئی تو پھر میری وزارت کا کیا اعتبار ہوگا اور ہیں امور سلطنت کو کس طرح بہ حسن وخوبی انجام دے سکوں گا"

دوسری طرف میر جملہ نے بادشاہ سے کہا۔

"ہر چند بادشاہ بندگان درگاہ کو صاحب اختیار فرمائیں لیکن ملازمین کو بھی اپنی حد پہچاننی چاہیئے اور کوئی قدم ایسا نہ اٹھانا چاہیئے جو بادشاہ کے شایان شان نہ ہو۔ یعنی کوئی قدم اٹھانے سے پہلے بادشاہ کی رضامندی لینی ضروری ہے"

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھا ؎

خواجہ گر لطف بے عدد داند
بندہ باید کہ حد خود داند

بہر حال یہ فیصلہ ہوا کہ دیوانی خالصہ لطف اللہ خاں کو اور صدارت افضل خاں کو دی جائے لیکن اس فیصلہ کے بعد بھی طرفین کے دل لبغض وعناد سے صاف نہ ہوئے۔

دراصل ارکان سلطنت کی آشفتگی اور بدنامی کا سبب یہ تھا کہ فرخ سیر عقل سے مطلق بے بہرہ اور پست ہمت تھا وہ سلطنت کے کاموں کو بہ حسن وخوبی تکمیل تک پہنچانے کے بجائے اور الجھا دیتا تھا۔ فطرتاً وہ کمینہ اور رذیل تھا اور رذیلوں اور کمینوں کی صحبت میں رہ کر اپنی پست ہمتی کا مظاہرہ اس طرح کرتا تھا کہ ان کو انعام واکرام سے نواز دیتا تھا حالانکہ وہ یہ بھی نہیں

جانتے تھے کہ انعام واکرام یا عہدوں کا مصرف کیسے لیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اعتقاد خاں جیسے بازاری اور لچے کے نزدیک لائق عزت واحترام گردانا جاتا تھا۔ اسی نوعیت کے لوگ شب وروز اسکی قصیدہ خوانی اور مدح سرائی میں لگے رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انتظام ملک کو چلانے کی اس میں ذرا بھی اہلیت نہ تھی اس کی اس نااہلیت کا سبب یہ تھا کہ میر جملہ کثرت طمع اور حسد اور کم لیاقتی کے باوجود کل افراد پر فوقیت رکھتا تھا۔ اور اب آصف الدولہ اسدخاں اور ذوالفقار خاں ڈیڑھ سو سالہ کمائی برباد کرکے اور ان کا گھر اجاڑ کر سادات کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش میں لگ گیا تھا تاکہ سارے اقتدار واختیار اسی کے ہاتھوں میں آجائیں۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک سادات جو سلطنت کے دو اہم ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں اس کی راہ سے نہیں ہٹائے جاتے وہ اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

قطب الملک عبداللہ خاں کی عیاشی

فرخ سیر کی سلطنت کی جڑیں رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئیں۔ اس کی وجہ دیگر وجوہ کے یہ بھی تھی کہ جن کے ہاتھوں میں سلطنت کی باگ ڈور تھی وہ خود اپنے فرائض سے غافل ہو گئے تھے۔ قطب الملک عبداللہ خاں بلاشبہ بڑا ہی قابل تھا۔ مگر اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ رقص وسرود اور عورتوں کا رسیا تھا۔ وہ اس حد تک آرام طلب اور عیش پسند تھا کہ اس نے عنانِ اختیار اپنے دیوان راجہ رتن چند کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ یہ شخص دراصل ایک دوکاندار تھا۔ لیکن وہ جونہی اقتدار میں آیا اور وزارت میں داخل ہوا اسکی بھوک بڑھتی گئی۔

سلطنت تیموریہ کی بربادی کا سبب

رتن چند اپنی چالاکی اور عیاری کے سبب روز بروز صاحب اختیار ہوتا گیا اور اپنے آقا کے نام پر ہر وہ کام انجام دیتا جو کوئی وزیر ہی دے سکتا تھا۔ ایک طرف تو نااہلیت وکمزوری اور دوسری طرف عیاشی وآرام طلبی کا بازار گرم ہو گیا۔ عداوتیں اور رنجشیں بڑھ گئیں اور اس حد تک بڑھیں کہ ڈیڑھ سو سال پرانی سلطنت تیموریہ کی بنیاد ایک دم سے ہل گئی اس بنیاد کے نیچے سادات کا خاندان تباہ وبرباد ہو گیا۔ اس تباہی کے بعد سلطنت کے نظام میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔

آخر کار میر جملہ اور بادشاہ اور دوسرے ہوا خواہوں نے مل جل کر دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا ایک منصوبہ بنایا۔ ان کے خیال میں یہ دونوں بھائی سلطنت کے لئے

زبردست خطرہ بنے ہوئے تھے۔

چنانچہ اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے امیر الامرا حسن علی خاں بہادر کو راجہ اجیت سنگھ راٹھور کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا جو عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد اتنا خودسر ہو گیا تھا کہ اس نے جودھپور کی مسجدیں زیر زمین کر کے وہاں بت خانے تعمیر کرا دیئے تھے اس کی خودسری کا بہادر شاہ کو علم نہ ہو سکا تھا کیونکہ وہ یا تو خانہ جنگی میں مبتلا رہا یا سکھوں کے استیصال میں مصروف رہا جنھوں نے سرحد لاہور میں سرکشی کر کے لوٹ مار مچا دی تھی۔ حسین علی خاں اس حکم کے فوراً بعد اجیت سنگھ کی گوشمالی کو روانہ ہوا۔ جونہی وہ لشکر جرار سمیت اجیت سنگھ کے ملک میں پہنچا کہ اجیت سنگھ گھبرا کر معہ اہل و عیال و خزانہ کے دشوار گزار پہاڑوں میں چھپ گیا۔ بادشاہ کو جب اطلاع ملی تو اس نے حسین علی خاں کو لکھ بھیجا کہ جب تک دشمن کیفر کردار کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک وہ وہیں ڈٹا رہے۔ اجیت سنگھ نے حسین علی خاں سے صلح کر لینا ہی مناسب سمجھی۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ حسین علی خاں کو عبداللہ خاں کی گرفتاری کی اطلاع ملی۔ حسین علی خاں کو اس اطلاع کی صداقت پر شک تھا اس کو اس میں کسی مفسد پرواز کی شرارت نظر آ رہی تھی۔ لیکن جب اس کے نام یہ مکتوب آیا کہ فوراً واپس آ کر اپنے بھائی کی جان بچائے تو لاچار اس نے چند شرائط پر راجہ اجیت سنگھ سے صلح کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ شرائط یہ تھیں ــــ اجیت سنگھ فوراً اطاعت قبول کرے اور اپنی لڑکی کو زر و مال اور مناسب نذرانہ کے ساتھ سپہ سالار کے حضور میں بھیجے۔

اس اہم مرض سے سبکدوش ہو کر حسین علی خاں دارالخلافہ پہنچا لیکن یہاں اس کی موجودگی سے فضا ایک دم سے خراب ہو گئی۔ کیونکہ سید برادران کو جو سلطنت کے اعلیٰ عہدیداران تھے ہر قسم کے اختیارات شہری و فوجداری حاصل تھے اور میر جملہ جو ان کے اختیارات سے خائف تھا ان کی راہ میں مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا چونکہ وہ صاحب دستخط تھا اس لئے وہ ہر کام کو ان کی مرضی و ناراضی کے بغیر جلد سے جلد انجام دیتا۔ اس کے علاوہ بادشاہ اس پر اس حد تک مہربان تھا کہ کئی بار بھرے دربار میں وہ اس بات کا اعلان کر چکا تھا کہ "میر جملہ کی زبان اور اس کے دستخط میری زبان اور میرے دستخط ہیں"۔ میر جملہ کی اس حرکت سے قطب الملک اور راجہ رتن چند دیوان برہم ہو گئے اور ان کے دلوں میں اس کی طرف سے بال پڑ گیا۔ لہٰذا میر جملہ کے جو بھی دستخط شدہ کاغذات رتن چند دیوان کے پاس پہنچتے وہ دانستہ ان پر مہر نہ لگاتا اور نہ

ان پر ضروری کارروائی کرتا بلکہ جو بھی اس سے رجوع ہوتا اور اس کے آقا کے لئے نذرانہ لے کر آتا وہ اس کا کام بلا تاخیر کے انجام دیتا۔ اس کا یہ عمل بادشاہ سے زیادہ دنوں تک راز نہ رہ سکا۔

یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ رتن چند دیوان کو اپنی ذات سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ اول یہ کہ اس کو اپنے زوال پر بیحد گھمنڈ تھا اور دوئم یہ کہ اس کو اپنے آقا کی طرف سے اس بات کا یقین تھا کہ وہ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس کی ان حرکات سے عوام کے اندر مخالفت کی آگ اندر ہی اندر بھڑکتی گئی۔

دوسری طرف میر جملہ بادشاہ کے حضور میں آکر اشاروں کنایوں اور کبھی کبھی الفاظ سے دونوں بھائیوں کے خلاف اس کے کان بھرتا۔ اس نے دونوں بھائیوں کو بادشاہ کی نظروں سے گرانے کا کام اپنے فرائض میں داخل کر لیا تھا۔ بلکہ اکثر و بیشتر تو وہ بادشاہ سے ان کی نااہلیت کی شکایت کرتا اور کہتا کہ وہ اتنے اعلیٰ عہدوں کے قطعی مستحق نہیں۔ اس نے بادشاہ سے یہاں تک کہدیا کہ دونوں بھائیوں کی پیشانی سے آثار نمک حرامی ہویدا ہیں۔ میر جملہ کی شکایتیں اور وہ بھی بار بار بادشاہ کے دل میں گھر کر گئیں۔ چنانچہ اس نے عبداللہ خاں کو دوبارہ نظر بند کرنے اور اس کی جائداد ضبط کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اسی فکر میں وہ کبھی قلعہ سے نکل کر باغ کی سیر کو آتا اور کبھی شکارگاہ کو نکل جاتا۔ اور محسن خاں کے باغ میں پہنچ جاتا[1]۔ لیکن اس رنگارنگ تمہید کے باوجود وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ حتمی فیصلہ نہ کر پاتا تھا وہ دل کا کمزور بھی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے خلاف عداوت اور بغض و کینہ کی آگ پھیلتی گئی۔ یہ بات اور بھی دلچسپ ہے کہ بادشاہ کی والدہ کو چونکہ اپنا عہد و پیمان یاد تھا جو اس نے کلام اللہ کو گواہ بنا کر عظیم آباد میں کیا تھا۔ اس لئے وہ گاہ بگاہ بیٹے کے ارادہ فاسد سے امیر الامرا اور قطب الملک کو مطلع کرتی رہتی تھی۔

---

[1] سلطنت کے دارالخلافہ میں یا ہندوستان کے طول و عرض میں جو باغات تھے ان میں ہر کس و ناکس کو سیر و تفریح کرنے کی اجازت تھی ایک دن مبارک الدولہ نواب بنگالہ یکایک صادق باغ میں داخل ہوا وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے بائیں طرف ایک شخص چند رقاصاؤں کے ساتھ رنگ و نشاط کی محفل جمائے ہوئے ہے۔ وہ شخص نواب بنگالہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ نواب صاحب نے اس کو روک دیا اور کہا کہ یہاں اور بھی کمرے ہیں جہاں وہ جا سکتے ہے۔

حسین علی خاں صوبہ دار دکن

ان حالات کے تحت امیر الامرا حسین علی خاں نے بادشاہ سے دکن کی صوبہ داری کی استدعا کی۔ اس استدعا سے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس ملک کی بھاری دولت کو پاکر دربار میں اس کا قدم مضبوط رہے گا۔ اس کا ارادہ یہ بھی تھا کہ بعد حصول مدعا داؤد خاں کو بدستور سابق ذوالفقار خاں کے اپنا نائب مقرر کرے اور اس سے کسی قدر سالیانہ مقرر کر کے خود حضور میں رہے اس کا یہ منصوبہ بادشاہ اور اس کے حواری کے بالکل برعکس تھا۔ بادشاہ اور میر جملہ کی یہ مرضی تھی کہ وہ خود تو دکن چلا جائے اور قطب الملک کو تنہا چھوڑ دے۔ حسین علی خاں اس پر مطمئن نظر نہ آتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر بھائی کو تنہا چھوڑ کر وہ چلا جاتا ہے تو بادشاہ اور اس کے وزرا کا عتاب اس پر نازل ہوتا رہے گا۔ دونوں میں خیالات و نظریات کا اختلاف اس حد تک بڑھے کہ نوبت طعن و تشنیع اور ملامت و خشونت کی آ پہنچی۔ رفتہ رفتہ یہ حال ہوا کہ دونوں بھائیوں نے دربار آنا موقوف کر دیا اور اس دن سے دونوں اپنی حفاظت کے لئے فراہمی سپاہ اور قلعہ بندی میں مصروف ہو گئے۔

بادشاہ کو امیر الامرا اور قطب الملک کا یہ منصوبہ معلوم ہوا تو اس نے دربار میں امرائے خیر اندیش میر جملہ، محمد امین خاں اور خان دوراں کو طلب کیا اور خلوت میں ان سے مشورہ طلب ہوا۔ لیکن ہر روز تلون طبعی سے تدبیریں الٹ پلٹ جاتی تھیں۔ کئی روز تک یہی سلسلہ جاری رہا

بادشاہ اور دونوں بھائیوں میں اختلاف اور شہر میں غلہ کی گرانی

اسی اثنا میں جبکہ بادشاہ اور امیر الامرا اور قطب الملک کے درمیان اختلافات کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی تھی غلہ کی قیمتوں میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو گیا۔ ساکنان دار الخلافہ اور دور و دراز سے آنے والے مسافر پریشانی میں گھر گئے ان کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ بادشاہ اور دونوں بھائیوں کے درمیان مسلسل اس موضوع پر خط و کتابت ہوتی رہی اور ایلچی آتے جاتے رہے مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ خدا جانے مصائب و آلام اور کشیدگی و انتشار کی یہ فضا کب تک یوں ہی رہتی اگر بادشاہ کی والدہ ان مصائب سے گھبرا کر خود محل سے نہ نکلتیں اور عبد اللہ خاں کے پاس نہ جاتیں انھوں نے بادشاہ کی طرف سے عبد اللہ خاں کے غصہ کو سرد کیا۔ اس شرط پر اس نے بادشاہ کے حضور میں جانا منظور کیا کہ ان کی جان کی حفاظت کی جائے گی اور اس طرح ان کو دربار میں لے جایا جائے

گا جس طرح اس سے پہلے وہ حاضر ہوا کرتے تھے۔

یہ شرط مان لی گئی تو دونوں بھائی حاضر حضور ہوئے۔ پچھلے گناہوں کی معافی چاہی اور جو شکوک وشبہات بادشاہ کے دل میں ان کی طرف سے چند متفنیوں نے پیدا کر دیئے تھے ان کی دونوں نے پر زور تردید کی۔ اتنا کہہ کر دونوں نے اپنی کمر سے تلواریں نکال کر بادشاہ کے روبرو رکھ دیں اور بڑے بھائی نے عرض کیا۔

"اگر ہم خطاوار اور مجرم ہیں تو ادھر دو تلواریں ہیں اور ادھر دو سر اور اگر ہمارے پچھلے گناہوں کی معافی ممکن نہیں تو پھر ہم کو ہمارے عہدوں سے عہدہ برآ کیجئے تاکہ ہم حج بیت اللہ کو روانہ ہوں۔ اور اگر ہمیں حضور کی خدمت پر رکھنا ہی ہے تو شکوک وشبہات کا زہریلا مادہ اپنے ذہن سے نکال پھینکئے اور ان حاسدوں کی فتنہ انگیز باتوں کی طرف کان دھرنا چھوڑ دیجئے جو مستقل ہماری جان کے درپے ہیں کم از کم اتنا یاد رکھئے کہ ہم نے سلطنت کی پائیداری کے لئے کتنا خون بہایا ہے۔ حضور کی ذات سے ہمیں یقین ہے کہ حضور اپنے ان دو وفادار خادموں کی طرف سے اپنے دل کو دھو ڈالیں گے اور ایسے خیالات کو اپنے دماغ میں نہ آنے دیں گے جن سے کلام اللہ کی سوگند کی توہین ہوتی ہو۔"

بادشاہ کے دل پر اس تقریر کا اثر ہوا اور وقتی طور پر مصالحت کی فضا ہموار ہو گئی آخرکار طویل بحث وتمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ میر جملہ کو دربار سے ہٹا کر عظیم آباد کا صوبہ دار بنا یا جائے اور امیر الامرا حسین علی خاں صوبہ سے دکن کے انتظام پر روانہ ہو۔ اس معاہدہ پر اگرچہ طرفین رضامند ہو گئے تھے لیکن میر جملہ کو تشفی نہ ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ فتح دونوں بھائیوں کی ہوئی ہے۔ امیر الامرا کے واسطے دکن کی صوبہ داری کا فرمان صادر ہوا۔ بادشاہ نے اسی اثنا میں صوبہ جات دکن کے تمام ناظموں کے نام یہ احکام روانہ کئے کہ وہ نئے صوبہ دار کے ماتحت اور ان کے احکام کی تعمیل کے پابند ہیں۔

بادشاہ کی وعدہ شکنی

بادشاہ نے چین قلیچ خاں نظام الملک کو دکن سے برخاست کر کے حضور میں طلب کیا اور داؤد خاں ناظم گجرات کو حکم دیا کہ وہ برہان پور جا کر امیر الامرا کا انتظار کرے اور وہ جو حکم دے اسکی تعمیل کرے لیکن اس حکم کے ساتھ ہی اس کو خفیہ طور پر یہ حکم بھی روانہ کیا گیا کہ وہ برہان پور میں لشکر جرار سمیت

حسین علی خان کی گھات میں رہے۔ جونہی حسین علی خاں اپنی فوج سمیت ادھر آئے اس کا کام تمام کر دے۔ کیونکہ اس صورت سے اس کی جگہ اس کو صوبیدار مقرر کیا جا سکے گا اور مزید اعزاز واکرام سے نوازا جائے گا۔

ان خفیہ احکامات کو صادر کرنے کے بعد بادشاہ نے اجیت سنگھ کی لڑکی سے بیاہ رچانے کا فیصلہ کیا جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ فی الحال داؤد خاں کے کارناموں اور گجرات کی شورش کا حال تحریر کیا جاتا ہے۔ داؤد خاں کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ آئندہ تاریخ میں اس کی شخصیت اہم قرار پائے گی اور اسی کے عہد میں اور اسی کی عدم دوراندیشی کی وجہ سے گجرات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فسادات برپا ہوئے۔

بلدہ گجرات میں ہندو مسلم فسادات

فرخ سیر کی تخت نشینی کو ابھی ایک ہی سال گزرا تھا اور داؤد خاں کو گجرات کا ناظم مقرر ہوئے صرف دو سال ہوئے تھے کہ بلدۂ گجرات میں ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جس رات کو ہندو ہولی جلانے کی رسم ادا کرتے ہیں اسی رات کو ایک ہندو نے اپنے گھر کے صحن میں جو کہ مسلمانوں کے گھروں سے ملحق تھا ہولی جلانے کی رسم کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں نے اس کو اس ارادہ سے روکا۔ لیکن ہندوؤں نے اس زعم میں آکر کہ اپنا گھر ہے دوسروں کو کوئی حق نہیں مسلمانوں کی طرف توجہ دینا مناسب نہ سمجھا اور ہولی جلا دی دوسرے دن مسلمانوں نے بھی اس خیال سے کہ گھر اپنا ہے اپنے گھر کے صحن میں گائے ذبح کر دی تاکہ سب مل جل کر اس کا گوشت کھائیں گے اور فقیروں میں بھی تقسیم کریں گے مسلمانوں کے اس عمل کے خلاف محلہ کے سارے ہندوؤں نے یلغار کر دی۔ مسلمان تعداد میں کم تھے اس لئے خوفزدہ ہو کر گھروں میں گھس گئے۔

ہندوؤں نے مسلمانوں کے بچوں کے حلقوم پر چھری پھیر دی

ہندو اس حد تک مشتعل ہو گئے تھے کہ انھوں نے اس قصاب کو تلاش کرنا شروع کیا جس نے گائے ذبح کی تھی۔ لیکن جب قصاب نہ ملا تو وہ سارے ہندو اس قصاب کے چودہ سالہ نوجوان لڑکے کو پکڑ کر اس صحن میں گھسیٹ کر لے آئے جہاں گائے ذبح کی گئی تھی۔ سبھوں نے مل کر اس بچے کے حلق پر بڑی بے دردی سے چھری پھیر دی اس واقعہ سے مسلمانوں کے اندر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی انھوں نے شہر میں منادی کرا دی۔ یہ سن کر ہزاروں

پٹھان جو داؤد خان کے ملازم تھے مع ساکنان شہر کے داؤد خاں کی اجازت کے بغیر قاضی کے مکان پر آئے لیکن قاضی نے اس خوف سے کہ داؤد خاں ہندوؤں کا خیر خواہ ہے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔ قاضی کی اس حرکت سے مسلمان اور برہم ہوئے انھوں نے قاضی کا دروازہ توڑ کر گھر میں آگ لگادی اور شریعت پناہ کو ہمراہ لے کر بازار کی دکانوں اور ہندوؤں کے مکانوں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ کپور چند جوہری کے مکان پر جو داؤد خاں کا مصاحب تھا حملہ آور ہوگئے۔

احمد آباد میں فسادات

کپور چند جوہری نے خود کو خطرہ میں گھرا دیکھ کر اپنے محلہ کا دروازہ بند کرا دیا اور برقندازوں کو لڑنے بھیجا۔ طرفین کے بہت سارے لوگ ہلاک ہوئے ہنگامہ کئی روز تک جاری رہا سارے شہر کی دکانیں بند رہیں اور کاروبار معطل رہا۔ فساد کی آگ جب ذرا سرد ہوئی تو مسلمانوں نے اپنی شکایات لے کر عبدالعزیز، عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ کو جو کہ فضیلت پناہ تھے دربار میں بھیجا۔

داؤد خاں کی کمزوری

داؤد خاں نے اس اہم معاملہ میں پڑنے کی بجائے سارے اختیارات کپور چند کے ہاتھوں میں دیدیئے اس کے ہاتھ میں یہ فیصلہ بھی دیدیا جس میں کہا گیا تھا کہ قصور سراسر مسلمانوں کا ہے اور ہندو اس سلسلے میں بالکل بے قصور ہیں اس فیصلے پر ناظم، قاضی اور سپہ سالار تک کے دستخط تھے لہٰذا جونہی مسلمانوں کے تین نمائندے دارالخلافہ میں پہنچے ان کو رتن چند کے ایما سے گرفتار کر لیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس گرفتاری کی اطلاع خواجہ محمد جعفر درویش کو مل گئی۔ اگر ان کو یہ اطلاع نہ ملتی تو خدا جانے ان بے گناہوں کو کب تک سلاخوں کے پیچھے رہنا پڑتا خواجہ صاحب صمصام الدولہ خاں دوراں کے حقیقی بھائی تھے اسی کی وساطت سے انھوں نے اپنے بھائی کو لکھا کہ ان بے گناہوں کو قید سے رہائی دلائی جائے خواجہ محمد جعفر درویش کی اس سعی سے شیخ محمد علی واعظ اس حد تک زیر احسان ہوا کہ وہ ان کی قربت میں رہنے لگا وہ برابر خواجہ مذکور کی مجلس میں جاتا اور اشعار حمد و نعت قوالوں سے گواتا اور بڑی رغبت سے سنتا اور وعظ کے دوران چند نقرے آئمہ اثنا عشر کی شان میں زبان پر لاتا۔

شاہجہاں آباد میں فساد کا خطرہ

اس کی اس حرکت سے دارالخلافہ شاہجہاں آباد میں بھی فساد کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں لیکن لوگوں نے

اس کی باتوں پر توجہ نہ دی بہر حال اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ فی الحال میں دختر اجیت سنگھ کے ساتھ بادشاہ کی شادی کا حال بیان کروں گا اجیت سنگھ نے اپنی لڑکی کو بادشاہ کے دربار میں بھیجنے سے پہلے چند اہم کاغذات اس کے حوالے کئے جو بادشاہ کو دینے تھے مثلاً وہ کاغذات واحکامات جن کی رو سے اس کو حسین علی خاں کی سرکوبی کے لئے بادشاہ نے جاری کئے تھے لیکن حسین علی خاں کے قبضہ میں کسی طرح یہ کاغذات آگئے تھے۔ یہ کاغذات دونوں بھائیوں نے بادشاہ کے حضور میں پیش کئے اور بعد میں جب والدۂ شاہ درمیان میں آئیں تو معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ چنانچہ جب کدورت ختم ہو گئی اور میر جملہ کو دربار سے نکال دیا گیا تو بادشاہ جشن شادی کی طرف متوجہ ہوا۔ ساتھ ہی بادشاہ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ جشن شادی کی تکمیل کے بعد حسین علی خاں صوبیدار دکن بن کر دارالخلافہ سے روانہ ہو جائے گا۔

دختر اجیت سنگھ سے فرخ سیر کی شادی

چنانچہ بادشاہ نے سامان نشاط کی تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ اور کارپردازانِ سلطنت نے چشم زدن میں ضروری تیاریاں مکمل کر دیں۔ لیکن حسین علی خاں کو اس انتظام سے اطمینان نہ ہوا۔ چونکہ وہ اجیت سنگھ کی لڑکی کو اپنے ساتھ لایا تھا اور جب سے اب تک اسی کے ساتھ مقیم تھی اس لئے اس نے شادی کی رسوم کو نہایت تزک واحتشام اور شان وشوکت کے ساتھ انجام دینا چاہا جو ہندوستان کا خاصہ ہے اور جس کی وجہ سے یہ ملک دنیا میں مشہور رہا ہے چنانچہ اس نے شاہزادی اور بادشاہ کی شادی کا اہتمام اس انداز سے کیا کہ ایسی شادی ہندوستان میں اور دکن میں کسی راجہ اور بادشاہ کے عہد میں نہ ہوئی تھی۔ خود بادشاہ فرخ سیر نے اس تقریب کے لئے جو تیاریاں کی تھیں وہ بھی حسین علی خاں کے دیئے ہوئے سامانِ آرائش، اور زر وجواہر اور دیگر قیمتی اشیاء کے مقابلے میں ہیچ ثابت ہوئیں رات ہوئی تو آتش بازیوں سے ساری فضا روشن ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے ہزاروں لاکھوں تارے بیک وقت ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ چراغوں کی روشنی، آرائش وزیبائش اور آتش بازی کی لو سے دھوکا ہوا جیسے باغ ارم یہیں ہے۔ مسرت وشادمانی کی اس مبارک گھڑی میں سلطنت کے امرا وعزباء برابر کے شریک ہوئے۔ ہر طرف نشاط وشادمانی سے لوگوں کے چہرے معمور تھے۔ فضا میں مسرت بر ہمکنار تھی تماش بینوں اور مدعوعین سے دارالخلافہ کی سڑکیں کھچا کھچ بھر گئی تھیں۔ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی ہر شخص محفل عیش میں شرکت کے لئے دل عاشق کی طرح پریشان

مضطرب تھا۔ ہر آنکھ سے خوشی کی پھلجھڑی چھوٹ رہی تھی۔ ہر رخسار رخسار گل کی طرح تازہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تماش بینوں کے چہرے شگفتہ پھولوں میں بدل گئے ہیں۔ ایسی تازگی اور ایسی شگفتگی کہ باغوں کے گلہائے سرخ بھی شرما جاتے تھے اور گلاب مارے حسد کے کانٹوں میں چھپ چھپ جاتے تھے۔

آخر کار کئی دنوں کی تیاریوں کے بعد بادشاہ حسین علی خاں کے محل میں امرائے شاہی کے ساتھ حاضر ہوا۔ شادی کی رسوم انجام پائیں تو بادشاہ اپنی ملکہ کو لے کر شاہی سواری میں بیٹھا اور شاہی محل میں تشریف لایا۔ خوشی کے شادیانے بجتے رہے اور اس کی نغمہ ریز آواز ہواؤں میں رنگ نشاط بھرتی رہی۔ یہ سب کچھ شب پنجشنبہ ۲۲ر ذی الحجہ ۱۱۲۷ھ کو انجام پایا۔

کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ محفل عیش و نشاط مذہبی تنازعات میں بدل جائے گی شاہ عبداللہ نامی ایک مذہبی پیشوا کسی ضرورت کے تحت ملتان سے دارالخلافہ آیا تھا اس نے مسجد کے قریب ہی قیام کیا۔ یہیں وہ بہت جلد لوگوں سے اس حد تک گھل مل گیا کہ اس کا وعظ و پند سننے کے لئے لوگ جوق در جوق آنے لگے اس کے خیر خواہوں اور ماننے والوں کی اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی ایک دن وہ اسی خواجہ محمد جعفر درویش سے ملنے گیا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس کے معتقدین اس کی قدم بوسی کرتے کرتے زمین کو بھی بوسہ دیتے ہیں اور قوال ابیات منقبت پڑھتے ہیں۔ شاہ عبداللہ کو منقبت کا سننا بہت ناگوار گزرا۔ چنانچہ اس نے کہا۔

"عقیدت کا ایسا اظہار صرف خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہے اس کے علاوہ اور کسی کو زیب نہیں دیتا اور سرود سننا بھی ممنوع ہے اور خلفائے راشدین کے ذکر اور نام کے بغیر اہل بیت پیغمبر صلعم کی منقبت اسلام کے آئین کے خلاف ہے۔"

خواجہ محمد جعفر درویش نے جواباً کہا۔

"فقرا اور درویش خدا کے علاوہ کسی کو جانتے ہی نہیں پس دوسروں کو سجدہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں جوش حقیقی ہے وہ ہر جگہ زمین بوس ہوتے ہیں۔ اس میں ہماری کیا خطا۔ ہم

ان کو اس حرکت سے کیسے باز رکھ سکتے ہیں"۔ رباعی۔

ہمسایہ و ہم نشیں و ہمرہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہانخانہ جمع!
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

خواجہ صاحب نے قوالوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک قوالوں اور نقالوں کا تعلق ہے یہ لوگ ان ہی اشعار کو پڑھتے اور گاتے ہیں جو انھوں نے اپنے استاد سے سیکھے ہیں۔ میں نہ مخل ہو سکتا ہوں اور نہ ان کو منع کر سکتا ہوں اگر تمہیں چاروں خلفا کی شان میں اشعار یاد ہوں تو ان کو جاکر سکھاؤ تاکہ وہ ہر جگہ اور ہمہ وقت گایا کریں"۔

شیخ عبداللہ کو اس کے جواب سے تشفی نہیں ہوئی بلکہ گمان ہوا کہ وہ مذہب شیعہ کی طرف مائل ہے۔ وہ آزردہ ہو گیا۔ چنانچہ دوسرے دن جامع مسجد میں اس نے خطبہ میں خواجہ جعفر کے الفاظ دہرائے اور کہا کہ وہ شیعیت کی تلقین کرتا ہے۔ شیخ نے خواجہ کو کھلے بندوں ذلیل و رسوا کیا۔ اس نے کہا۔

"جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا داخل آل عبا نہیں اور علوی کو سید نہیں کہنا چاہیئے اور یہ کہ پنج تن پاک کہنا بھی خلاف عقیدتِ اہل سنت ہے۔ اس سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ دوسرے صحابہ پاک نہ تھے"۔

غرضکہ اس نے نہ صرف اپنے الفاظ سے بلکہ اشاروں کنایوں سے بھی مذہب امامیہ کی مذمت کی۔ وہ اپنے ان خیالات و معتقدات پر سختی سے کاربند بھی تھا اس خطبہ کو سننے کے بعد خواجہ جعفر نے یہ پیغام دیا:۔

"وعظ میں ایسی قیل و قال اہل سنت و جماعت کی رسم مذہب کے نہ صرف برخلاف ہے بلکہ اس سے اشتعال انگیزی اور نفرت کی بو بھی آتی ہے اگر زحمت نہ ہو تو غریب خانہ میں تشریف لایئے یا کوئی مناسب جگہ تجویز فرمایئے تاکہ فضلاء و عقلاء کے روبرو کلام شریعت میں حجت و دلیل کی جائے اور آپ کو جن باتوں کا دعویٰ ہے ان کی از روئے کتب تصدیق کیجئے"۔

شیخ عبداللہ نے جواب میں سخت الفاظ استعمال کئے۔ چند روز کے بعد اتفاقاً متعدد مغل زادہ اوباش اور بے فکرے عین وعظ کے وقت مسجد میں جمع ہو گئے۔ تسبیح اور خاکِ کربلا گردن اور بازو میں لگائی اور نگاہ بد سے شیخ کی جانب دیکھنے لگے۔ ان مغل زادوں کی حرکت شیخ کے دو تین ہزار موجود پیرو کار کو ناگوار گزری۔ ان کو شک ہوا کہ یہ لوگ خواجہ کی طرف سے شیخ کو قتل کرنے آئے ہیں چنانچہ انھوں نے اشتعال میں آکر ان مغل زادوں پر حملہ کر دیا اور انھیں مسجد سے نکال دیا۔ یہ معاملہ یہیں رفع دفع ہو جاتا۔ لیکن اتفاقاً ایک اجل رسیدہ ہندو جو وضع سے سپاہی معلوم ہوتا تھا وعظ سننے آیا تھا اور اس انتشار میں ان ہی کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا کہ ایک موذن نے اس خیال سے کہ یہ بھی ان ہی لوگوں میں سے ہے جنھوں نے بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے اس کو لوٹا اور اسے ہلاک کرنا چاہتا ہی تھا کہ وہ ہندو داؤ لگا کر بچ نکلا اور اپنے تعاقب کرنے والے موذن کو مار ڈالا۔ لیکن اسکی قسمت میں بھی موت لکھی تھی چنانچہ چند لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ دو تین دن تک اس کی لاش زیر مسجد شناخت کے لئے پڑی رہی اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد شیخ عبداللہ کے بعض ہوا خواہ، مقربانِ دربار کی معرفت بادشاہ کے حضور میں آئے اور شکایت کی کہ خواجہ جعفر اہل بیت کے دین میں خلل انداز ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ حالات سنگین ہو چکے ہیں اور فضا مکدر ہو رہی ہے اس لئے خواجہ کو شہر بدر کیا جائے۔ بہادر شاہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔ جب حضورِ عالی مرتبت نے مسلمانوں کے دین میں یہ الفاظ نافذ کرنا چاہے تھے کہ علی مرتضیٰ ہی خدا کے نمائندہ ہیں۔

کسی کو شاید یقین نہ آئے گا کہ اتنا معمولی سا واقعہ پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔

۱؎ وہ متعصب لوگ جو دینِ اسلام پر ہمیشہ الزام دھرتے آئے ہیں کہ یہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلا مذہب اسلام سے ہندوؤں کی عقیدت، ان کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھنے والے ہندوستان آئیں اور دیکھیں کہ کسطرح ہندو روزانہ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے ہیں اس واقعہ کو بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ جب پہلے پہلی کالی کٹ میں پرتگیز آئے تو انھوں نے دیکھا کہ شاہ مالابار کا باپ حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اور تخت و تاج کو ٹھکرا کر مکہ روانہ ہو گیا تھا جہاں اس نے رحلت فرمائی۔

شاہجہاں آباد کی گذر گاہوں اور اس کے بازاروں میں جہاں مناقب ائمہ طاہرین پڑھ —— کو فضائل بیان کئے جاتے تھے اور لوگ بڑے غور اور شوق سے سننے کے لئے چلتے چلتے رک جاتے تھے اب وہاں قوالوں پر نازیبا جملے کسے جانے لگے اس کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو اس نے اس موضوع پر قاضی شریعت اللہ سے مشورہ لیا۔ قاضی نے کہا کہ شیخ عبداللہ نے جو کچھ کہا ہے وہ اہل سنت کی کتابوں کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا خواجہ کی بداعتقادی شرعاً ثابت نہیں ہوتی۔ ساتھ ہی قاضی نے یہ بھی کہا کہ اگر خواجہ جعفر نقل مکان کرکے کہیں اور چلا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

اس فیصلہ کے فوراً بعد خانِ دوران نے شیخ عبداللہ کو بلا بھیجا اور اس سے اس شہر میں آنے کا مدعا پوچھ کر اس کو ملتان روانہ کر دیا اس کے بعد وہ خود خواجہ جعفر درویش کی خدمت میں گیا اور اپنا ناچیز خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ فی الوقت نقل مکان کرکے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر قیام کرے تو اس کے مخالفین کی زبان خود بخود بند ہو جائیگی اور چونکہ ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا ہے وہ دب جائے گا۔ اس طرح فضا جو کچھ دیر پہلے مکدر ہو گئی تھی صاف تو ہو گئی لیکن اسی دوران سلطنت کے شمالی علاقوں سے سنگین حالات پیدا ہونے کی اطلاع آئی۔

سکھوں کو شکست فاش

فرخ سیر کے پنجم جلوس میں مطابق ۱۱۲۸ھ پنجاب کی سرزمین سکھوں اور سلطنت کے درمیان زبردست معرکہ ہوا۔ سلطنت کی کمان پنجاب کے صوبہ دار عبدالصمد خاں کے ہاتھ میں تھی اس نے سکھوں کو ایسی شکست فاش دی کہ اس کا سپہ سالار بندہ فاتح کے قبضہ میں آگیا۔ بندہ فطرتاً ظالم اور قصاب تھا اس کے ظلم و تعدی کا بازار ایسا گرم ہوا کہ لاہور کی سڑکیں اور گلیاں بھی اس کے نام سے کانپنے لگیں پے درپے فتوحات نے اس کے حوصلے اس حد تک بڑھا دیئے تھے کہ وہ تخت و تاج کا بھی خواب دیکھنے لگا۔ بہر حال اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ سکھ فرقہ گرو گوبند سنگھ کا پیروکار ہے اس فرقہ کے لوگ اپنی پیدائش کے وقت سے یا جب سے اس مذہب میں داخل ہوتے ہیں بال نہیں بنواتے۔ ان کا اپنا علیحدہ معاشرہ ہے وہ نیلے رنگ کے کپڑے پہنتے اور ہمیشہ مسلح رہتے ہیں۔ ہر چند کہ ان کا تعلق فرقہائے مختلف سے ہی کیوں نہ ہو لیکن جب وہ یہ راہ اختیار کر لیتے ہیں وہ ایک دوسرے سے میل جول میں احتراز نہیں کرتے۔

سکھ مذہب کی ابتدا

سکھ مذہب کی ابتدا عہد عالمگیر کے اواخر میں ہوئی اس کا موجد گرو گوبند ہے جو خود مشہور فقیر نانک شاہ کے خلفا میں ہے نانک شاہ کا باپ بقال کھتری سے تعلق رکھتا تھا۔ عہد جوانی میں یہ شخص اپنے حسنِ کردار اور حسین چہرہ کی وجہ سے بہت مشہور ہوا[۱]۔ ان ہی دنوں سید حسن نامی درویش گزرا ہے جسکی فصاحت وبلاغت اور مال وزر کا بہت چرچا تھا۔ وہ چونکہ لاولد تھا اس لئے وہ نانک کی خوبصورتی سے اتنا مسحور ہوا کہ اس نے اس پر دست شفقت پھیرا اور اس کی تربیت کرنے لگا اس درویش کے فیض سے اس نے شعور و دانش حاصل کیا۔ معارف وحقائق کا گہرا مطالعہ کیا اور وہ اس علم سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ صوفیوں کے ان اقوال کو پنجابی میں ترجمہ کرنے لگا جن کو پڑھ کر وہ جھوم جھوم اٹھتا تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے بزرگوں کی طرح تعصب نہ تھا وہ اس عیب سے بالکل مبرا اور پاک تھا۔ اس نے رفتہ رفتہ ان اقوال کو اشعار میں موزوں کیا بعد میں ان اشعار کو اکھٹا کرکے کتابی شکل دی جو گرنتھ کے نام سے مشہور ہوئی یہ کتاب بابر شاہ کے عہد میں خوب چلی۔ یہ کتاب آج تک تعظیم وتکریم کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ کوئی سکھ اس کتاب کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگا سکتا جب تک اس کے دل میں اسکی عزت وتکریم کا چراغ نہ جل اٹھے۔ حقیقت میں یہ کتاب ہے بھی فصاحت وبلاعت سے پُر ہے

سکھ مت کے فقیر اکثر مسلمان فقیروں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ ان دونوں مذاہب کے فقیروں میں تمیز کرنا سہل نہیں ہے۔ اب بھی یہی صورت ہے۔ وہ گاؤں اور شہروں میں ڈیرہ ڈالتے ہیں جسے وہ اپنی اصطلاح میں سنگت کہتے ہیں اور ایک سنگت میں ایک مرشد اور اس کے مرید ہوتے ہیں۔ بابا نانک کی اولاد میں صرف دو لڑکے تھے سری چند اور لکھی چند۔ لکھی چند دنیاوی زندگی میں پھنس کر رہ گیا اور اس کو سیر وتفریح اور زندگی کی دوسری آسائشوں کی طرف رغبت تھی اب اس کے اہل خاندان اس کی نقل اتارتے ہیں۔ سری چند نے باپ کی طرح درویشی اختیار کرلی اور مذہبی امور کی طرف مائل ہوا وہ زن وفرزند سے گریزاں تھا لیکن وہ باپ کی جگہ پر نہ بیٹھا اور نہ اس نے سجادہ نشینی اختیار کی فقرائے نانک شاہی جو مسلمان فقیروں سے بہت مشابہ ہیں اس کے پیروکار ہیں۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ نانک شاہ کا سجادہ نشین انگد نامی اس کا ایک خادم ہوا۔ تیرہ سال تک وہ سجادہ پر رہا۔ چونکہ یہ لاولد تھا اس نے اپنے مریدوں کو وارث بنا دیا اس نے ۲۲

[۱] نانک کے حسن وجمال کے بارے میں عجیب وغریب روایتیں مشہور ہوئیں لیکن سکھ مذہب اس بارے میں کچھ نہیں کہتا حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ نانک نے ۱۳، اور ۲۵ سال کی درمیانی مدت میں جو کام بھی انجام دیئے ہیں ان پر سکھوں نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

برس زندگی پائی۔ حالانکہ اس کی اولاد میں ایک لڑکا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے داماد، رام داس کو گدی نشین کیا وہ سات برس تک جیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا گرد ارجن پچیس برس تک باپ کی جگہ مسند آرا رہا۔ بعدہٗ اس کا بیٹا گروہر گوبند ۲۸ سال تک اپنے مذہب کی اشاعت کرتا رہا۔ اس کے بعد گروہرائے بندہ ہرگوبند نے سترہ برس تک مسند آرائی کی۔ بعدہٗ اس کا فرزند گروہرکشن بچپن ہی میں گدی نشین ہوا۔ گدی نشینی کے تین سال تک وہ زندہ رہا۔ اس کے چل بسنے کے بعد تیغ بہادر گیارہ برس سکھوں کا رہنما رہا اور امرائے عالمگیر کا قیدی ہوا اور ۱۰۸۶ھ میں بحکم عالمگیر بادشاہ مارڈالا گیا۔

تیغ بہادر کے بے شمار پیروکار تھے جو ہمیشہ مسلح رہتے تھے۔ اس کا ہم عصر حافظ آدم نامی فقیر بھی جو شیخ احمد سرہندی کے مریدوں میں تھا اپنے مریدوں میں بہت مقبول تھا۔ لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے گئے۔ اب تیغ بہادر اور حافظ آدم نے مل کر ظلم وستم سے مال و دولت لوٹنا شروع کیا تیغ بہادر ہندوؤں سے اور حافظ آدم مسلمانوں سے روپیہ لیتا تھا جب ان دونوں کی لوٹ مار حد سے زیادہ بڑھ گئی تو وقائع نگاروں نے اورنگ زیب عالمگیر کو لکھا کہ دو فقیر ایک ہندو اور دوسرا مسلمان لوٹ کھسوٹ کرکے زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا عجب کہ قدرت حاصل کرکے سلطنت کے لئے دونوں باعثِ پریشانی بن جائیں۔ اس اطلاع کو پاکر عالمگیر نے حاکم لاہور کو لکھا کہ دونوں کو گرفتار کیا جائے۔ حافظ آدم کو اٹک اور پشاور کے اس طرف چھوڑ دے اور اس سے کہدے کہ اگر دوبارہ اس نے ادھر کا رخ کیا تو سزائے موت ملے گی تیغ بہادر کے لئے یہ پیغام تھا کہ اسے قید کرکے گوالیار بھیج دیا جائے۔ حاکم نے اس فرمان پر فوراً عمل کیا کچھ روز بعد شہنشاہ کی طرف سے ناظم گوالیار کو یہ حکم ملا کہ تیغ بہادر کو قتل کرکے اس کی لاش کے چار ٹکڑے کئے جائیں اور قلعہ کے چاروں پھاٹک پر لٹکا دیئے جائیں۔

سکھوں نے فقیرانہ زندگی ترک کرکے سپاہیانہ زندگی اختیار کی

اس کے بعد سے سکھوں نے درویشانہ وضع اختیار کرلی اور وہ اسلحہ کے ساتھ گھومنے لگے لیکن جب گرد گوبند اپنے باپ کی جگہ مسند آرا ہوا تو اس نے اپنی فوجیں اپنے مریدوں میں تقسیم کردیں ان کو گرو گوبند نے یہ حکم بھی دیا کہ وہ اسلحہ اور گھوڑے فراہم کرتے رہیں۔ اچھی طرح سے مسلح ہوگئے تو اس نے ہاتھ پاؤں نکالے اور لوٹ مار شروع کردی لیکن بموجب حکم شاہی فوجدار لوگوں نے فوراً انکی تنبیہ کی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے

البتہ گرو گو بند کے دو لڑکوں کو قید کر کے ہلاک کر ڈالا گیا۔ باپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ جب ہر طرف سے مار پڑنے لگی تو اس نے اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچنا چاہا۔ مگر سرہند پہنچنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ چنانچہ جب اس نے اپنی حالت غیر دیکھی تو بعض افغانوں سے مدد مانگی۔ اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اسکو کسی طرح بخیر و خوبی سرہند پہنچا دیں گے تو زر خطیر معاوضہ میں دیا جائے گا۔ بعض افغانی پہاڑ سے نیچے آئے اور انھوں نے اس کو اپنے طریق پر نیلا لباس پہنایا اور اس کی داڑھی اور مونچھیں بڑھوائیں۔ جب اسکی ہیت اپنی ہیت سے ملتی جلتی دیکھ کر مطمئن ہو گئے تو نہ صرف اس کو منزل تک بہ حفاظت بلکہ بہ احترام لائے راستے ہیں۔ جو کوئی اس کے بارے میں ان سے پوچھتا کہ اس شخص سے ایسی عقیدت کیوں تو وہ سب جواب دیتے کہ وہ ہمارے پیر و مرشد ہیں اس طرح گرو گو بند بہ حفاظت اپنے گھر پہنچ گیا اس واقعہ کی یاد میں اس نے افغانوں کا لباس اختیار کیا اور اپنے مریدوں کو بھی یہی لباس پہننے اور یہی وضع اختیار کرنے کی تلقین کی۔ اس نے یہ آئین بنا دیا کہ اس وقت تک کسی کو اس مذہب میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا جب تک اس کی داڑھی اور مونچھیں مقررہ لمبائی تک نہ پہنچ جائیں اور اس کا لباس خاص وضع کا نہ ہو۔

بندہ کی مسلمان دشمنی حاملہ عورتوں کی آبرو ریزی

لیکن لڑکوں کی جدائی کا اثر اس کے قلب پر اتنا گہرا ہوا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور مایوس و نامراد اس دنیا سے چل بسا اسکی جگہ اسی بندہ نے لی جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ جب اس کو اقتدار حاصل ہوا اور اس کے ہاتھوں میں طاقت آ گئی تو اس نے اپنے سرفروشوں کے ساتھ مل کر جو اسی کی طرح انتقام کی بھٹی میں سلگ رہے تھے ملک کے اکناف میں وہ تباہی و بربادی مچائی کہ الحفیظ و الامان۔ چونکہ اس کے دماغ میں تیغ بہادر اور گرو گو بند کی اولاد کے قتل کا لاوا دہک رہا تھا اس نے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا جسے پاتا تہ تیغ کر دیتا بچے بوڑھے جو بھی اس کی زد میں آتے خون آشام تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر دیتا اور ان کے پیٹ سے بچے نکال کر ان کے سروں کو دیواروں سے ٹکرا دیتا۔

بادشاہ نے یہ دردناک اور خوفناک داستانیں سنیں تو اس کا رواں رواں کانپ اٹھا اس نے فوراً نہ صرف صوبے کی فوج بلکہ پوری شاہی فوج کو اس کی تادیب کے لئے روانہ کر دیا۔ خان خاناں منعم خاں جیسا سرفروش اور جانباز سپہ سالار اس معرکہ کے لئے مامور

ہوا اس نے اپنی کمان میں تیس ہزار سوار لئے اور بندہ کی سرکوبی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ سخت معرکہ کے بعد کوہ کڑھ میں اس کو محصور کر لیا گیا۔ لیکن اس تیزی اور اس ہوشیاری سے وہ نکل بھاگا کہ عقل حیران رہ گئی۔ دوسری مرتبہ محمد امین خاں، اصغر خاں اور رستم دل خاں وغیرہ نے اس کا تعاقب کیا جو اسکو محصور کرنے میں کامیاب تو ہو گئے لیکن اس بار بھی وہ بکمال ہوشیاری بھاگ کھڑا ہوا۔ بندہ بہت کم شاہی فوج کے مقابلے میں آتا تھا شاہی فوج اسے دیکھ بھی نہ سکتی تھی وہ اس تیزی سے شاہی فوج کے نرغے سے نکل جاتا جیسے کوئی وحشی جانور جال سے نکل کر بھاگ رہا ہوا اور پھر اس کے بعد وہ ہر شے کو آگ لگا دیتا۔ جس مسلمان کو بھی دیکھتا اس کا سر قلم کر دیتا مسجدیں مسمار کر دیتا۔ میناروں کو روندتا اس کے مظالم کی آگ کی لپٹیں ابھی بلند ہو رہی تھیں کہ بہادر شاہ نے دنیا کے جھگڑوں سے رہائی پائی۔ اس کی رحلت کے بعد اس کے لڑکے تاج و تخت کے لئے دست و گریبان ہونے لگے۔ بندہ کی سرکوبی کی طرف کسی نے توجہ نہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طاقت لامحدود ہوتی گئی۔ لیکن جب فرخ سیر کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت آئی تو اس نے بندہ کی سرکوبی کے لئے لاہور کے صوبہ دار اسلام خاں کو حکمنامہ بھیجا فوراً تعمیل حکم ہوئی لیکن اسلام خاں کو شکست فاش کھا کر لاہور واپس آجانا پڑا اس شکست نے اس کے سر کو شرم و ندامت سے جھکا دیا تھا۔ لیکن بندہ کا دل فتح و نصرت سے اور اونچا ہو گیا اور اس نے پہلے سے زیادہ مسلمانوں پر مظالم کی بارش کر دی۔

اسی عرصہ میں بایزید خاں نامی فوجدار سرہند بندہ کی سرکوبی کے لئے قصبہ مذکور سے نکلا راستے میں اس نے پڑاؤ ڈالا۔ نماز مغرب کا وقت ہوا تو وہ چند آدمیوں کے ساتھ علیحدہ خیمہ میں نماز پڑھنے چلا گیا اسی عالم میں ایک سکھ نے خیمہ میں چپکے سے حسن بن صباح[1] کے کسی پرستار کی طرح آکر بایزید کو مار ڈالا۔ ادھر خیمہ کے اندر خلفشار ہی مچ رہا تھا کہ وہ صحیح سالم اپنے ساتھیوں میں آملا۔ جب یہ خبر دارالخلافہ میں پہنچی تو بادشاہ نے عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ تورانی صوبیدار کشمیر کو حکم دیا کہ فوراً بندہ کی بیخ کنی کے لئے کوچ کرے اس کی ہمت افزائی کے لئے بادشاہ نے اس کے لڑکے ذکریا خاں کو لاہور کا صوبہ دار بنا دیا۔ عبدالصمد خاں اپنے ساتھ قمرالدین

---

[1] حسن بن صباح صلیبی جنگوں میں شیخ الجبل کے نام سے مشہور تھا اور اس کے جاں نثار حسنین کہلاتے تھے۔ لفظ حسنین نے انگریزی زبان میں ایک نئے لفظ A S S A S S I N کو جنم دیا جو قاتل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ولد اعتماد الدولہ، محمد امین خاں اور اعز خاں وغیرہ فوج مغلیہ اور رسالہ شاہی اور توپ خانہ وغیرہ لے کر روانہ ہوا۔ روانہ ہونے سے پہلے عبدالصمد خاں نے اپنے غلام عارف خاں کو کشمیر کا سالار مقرر کیا۔ اس کی کمان میں کئی ہزار تورانی سپاہی تھے جو وحشیوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے شکاری شکار پر لوٹ پڑتا ہے ان کے برق رفتار حملہ کی بندہ کی فوج تاب نہ لا سکی مخالف فوج کا ایک ایک آدمی پاؤں تلے روند ڈالا گیا عبدالصمد خاں نے ان کا تعاقب اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ ساری فوج پسپا نہ ہوگئی۔ لیکن حیرت کا مقام تھا کہ بندہ اب بھی اپنی جگہ پر ڈٹا رہا اور پہلی دار میں اس نے ایسی شجاعت دکھائی کہ شاہی فوج شکست کھاتے کھاتے رہ گئی اگرچہ وہ اتنی بھاری شاہی فوج کی تاب نہ لا سکا اس کے باوجود وہ اپنی جان بچانے کی غرض سے ایک جگہ سے دوسری جگہ اس طرح بھاگ کھڑا ہوتا جیسے جنگلی جانور جھاڑیوں میں چھپتا پھرتا ہے آخر کار خستہ و درماندہ ہوجانے کے بعد وہ گورداس پور کی طرف مڑا جو ان وحشیوں کا ملک تھا اور جہاں ان کے سردار نے بہت عرصہ پہلے مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا اسی قلعہ میں مال غنیمت کے علاوہ ان کی بیویاں اور خاندان کے دوسرے افراد رہتے تھے لیکن سلطانی فوج نے اس قلعہ کی فوراً چاروں طرف سے ایسی ناکہ بندی کر دی تاکہ قلعہ کے اندر غلہ کا ایک دانہ بھی نہ پہنچ سکے فوجوں نے کڑی نگرانی بھی کر رکھی تھی۔ جب قلعہ کے اندر کے گولے بارود سب ختم ہو گئے اور انبار خانہ میں کچھ باقی نہ رہا تو کال پڑ گیا۔ بندہ اور اس کے لوگ اب جو بھی ان کے ہاتھ آتا کھانے لگے، گدھے، گھوڑے اور بیل ان کی غذا بن گئے انتہا یہ ہوئی کہ وہ گائے تک کو جو ممنوعات مذہبی میں سے ہے نگلنے لگے اس کے باوجود انھوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ عالم گرسنگی میں جب انھوں نے روئے ارض کی کوئی چیز نہ چھوڑی اور جو ملتا وہ کھاتے جاتے تو نتیجتاً وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اترنے لگے۔ اکثروں نے گھبرا کر امن وامان کے لئے لشکر میں آنے کی استدعا کی۔ عبدالصمد نے ایک نشان میدان میں گاڑ دیا اور حکم صادر کیا کہ وہ اس جگہ اپنے اسلحہ اور کپڑے جمع کر دیں اور پھر خیمے میں آجائیں۔ ان وحشیوں نے چارو ناچار اطاعت قبول کر لی ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے اور ان کو مغلوں اور تاتاریوں کے حوالے کر کے یہ حکم صادر کیا گیا کہ ان سبھوں کو گردن زدنی کر کے دریا میں غرق کر دیا جائے۔ اس فرقہ کے رؤسا اور مشاہیر کو ننگے بدن اونٹوں اور گدھوں پر سوار کرا کر کاغذ کی ٹوپی سر پہ اور پاؤں میں زنجیر و سلاسل ڈال کر عبدالصمد خاں چند روز کے اندر لاہور میں داخل ہوا۔

ایک بڑھیا کا انتقام

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ بایزید کی ماں جو تورانی خاتون تھی اور لاہور میں تھی اس خبر سے خوش ہو کر کہ اس کے لڑکے کا قاتل قیدیوں کے ساتھ آیا ہے وہ سرراہ بیٹھ گئی اور آدمیوں سے کہا کہ جب میرے لڑکے کا قاتل جس کا نام باز سنگھ ہے آئے تو مجھے بتلائیو۔ باز سنگھ کا اصلی نام کچھ اور تھا یہ اس کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ باز کی طرح دشمنوں پر جھپٹتا اور وار کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہ قریب آیا تو لوگوں نے اس ضعیفہ کو خبر دی اور اس کے ہاتھوں میں ایک بھاری پتھر بھی دیدیا۔ چونکہ وہ اندھی تھی اس لئے لوگوں کا اشارہ پاکر اس نے اس تیزی سے پتھر اس کے سر پر مارا کہ وہ فوراً جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جب وہ اپنے لڑکے کا انتقام لے چکی تو اس نے اطمینان کی سانس لی اور کہا کہ اب میں چین سے مرسکوں گی۔

بندہ کا خاتمہ

اس واقعہ کے بعد شہر میں ہنگامہ کی صورت پیدا ہو چلی عبدالصمد نے بھی محسوس کیا کہ اگر اس نے فوراً اس پر قابو نہ پایا تو باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے اس لئے اس نے از راہِ تحفظ سکھوں کو گھوڑے گدھے کی جھولیں پہنا کر چھپا دیا تاکہ اکثر مارے جانے سے بچ جائیں۔ دوسرے روز جب حالات معمول پر آگئے تو وہ بادشاہ کے حضور میں ان کو پیش کرنے کے لئے روانہ ہوا چند روز کے بعد ان لوگوں کو بدستور قمر الدین خاں ولد محمد امین خاں اور اپنے لڑکے ذکریا خاں کے ہمراہ دارالخلافہ کو روانہ کیا۔ جونہی وہ شہر کے قریب پہنچے کہ فرخ سیر نے اعتماد الدولہ محمد امین خاں سے فرمایا کہ بندہ کو سیاہ کلاہ میں روسیاہ کر کے ہاتھی کی پشت پر اور دوسروں کو اونٹ اور گدھوں پر نیزہ پر رکھ کر شہر میں لائے۔ جب بندہ کو بادشاہ کے روبرو لایا گیا تو اس کو مع لڑکے اور دو تین ہمراہیوں کے حکم حبس ہوا اور دوسروں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ روزانہ سو نفر کو کوتوال کے پاس بھیجا جائے اور ان کو قتل کیا جائے۔ حسب الحکم تعمیل ہوئی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ ہر شخص قتل ہونے کے لئے ایک دوسرے پر فوقیت چاہتا تھا بلکہ وہ جلاد کی منت سماجت کرتے تھے۔ جب ایک ایک کر کے سب گردن زنی ہوئے تو بندہ کو حاضر کیا گیا اس کے لڑکے کو اس کے زانو پر رکھ کر حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے حلق پر چھری پھیرے اس نے حکم کی فوراً تعمیل کی اس کے بعد زنبور آہن گرم کرا کر اس کے بدن

کو جا بجا سے داغا گیا اس کی جان بڑی تکلیف سے نکلی۔ کہا جاتا ہے کہ محمد امین خاں اس کے قریب آیا اور اس نے اس کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر آثار شرافت اور خرد مندی دیکھ کر اس کو سخت حیرت ہوئی۔ اس منظر کی تاب نہ لا کر اس نے اس وحشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"حیرت کی بات ہے کہ تیرے چہرے پر تو ایسی شرافت نمایاں ہے اور تو بے شمار ہولناک جرائم کا مرتکب ہوا۔ آخر تو نے کیوں اس طرح اپنی دنیا و آخرت اپنے ہی ہاتھوں برباد کر ڈالی ہے۔؟"

اس ظالم وحشی نے بڑی ہی تمکنت سے جواب دیا۔

"حضور والا، جب انسان تمرد و عصیان میں پڑ کر راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے اور نظام کائنات کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو مجھ ایسے ظالم اور قاتل کے اختیار میں اس کی مکافات دیدیتا ہے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے ایسا واقعہ ہر ملک اور ہر دور اور ہر مذہب میں نمودار ہوتا رہتا ہے اور جب سزا مل جاتی ہے تو قصاب کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد قادرِ وقدیر مجھ جیسے ظالم اور قاتل کو تم جیسے طاقتور بادشاہ کے حوالے کر کے سزا دلواتا ہے۔"

ایں جوش و خروش ظالمانہ چیست ⁂ گر چوب خدا صدا نہ دارد

حسین علی خاں اور داؤد خاں میں تصادم

سکھوں کے حالات بیان کرنے کے بعد اب میں اپنے قارئین کو دربار کی تنازعات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہیں سے تاریخ ایک نیا رخ اختیار کرتی ہے اور سلطنت ایک نئی کشمکش سے دوچار ہوتی ہے پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ دربار سے میر جملہ کی برخاست کے بعد کس طرح حسین علی خاں کو دکن بھیجنا قرار پایا تھا اور اس کے کوچ میں کیوں تاخیر ہوئی۔

کل امور سے فراغت پانے کے بعد آخر کار حسین علی خاں عازم دکن ہوا لیکن اس سے قبل بادشاہ کے حضور میں عرضداشت بھیجی کہ "اگر اسکی غیر موجودگی میں قطب الملک عبداللہ خاں کے ساتھ بدمعاملگی کی گئی یا اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا گیا تو میں بیس روز کے اندر اندر دار الخلافہ پہنچ جاؤں گا۔"

بادشاہ کے لئے یہ ایک کھلی دھمکی تھی اور اس سے اس کا یقین دلانا تھا کہ حسین علی

خاں کو کسی حال میں کمزور نہیں سمجھنا چاہیئے ۔ ادھر امیر الامرا عازم دکن ہوا اور ادھر بادشاہ نے داؤد خاں کو جو احمد آباد کا صوبہ دار تھا اور جس کی شجاعت و پامردی ضرب المثل بن چکی تھی اور جو دکن کے سردارانِ مرہٹہ سے اتحاد رکھتا تھا برہان پور کی صوبیداری بھی عطا کر دی ۔ ساتھ ہی بادشاہ برابر حکم بھیجتا رہا کہ برہان پور میں آ کر وہ کسی طرح بھی امیر الامرا حسین علی خاں کی اطاعت نہ کرے بلکہ اس کے استیصال میں سر دھڑ کی بازی لگا دے اس کو کامیابی ہو گئی تو دکن کی کل صوبیداری اس کو دی جائے گی ۔ ان ہدایات کے موصول ہوتے ہی داؤد خاں برہان پور آ گیا اور یہاں پہنچتے ہی اس نے بلا چون و چرا دکن کی صوبیداری اپنے ہاتھوں میں لے لی ۔ اس کی اطلاع فوراً امیر الامرا حسین علی خاں کو مل گئی چنانچہ اس نے داؤد خاں کو لکھا ۔

"صوبجات دکن چونکہ مجھ سے متعلق ہیں اس لئے لازم ہے کہ داؤد خاں جادۂ فرمانبری سے منحرف نہ ہو کر فوراً میرے استقبال کو آئے ورنہ فوراً بادشاہ کے حضور میں چلا جائے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا سبب نہ بنے"۔

بمبا سندھیہ

داؤد خاں ان دونوں شرائط کی پروا نہ کر کے برہان پور سے باہر آیا ۔ اور خیمہ کھڑا کر کے امیر الامرا حسین علی خاں کی اطاعت سے صاف باغی ہو گیا ۔ اس کے علاوہ اس نے سردارانِ مرہٹہ میں سے ایک شخص کو بلایا جو بادشاہ کے عہد سے ہفت ہزاری تھا اور جس کو مختلف موقعوں پر اعزاز و اکرام سے نوازا گیا تھا اس سردار کا نام بمبا سندھیہ اور جس کے اختیار میں اورنگ آباد کا پورا علاقہ تھا ۔ چنانچہ وہ آ کر خیمہ زن ہوا ۔ جب امیر الامرا حسین علی خاں نے اپنی پند و نصیحت کو بے سود سمجھا تو ۲۵ رمضان المبارک کو ۲۶ ہزار سوار لے کر صف آرا ہو گیا ۔ یہ واقعہ فرخ سیر کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں پیش آیا ۔ داؤد خاں بھی اپنے ہمراہیوں سمیت آ کر رزم کناں ہوا ۔ اس کا ہر ہمراہی خود کو رستمِ زماں سمجھتا تھا ۔ اس جنگ میں خون کا دریا بہہ گیا ۔ طرفین کا ہر سپاہی شجاعت و بہادری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت کی گھڑی آن پہنچی ہے ۔ تلواروں سے سر اس طرح کٹ رہے تھے جیسے مینہ برس رہا ہو ۔ اور مردانِ جرار کے ہاتھوں سے جو خون بہہ رہا تھا اس سے خشک زمین کی سیرابی ہو رہی تھی ۔ وہ جسم جو اب تک عیش و نشاط اور سرمستی و رنگینی کے عادی تھے ان سے خون کا دریا بہہ رہا تھا اور جری و

جفاکشی کے سر زخمہائے خونبار سے رشک گل عذار نظر آرہے تھے۔ زمین توپوں کی دھمک سے اس طرح کانپ کانپ اٹھتی تھی جیسے آسمان کی حرکت اس میں پیدا ہوگئی ہو۔ اور آسمان اتنے سارے خون کے پیاسے سرفروشوں اور جاں بازوں کو دیکھ کر سکتے میں آکر گنگ اور چپ چاپ ایک جگہ کھڑا ہو گیا ہو۔

داؤد خاں نے اپنے فیل بان کو مقابلے کے لئے ہاتھی کو امیر الامرا حسین علی خاں کے ہاتھی کے برابر لے جانے کا حکم دیا لیکن اسی اثنا میں ہیرا من نامی ایک جری وجفاکش ہندو جس کی کمان میں افغانی گاڑی تھی بڑی تیزی سے حریف کی توپ گاڑی کے پاس پہنچ گیا۔ اور یہاں پہنچ کر بہتوں کو مار کر اور خود بھی نشانہ تیغ ہو کر موت کے گھاٹ اتر گیا۔ داؤد خاں کے بہتیرے سپاہی ہلاک ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود اس کا پائے استقلال نہ ڈگمگایا وہ اپنے ہمراہی کے ساتھ جو اسی طرح گھوڑے پر سوار تھے برابر امیر الامرا کی صفیں فیل مرد کی طرح جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے چیر کر آگے بڑھتا گیا۔ وہ ہر جگہ امیر الامرا حسین علی خاں کو تلاش کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ تیر افگن پٹھان بھی تھے وہ کسی طرح بھی اور بہر صورت حسین علی خاں کے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس خوفناک ریلے کی تاب نہ لاکر حسین علی خاں کے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ رستم بیگ اور محمد یوسف خاں داروغۂ توپ خانہ اور لیالت خاں وغیرہ خون میں شرابور حسین علی خاں کے حضور میں آگئے اور خان زماں اور عالم علی خاں معہ دیگر امرا کے بری طرح مجروح ہوئے۔ غرض کہ افغان سپاہی بھیانک طوفان کی طرح بڑھے چلے آرہے تھے یکایک میر مشرف خاں جو امیر الامرا حسین علی خاں کا خاص رفیق اور آزمودہ سردار تھا اور جو سراپا آہن پوش تھا داؤد خاں کے مقابلہ کو آیا۔ داؤد خاں نے اس کو امیر الامرا سمجھا چنانچہ وہ چلایا " آخر تو عورتوں کی طرح کیوں منہ چھپائے ہوئے ہے۔ پردہ اٹھا اے بزدل انسان" تاکہ تجھے دیکھ سکوں۔ داؤد خاں نے یہ الفاظ اس لئے کہے کیونکہ وہ خود زرہ وغیرہ پہن کر نہ آیا تھا۔ یہ کہکر اس نے میر مشرف کی طرف نشانہ باندھ کر اس طرح تیر چلایا کہ اس کے گلے میں چپاں ہوگیا۔ میر مشرف کراہتے ہوئے ہودج سے گرا ہی چاہتا تھا کہ اس نے بڑی مشکل سے ایک ہاتھ سے ہودج کو پکڑ لیا۔ داؤد خاں کے فیل بان کو اچھا موقع ہاتھ لگا اس نے دو تین تیکے اس کی گردن میں اس چالاکی اور چستی سے مارے کہ اس کو یہ ضرب ہمیشہ یاد رہی اور تا دم مرگ اپنا ہاتھ پشت کی طرف نہ لے جا سکا۔ ادھر یہ معرکہ ہو رہا تھا اور ادھر مشرف

کے فیل بان نے اپنا ہاتھی علیحدہ کر لیا اس منظر کو دیکھ کر امیرالامرا کی فوج میں یہ افواہ پھیل گئی کہ میر مشرف قتل کر دیا گیا۔ جب داؤد خاں حسین علی کے ہاتھی کے پاس پہنچا تو چاروں طرف یہ خوف وہراس پایا جانے لگا کہ امیرالامرا کو شکست ہو گئی۔ اس خیال سے سردارانِ جانباز کے علاوہ سبھوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حالات اس حد تک سنگین ہو گئے اور خوف وہراس اس حد تک طاری ہوا جیسے قیامت کی گھڑی قریب ہو۔ اسی اثنا میں داؤد خاں کی پیشانی پر ایک گولہ آکر گرا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور اس طرح اس کی زندگی اور اس کی شان وشوکت کی صبح شام میں بدل گئی۔ فیل بان نے اپنے مالک کو مردہ دیکھا تو اس نے فوراً ہاتھی کا رخ موڑ دیا اور ان سپاہیوں کے ساتھ بھاگا جو شمشیروں اور نیزوں کی ضرب سے بچنے کے لئے بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔

امیرالامرا حسین علی خاں نے فتحمند ہو کر شادیانے بجانے کا حکم صادر کیا اور داؤد خاں کی سواری کا ہاتھی دوبارہ طلب کیا اور اس کی لاش کو اس کی دم سے باندھ کر شہر بھر میں گشت کرایا۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ بباجی اور اس کے مرہٹہ گھوڑ سواروں پر کیا بیتی؟ اس کا جواب لفظوں میں یہ دیا جا رہا ہے کہ جنگ شروع ہوئی تو یہ شخص خالص مرہٹے کی طرح بے حس وحرکت محض تماشائی بن کر کھڑا رہا اور خون آشام تلواروں کی چمک دیکھتا اور توپوں کی گرج سنتا رہا۔ لیکن جب فتح حسین علی خاں کے قدم چومنے لگی تو وہ فوراً گھوڑا دوڑا کر اس کے حضور میں آیا اور دیگر امرا کی طرح نذرانے پیش کرنے لگا اور یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب مرہٹے حریفوں کے خیمے میں گھس کر جو ہاتھ لگ رہا تھا اس پر قبضہ کر رہے تھے۔ اس لوٹ مار کے باوجود بہت سارے خزانے اب بھی بچ رہے تھے جو ظفرمند سپاہیوں کے قبضہ میں آئے۔ داؤد خاں کے زروجواہر، گھوڑے اور ہاتھی امیرالامرا کے استعمال کے لئے رکھ لئے گئے محض تھوڑا سا حصہ بادشاہ کو اور وہ بھی کافی دن گزرنے کے بعد بھیجے گئے۔

داؤد خاں کی راجپوت معشوقہ

احمد آباد میں داؤد خاں اپنی ایک راجپوت معشوقہ کو چھوڑ کر آیا تھا۔ اس سے اس کو والہانہ محبت تھی وہ احمد آباد کے ایک ہندو زمیندار کی لڑکی تھی۔ اس صوبے کے ہندو زمینداروں کے یہاں یہ رسم تھی کہ جب کوئی اس صوبہ میں ناظم یا صوبہ دار بن کر آتا اس کو یہ ہندو راجہ اپنی لڑکی نذرانہ

میں دیتے۔ یہ راجپوت لڑکی دربار میں آکر مسلمان بن گئی تھی جب داؤد خاں امیر الامرا حسن علی خاں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا اس وقت وہ سات ماہ کی حاملہ تھی۔ احمد آباد میں داؤد خاں کی موت کی اطلاع آئی تو اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے شکم کو چاک کرکے بچہ کو نکال لیا اور بچہ کو ایک سہیلی کے حوالے کرکے اس نے زبان سے چند جملے ادا کئے اور پھر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔[1]

فتح کی یہ خبر دار الخلافہ میں بہت جلد پہنچ گئی۔ فرخ سیر نے داؤد خاں کی شکست اور امیر الامرا کی فتح کی خبر سنی تو اس کو دلی رنج ہوا۔ اس نے قطب الملک عبد اللہ خاں کی موجودگی میں اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا "کتنے دکھ کی بات ہے کہ داؤد خاں جیسا جری اور بہادر سردار جنگ میں مارا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی شجاعت و دلیری سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔" قطب الملک کو بادشاہ کی یہ بات ناگوار گزری چنانچہ اس نے جواب دیا۔ "اگر افغان بھیڑیئے کے ہاتھوں میرا بھائی قتل ہو جاتا تو کیا حضور والا اپنے غم کا اظہار اسی طرح کرتے۔"

دو اہم واقعات

بادشاہ اور قطب الملک کے درمیان جو نوک جھونک ہوئی اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حالات نے کتنا خطرناک رخ اختیار کر لیا تھا چنانچہ اس گفتگو کے بعد جو دو واقعات پے درپے نمودار ہوئے ان سے حالات کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

فرخ سیر نے اپنی حکومت کے سال پنجم میں یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ کچھ منتخب لوگوں کو ماہانہ چالیس روپے سے نو سو روپے پر نوکر رکھا جائے اس تنخواہ کی ادائیگی کے لئے جاگیر مقرر کی گئی لیکن ساتھ ہی پچاس روپے ماہانہ نقدی رقم کا بھی وعدہ کیا گیا اس حکم کے بارہ ماہ گزر جانے کے بعد بھی ان کو تنخواہ نہ ملی۔ یہاں تک کہ ان کو برخاست کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ خزانہ میں پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو تنخواہ نہیں مل سکتی۔

دوسرا اہم واقعہ میر جملہ کا یکایک عظیم آباد سے واپس آنا تھا۔ عظیم آباد میں میر جملہ نے

---

[1] یہ واضح رہے کہ داؤد خاں کی راجپوت معشوقہ کی پرورش راجپوت عقیدے کے مطابق ہوئی تھی اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شوہر کے مرجانے کے بعد اگر عورت ستی ہو جائے تو وہ بارہ سو ہزار سال تک خوش و خرم زندگی گزارے گی چونکہ وہ حمل سے تھی اور دربار میں اس کو ستی ہونے کا موقع نہ تھا اس لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا اس کے علاوہ حاملہ عورت کو ستی ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔

اپنی سرکاری فوجوں کے علاوہ مغلوں اور دیگر ملکوں کے باشندوں کی فوج تیار کی تھی چونکہ خزانے کی حالت دگرگوں تھی اور اس کا انتظام بڑا ہی ناقص تھا اس لئے ان فوجوں کو تنخواہ نہ ملتی نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے ہی ملک کی حدود میں لوٹ مار مچادی اور غریبوں اور امرار کو لوٹنے لگے اس بدانتظامی سے میر جملہ کی بڑی بدنامی ہوئی۔ جب خزانہ خالی ہوگیا تو اور کوئی صورت مال وزر کے ملنے کی نظر نہ آئی تو وہ عورتوں کو لے جانے والی پالکی میں سوار ہوکر دوستوں اور ملازمین سے چھپ چھپاکر دہلی بھاگ گیا اور عظیم آباد سے پندرہ روز میں آدھی رات کو چپ چاپ قلعہ شاہی کے دروازہ پر اس طرح آیا جیسے قبر سے کوئی مردہ آکر کھڑا ہوگیا ہو۔ اتفاقاً ان ہی دنوں وحشت ناک خبریں اڑ رہی تھیں کہ قطب الملک نے ملک کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی منصوبہ بندی کرلی ہے۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ بادشاہ کے دل میں دونوں بھائیوں قطب الملک اور امیر الامرا کی طرف سے نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں، عوام میں یہ بھی مشہور ہوگیا کہ بادشاہ نے دونوں بھائیوں کی سرکوبی کے لئے میر جملہ کو دربار میں طلب کیا ہے لیکن یہ بات ڈھکی چھپی نہ رہی کہ جب میر جملہ ناظم عظیم آباد دربار میں آیا اس کا استقبال سرد مہری سے کیا گیا۔ اس سرد مہری کو محسوس کرکے وہ عبداللہ خاں کے پاس آیا، عجز و انکساری سے عفو جرائم کا خواستگار رہوا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اب وہ اپنا زیادہ تر وقت اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال میں صرف کرے گا۔ لیکن اس کی یہ ساری باتیں مکر وفریب سے پُر تھیں کیونکہ وہ قطب الملک کی اسیری کا دل وجان سے خواہاں تھا۔ یہ تہمات اس لئے بھی کیے گئے کیونکہ وہ آٹھ ہزار سوار مع دیگر مغل کے جو برطرف کردیئے گئے اکھٹا ہوکر مسلح اور گھوڑے پر سوار سڑکوں پر گشت کرنے لگے خصوصاً وہ محمد امین خاں، میر جملہ اور خانِ دوراں کے مکان پر جاتے تھے۔ ان امرار کی حویلی پر اس طرح ہتھیار بند جانے سے لوگوں کو یہ شک ہوا کہ فتنہ جو قطب الملک کو اسیر کرنے اور اس کے محل میں غیر متوقع طور پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا رہے ہیں قطب الملک کو بھی اندیشہ ہوا لہٰذا اس نے اپنے محل اور اس کے ارد گرد سپاہی تعینات کردیئے اور مزید فوج جمع کرنے کا حکم صادر کیا۔

اتفاقاً خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کا بھانجہ غیرت خاں جوان دنوں نارنول کا فوجدار مقرر ہوا تھا بھاری فوج کے ساتھ اس پر قابض ہونے کے لئے آیا لیکن اس اثنا میں اس نے قطب الملک کے خلاف سازش کی خبر سن لی۔ چنانچہ وہ فوراً اپنی فوج کے علاوہ اور بھی سپاہی اکھٹا کرکے اس کے محل میں آیا۔ حالات اتنے نازک ہوگئے تھے اور خوف وہراس

کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ کے وہ رفقا جنھوں نے اس کے محل یا اس کے اردگرد خیمے نصب کر دیئے تھے دن بھر ہاتھیوں پر سوار گشت کرتے اور رات کو مسلح ہو کر جاگتے رہتے۔ برخاست شدہ اور مغل افواج بھی ہر سڑک پر گھوڑے سوار نظر آتی تھیں۔ اس اثنا میں جو واقعہ بہت دلچسپ پیش آیا وہ یہ تھا کہ میر جملہ نے عالم خوف اور سراسیمگی میں محمد امین خاں کی حویلی میں پناہ گزین ہونے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ اس حویلی میں آ گیا لیکن اس کے مضحکہ خیز کردار کی وجہ سے اس کی خوب گت بنائی گئی۔ باوجودیکہ میر ذوالفقار خاں بہادر اور حسین علی خاں بہادر اور قطب الملک سے برابری کا دعوٰی کرتا تھا اپنی بزدلی اور نامردی سے گھبرا اٹھا۔ بادشاہ بھی اپنی نااہلیت کے باوجود ان غیر معتدل حالات سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ اس نے میر جملہ کو ہٹا کر انتشاری کیفیت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ اس کو عظیم آباد سے برخاست کر کے اس کے آبائی وطن ملتان بھیج دیا گیا اور سربلند خاں کو عظیم آباد کا صوبہ دار مقرر کیا لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود فتنہ جو اپنی فتنہ پروری سے باز نہ آئے بادشاہ کی کمزوری کا سبھوں کو علم تھا۔ اس لئے جب بھی وہ سیر وشکار کو جاتا یا اپنے محل میں آرام فرماتا ہوتا تو فوراً قطب الملک کی گرفتاری کا غلغلہ مچ جاتا۔ قطب الملک بھی چوکس رہنے لگا تھا اور اپنے دفاع کے لئے زیادہ سے زیادہ فوج کی بھرتی میں مصروف ہو گیا۔

اسد خاں کی موت، بادشاہ کا خراج عقیدت

یہ سال جو فسادات اور معرکہ آرائی کے لئے مشہور ہے اس لئے بھی یادگار بن گیا کہ اس سال یعنی فرخ سیر کے جلوس ششم کو مطابق ۱۱۲۹ھ کے اسد خاں آصف الدولہ چورانوے برس کا سن پا کر راہیٔ ملک عدم ہوا یہ شخص خاتم الامرائے ہند تھا۔ اس کی ذات سے سلطنت کو خوب خوب عروج حاصل ہوا۔ صفات حمیدہ اور مراحم اخلاق میں وہ اتنا عالی تھا کہ زندگی کے آخری سانس تک اس کی ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچا۔ عوام وخواص دونوں اس کے مرہون منت تھے۔ مزاج میں نرمی اور اخلاق میں ایسی پاکیزگی تھی کہ لوگ اب بھی عزت واحترام اور محبت وعقیدت سے اس کا نام لیتے۔ خداوندانِ دربار کے سامنے وہ کبھی بھی سرنگوں نہ ہوا۔ آخری دم تک وہ شان وشوکت اور عزت ووقار کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا اور سلطنت کے ہر معاملے میں اثرانداز رہا وہ دشمن ودوست سب پر یکساں مہربان تھا۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس جری و جفاکش اور معزز سپہ سالار کا اصل نام ابراہیم اور لڑکے کا نام اسمٰعیل تھا۔ اسمٰعیل یعنی جو ذوالفقار خاں کے نام سے مشہور ہوا اور جس کو فرخ سیر کے حکم سے سلطنت کے ابتدائی دلوں میں بے رحمی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ حافظہ میں یہ بات یاد ہوگی کہ ذوالفقار خاں بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہونے اور ہتھیار ڈالنے سے رضامند نہ ہوتا تھا بلکہ اس کو اپنی آزادی عزیز تھی۔ لیکن باپ یعنی ابراہیم نے اسد خاں کے پیہم اصرار کے بعد اس کے ذہن نے مخالفت ترک کر دی اور فرخ سیر کے حضور میں آیا۔ اسد خاں نے اپنے بیٹے کے مرنے کی تاریخ کہی جو آج تک زبان زد عام و خاص ہے ؎

ہاتف تمام غریباں با دو چشم خوں فشاں
گفت ابراہیم اسمٰعیل را قرباں نمود

موت سے پہلے بادشاہ کا پیغام

جب فرخ سیر کو معلوم ہوا کہ اسد خاں بستر مرگ پر ہے تو اس کو اس صاحب قدر کی ناقدر شناسی کا سخت افسوس ہوا۔ اندر ہی اندر اس کا دل اس کو ملامت کرنے لگا کہ وہ جوہر قابل کو پہچاننے میں ہمیشہ غلطی کرتا رہا۔

فرخ سیر نے کسی معتمد کو یہ پیغام لے کر اسد خاں کی عیادت کے لئے بھیجا:۔

"افسوس کہ ہم نے تمہاری اور تمہارے اہل خاندان کی قدر نہ کی۔ جو اندوہناک اور غم ناک واقعہ درپیش ہوا اس میں ہماری لاعلمی اور جہالت کو دخل ہے۔ اب ہم اپنے کئے پر پچھتا رہے ہیں، اشک ریز ہیں اور ماتم کناں ہیں۔ لیکن اب بجز ندامت کے کیا حاصل ان کوتاہیوں کو باوجود تمہاری شخصیت اتنی عظیم، اتنی قابلِ عزت اور لائق احترام ہے کہ ہم ان نازک حالات میں سادات کے بارے میں تمہارا مشورہ چاہتے ہیں۔ تمہاری ذات والا صفات سے امید ہے کہ تم زندگی کے آخری لمحوں میں بھی ہم کو مایوس نہ کرو گے"

اسد خاں کا قابلِ تعریف جواب

پیغام سن لینے کے بعد اسد خاں نے دھیمی اور نحیف آواز میں جواب دیا:۔

"حضور سے جو غلطی سرزد ہوئی وہ معمولی نہیں عظیم ہے۔ لیکن کیا کیا جائے قسمت کے ہاتھوں بندہ بے بس ہے۔ حضور بھی بے بس اور بے دست و پا ہیں لیکن اب مکافات عمل کا وقت آگیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر نزاع اور پھوٹ اور انتشار کی یہی گرم بازاری رہی تو سلطنت تیموریہ تباہی و بربادی کا ڈھیر نہ بن جائے۔ اب جبکہ بدقسمتی سے سلطنت کے اختیارات کلی سادات کے ہاتھوں میں دے دیئے گئے ہیں اور ان سے واپس لینے کا وقت نہیں رہا۔ بہتر یہی ہے کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے۔ انھیں رنجیدہ نہ کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے یقین اس بات کا ہے کہ کہیں حضور کے قبضۂ اختیار سے عنان حکومت نہ چلی جائے"

"محمد شاہ فیل کوہ شکوہ پر سوار اور تخت طلائے خوش رنگ پر جلوہ فرما بصد شان و شوکت اجمیری دروازہ سے ہوتا ہوا شہر پناہ دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ وہ جس راستے سے گذرتا اس پر سونے کی بارش ہوتی اور وہ حاجت مند و فقیر جو ایسی ساعت سعید کے انتظار میں رہتے ہیں فیضیاب ہوتے رہے شام کے پانچ بجے یعنی مبارک گھڑی میں بادشاہ داخل قلعہ ہوا۔ نواب قدسیہ مادر مہرپرور محمد شاہ اور حرم سرا کی دوسری شہزادیوں نے طلا و نقرہ کی تھالی اٹھائی۔ اس میں طلائی و نقرئی سکوں کے علاوہ مختلف قسم کے زر و جواہر بھرے ہوئے تھے جو بادشاہ کے سر پر نچھاور کئے گئے اور تہنیت و مبارک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔"

باب ۳

بستر مرگ پر سے اسداللہ خاں آصف الدولہ نے فرخ سیر کو جو سنجیدہ اور قابل عمل مشورہ دیا تھا اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ لیکن بادشاہ کے دل و دماغ پر اس کا اثر محض لمحاتی ثابت ہوا۔ کیونکہ حسب معمول اسکی ذات سے حماقتیں سرزد ہونے لگیں۔

فرخ سیر، ہواخواہوں کے نرغے میں

فرخ سیر اپنے مصاحبانِ ہواخواہ کے نرغے میں اس حد تک کس گیا تھا کہ وہ ان کی سفارشات پر جس کو چاہتا ملک دکن کی خدمت و منصب عطا کر دیتا۔ امیر الامراء حسین علی خاں کو یہ ناگوار گزرا۔ اس کو بادشاہ کی یہ حرکت اپنے لئے نہ صرف توہین آمیز محسوس ہوئی بلکہ اس نے محسوس کیا کہ اگر وہ خاموش رہتا ہے تو خود اس کی سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی ہے چنانچہ وہ بادشاہ کی طرف سے کی گئی سفارشات کو مذاق سمجھ کر ٹال جاتا اور اپنے ہی لوگوں کو جن پر اس کو اعتماد ہوتا ان جگہوں پر مامور کر دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور امیر الامراء کے درمیان عناد کی خلیج بڑھتی گئی۔ دوسرا بھائی عبداللہ خاں بھی زیادہ محتاط نہ تھا۔ راجہ رتن چند جو قطب الملک عبداللہ کا دیوان تھا اپنے آقا کی حمایت سے مغرور ہو کر کل سلطانی امور میں دخل اندازی کرتا اور متبعان حضور کو کسی امر میں بھی شریک نہ ہونے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ملکی معاملات میں دیوان خالصہ جم پیکار ثابت ہوا۔ کیونکہ مالی و ملکی انتظامات کی باگ ڈور راجہ رتن چند کے ہاتھوں میں تھی اور وہ چند گھنٹوں میں کروڑوں روپے کا لین دین کر لیتا تھا محلات کا اجارہ اسی کی تجویز سے ہوا کرتا تھا۔ اعتصام خاں جو خانِ دوراں کی تجویز

سے دیوان خالصہ ہوا تھا۔ اور رائے رایانِ شاہی کو جسے دیوانی کا عہدہ دیا تھا دونوں اس معاملے میں بے دست و پا تھے دونوں اس حیص بیص میں رہے کہ بادشاہ اور قطب الملک کی رضاجوئی کیسے کیجائے۔ اعتصام خاں کو کسی حد تک بادشاہ سے اور رائے رایان کو قطب الملک سے خاصہ التفات تھا۔ اس لئے دونوں کو نہ صرف معتوب گردانا گیا بلکہ معزول بھی کر دیا گیا لہٰذا یہ دونوں عہدے خالی ہوگئے۔ اس درمیان میں عنایت اللہ خاں جو فرخ سیر کی تخت نشینی کے پہلے سال اپنے لڑکے ہدایت اللہ کے قتل کے سلسلے میں معتوب ہو کر کعبہ شریف چلا گیا تھا واپس آیا کیونکہ عنایت اللہ خاں کو معاملات مالی و ملکی میں بے حد درک حاصل تھا۔ کیونکہ ان ہی عہدوں پر اس نے اورنگ زیب عالمگیر اور بہادر شاہ کے دورِ حکومت میں شہرت پائی تھی۔ چنانچہ اس کی آمد سے فرخ سیر کو خوشی ہوئی۔ میر جملہ کی وجہ سے جو بدانتظامی پھیل گئی تھی اس کو دور کرنے کے لئے فرخ سیر عنایت اللہ خاں جیسے لائق اور قابل آدمی کو اس عہدہ پر مامور کرنا چاہتا تھا وہ اپنی پچھلی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم ہوا۔ چنانچہ اعتصام خاں کی جگہ پر جس نے بیک وقت مالی و ملکی عہدوں پر فائز رہ کر انتظامِ حکومت کو ناقص بنا دیا تھا اور جو بعد میں خجل و نادم ہو کر مستعفی ہوا۔ فرخ سیر نے عنایت اللہ خاں کو لائق ترین آدمی سمجھ کر فائز کر دیا۔ بادشاہ نے اعتصام خاں کو کشمیر کا ناظم مقرر کر کے کشمیر بھیج دیا۔ عنایت اللہ خاں کو بادشاہ نے دونوں عہدوں پر مامور تو کر دیا لیکن وہ قطب الملک کے ڈر سے انکار کرتا تھا اور قطب الملک اس کی سخت گیریوں سے جو اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں دیکھی تھیں راضی نہ ہوتا تھا خوش قسمتی سے یہ اختلاف ایک نومسلم ہندو اخلاص خاں نے جو بہادر شاہ کے دور کا نہایت ہی دانشمند، عالم اور خوش تدبیر شخص تھا بیچ میں پڑ کر دور کر دیا۔ وہ سادات کا دوست تھا لیکن حالات سے وہ اس حد تک دل برداشتہ ہو چکا تھا کہ کوئی عہدہ قبول نہ کرتا تھا وہ دنیا سے ترک تعلق کر کے فرخ سیر کے حکم سے تاریخ فرخ سیری لکھنے میں مصروف ہوا۔ چونکہ وہ بے حد مقبول تھا اس لئے اس نے طرفین کو رضامند کر لیا کہ عنایت اللہ خاں عبداللہ خاں کی اطلاع کے بغیر حضور میں نہ کچھ عرض کرے گا اور نہ کوئی تجویز پیش کرے گا۔ اس میں بھی دو شرائط رکھی گئیں۔ اول یہ کہ رتن چند عنایت اللہ خاں کی حدود میں دخل نہ دے اور دوئم یہ کہ عبداللہ خاں خود بھی امورِ وزارت کو انجام دینے میں مستعدی دکھلائے۔ چونکہ قطب الملک بادشاہ کی بد دماغی اور اپنی عیاشی کی وجہ

سے دستخط کرنے کے لئے کچہری میں نہیں آتا تھا اور خلق اللہ کا کام انجام نہیں پاتا تھا اس لئے عنایت اللہ خاں نے عرض کیا کہ وہ ہفتہ میں دو بار ورنہ ایک بار قلعہ میں کچہری فرما کر امور وزارت انجام دیا کریں۔ چند روز تو اس معاہدہ یا اس تجویز پر عمل کیا گیا لیکن قطب الملک چونکہ عیاش طبیعت تھا اور عورتوں کی طرف اس کو خاص رغبت تھی اس لئے اس نے پھر اس فرض کی طرف سے بے توجہی برتنا شروع کی اور اس طرح خلق اللہ کو پھر پریشانی میں مبتلا ہو جانا پڑا۔

عنایت اللہ خاں، آئین و قانون کا پابند

عنایت اللہ خاں آئین و قانون کا سخت پابند تھا ہر وہ کام جو آئین کی رو سے غلط ہوتا اس کو ناپسند تھا۔ چنانچہ اس نے سلطانی قوانین پر سختی سے عمل کرنا شروع کیا اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سخت گیر پالیسی سے لوگ ناخوش ہو گئے اور شہر میں انتشار پھیلنے کا خطرہ بڑھتا گیا۔ وقت کی نزاکت پر غور کئے بغیر اور یہ سمجھے بغیر کہ رتن چند کو بے پناہ مراعات اور آسانیاں حاصل ہیں عنایت اللہ خاں نے ہندوؤں پر جزیہ کے نفاذ کی سفارش بادشاہ سے کر دی۔ بادشاہ نے بھی اس تجویز کو منظور کر لیا۔ چونکہ محل اور دربار میں خواجہ سرا، ہندو اور کشمیری بڑی تعداد میں منصب پر فائز تھے اور وہ وزیر کے نظام حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اور سازش کر کے بڑے بڑے منصب اور جاگیر پر قابض ہو گئے تھے اور دوسروں پر عرصہ جاگیر تنگ کر چکے تھے۔ اس لئے عنایت اللہ خان نے بادشاہ کے سامنے تجویز پیش کی کہ ان کی تنخواہوں اور جاگیروں میں کمی کی جائے اور ان کو اتنی ہی مراعات دی جائیں جتنی شاہی قواعد کی رو سے دینی چاہئیں۔ یہ تجویز راجہ رتن چند اور دیگر لیڈروں اور عہد شکنوں کو ناگوار گزری۔ چنانچہ یہ لوگ اپنی شکایات عبداللہ خاں کے پاس لے گئے۔ لیکن عبداللہ خاں نے ان شکایات پر کان نہ دھرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ہندو عنایت اللہ خاں کے دشمن ہو گئے اور ساتھ ہی عنایت اللہ خاں اور قطب الملک کے درمیان جن باتوں پر تصفیہ ہوا تھا ان میں پھر رخنہ پڑ گیا۔ آپس میں رنجشیں بڑھتی گئیں اور فضا ایک بار پھر خراب ہو گئی

اسی اثنا میں ایک ہندو جس کے قبضہ میں شاہی زمینیں تھیں اس کے ذمہ کثیر

رقم باقی نکلی۔ اس جرم میں اس کو نظر بند بھی کر دیا گیا۔ لیکن راجہ رتن چند نے اس کی رہائی کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہو گیا تو ایک دن عامل مذکور قید سے فرار ہو کر رتن چند کے گھر میں پناہ گزیں ہوا اور اسکی ہر طرح حفاظت بھی کی جانے لگی۔ عنایت اللہ خاں نے یہ واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا اور ساتھ ہی عامل مذکور کو گرفتار کر کے لانے کے لئے چیلوں کو مقرر کیا۔ لیکن رتن چند نے یہاں بھی مداخلت کی اور نوبت گالی گلوچ تک پہنچ گئی۔ جب معاملہ اس حد تک نازک ہو گیا تو بادشاہ کو اس دیدہ دلیری پر سخت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ اس نے کمال غصہ سے قطب الملک کو حکم دیا کہ رتن چند کو برطرف کر دیا جائے تعمیل حکم بھی نہ ہو سکی۔ لیکن اس فساد کی اصل جڑ تو چورامن جاٹ کا واقعہ ہے جس سے چاروں طرف سنسنی پھیل گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ کے سارے اختیارات ختم ہو چکے ہیں۔

چورامن جاٹ کا قصہ

چورامن جاٹ اکبر آباد کے گرد و نواح کا ہندو زمیندار تھا اور اس کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جو ہمیشہ ملک کے لئے پریشان کن رہا یہاں تک کہ کئی بادشاہوں کو اس خاندان کے شورہ پشتوں کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھانا پڑا۔ چورامن جاٹ بھی فطرتاً شورش انگیز تھا۔ اس کی اس شورش انگیزی اور سرکشی کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کے خلاف بھی بادشاہ کو قدم اٹھانا پڑا۔ لہٰذا اس کی تنبیہہ کو اوائل ماہ شوال ۱۱۲۹ھ کو بادشاہ نے راجہ جے سنگھ سوائی کو مقرر کیا۔ بادشاہ نے نہ صرف اس کام کے لئے اس کا منصب اونچا کر دیا بلکہ اس کو ایک ہاتھی، لعل و جواہر اور کئی لاکھ روپوں سے نوازا گیا اس کے جانے کے بعد بادشاہ نے اس کی مدد کے لئے خانِ جہاں برادر عبداللہ کی کمان میں ایک بھاری فوج بھی روانہ کر دی۔

اسی عرصہ میں ہندو جاٹ چورامن جاٹ کے قلعہ کے سامنے پہنچ گیا اور وہیں اس نے خون خرابہ کے بعد خندقیں کھدوائیں جو محل کے قریب تک جا پہنچی تھیں یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ کہ نیا سپہ سالار حاضر ہو گیا۔ اس نے فوراً حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ مزید تاخیر کی اس کے اندر تاب نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھمسان کا رن پڑا اور خیمہ زخمیوں سے بھر گیا۔ ایک سال تک معرکہ ہوتا رہا۔ چورامن کو فتح و ظفر کی کوئی امید نہ تھی لیکن اس نے اپنا وکیل قطب الملک کے پاس بھیج کر صلح کی استدعا کی۔ ساتھ ہی استدعا میں یہ بھی کہا کہ وہ حضور میں نذرانہ لے کر خود حاضر ہو گا لیکن اس شرط پر کہ بادشاہ اس کی خطاؤں کو درگزر کرے اور راجہ جے سنگھ سوائی کو

صلح کی اطلاع تک نہ ملے۔ قطب الملک کوان شرائط پر رضامند ہوئے زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ راجہ جے سنگھ کو اس کی اطلاع مل گئی جس سے وہ آزردہ خاطر ہو گیا۔ چنانچہ وہ دربار میں آ کر اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گیا۔ بادشاہ کو اپنے غم وغصہ کی خبر بھجوائی جس کو سن کر بادشاہ کو بھی دکھ ہوا۔ یہ سب کچھ تو ہو ہی رہا تھا کہ چورامن جاٹ بھی چند روز کے بعد دارالخلافہ پہنچ گیا۔ اور قطب الملک کی ہمسائیگی میں قیام پذیر ہوا۔ ایک مرتبہ چورامن نے بادشاہ کی ملازمت بھی کر لی لیکن بادشاہ چونکہ اس مصالحت سے آزردہ خاطر تھا اس لئے دوسری بار وہ ملازمت کو راضی نہ ہوا۔ ان ہی دنوں دکن سے خبر وحشت اثر برابر پہنچ رہی تھی۔ یہاں کے حالات اس حد تک دگرگوں ہو گئے تھے کہ خود بادشاہ اور ملک پران کا اثر پڑا۔

داؤد خاں پر فتح پا کر امیر الامرا حسین علی خاں بہادر اپنے دارالخلافہ اورنگ آباد آ گیا یہاں پہنچ کر وہ ملک کے بہتر انتظام میں مصروف ہوا ہی تھا کہ اس کو صوبہ خاندیس سے یہ خبر ملی کہ کھنڈو دھاریہ سپہ سالار راجہ ساہو اس صوبہ میں ہاتھ پاؤں نکال رہا ہے۔

اگرچہ یہ صوبہ دکن کی عملداری میں تھا اور حسین علی خان کی حدود میں پڑتا تھا اس کے باوجود اس کا سپہ سالار مرہٹہ ہوا کرتا تھا۔ اس کا کام صرف چوتھ وصول کرنا تھا۔ یہ رسم دکن کے ہر علاقے میں چل پڑی تھی۔ خصوصاً اس رسم کا آغاز اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے دس بارہ سال کے بعد اس عالم میں ہوا تھا کہ ملک کے چاروں طرف خانہ جنگی برپا تھی اور کشت وخون کا بازار گرم تھا اور دکن جیسے دور دراز علاقے میں یہاں بیٹھ کر قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا تھا اس مرہٹہ سپہ سالار نے برہان پور سے لے کر اہم بندرگاہ سورت تک اس خیال کے تحت گڑھے کھدوا دیئے تھے کہ جو قافلہ ادھر سے گزرے اس سے چوتھ وصول کیا جائے اگر کوئی قافلہ چوتھ نہ دیتا تو اس کو یا تو لوٹ لیا جاتا یا قافلہ کے لوگ فی کس کسی قدر روپیہ دے کر رہائی پا لیتے اس کے اس ظلم وستم سے ملک میں ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہر طرف اس کے خلاف جذبات شدید ہو گئے۔ اس خبر کے پاتے ہی امیر الامرا نے ذوالفقار بیگ بخشی کو تین ہزار سوار اور اسی قدر برق اندازوں سے لیس کر کے اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جب ذوالفقار بیگ بڑی مشکل سے اورنگ آباد اور خاندیس کے درمیان دشوار گزار گھاٹیوں کو پار کر کے بڑھ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے سامنے کھنڈو دھاریہ سپہ سالار کو پایا۔ اس کو کسی صورت سے ذوالفقار خاں کی آمد کی خبر مل گئی تھی لہٰذا وہ آٹھ ہزار سوار جنگی اور سولہ ہزار سپاہی لے کر بگلانا اور کالنہ کی سرحد

پر جو اورنگ آباد کے پچھم رخ ستر کوس پر واقع ہے آدھمکا۔

ذوالفقار خاں فوراً حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن یہ مرہٹہ جس کا فن جنگ و حرب بالکل مختلف ہے پیچھے ہٹتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمن کو ناقابل عبور گھنے جنگل میں لے گیا ہر چند کہ ذوالفقار بیگ کے ہرکاروں نے کہا کہ مرہٹوں سے لڑنے کے لئے یہ جگہ قطعی مناسب نہیں ہے، مگر ذوالفقار بیگ کے کان چونکہ غرور شجاعت سے بند ہو چکے تھے اس لئے اس نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا اور فوراً دشمنوں پر حملہ آور ہو کر بے شمار ہندوؤں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ کھنڈو دھاریہ اول مقابلہ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن اپنے پیچھے صرف پانچ ہزار سپاہی چھوڑ گیا تا کہ ذوالفقار خاں اس طرف متوجہ ہو۔ یہ سپاہی لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے گئے اور اپنے مسلمان حریفوں کو اپنے ملک کے اس علاقہ میں لے آئے جو چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔

ذوالفقار خاں کا قتل

کھنڈو دھاریہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا دشمن ناقابل تسخیر پہاڑوں میں آ کر محصور ہو جائے۔ چنانچہ جونہی اس نے اپنے دشمن کو اپنے دام میں گرفتار دیکھا اس نے چاروں طرف سے یکایک حملہ کر دینے کا حکم دیدیا۔ کھنڈو نے اول وار میں ذوالفقار خاں کا سر قلم کر دیا اور اس کے سارے سپاہی یا تو قتل کر دیئے گئے یا زخمی ہو گئے۔ قتل و خونریزی کا بازار چند گھنٹے تک جاری رہا۔ کچھ سپاہی تو بچ گئے تھے ان کو اس شرط پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے گھوڑے پوشاک اور اسلحہ سے دست بردار ہو جائیں۔

بادشاہ کو ذوالفقار خاں کی شکست سے سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس بار امیر الامرا حسین علی خاں نے راجہ محکم سنگھ کو جو اس کا دیوان مقتدر تھا تازہ دم فوج کے ساتھ کھنڈو دھاریہ کی سرکوبی کے لئے رخصت فرمایا۔ امیر الامرا کے سینے میں انتقام کی آگ اس درجہ سلگ رہی تھی کہ اس نے راجہ محکم سنگھ کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین علی خاں کو بھی جو برہان پور کا صوبیدار تھا لشکر جرار کے ساتھ کھنڈو دھاریہ کی گوشمالی کو بھیجا۔ دونوں سپہ سالار مرہٹوں کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ لیکن کھنڈو دھاریہ کو جب ان سپہ سالاروں کی آمد کی اطلاع ملی وہ اپنے کل آدمیوں کے ساتھ جنوب کی طرف بھاگ گیا۔ کیونکہ نامناسب حالات میں وہ لڑنا نہیں چاہتا تھا مٹی کے بنائے قلعے فوراً خالی کر دیئے گئے۔ اگرچہ محکم سنگھ نے احمد نگر کی طرف سے پیش قدمی کرنے والے قزاقوں اور لٹیروں کو شکست فاش دی لیکن ذوالفقار خاں کی شکست اور اس کی موت کا انتقام نہیں لیا جا سکا۔

امیر الامرا کا وقار خطرہ میں

اس ذلت و رسوائی سے امیر الامرا اور اس کی حکومت کا وقار خطرہ میں پڑ گیا اس کے علاوہ اس علاقہ کے لوگوں نے جو ہمیشہ سرتابی کرتے رہتے تھے امیر الامرا اور بادشاہ کے درمیان اختلافات کو محسوس کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ملک اور حکومت سے باغی ہو گئے معاملہ یہیں تک ٹھہرا رہ جاتا تو ایک بات تھی اب تو دربار سے بھی فرامین۔ بھی برابر نکل رہے تھے جن میں راجہ ساہو، دیگر شاہی خدام اور دکن کے ماتحت صوبیداروں کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ نہ صرف حسین علی کے اختیار کو تسلیم نہ کریں بلکہ اس کی فوج کو اور خود اس کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر ممکن طاقت کا استعمال کریں۔ ایسے پوشیدہ فرامین سے حالات سدھرتے کیا اور بگڑ گئے۔ ہر چند کہ مبارز خاں صوبہ دار حیدرآباد نے اورنگ آباد آکر امیر الامرا سے ملاقات کی اور اس نے اس صوبہ دار کو اپنے دربار میں بہت عزت بخشی لیکن نہ تو یہ صوبہ اور نہ بیجاپور اور نہ کرناٹک صوبے ہی اس کے مکمل اقتدار میں آسکے امیر الامرا سمجھ گیا تھا کہ ہوا کا رخ کدھر ہے اور یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کے درپے ہیں۔ چنانچہ اس خیال کے بعد ہی سے اس نے ان لوگوں کو جن کا تعلق قلعہ داری، دیوانی اور صوبہ داری سے تھا۔ اور جن کو اس کے حضور میں دربار سے بھیجا جاتا تھا باریاب نہ کرتا۔ یا پھر ان کے کاموں میں تاخیر کرتا۔

امیر الامرا اور دربار کی رسہ کشی سے دکن کے امن و امان کی وہ بنیادیں ہل گئیں جن کو مستحکم بنانے میں اورنگ زیب عالمگیر جیسے جنگجو اور فاتح شہنشاہ کو پے در پے مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور جس کی زندگی کا بیشتر حصہ اس میں گزرا۔ شب و روز کی سعی پیہم اور مسلسل پچیس سال کے رزم و پیکار کے بعد عالمگیر نے مرہٹہ کے صرف تیس چالیس قلعہ فتح کر پائے تھے اور اس جنگجو قوم کو اس نے ملک سے نکال کر پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا لیکن افسوس کہ اس کی رحلت کے بعد ہی اس کی اولادوں میں ایسی مخاصمت پیدا ہوئی کہ مرہٹے پھر سر اٹھانے لگے۔ بہادر شاہ سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ تخت نشین ہو کر لاہور چلا گیا اور اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ یہ جگہ مرکز سے بہت دور تھی اور ان علاقوں سے بھی دور تھی جہاں ہمیشہ نقص امن ہوتا رہتا ہے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر مرہٹے یکا یک پھر آس پاس کے صوبوں میں پھیل گئے۔ اور رفتہ رفتہ نہ صرف اپنے کھوئے ہوئے قلعے حاصل کر لئے بلکہ بادشاہی ملک میں لوٹ کھسوٹ کا آغاز کر دیا۔ جہاں موقعہ ملا ہاتھ مارا۔ جس نے چوتھ دی اس کو ظلم سے نجات ملی۔ جس نے انکار کیا اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا غرض آگ اور خون کا بازار

از سر نو گرم ہو گیا۔ جن علاقوں میں ان کے خلاف کارروائی کی جاتی وہاں سے وہ ذلت و رسوائی کے بعد بھاگ جاتے لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد قدم جما لیتے۔

اس پرانی اور طویل جنگ سے خود مرہٹے بھی عاجز آ گئے تھے۔ اورنگ زیب کے زمانے میں رام راجہ کی بی بی رانا بائی بادشاہ سے برابر یہ التماس کرتی رہی کہ اس کی دیس مکھی منظور کر کے انسانیت کو ظلم و ستم سے نجات دلائی جائے۔ عالمگیر نے اس تجویز کو ماننے سے سراسر انکار کر دیا لیکن جب بہادر شاہ تخت پر جلوہ افروز ہوا تو رانی مذکور نے اس بار راجہ ساہو سے مل کر وہی تجویز بادشاہ کے سامنے بھیجی۔ بہادر شاہ کو یہ تجویز پسند آئی اور اس کو عملی جامہ بھی پہنایا گیا لیکن رانی مذکور اور بادشاہ کے درمیان بعد میں اختلاف پیدا ہوا جس کی وجہ سے معاملہ آگے نہ بڑھ سکا یہاں تک کہ داؤد خاں دکن کا ناظم مقرر ہوا۔ داؤد خاں کے عہد میں پھر وہی تجویز پیش کی گئی داؤد خاں کو مرہٹے اپنا دشمن نہیں بلکہ دوست سمجھتے تھے اور اس کی بے حد عزت کرتے تھے لہٰذا تجویز منظور ہوئی اور مندرجہ معاہدہ عمل میں آیا کہ :-

"وہ شہزادوں اور ان کی جاگیروں میں مزاحم نہ ہوں گے اور داؤد خاں کا نائب ہیرامن ان کی چوتھ مقرر کرے گا۔ جس میں ان کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔"

چوتھ کا معاہدہ منسوخ

اس معاہدہ سے سارے ہنگامے اور فسادات دور ہوتے نظر آ رہے تھے کہ نئے فتنہ نے سر اٹھانا شروع کیا۔ اور نوبت خونریزی تک آ پہنچی۔ نظام الملک[1] کی صوبیداری میں جو ایک سال اور چند ماہ سے زیادہ نہ رہی چوتھ مقرر کرنے کا معاہدہ ہنگامہ و فساد کے بعد منسوخ ہو گیا۔ اس سلسلے میں وہ خون خرابہ ہوا کہ معاذ اللہ۔ اس نے مرہٹوں کو لعن طعن کیا اور ان سے دو تین مادہ فیل چھین کر مرزا بیگ کی معرفت بادشاہ کے حضور میں بھیج دیں۔

دو سال تک بادشاہ اور امیر الامرا کے درمیان فساد ہوتے رہے چنانچہ آخر میں امیر الامرا نے یہی فیصلہ کیا کہ چونکہ ہر روز فرخ سیر کی برہمی اور ہوا خواہان بے عقل کی وجہ سے راجہ کے نام جو فرمان سرکشی صادر ہوتا ہے اور میرا بندوبست بھی بخوبی نہیں ہوتا ہے بہتر یہی ہے کہ مرہٹوں کے ساتھ

---

[1] نظام الملک پہلی بار دکن میں اتنی مختصر مدت کے لئے رہا لیکن جب دوسری بار گیا تو پورے اڑتیس سال تک وہ دکن کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا۔

معاہدہ کرلیا جائے - چنانچہ ان شرائط پر معاہدہ کیا گیا :-

"کہ داؤد خاں کے عہد میں جو بھی طے پایا تھا اس کے علاوہ مرہٹوں کو دیس مکھی یا فیصدی دس روپیہ کا مستحق قرار دیا جاتا ہے اور یہ کہ مرہٹہ سپہ سالار جسونت اور چمنا با مع تازہ دم فوج بطور نیابت اور وکالت راجہ ساہو کے امیر الامرا کے حضور میں اورنگ آباد حاضر ہوں اور عمال دارکان سے حسب مقررہ چوتھ اور رعایا سے دیس مکھی لیں۔"

الغرض اس طرح دکن کا فساد دور ہوا جس کی وجہ سے خون کی ندیاں بہہ گئیں اور بے شمار جانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس خون خرابہ سے دکن جیسے عظیم ملک کا ستیاناس ہو گیا تھا لوگوں کو چین واطمینان نصیب نہ تھا اور زندگی لقمۂ اجل ہو کر رہ گئی تھی لیکن معاہدہ میں ایک کمزوری ایسی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے حالات ایک دم سے قابو میں نہ آسکے بعض حکام، عمال اور مالگذاروں کو تین عاملوں کے رہنے سے یعنی اول عامل حضور، دوئم عامل چوتھ، سوئم عامل دیس مکھی کے بڑا رنج ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے جب دستاویز پر دستخط ہو گئے، اور مرہٹوں کو سلطنت کے تمام شہروں میں آسانی میسر آگئی تو امیر الامرا نے اپنی دستاویز کے بموجب درخواست سند فرخ سیر کے حضور میں روانہ کی۔ لیکن بادشاہ کے بدخواہوں نے اس بار بھی اس کو بھڑکایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا گو بکہ اول تو اس کے خیال میں غنیم کی شرکت ملک شاہی میں کوئی دانشمندانہ قدم نہ تھا، دوئم یہ کہ اس کی اطلاع کے بغیر اس پر عمل درآمد کر دیا گیا۔ ان ہی دنوں میں فرخ سیر نے جاں نثار خاں کو جو امیر قدیم اور بہادر زدانا اور عبد اللہ خاں کے ساتھ رشتہ رکھتا تھا امیر الامرا کی نیابت پر صوبہ برہان پور بخشا نیز اس کو قیمتی خلعت وفیل و سرپیچ مرصع بھی عطا کیا۔ یہ سب کچھ درباری امرا کی موجودگی میں ہوا۔ لیکن بادشاہ نے اس امید میں امیر الامرا حسین علی خاں کو خلوت میں لے جا کر پند و وعظ فرمائی کہ چونکہ جاں نثار خاں حسین علی خاں کے چچا کی جگہ ہوتا ہے اور وہ بھی اس کی عزت کرتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس کے نصایح کا کوئی نتیجہ نکل سکے اور وہ بادشاہ کے فرمان کی بسر وچشم تعمیل کرے۔ یہ واقعہ فرخ سیر کی تخت نشینی کے چھٹے سال یعنی ۱۱۳۰ھ میں رونما ہوا ان ہی دنوں اس نے اعتماد الدولہ امین خاں کو مالوہ کی صوبہ داری پر مقرر کیا اور اس کو حکم دیا کہ سرحد مالوہ پہنچنے کے بعد راجہ جے سنگھ سوائی کی جگہ اس کو فرمان صوبہ داری ملے گا۔ لیکن مشہور ہے کہ اس کو مختلف فرمان دیا گیا اور یہ کہ پوشیدہ طور پر بادشاہ کے ذہن میں قطعی مختلف اسکیم تھی۔ چنانچہ اس افواہ کے پیش نظر جاں نثار خاں نربدا کی سرحدوں پر جہاں دکن کی پہلی سرحد ملتی تھی پہنچ کر رک گیا کیونکہ وہ

نو جوں کی جمعیت لے کر اس صوبے میں جا کر اپنی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا جس کی صوبہ داری تو اس کو ملی تھی لیکن اس کو شک تھا کہ آیا صوبہ میں داخلہ کی اجازت ہو گی بھی یا نہیں دوسری طرف محمد امین خاں سرونج متعلقہ مالوہ میں وارد ہو کر آرام کرنا ہی چاہتا کہ سارے دکن میں یہ اطلاع گشت کرنے لگی کہ وہ پچاس ہزار گھوڑ اسوار فوج بمعیت اورنگ آباد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے اور ساتھ ہی جانباز خاں کے ہراول سے معہ سات آٹھ ہزار سوار با ارادۂ پیکار رہے اس اطلاع سے حسین علی خاں کو بھی شک ہوا لیکن جب جانثار خاں کا خط خود اس کے نام آیا تو شک رفع ہو گیا جاں نثار خاں نے حسین علی خاں سے کچھ فوج طلب کی تھی تاکہ بعض ان دشوار گزار علاقوں میں جہاں سنتا نامی غنیم لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کئے ہوئے ہے اس کو آسانی ہو۔ محافظ د فوراً بھیج دیئے گئے۔ چنانچہ جاں نثار خاں فوراً صحیح سلامت امیر الامرا کی خدمت میں پہنچ گیا لیکن امیر الامرا حسین علی خاں نے اس کو خاندیس کا علاقہ نہیں دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ خاندیس اس کی شمالی سرحد ہے جہاں سے سلطنت کے حملے کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ نیز اس خیال سے بھی اس کو یہ علاقہ دینے میں تذبذب ہوا کہ جاں نثار خاں کی بادشاہ نے خود سفارش کی ہے۔ لہٰذا ان خیالات کی وجہ سے امیر الامرا نے جاں نثار خاں کا بصد عزت و احترام اور معہ بیش بہا تحفے تحائف کے خیر مقدم تو کیا لیکن خاندیس کا علاقہ نہ دیا اس کے علاوہ دکن کے دو اور منصب کے لئے بادشاہ نے تین مزید شخصیتوں کو اس کے پاس بھیجا لیکن امیر الامرا نے حسب سابق بادشاہ کے فرمان کی تعمیل نہ کی کیونکہ اس کو بادشاہ پر اعتماد نہ رہا تھا ان تینوں شخصیتوں کے نام یہ ہیں:-

(۱) ضیاء الدین خاں - خراسانی شرفا[1] میں تھا جو دکن کی دیوانی پر دیانت خاں نبیرۂ امانت کی جگہ مقرر ہوا۔

(۲) فیض اللہ خاں دکن کی بخشی گیری پر مامور ہوا - اور (۳) جلال الدین خاں کو برہان پور کا دیوان بنایا گیا - ضیاء الدین نے قطب الملک عبد اللہ خاں کی سفارش پر دیوانی پر مامور کیا۔ جہاں وہ امیر الامرا کے ساتھ مل جل کر سارا کام کرتا اور اس کو ہر نہج سے خوش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ جلال الدین خاں کو چند روز کے لئے برہان پور کی دیوانی کی بجائے برار کی دیوانی ملی کیونکہ امیر الامرا کو اس پر اعتراض تھا۔

---

[1] شریف وہ کہلاتا ہے جو سیدانی کے بطن سے ہو خواہ اس کا باپ جس فرقے سے بھی تعلق رکھے اور سید وہ ہے جو سید باپ کا بیٹا ہو خواہ ماں کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو۔

یہ اطلاعات فوراً دربار میں پہنچ گئیں جو بادشاہ کے لئے پریشانی اور رنج و غم کا سبب بنیں۔ وہ غصے میں مشتعل ہو گیا لیکن امیر الامرا کی ان حرکتوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔ کیونکہ وہ عوام سے ان اختلافات کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔

دربار میں ایک کشمیری کی آمد

اس عرصہ میں محمد مراد نامی ایک کشمیری جو اپنی معیوب زندگی کی وجہ سے مشہور و مطعون عام تھا ہم وطنی کی وجہ سے صاحب النسواں والدہ فرخ سیر کی توسط سے بادشاہ کی خلوت میں باریاب ہوا اور اس سے یوں ہم کلام ہوا کہ میں حرب و ضرب کے بغیر اپنے عمل صالح اور نیک تدابیر سے سادات کا سر ہمیشہ کے لئے کچل سکتا ہوں۔ بادشاہ کو یہ مشورہ فوراً قبول ہوا۔ کیونکہ وہ سخت تدابیر اختیار کئے بغیر اپنے دشمنوں کی سرکوبی کرنا چاہتا تھا۔ اس مشورہ کے بعد سے فرخ سیر محمد مراد پر خوب دست شفقت پھیرنے لگا اور وہ اس دن سے اس کے مقربین خصوصی میں آگیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ نے اس کو رکن الدولہ اعتقاد خاں کا خطاب دیا اور اس کو ہفت ہزاری دہ ہزار سوار سے سرفراز کیا۔ چونکہ بادشاہ بذات خود بری علت کا شکار تھا اس کو اپنا نیا ہمراز پاکر بے حد خوش ہوا اس پر اس کو اتنا اعتماد تھا کہ وہ اپنے دل کی باتیں تک اس سے بیان کر دیتا۔

محمد مرزا خاں بہت جلد اس کا ہمراز بن گیا اور سادات کی سرکوبی کی منصوبہ بندی میں بادشاہ کے خیالات کی تائید کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ روزانہ خلعت و خطابات انعام میں پانے لگا۔ خطابات اور تحائف کی بارش اس انداز سے ہونے لگی کہ وہ ان کو وصول کرتے کرتے خود تھک گیا اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ ان تحائف سے کیا کرے۔ اس دوست نوازی سے دربار میں اور دربار سے باہر چہ میگوئیاں ہونے لگیں اس کا اثر بادشاہ کے ذہن پر اتنا گہرا ہو گیا کہ اس کے مشورہ سے سربلند خاں کو عظیم آباد سے، نظام الملک فتح کو مراد آباد سے اور راجہ اجیت سنگھ کو گجرات سے طلب کر کے دربار میں شریک کر لیا گیا۔ یہ سب کے سب بڑے ہی ہونہار اور دانشمند تھے اور ان کی شجاعت و جوانمردی مسلم تھی۔ تینوں سے وعدہ کیا کہ ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ خطابات سے نوازا جائے گا اور سلطنت کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز کیا جائے گا لیکن جونہی نظام الملک حضور میں پہنچا کہ مراد آباد کی فوجداری معہ محال جاگیر سے سبکدوش کر دیا گیا اور اس کی جگہ نہ صرف اعتقاد الدولہ کو بھیج دیا گیا بلکہ مراد آباد کا نام بدل کر رکن آباد رکھ دیا گیا۔

اجیت سنگھ کو مہاراج کا خطاب

اس احمقانہ اور غیر دانشمندانہ تبدیلی کے بعد فرخ سیر نے راجہ اجیت سنگھ کو مہاراج کا خطاب دیا اور اس شرط پر اس کو دیگر عنایات خسروانہ سے نوازا گیا کہ وہ جلد از جلد سادات کی بیخ کنی کے لئے قدم اٹھائے گا لیکن اس نے فرخ سیر کے ان خسروانہ عنایات کے باوجود اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ وہ عبداللہ خاں قطب الملک کا جانی دوست بن گیا۔ وہ دونوں بھائیوں کے بے مثال کارناموں کا بے حد معترف تھا اور اس کے دل میں ان کی عزت تھی۔ نظام الملک اور سربلند خاں جو دور دراز مقامات سے اس امید میں آئے تھے کہ ان کو اعلیٰ عہدوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ ان کو نہ صرف یہاں آ کر مایوسی ہوئی بلکہ ان کو اپنے عہدوں سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔ جب بھی وہ فرخ سیر سے قلمدان وزارت کی درخواست کرتا وہ یہی جواب دیتا کہ اعتقاد خاں سے بہتر میری نظر میں کوئی دوسرا موزوں شخص نہیں ہے۔ دربار میں ایرانی اور تورانی نسل کے اور بھی امرا موجود تھے یہ بھی جب قلمدان وزارت کی بات زبان پر لاتے اور کہتے کہ ہم سادات کی بیخ کنی کریں گے تو اس کا جواب بادشاہ یہی دیتا کہ "اعتقاد خاں سے بہتر میری نظر میں کوئی دوسرا شخص موزوں نہیں ہے۔ مسلسل یہی ایک جواب سن کر دربار کے سارے امرا بیزار ہوگئے کوئی بھی ایسے احمق اور نامعقول بادشاہ اور غیر معروف وزیر کے ماتحت کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

قطب الملک کے خلاف افواہ

اسی اثنا میں عید الضحیٰ قریب آگئی بادشاہ کے پاس معہ ہمراہیوں کے ستر ہزار فوج تھی اور قطب الملک عبداللہ خاں کے پاس چار پانچ ہزار سوار سے زیادہ نہ تھے عوام میں بیک وقت افواہ اڑی کہ عبداللہ خاں کو آج یا تو قتل کر دیا جائے گا یا اس کو گرفتار کر کے لایا جائے گا۔ باوجود اس افواہ کے کسی کی طرف سے کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی بلکہ اس افواہ سے عبداللہ خاں چوکنا ہو گیا اور وہ اپنی طاقت اور بڑھانے لگا۔ اس کے علاوہ اب تک وہ صرف باہر کے لوگوں کو جو اس کی طرح سید تھے فوج میں ملازم رکھتا تھا لیکن اس نے حالات کے پیش نظر اپنا یہ عقیدہ بدل دیا اور حکم صادر کیا کہ اب کسی امتیاز کے بغیر ہر جگہ سے فوج بھرتی کی جائے اور جلد از جلد ۵ ہزار گھوڑ سوار فوج جمع کر لی جائے۔ یہ خبر جب امیر الامرا حسین علی خاں کو ملی تو اس کو اپنے بھائی کی جان کی فکر ستانے لگی اس کے علاوہ اس کو اپنے اہل خاندان اور زر و مال کی فکر ہوئی جو دارالخلافہ میں رہ گئے تھے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کو دشمنوں کی تادیب کا خیال ہوا لہٰذا اس نے دکن سے ایک جرار فوج لے کر کوچ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اس عزم صمیم کے فوراً بعد اس کے ذہن میں معزالدین کا خیال آیا یہ شخص مجہول النسب شہزادہ محمد اکبر بن اورنگ زیب کی ولایت میں مشہور ہو کر راجہ ساہو کا قیدی ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً اس شخص کو بصد شان و شوکت اور اس حالت میں شہر اورنگ آباد لانے کے لئے محافظ دستہ بھیجا کہ کوئی شخص بھی اس کو پہچان نہ سکے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس نے بادشاہ کو بھیجی اور اس کی ہدایت طلب کی ساتھ ہی اس نے مکتوب میں یہ بھی تحریر کیا کہ چونکہ دکن کی آب و ہوا اس نہیں آتی اور صحت پر برا اثر پڑ رہا ہے اس لئے وہ شہر سے باہر جانا چاہتا ہے۔ بادشاہ کو اس تحریر سے دہشت ہوئی چنانچہ ایسے نازک وقت میں جب کہ ایک بھائی لشکر جرار لے کر شہر کی طرف بڑھا آ رہا ہے اور دوسرا بھائی فوج میں ہر طرح کے لوگوں کو شامل کر رہا ہے اس نے اس طاقتور خاندان سے معاہدہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے اجیت سنگھ کو عبداللہ خاں کے پاس صلحنامہ دے کر بھیجا۔ اجیت سنگھ عبداللہ خاں کی اعانت سے اس عہدہ پر فائز ہوا تھا اور اس کا ہمراز و ہمدم بھی تھا بادشاہ کو بھی اس پر اعتبار و اعتماد تھا۔ اس لئے اس نے اس غرض کو بڑی خوبصورتی سے نبھایا۔

قطب الملک کے محل میں فرخ سیر کی آمد

آخرکار ماہ شوال کے آخری دنوں میں فرخ سیر اعتقاد خاں اور خاں دوراں جیسے مخلصوں کو لے کر قلعہ سے باہر آیا اور تزک و احتشام کے ساتھ عبداللہ خاں سے ملنے کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے یہاں پہنچ کر قسم کھائی کہ اب سے وہ اس کے ساتھ خلوص و محبت سے پیش آئے گا اور دل میں اس کی طرف سے بغض و عناد دھو ڈالے گا۔ اس عہد و پیمان کے بعد بادشاہ محل واپس آیا لیکن اس کی طبیعت کی کمزوری کہئے یا اس کے دماغ کی غیر متوازن حرکت کہ وہ اس قول پر زیادہ دنوں تک عمل پیرا نہ رہ سکا۔ اس نے از سر نو سادات کے خلاف سخت گیر قدم اٹھانا شروع کیا اس کے مزاج میں تلون ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے ان مصاحبوں کی رائے پر چلتا جو اس کو برے کام پر ابھارتے اور انھی کو وہ عزیز بھی رکھتا تھا اور اعلیٰ عہدوں سے سرفراز کرتا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف اس کو بہادروں، جفاکشوں اور داناؤں سے نفرت تھی۔ یہ لوگ اس کی مصاحبت سے دور بھاگتے اور اس کے اشاروں کو قابل عمل نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایسے قابل لوگ یکے بعد دیگرے کشیدہ خاطر اور برہم ہو کر بادشاہ سے الگ ہٹتے گئے وہ لوگ اس کی تلون مزاجی سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ جن کو طمع اور لالچ دے کر دور دراز علاقوں سے بلایا لیکن نہ صرف وہ اپنے وعدوں سے منحرف ہو گیا بلکہ ان کو پچھلے عہدوں سے بھی سبکدوش

کر دیا۔ جیساکہ سربلند خاں اور نظام الملک کے افسوس ناک واقعہ سے ظاہر ہے ایک دفعہ یہ دونوں سپہ سالار مبارز الملک اور راجہ جے سنگھ سوائی کو لے کر بادشاہ کے حضور میں گئے اور یہ تجویز پیش کی کہ:۔

"عبداللہ خاں کو فوراً اس کے عہدے سے برخاست کر دیجئے۔ اگر کمر ہمت باندھئے اور چہرے پر سے نقاب اٹھا دیجئے تو دونوں بھائیوں کو چشم زدن میں کیفر کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اگر اجازت دیجئے تو ہم ان کے پاس جائیں ان کو باتوں سے قائل کریں اور جب وہ ہماری باتوں کو ماننے سے بھی انکار کر دیں تو ہم آپ کے وفادار غلاموں کی طرح ان سے جنگ کریں گے اور ان کی کوتاہیوں کا مزہ چکھائیں گے"۔

یہ اعلان بھی بادشاہ کے جذبات میں گرمی پیدا نہ کر سکا۔ بلکہ وہ مصاحبوں ہی کی دلجوئی اور ان کی پرورش میں لگا رہا۔ وزارت اور امیر الامرائی کے وعدہ کی تکمیل تو درکنار اصلی عہدہ سے بھی ان کو سبکدوش کر دیا۔ یعنی مراد آباد کی فوجداری۔ نظام الملک سے لے کر اور کچھ اضافہ کر کے خاں کو دیدی اور سربلند خاں کو صوبہ عظیم آباد سے طلب کر کے اس کے عوض میں اس کو اور کوئی کام دیدیا اور اس کی جاگیر میر جملہ کو عطا فرمائی۔ اس کے اس اقدام سے اسد خاں کا خاندان — تباہ و برباد ہوا اور اب وہ اپنی سلطنت کی بیخ کنی کرنے پر تل گیا تھا۔

محل واپس آنے کے بعد فرخ سیر نے اخلاص خاں کو دربار میں طلب کیا اور حکم جاری کیا کہ وہ فوراً عبداللہ خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو اور ساتھ ہی اس سے کہے کہ وہ اپنے بھائی کو دکن سے باہر قدم نکالنے کی ممانعت کرے۔ اخلاص خاں کو سادات سے نہ صرف خلوص تھا بلکہ ان دونوں بھائیوں سے اس کے دیرینہ تعلقات بھی تھے۔

یہ خبر پہلے ہی پھیل چکی تھی کہ امیر الامرا حسین علی خاں شاہجہاں آباد کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا چلا آ رہا ہے نیز اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین خاں کو سامانِ حرب و ضرب فراہم کرنے کے لئے برہان پور بھی روانہ کر چکا ہے۔ دارالخلافہ میں ہنگامہ و فساد کی خبریں برابر اس کو مل رہی تھیں۔ وہ ادھر کوچ کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس کو یہ اطلاع ملی کہ بادشاہ قطب الملک کے پاس اس مقصد سے گیا ہے کہ پرانی عداوت ختم کر کے از سر نو محبت و دوستی کا عہد و پیمان کرے۔

اس خبر کو سن کر قدرتی طور پر اس کو پریشانی لاحق ہوئی۔ وہ عجیب گو مگو کے عالم میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہر طرح سے چوکس رہا اور دارالخلافہ سے مزید خبروں کا انتظار

کرنے لگا۔ وہ ابھی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ عبداللہ خاں کے تازہ مکتوب نے اس کے جذبات میں ایک بار پھر ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس نے اپنے مکتوب میں امیرالامراحسین علی خاں سے فوراً مدد مانگی تھی۔ اس کے علاوہ عام طور پر اورنگ آباد میں یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ دارالخلافہ میں اس کے بھائی عبداللہ خاں کی حالت دگرگوں ہے اور یہ کہ اس کو تباہ و برباد ہونے سے بچانا ہے تو وہ فوراً ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر یہاں سے کوچ کر جائے۔ ان اطلاعات سے اس کا ذہن ماؤف تھا ہی۔ دربار شاہی سے اس کے مکتوب کا جو جواب آیا اس نے اس کے جذبات میں اور ابال آگیا۔ بادشاہ نے جواب میں تحریر کیا تھا کہ۔

"اگر تم تبدیلیٔ آب وہوا کے اتنے ہی خواہاں ہو تو احمد آباد (گجرات) چلے جاؤ اگر نہیں تو تم دارالخلافہ چلے آؤ کیونکہ تمہاری آمد سے مابدولت کو انتہائی مسرت ہوگی۔"

ساتھ ہی بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا کہ بناوٹی شہزادہ اکبر کو فوراً دربار بھیجدیا جائے۔

ادھر امیرالامراحسین علی خاں کوچ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ادھر قطب الملک، عبداللہ خاں دارالخلافہ میں زیادہ سے زیادہ فوج کی بھرتی میں مصروف ہوگیا فوج کی بھرتی میں اسکو اس لئے بھی تقویت ہوئی کہ سلطانی فوجوں میں تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے انتشار برپا تھا۔ حتیٰ کہ والاشاہی کے محافظ دستے بھی دست کش ہو رہے تھے کہا جاتا ہے کہ پورے نوماہ سے ان کو تنخواہ نہیں ملی تھی۔ وجہ خواہ عبداللہ کی فرائض سے کورچشمی ہو یا بادشاہ کی کمزوری۔ تنخواہ نہ ملنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری فوج میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی لیکن ان میں کوئی ایسا قائد نہ تھا جو سلطان کے لئے خلاف کارروائی کرنے پر اکساتا۔ عبداللہ خاں کی کمان میں اب تک بیس ہزار گھوڑے جمع ہو گئے تھے اس کے علاوہ سازگار حالات نے بھی اس کی خوب مدد کی۔

اس عرصہ میں سربلند خاں بالکل قلاش ہو چکا تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ جو مال و زر لے آیا تھا وہ سب فوجوں کے پیچھے خرچ ہوگئے تھے۔ اور اب فوجیں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کے خلاف سر اٹھا رہی تھیں اور اس کو لعن طعن کر رہی تھیں ان کے مطالبات اس حد تک بڑھ گئے کہ وہ ایک دم سے مایوس و نامراد ہوگیا۔ اسی عالم مایوسی میں اس نے فوجوں میں

ہاتھی گھوڑے اور زر و جواہر یعنی جو کچھ اس کے پاس تھا سب فوجوں میں تقسیم کر دیا اور خود مذہبی لبادہ اوڑھ کر درویش بن گیا۔ نظام الملک کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ اس سپہ سالار کو کتنی طمع و لالچ دے کر اور کتنے وعدے کر کے دربار میں لایا گیا تھا۔ لیکن جب وہ یہاں آیا تو نہ صرف اس کو موعودہ دار الامرائی سے ہاتھ دھونا پڑا بلکہ اس کے پاس جو جاگیریں تھیں وہ بھی چھین لی گئیں اور اعتقاد خاں کے حوالے کر دی گئیں۔ اعتماد خاں بادشاہ کا نیا حواری تھا اور اس کا جادو اس پر اس حد تک چل گیا تھا کہ دوسروں کی طرف سے اس کے کان اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں تھیں۔ نظام الملک دانے دانے کو محتاج ہو گیا چنانچہ اس نے دربار میں جانا بھی ترک کر دیا۔

قطب الملک کی دوراندیشی

قطب الملک کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے دونوں سپہ سالاروں کو کسی طرح اپنے محل میں بلایا دونوں آگئے تو اس نے سربلند خاں کے منصب داروں اور دیگر قرض خواہوں کے لئے کابل کی حکومت کی سفارش کی۔ نظام الملک کو یقین دلایا کہ اس کو مالوہ کی حکومت سونپی جائے گی اس طرح قطب الملک نے دونوں امرا کے دل جیت لئے۔

اسی اثنا میں محمد امین خاں یکایک مالوہ سے دربار میں پہنچا۔ دربار میں آنے سے پہلے نہ تو اس نے چھٹی ہی کی درخواست کی اور نہ خط کے ذریعہ اطلاع دی تھی۔ دراصل جب وہ سرونج پہنچا اور امیر الامرا حسین علی خاں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ گھبرا گیا اور فوراً دار الخلافہ کا رخ کیا۔ بادشاہ کو نہ صرف اس کی یہ حرکت ناگوار گزری بلکہ اس کو ملازمت سے بھی نکال دیا عبداللہ خاں نے جب یہ سنا اس نے فوراً اس کو بلا بھیجا اور تحفے تحائف دے کر اس کی حمایت حاصل کر لی۔ قطب الملک عبداللہ خاں کو اس فن میں ایسی مہارت ہو گئی تھی کہ خان دوراں جیسا شخص جو میر جملہ کے ساتھ مل کر انتشار و خلفشار پھیلانے میں سب سے آگے تھا قطب الملک کا ہو کر رہ گیا اور اس کو رازہائے درونِ شاہی بتلا دیئے۔

فرخ سیر نے جب یہ دیکھا کہ اس کے اچھے اچھے آزمودہ سپہ سالار رفتہ رفتہ اس سے رشتہ ختم کر کے قطب الملک سے ملتے جا رہے ہیں تو وہ ایک دم مشتعل ہو گیا۔ ایک روز بادشاہ کے مصاحبوں نے اس کو مشورہ دیا کہ جب حضور شکارگاہ کو جائیں اور شکار کھیل کر واپس آئیں تو قطب الملک سے ضرور مل لیں۔ مصاحبوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مہاراجہ اجیت سنگھ کی قیام گاہ

قطب الملک کے محل کے بالکل نزدیک ہے اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ جب حضور کی آمد کی اطلاع اجیت سنگھ کو ملے گی وہ فوراً تحفے تحائف اور نذرانے لے کر حضور کی قدم بوسی کو آئے گا اس طرح قطب الملک کی گرفتاری بڑی آسانی سے عمل میں آجائے گی۔ لیکن اجیت سنگھ کو کسی طرح اس سازش کا علم ہوگیا۔ اس کو چونکہ سادات سے والہانہ عقیدت تھی اور اس کو حالات کا اچھی طرح علم تھا اس لئے اس نے قطب الملک کے محل میں منتقل ہو جانے کا ارادہ کرلیا۔ اجیت سنگھ کی اس یکایک منتقلی سے فرخ سیر کے حوصلے پست ہو گئے۔ اگرچہ قطب الملک بادشاہ کی قدم بوسی کو حاضر ہوا تھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ وہ وہاں زیادہ رکنے کی بجائے فوراً قلعہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

اورنگ آباد سے امیر الامرا کی روانگی

اسی اثنا میں امیر الامرا حسین علی خاں اورنگ آباد سے کوچ کرکے دار الخلافہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ اگرچہ اس کے پاس بے شمار فوج تھی اور خیمہ بردار بھی ان گنت تھے لیکن تنظیم کا یہ عالم تھا کہ فوج کا ایک فرد بھی آس پاس کے گاؤں میں ظلم نہ توڑ سکا۔

دردانگیز واقعہ

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک بیوہ کی لڑکی بھوک سے نڈھال ہوکر گاؤں سے باہر نکل گئی اور رات کی تاریکی میں ایک خیمے کے اندر اس ارادہ سے گھس گئی کہ وہاں کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا اس نے ایک سپاہی کو دیکھا اور وہ اس سے خوراک روزانہ کی سائل ہوئی اس نے لڑکی سے پوچھا کہ کیا وہ اس کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ جسے وہ منتخب کرے رہے گی تاکہ اس کی دیکھ بھال ہو سکے۔ لڑکی رضامند ہوگئی۔ وہ اس شخص کے قریب ہی سوگئی وہ شخص بھی چونکہ واماندہ وخستہ ہو چکا تھا اس لئے رات بھر اطمینان کی نیند سویا اور لڑکی کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔ صبح ہوئی تو وہ لڑکی کو بار برداری پر سوار کرا کے روانہ ہوا۔ اس کی ضعیفہ والدہ نے رات بھر اس کے انتظار میں آنکھوں ہی آنکھوں میں گزار دی۔ لیکن صبح کو وہ اونچی زمین پر کھڑی ہوگئی۔ کیونکہ اس کو معلوم ہوا تھا کہ امیر الامرا اس راہ سے گزرے گا۔ امیر الامرا جب ادھر سے گزرا تو اس کی ضعیفہ والدہ نے اس سے فریاد کی کہ میری ایک ناکتخدا لڑکی جو میری کل کائنات ہے گذشتہ شب خوراک کی تلاش میں خیمہ میں داخل ہوئی تھی۔ آپ کے لشکر کا ایک سپاہی اس کو بھگا کرلے گیا ہے"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کا سیلاب جاری ہوگیا اور وہ بولی۔ "مجھے امید ہے کہ حضور مجھ مظلوم بیوہ پر رحم کھاکر

اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک مجھے میری لڑکی نہ مل جائے کیونکہ میں اپنی اس واحد لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

امیرالامراکے اوصاف حمیدہ

اس بیوہ کے آنسوؤں سے امیرالامرا کا دل بھر آیا اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک لڑکی نہیں ملے گی وہ خوردونوش اپنے اوپر حرام سمجھے گا۔ یہ کہہ کر اس نے فوراً تلاش کرنے کا حکم صادر کیا۔ اس فرمان کے اجرار کے فوراً بعد تلاش شروع ہو گئی۔ چونکہ امیرالامرار کا ارادہ نیک تھا اور خدا نیکو کی ہمیشہ اعانت کرتا ہے اس لئے اتنی عظیم الشان بھیڑ بھاڑ سے جو روز حساب کی بھیڑ بھاڑ سے کم نہ تھی معمولی سی تگ ودو کے بعد لڑکی کو ڈھونڈ نکالا۔ سپاہی اور لڑکی کو امیر الامرا کے حضور میں لایا گیا۔ امیرالامرا نے سپاہی کے ساتھ جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ روز روز کی بھوک سے تنگ آکر اور قحط سالی کے ڈر سے میں خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی تھی۔ رات بھر اس کے ساتھ رہی لیکن اس نیک بخت نے میرے جسم پر ہاتھ تک نہ رکھا۔ لڑکی کے اس جواب سے جب امیرالامرار کو تشفی ہوئی تو وہ خدا کا شکر بجالایا کہ اس کی عصمت دری نہیں کی گئی اس کے بعد اس نے لڑکی کے ہمراہ اپنا ایک ملازم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ جب تک سپاہی بہت دور نہ نکل جائے اس وقت تک وہ اپنی جھونپڑی میں رہے۔[۱]

قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ امیرالامرا حسین علی خاں نے اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین علی خاں کو سامان حرب تیار رکھنے کے لئے ۵ ارشوال ۱۱۳۱ھ کو برہان پور بھیجا تھا لیکن برہان پور چونکہ شاہجہاں آباد کی شاہراہ پر واقع ہے اس لئے وہ دارالخلافہ سے دوسرے مکتوب کے انتظار میں اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ابھی وہ حتمی فیصلہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ بھائی کی زندگی خطرہ میں پڑنے کی اطلاع آئی۔ اس اطلاع کو وصول کرتے ہی اس نے اوئل محرم ۱۱۳۲ھ کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ اس کا چچا زاد بھائی اسد اللہ خاں عرف نواب اولیا بھی تھا اس کے علاوہ جاں نثار خاں، مومن خاں نائب صوبہ برار، اسد علی خاں یک دست علی مردان خاں معہ دلیر خاں پانی پتی، برادر خاں صادق اور اختصاص خاں نبیرہ خاں عالم، حاجی سیف اللہ خاں اور ضیار الدین خاں دیوان دکن اور فیروز علی خاں بخش جو مشہور سادات بارھہ میں

---

[۱] یہ عجیب وغریب بات ہے کہ اس وقائع نگار نے دیگر وقائع نگاروں کی طرح یہ نہیں لکھا کہ امیرالامرا نے لڑکی کو رخصت کرتے وقت اسکی ماں کے ہاتھ میں چند اشرفیاں بھی رکھدیں۔

امیر الامرا کے ساتھ تھے۔ چند ہندو امرا بھی مثلاً راجہ پرتاب سنگھ بوندیلہ اور راجہ محکم سنگھ جو امیر الامرا کے ملازمین خاص میں سے تھا اپنی مرضی سے فوج میں شامل ہو گئے دکن کے کچھ شاہی ملازمین نے بھی شرکت کی۔ ان میں سے بعض تو اپنی مرضی سے شریک ہوئے تھے اور بعض اپنی مرضی کے برخلاف امیر الامرا کی فوج دریا موج میں تیس ہزار سوار تھے۔ مرہٹوں کی تعداد صرف دس بارہ ہزار تھی توپ و تفنگ کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ قلعہ اورنگ آباد وغیرہ میں اپنے قلعدار مقرر کئے اور بعض قلعوں کی دیکھ بھال کے لئے مرہٹے مقرر کئے۔

چند روز تو انتظام و انصرام میں لگے اور چند روز برہان پور میں رک کر امیر الامرا نے ۲۲ محرم کو کوچ کیا۔ کئی دنوں تک مسافت طے کرنے کے بعد اس کو وہ دریا بھی عبور کرنا پڑا جو اکبر آباد میں بہتا تھا۔ مانڈو پہنچنے کے بعد اس کی ملاقات اخلاص خاں سے ہوگئی اخلاص خاں کو شہنشاہ نے امیر الامرا کے پاس اس مقصد سے بھیجا تھا کہ وہ کسی طرح سے سمجھا بجھا کر دکن واپس جانے پر آمادہ کر دے اس نے امیر الامرا سے خلوت میں ملاقات کی اور صلح بے ثبات اور ہنگامہ آشوب شاہجہاں آباد کا ذکر کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کس طرح ہر جگہ ہنگامہ آرائی اور تفرقہ پردازی کے تخم بوئے جا رہے ہیں۔ سلطنت کے امرا کیسے دار الخلافہ میں جمع ہو رہے ہیں۔ نظام الملک اور مبارز الملک کیسے اب تک بددل ہیں اور بادشاہ کیوں اب تک اعتقاد خاں کا معترف ہے۔ ان تمام چیزوں کو جب صحیح رنگ میں پیش کیا گیا تو امیر الامرا کو اپنے بھائی کی طرف سے اور بھی تشویش ہوئی چنانچہ وہ راستے میں رکے بغیر پیش قدمی کرنے لگا۔ راستے میں سپہ سالار اور ناظم اس کی قدم بوسی کرتے لیکن مرحمت خاں ولد امیر خاں کلاں صوبہ دار کابل نے جس نے ملک مانڈو کے بندوبست کرنے کا انتظام کیا تھا امیر الامرا کے ما فی الضمیر سے آگاہ ہو کر ملاقات کو نہ آیا۔ امیر الامرا کو اس کی یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ ۱۴ ماہ صفر کو دار الفتح اوجین کے کنارے لشکر آ پہنچا۔ اس اثنا میں اس کو اطلاع ملی کہ فرخ سیر عزیمت امیر الامرا کی خبر سن کر ۲۵ محرم کو قطب الملک کے مکان میں آیا اور از سرِ نو اس سے معاہدہ کر کے سارے اختلافات ختم کر دیئے۔ اس نے کلام اللہ کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ اب سے وہ اس کے اہل خاندان کا خیر خواہ رہے گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے سر سے دستار اتار کر عبد اللہ خاں کے سر پر رکھی۔ دوسرے روز عبد اللہ خاں کو مہاراجہ اجیت سنگھ کی معرفت بلا کر بھائی بنایا اور باہم دگر صلح و صفائی ہوئی اور اعتقاد خاں اور اپنے دیگر بہی خواہوں کو بلا کر حکم دیا کہ سارے اختلافات مٹا کر اصلاح کار میں توجہ دیں اور عبد اللہ خاں سے اپنے تعلقات استوار کریں۔

امیر الامرا اس صلح وصفائی کی خبر پا کر دربار میں آیا اور بآواز بلند گویا ہوا کہ اب جبکہ بادشاہ نے ہم دونوں بھائیوں سے صلح کر لی ہے اور انھوں نے ہم سے دوستی کرنے کی قسم بھی کھائی ہے لہٰذا ہم کو بھی ان کی اطاعت و فرماں برداری سے گریز نہ ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب بادشاہ کی قدم بوسی کرکے واپس دکن چلا جاؤں۔ اس اعلان سے سارے ساکنانِ دکن کو بے حد خوشی ہوئی۔ وہ جلد سے جلد اپنے ملک واپس جانے کے لئے بے تاب تھے لیکن صحیح معنوں میں امیر الامرا کے جو جگری دوست تھے ان کو اس اعلان سے خوشی نہ ہوئی چنانچہ امیر الامرا کو ان سے خلوت میں کہتے سنا گیا ”قطب الملک عبداللہ خاں سے بادشاہ کی ملاقات محض افسون و افسانہ ہے اور اس نے دوستی کے وعدے محض ہم کو خواب خرگوش کی نیند سلانے کے لئے کئے ہیں۔ بادشاہ کی سوگند میں صداقت ذرا بھی نہیں ہے۔ ہمیں اس پر ذرا بھی اعتماد نہیں ہے یاد رہے بادشاہ کو جس دن بھی موقع ملے گا وہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گا بلکہ ہمیں خود اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے ہماری عزت خطرہ میں پڑ جائے گی ساتھ ہی اس بات کا بھی یقین رہے کہ اگر بادشاہ ہمارے قبضہ میں آ گیا تو ہم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھیں گے؛

یہ کہہ کر امیر الامرا رانا کے ملک کی حدود میں آیا۔ جس کے اکثر دیہات تاراج ہو گئے تھے اور وہاں خوب مظالم ڈھائے گئے تھے۔ لیکن جب اس کا وکیل پیش کش کے ساتھ حاضر ہوا تو امیر الامرا نے لشکریوں کو منع کیا اور اس کے بعد سے دیہات کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ مگر راجہ جے سنگھ سوائی کی حدود میں معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آیا راستے میں جتنے بھی گاؤں آئے سب لوٹ لئے گئے اور اس طرح بادشاہ کی حمایت کرنے پر راجہ کو سخت سزا دی گئی۔ امیر الامرا کے سامنے راجہ کے عمدگان میں سے ایک شخص زر و مال لے کر بھی آیا لیکن اس نے قبول نہ کیا۔ اس کے ملک کی کوئی شے صحیح و سالم نہ چھوڑی گئی۔ کھیت جلا دیئے گئے اور مرد و زن کو گرفتار کر لیا گیا۔

رتن چند مسلمانوں کا کٹر دشمن

تین چار دنوں کے بعد ہی ساری فوج دارالخلافہ سے آ گئی سڑکیں ان ممتاز و معزز لوگوں سے بھر گئی تھیں جو امیر الامرا کو عزت بخشنے آئے تھے۔ ان میں ظفر خاں اور رتن چند بھی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی ان گنت امرا حسین علی خاں کے سامنے مودب کھڑے ہو گئے۔ حسین علی خاں

بھی سبھوں کے ساتھ عزت سے پیش آیا۔ لیکن ظفر خاں نے امیر الامرا اور قطب الملک کے خلاف عجیب و غریب افواہیں پھیلانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ وہ انوکھی لیکن اشتعال انگیز خبریں پھیلا کر دونوں بھائیوں کے ذہنوں کو زہر آلود بنا رہا تھا۔ اس کو اس بات کا ذرا بھی خوف نہ تھا کہ جھوٹی سچی خبریں پھیلانے کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ آئندہ کے نتائج سے بالکل بے پرواہ ہو کر وہ شب و روز دونوں بھائیوں اور بادشاہ کے خلاف شر انگیز خبریں اڑانے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ رتن چند نے بھی فضا کو ناہموار بنانے میں حتی الامکان کوشش شروع کر دی۔ اول تو یہ کہ وہ اپنے مذہبی عقیدے کی بنا پر مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا اور دوئم یہ کہ اس کو بادشاہ اور دربار کے ممتاز امرا سے سخت نفرت تھی چنانچہ اس نے اشتعال انگیز خبریں لا کر امیر الامرا کے ذہن کو اس حد تک غضب ناک بنا دیا کہ بادشاہ سے انتقام کا جذبہ شدید ہوتا گیا وہ پیش قدمی کرتے کرتے شہر کے قریب پہنچ گیا اور اس نے فیروز شاہ کے ملاٹے کے قریب پڑاؤ ڈالا جب وہ خیمے میں آنے لگا تو یکایک نوبت بج اٹھی جو قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ نوبت شادمانی صرف بادشاہوں کے لئے وقف تھی۔ جب وہ شاہانہ جاہ و حشم اور شان و تجمل کے ساتھ خیمہ کے اندر داخل ہوا تو اس کو یہ کہتے سنا گیا:-

"میں چونکہ خود کو غلام نہیں سمجھتا ہوں اس لئے ضابطہ و آداب کی پابندی نہیں کر سکتا۔"

ان تمام اشتعال انگیزیوں کے باوجود بادشاہ کو جلال نہیں آیا۔ اس نے صرف اتنا کہہ کر شاہی قہر کا اظہار کیا کہ ان حرکتوں کے نتائج اچھے نہیں نکلیں گے لیکن دوسرے دن ہی اس کا غصہ سرد ہو گیا اور پھر اس کے کمزور و ناتواں ذہن میں صلح و صفائی اور وعدے وعید کا خیال پیدا ہوا۔ اس کی اس حد تک بزدلی اور کمزوری سے اس کے جری اور جفاکش خدام بھی پست ہمت ہو گئے۔

راجہ جے سنگھ اس کی اس تلون مزاجی سے بددل ہو گیا لیکن تاہم اس نے تجویز پیش کی کہ بادشاہ ذرا سی ہمت پیدا کر کے محل سے باہر آئے اور خود فوج کی کمان کر کے سادات پر حملہ آور ہو۔ راجہ جے سنگھ نے کہا۔" جو نہی حضور کے خیر خواہ اور بہی خواہ سامان جنگ کے ساتھ فوجوں کی کمان کرتے دیکھیں گے وہ فوراً ہر طرف سے آپ کی اعانت کے لئے لوٹ پڑیں گے۔ اور دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔ مجھے تو اس

حد تک یقین ہے کہ یہ منظر دیکھ کر سادات کے ساتھ جو سپہ سالار ہیں وہ بھی اپنے آقا کی قدم بوسی کو آجائیں گے اور سادات کی سرکوبی میں حضور کی مدد کریں گے۔ کیونکہ ان کو حضور کی خوشنودی مقصود ہے۔"

دولت خواہان دانشمند کی بادشاہ سے بددلی!

لیکن یہ مشورہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت خواہانِ دانشمند بادشاہ کی خود پسندی سے بددل ہوکر اپنے فرائض منصبی کو چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ گئے نہ بادشاہ ان کے مشوروں کو قابل اعتنا سمجھتا اور نہ اس کی نظر میں ان کی کوئی اہمیت ہی باقی رہ گئی تھی یا تو وہ مصاحبان خاص کی باتوں پر عمل پیرا ہوتا یا پھر اس کے جی میں جو آتا کر گزرتا۔ ہر طرف افراط و تفریط کا عالم تھا۔ بادشاہ کی ان ابلہ کاریوں کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا یعنی متعدد امرائے مقتدر جن کی دانش مندی اور شجاعت میں کوئی کلام نہ تھا اس ناقابل برداشت فضا کو دیکھ کر غصہ اور اشتعال کی آگ میں جلنے لگے۔ اپنی مجبوری و بے بسی پر خون کے آنسو روئے۔ بادشاہ کے حکم کے بموجب جن لوگوں کو قطب الملک کی ملازمت ملی تھی وہ اس کے نصب العین کو دیکھ کر گھبرا گئے چنانچہ انھوں نے قطب الملک کی ملازمت سے ہاتھ کھینچ لئے۔ حالات خطرناک صورت اختیار کر ہی رہے تھے کہ قطب الملک نے معاملہ کی تہہ تک پہنچ کر بادشاہ کو مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

"اگر حضور ہمارے خاندان کے جانی دشمن جے سنگھ کو اپنے دربار سے نکال دیں اور اس کو وطن کی رخصت پر بھیج دیا جائے اور خدمات حضوری مثلاً توپخانہ اور داروغگی دیوان خاص اور دیگر عہدوں پر ہمارے لوگوں کو مقرر کیا جائے اور قلعہ میں بھی ہمارا ہی بند و بست ہو تو ہم دونوں بھائی شکوک و شبہات کو اپنے دل سے نکال کر حضور کے دربار میں حاضر ہو سکتے ہیں۔"

بادشاہ نے اس پیغام کا بڑے اطمینان سے یہ جواب دیا۔

"حقیقتاً خدمات مذکورہ قطب الملک کے نام دیگر سادات اور اس کے ہمراہیوں کے مقرر کرتے ہیں اور نیابت میں اعتقاد خاں رہے گا لیکن چند روز کے بعد جب جشن نوروز قریب آئے گا تو اس کی نیابت آپ ہی آپ موقوف ہو جائے گی جے سنگھ ۳ ربیع الثانی کو فرمان شاہی کی رو سے وطن جا چکا ہے اور اب دربار سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔"

مقتدر امرا کی دربار سے برطرفی

بادشاہ کے اس نرم جواب سے دونوں بھائی اور شیر ہو گئے۔ کیونکہ سادات پر اب یہ راز کھل چکا تھا کہ فرخ سیر کے اختیار میں اب کچھ نہیں رہا۔ وہ فطرتی شجاعت و مردانگی سے مبرا ہو چکا ہے البتہ اس کے دل میں سادات کی طرف سے بغض و عناد کی آگ بھڑک رہی تھی اور وہ ان کی تباہی و بربادی کے لئے اپنے حواریوں کے ناپاک منصوبوں پر اتفاق کرتا تھا۔ لیکن وہ اتنا بزدل تھا کہ سادات سے گہری عداوت اور رنجش کے باوجود وہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہ سکا بلکہ اس نے اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف قطب الملک کی شرائط مان لیں۔ ۵ ربیع الثانی سنہ مذکور کو قطب الملک نے راجہ اجیت سنگھ کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہو کر جا بجا اپنا بندوبست کر لیا اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بادشاہ کی فوج اور مردانِ عمدہ بادشاہی کو ان کے عہدوں سے دست بردار کر کے اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مقتدر امرا جو روزانہ بادشاہ کے حضور میں تعظیم و تکریم کو حاضر ہوتے تھے دربار سے نکال دیئے گئے۔ صرف اعتقاد خاں اور امتیاز خاں مشرف دیوان خاص اور ظفر خاں روشن الدولہ جن کا عدم اور وجود برابر تھا اور چند خواص اور خواجہ سرا رہ گئے ان کے علاوہ قلعہ میں اور کوئی نہ رہا۔

چند ساعت کے بعد امیر الامرا شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ مع لشکر جرار شہر میں داخل ہوا اور جب بڑے بڑے شاہی دروازوں، پناہ گاہوں اور سامان مدافعت پر اس کا قبضہ ہو گیا اور اس کی فوجیں خاص خاص سڑکوں پر تعینات ہو گئیں تو وہ محل میں داخل ہوا اور حضور سلطانی میں چند کلمات ملال آمیز زبان پر لایا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ اور امیر الامرا میں بہت مختصر سی گفتگو ہوئی۔ اگرچہ بادشاہ نے اس کو کئی ہاتھی گھوڑے، اور جواہر عطا کئے لیکن اس نے چند ہی تحائف قبول کئے اور باقی کو قبول کرنے سے معذرت چاہی اور تقدیم آداب میں سہل انگاری سے کام لیا۔ اس کے اس عمل کو عام طور پر پسندیدگی کی نظروں سے نہ دیکھا گیا۔ لیکن فرخ سیر پر بذات خود اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسری مرتبہ ۸ تاریخ سہ شنبہ کے روز قطب الملک اور مہاراجہ نے معتمدوں کے ہمراہ قلعہ میں آ کر بندوبست قرار واقعی کیا اور مردمانِ شاہی کو قلعہ سے نکال کر اپنے آدمی دروازوں پر تعینات کر دیئے اور دیوان خاص اور خواب گاہ اور عدالت حضور کی کنجیاں خود قبضے میں کر لیں۔ امیر الامرا کو جب اطلاع ملی کہ قلعہ میں چاروں طرف امن ہے وہ اسی تجمل اور کر و فر سے لشکر سمیت اپنے محل میں اترا جو بارہ دری

شائستہ خاں کے نام سے مشہور رہے اور جو قلعہ سے بالکل ملحق ہے اس کے ہمراہ مجہول شہزادہ اکبر بھی تھا لیکن اس کو اس نے ہاتھی پر اس طرح سوار کر رکھا تھا کہ اس کی شکل پہچانی نہ جاتی تھی۔

دوسری صبح قطب الملک محل میں گیا اور اس نے بادشاہ کے حضور میں وہی شکایات دہرائیں جو اس سے پہلے حضور میں پیش کی جا چکی تھیں۔ قطب الملک نے بادشاہ سے کہا۔

"ہم نے حضور کے دور مصائب و آلام میں جو خدمات انجام دی ہیں اور حضور اور حضور کے آباؤ اجداد کے لئے جس طرح اپنا خون ارزاں کیا ہے اس کا بدلہ اس کے سوا اور کیا ملا کہ حضور کے دل میں ہمارے خلاف بغض و عناد اور شکوک و شبہات کی آگ بھڑکتی رہی اور ہماری عزت و ناموس پر حملے کئے جاتے رہے اس کی شہادت میں ہم وہ مکتوب پیش کر رہے ہیں جو حضور نے درندہ صفت داؤد خاں کو تحریر کیا تھا اس میں حضور نے اس کی ہدایت کی تھی کہ وہ میرے لائق اور معصوم بھائی کے قتل کے لئے سامان حرب سے لیس ہو۔ ساتھ ہی میں حضور کی خدمت عالیہ میں وہ تصدیق نامہ بھی پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جو حضور نے امرائے دکن کو ہماری تباہی و بربادی کی غرض سے بھیجا تھا۔ اب ہمارے اشتعال پذیر ذہن اس صورت میں سرد ہو سکتے ہیں کہ حضور خدمات حضوری پر ان اجنبیوں کی بجائے ہمارے لوگوں کو سرفراز کریں جو حضور کے ذہن کو برابر ہمارے خلاف زہریلا بنا رہے ہیں۔ جب تک یہ درخواست منظور نہیں ہو گی ہم محل میں غلام کی طرح حاضر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہم حضور کی خدمت کر سکتے ہیں۔"

سخنہائے ابلہ فریب

قطب الملک کی اس تقریر کے بعد بھی بادشاہ جاہل مطلق ہی رہا۔ وہ حالات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود کوئی قدم اٹھانے کی بجائے وہی یوم جشن نوروز کا وعدہ کرتا رہا یہاں تک کہ کلمات درشت کی نوبت آگئی۔ فرخ سیر نے بیتاب اور بے قابو ہو کر قطب الملک اور اعتقاد خاں سے دشنام طرازی کی اس وقت اعتقاد خاں نے سخنہائے ابلہ فریب سے فضا کو پرامن بنانا چاہا لیکن قطب الملک نے گالیاں دے کر اسے محل سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اعتقاد خاں ایک دم سے گھبرا گیا جیسے اس پر بجلی ٹوٹ پڑی ہو ایسے موقع پر حاضر دماغی نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا لہٰذا اس نے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں بہتری سمجھی۔ گھبراہٹ ایسی ہوئی کہ وہ اپنی پالکی تک نہ پہنچا بلکہ

امتیاز خاں مشرف کی پالکی پر سوار ہو کر اپنے مکان کو سدھارا۔ شہر کے چاروں طرف قیامت کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ بے تحاشا بھاگ رہے تھے اور چیخ و پکار برپا کر رہے تھے۔ بادشاہ برگشتہ بخت نے آثار بد ملاحظہ فرما کر محل کی راہ لی۔ اس کو خدا کا یہ حکم یاد نہیں رہا۔

" اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ط

اس قیل و قال میں فرخ سیر کا ستارۂ اقبال افق کے نیچے عمیق تاریکی میں چھپ گیا۔ رات کا ہولناک اندھیرا آسمان کی فصیل سے آہستہ آہستہ زمین پر اترا اور اس نے کل کائنات کو خوف و ہراس کی دبیز چادر میں لپیٹ لیا۔ قلعہ کے وہ تمام دروازے ایک ایک کر کے غیر معینہ مدت تک کے لئے بند ہو گئے جو کبھی دل و دماغ کو امن و چین اور اطمینان و سکون بخشتے تھے۔ قطب الملک نے وہ شب اجیت سنگھ کے ساتھ محل کے اندر گزاری اور بادشاہ کے خدام باہر رہے اور یہ شعر ان کے وردِ زبان رہا ؎

بسر یود ہر یک دریں انتظار
ہناں تا چہ بازی کند روزگار

روز حشر سے پہلے کی رات جتنی تاریک ہو سکتی ہے اتنی ہی تاریک وہ رات بھی تھی۔ کائنات کی ہر شے ماتمی لباس اوڑھے تھی اور شور و واویلا ایسا مچا ہوا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی اور نہ کسی ایک فرد کو بھی اس بات کا علم تھا کہ محل کے اندر کیا قیامت برپا ہے۔ قطب الملک کی فوج جو سامان حرب سے لیس تھی شہر کی ہر سڑک پر گشت کر رہی تھی اور مرہٹے گھوڑ سوار حکم کے انتظار میں چوکس تھے۔ لیکن جب صبح نے اپنا گریبان زرنگار چاک کیا ہر شخص امید و بیم کی حالت میں ایک دوسرے کو تکنے لگا۔ ابھی قطب الملک کا ستارہ اقبال ضونگن ہونا ہی چاہتا تھا کہ اس کے قتل کی خبر اڑی۔ اس خبر کے اڑتے ہی سڑکوں اور بازاروں میں چیخ و پکار کے علاوہ اور کوئی آواز سننے میں نہ آئی اس اثنا میں بعض امرائے فدویت کیش مانند سعادت خاں جو فرخ سیر کا خسر تھا، غازی الدین خاں کوسہ، غالب جنگ اور اعز خاں بہادر توزک جنگ گھوڑے پر سوار بادشاہ کی مدد کو آئے لیکن نظام الملک اور خاں دوراں بہ مقتضائے دور اندیشی خانہ نشین رہے۔ اعتماد الدولہ محمد امین خاں قطب الملک کی رفاقت کے ارادہ سے گھوڑے پر سوار ہوا۔ لیکن فوج کا ایک دستہ جو کمبل پوش کہلاتا تھا خان دوراں سے ملنے جا رہا تھا کہ اس دستہ کا سپہ سالار مرہٹہ گھوڑ سواروں

کے مقابل آگیا، مرہٹوں نے مزاحمت کی انھوں نے تیروں سے جواب دیا اسی حال میں اعتمادالدولہ کی سواری دکھائی دی مرہٹے جو کہ شہری لڑائی سے ناواقف تھے پریشان ہو کر چاروں طرف بھاگ کھڑے ہوئے اس شہری موقع سے مغلیہ سپاہ اور بادشاہ کے بیکار ملازموں اور سپاہیوں نے فائدہ اٹھایا۔ وہ فوراً قتل و غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرہٹے جدھر جاتے دشمن ان کو گھیر لیتے۔ بعض تو لشکر گاہ بہ خرابی بسیار جا پہنچے اور بعض سنتا نامی سردار اور دو تین اور جماعت داروں کے دس ہزار سوار سمیت مقتول اور ایک گروہ زخمی ہوئے۔ ان مقتولوں کے گھوڑوں کو یہ لوگ پکڑے ہوئے تھے اتفاق سے ان گھوڑوں کی زینیں جو پھٹیں تو ان کا دامن مال و زر سے بھر گیا۔

اسی اثنا میں محمد امین خاں اپنی فوج سمیت امیر الامرا کے پاس پہنچا امیر الامرا نے اس کا شایان شان خیر مقدم کیا ایک طرف تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا دوسری طرف سعادت خاں اپنے پانچ لڑکوں کے ہمراہ اور غازی الدین خاں بادشاہ کی نصرت یابی کو پہنچے۔ لیکن مقابل کی سڑکوں پر اعتقاد خاں اور سید صلابت خاں داروغۂ معزول توپ خانہ شاہی اور منوہر ہزاری مع دو تین ہزار سوار کے سعد اللہ خاں کے بازار میں رزم آرا تھے۔ امیر الامرا کے رفقا اور لشکر عبداللہ خاں کے قتل کی خبر سن کر قریب تھا کہ راہ فرار اختیار کرلیں کہ اس نازک موقع پر قطب الملک کے زندہ رہنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ اس اطلاع سے امیر الامرا کے خون گرم میں ایک بار پھر ابال آگیا۔ چنانچہ اس نے سعد اللہ خاں کے بازار سے لوگوں کو نکال بھگانے کے لیے جو وہاں جمع ہو گئے تھے اپنی بہترین فوج بھیجی۔ لشکر جرار نے دشمنوں پر گدھوں کی طرح حملہ کر کے گاجر مولی کی طرح ہلاک کر دیا۔ اس ہنگامہ میں غازی الدین خاں کا ہاتھی زخمی ہوا۔ زخم کھا کر وہ ایک دم سے مڑا اور اپنے آقا سمیت بھاگا۔ پوری فوج نے اس کا تعاقب کیا۔ سعادت خاں بھی اپنے پانچوں بیٹوں سمیت زخمی ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ لیکن اعتقاد خاں نے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور وہ چپکے سے گھر چلا گیا اور مورچہ بنا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بھاگ جانے سے سعد اللہ خاں کے بازار میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ بہت ساری دکانیں لوٹ لی گئیں اور سڑکوں پر لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔ فرخ سیر کی طرف سے جب مدافعت نہ کی گئی اور فتح کا حال سراب آسا ثابت ہوا کہ اتنے میں اعز خاں بہادر مغلوں اور دیگر ملکوں کی فوجیں لے کر شہر کے نواح سے نمودار ہوا۔ لیکن جب اس نے لاہوری دروازہ بند پایا اور چاروں طرف فوجیں تاک

میں نظر آئیں تو وہ واپس چلا گیا۔

شاہزادہ رفیع الدرجات

ابھی سڑکوں میں تلواریں چمک ہی رہی تھیں اور تیر کمان سے نکل ہی رہے تھے کہ یکایک فضا میں فرخ سیر کی گرفتاری کی آواز سنائی دی اور شادیانہ جلوس شاہزادہ رفیع الدرجات بلند ہوا۔ نوبت سلطانی بھی بج اٹھے اور ساتھ ہی یہ اعلان ہوا کہ جو لوگ گھروں سے باہر ہیں وہ اپنے اپنے گھر واپس جائیں یہ اعلان سنتے ہی لوگوں کی جان میں جان آئی۔ سب اپنے اپنے گھر واپس گئے اور شور و ہنگامہ کم ہوتا ہوا نظر آیا۔

امیر الامرا کا پیغام قطب الملک کے نام

فرخ سیر خلوت نازنیناں میں چھپا ہوا تھا۔ قطب الملک اور راجیت سنگھ اس امید میں باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ وہ باہر آئے گا اور اس سے دونوں اس کا مدعا دریافت کریں گے کچھ دیر پہلے جو تلواریں نیام کے اندر چلی گئی تھیں پھر باہر نکل آئیں اور قتل و غارت گری کا بازار پھر گرم ہوگیا فرخ سیر اب بھی حرم سرائے باہر نہ آیا۔ امیر الامرا جانتا تھا کہ معمولی سی تاخیر بھی خطرناک ثابت ہوگی اس لئے اس نے بھائی کو یہ پیغام روانہ کیا:۔

"ہنگامے برابر سر اٹھا رہے ہیں، سامان جنگ و حرب سے لیس فوجوں کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ عام بغاوت کے آثار نمایاں ہیں ما اندر ہی اندر جو شعلے پرورش پا رہے ہیں وہ بھڑکنے ہی والے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلا کام ذرا بھی تاخیر کے بغیر ان ہنگاموں کو فرو کرنا ہے۔"

مذکورہ پیغام ارسال کیا جا چکا تھا کہ افغان سپاہیوں کا ایک دستہ جس میں قطب الملک کے غلامان بھی شامل تھے نجم الدین علی خاں کے بالاخانے سے ہو کر شاہی حرم سرا میں اتر آیا یہاں ان گنت حبشی النسل اور تاتاری عورتیں[1] حرم سرا کی حفاظت کر رہی تھیں۔ ان عورتوں کو مار بھگانے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی۔ سارے سپاہی پھاٹک کے اندر آگئے اور ہر طرف فرخ سیر کو تلاش کرنے لگے آخر کار جب نازنینان حرم سرا سختیاں برداشت نہ کر سکیں تو ان میں سے بعض نازک اندام نے اس جگہ کا اشارہ کیا جہاں فرخ سیر چھپا ہوا تھا۔ اشارہ پاتے ہی سپاہی فوراً ادھر جھپٹے۔

---

[1] حرم سرا میں کئی سو عورتیں محافظ ہوا کرتی تھیں ان کے ہاتھوں میں تیر اور بھالے بھی ہوتے تھے محافظ عورتوں میں تاتاری اور حبشی النسل عورتیں رکھی جاتی تھیں۔ سراج الدولہ کے حرم میں بھی یہ نازک اندامان تاتار و حبش محافظ تھیں۔

سپاہیوں کو ادھر جاتا دیکھ کر بادشاہ کی ماں اس کی خادمائیں اور لڑکی کوئے کر اس کی مدد کو گئی شہزادیاں اور عالی مرتبت خواتین جو فرخ سیر کو گھیرے میں لئے ہوئے تھیں گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگنے لگیں لیکن مسلح سپاہیوں کے سامنے آنسوؤں کا یہ سیلاب کیا حیثیت رکھتا ہے اور ایسے عالم میں رحم وکرم کی درخواست کیا معنی رکھتی ہے؟ آخر کار فرخ سیر کو نازنینان حرم کے نازک ہاتھوں سے باہر نکالا گیا اور اس کے بعد اس کو گھسیٹ کر تین پولیہ[1] کے اندھیرے کمرہ میں لایا گیا اور یہیں نظر بند کر دیا گیا۔ اس کی ایسی توہین کی گئی کہ آج تک کسی شاہی فرد کی نہیں کی گئی ہوگی۔

فرخ سیر کا دورِ حکومت کل چھ سال اور چار مہینے رہا یہ سارے واقعات حافظہ کی بنیاد پر ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ترتیب دینے والوں میں ایسی ہستیاں شامل ہیں جن کی علم وفضیلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگوں نے اس سانحہ کی تاریخ کا مادہ یہ لکھا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

لہٰذا فقیر نے بھی ایک کتاب سے دیکھ کر اس کو نقل کیا۔

فرخ سیر سے نمٹ لینے کے بعد قطب الملک نے پہر دن چڑھے شہر والوں کی سراسیمگی کے باعث شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات پسر خورد رفیع القدر نبیرۂ بہادر شاہ کی جو کہ اکبر خلف عالمگیری کی دختر سے تھا بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ بدھ کا دن تھا ربیع الثانی کا مہینہ اور سال ۱۱۳۲ھ شہزادے کی عمر اس وقت کل بیس سال کی تھی۔ شہر میں شور وغوغا کی وجہ سے نہ تو شہزادے کو غسل کرایا گیا نہ اس کے لباس تبدیل کئے گئے اور نہ اس کی زیبائش وآرائش کا خیال کیا گیا اس کے جسم پر جو لباس تھا وہی پہنے رہا۔ البتہ اس کو جلد از جلد مالائے مروارید پہنا کر جو اتفاق سے اس وقت قطب الملک کے پاس تھا تخت نشین کر دیا گیا۔ فوراً صدائے نقارۂ شادیانہ بلند ہوئی اور اس کے بعد ہی فتنہ و آشوب فرو ہو گیا اور چاروں طرف اطمینان کی سانس لی گئی۔

دن بھر کی تشویشناک اور نازک صورت حال کے بعد قطب الملک نے ہمدمان خاص اور رفقائے معتمدین کے ساتھ قلعے کے اندر ہی شب بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے قلعہ کے دروازوں اور دیوان خاص و عام وغیرہ اہم مقامات پر اپنے معتمدین مقرر کئے اس کے معتمدین میں خواجہ سرا، بہشتی، خانساماں اور پہرہ دار اور سب ہی شامل تھے اس نے مزید تحفظ کے خیال سے ہر جگہ اپنے ہی محافظ تعینات کئے خصوصاً محل کے چاروں طرف اور تمام مقامات پر اپنے معتمدین

[1] یہ اونچی عمارت یا تو بازار کے بیچوں بیچ یا قلعہ یا محل کے پھاٹک کے اوپر بنائی جاتی ہے۔

کے علاوہ کسی اور کو مقرر نہ کیا۔

دوسرے دن بادشاہ نے رسم و رواج کے مطابق عام لوگوں سے خطاب کیا اور ان کی شکایات سنیں۔ اجیت سنگھ اور رتن چند نے بادشاہ سے سفارش کی کہ سلطنت میں جتنے ہندو ہیں ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ بادشاہ نے فوراً جزیہ کی منظوری کا حکم صادر کیا ساتھ ہی بحالی حکام اور صوبہ داران ممالک محروسہ کے احکام جاری ہوئے اسی اثنا میں اعتقاد خاں کو قید کرکے اس کا گھر اور مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔ اس کے محل سے قیمتی جواہرات، سونا اور چاندی اور دیگر خزائن دریافت ہوئے۔ مقام حیرت تو یہ ہے کہ جب ان خزانوں کو نکالا جا رہا تھا کہ ایک پوشیدہ خزانہ دریافت ہوا۔ اس ذخیرہ میں وہ جواہرات اور موتی تھے جو فرخ سیر سے اعتقاد خاں کو تحفے میں ملے تھے ان تمام قیمتی اشیا کی دریافت سے اعتقاد خاں پر نہ صرف سختیاں کی گئیں بلکہ اس کو ذلیل و رسوا بھی کیا گیا۔ یہ ساری چیزیں قطب الملک کے استعمال میں آئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر ہواخواہان فرخ سیر کی جائداد بھی سوائے ملکہ زوجہ فرخ سیر کے قابل ضبطی قرار دی گئیں۔ ملکہ کی جائداد کو اس لئے ضبط نہ کیا گیا کہ اجیت سنگھ یعنی ملکہ کے باپ کی دلجوئی مقصود تھی۔ منصب دارانِ والاشاہی جو اکثر پچاس روپیہ ماہانہ نقد در ماہ کے ملازم تھے اور جو جاگیردار حاضر تھے ان کو حکم صادر ہوا کہ جو ملازمت کا خواہشمند ہو وہ امیر الامرا حسین علی خاں کی سرکار میں اپنا گھوڑا داغ دلا کر موافق شرح دیگراں پچاس روپے لیا کرے۔ بخشی گری دوم، اعتماد الدولہ محمد امین خاں کے نام بحال رہی اور سیف اللہ خاں کو ظفر خاں کی جگہ پر بخشی سوم مقرر کیا گیا۔ نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری ملی۔ ہرچند کہ بنظر کج بازئ روزگار وہ نامنظور کرتا رہا مگر اس کو قبول کرنا ہی پڑا۔ سربلند خاں کو جو اس انقلاب سے پیشتر مرخص ہوکر ۱۵ کوس کابل کو گیا تھا انجام کار کا انتظار کرتا رہا۔ بہر حال اس کو طلب کرکے از سر نو خلعت استقلال اور بحالی صوبہ عطا کرکے بہ صد شان و اعزاز رخصت کیا گیا۔ مراد آباد کی فوجداری قطب الملک کے بھائی سیف اللہ خاں کو دی گئی۔ محمد رضا کو حاضر حضور اور میر خان عالمگیری کو جو اکبر آباد کا صوبہ دار تھا صدر الصدور اور دیانت خاں خوافی کو دیوان خالصہ اور راجہ بخت مل کو دیوان تن مقرر کیا۔ لیکن مالی و ملکی شعبوں پر رتن چند کے نائبین کا قبضہ رہا ہمت خاں کو جو قطب الملک کا محرم خاص اور ہمدم تھا دیوان خاص کی مشرفی اور بادشاہ کی اتالیقی وغیرہ خدمات مناسبہ پر مقرر کیا اور وہ صوبہ جات جو دار الخلافہ سے دور دراز تھے ان کے انتظام میں بنظر برہمی سررشتہ بند و بست کچھ تغیر و تبدل نہ کیا البتہ ماندور کی قلعداری مرحمت خاں ولد

امیر خاں صوبیدار کابل سے بدل کر خواجم قلی خاں تورانی کو عنایت کی لیکن راجہ اجیت سنگھ[1] جو احمد آباد کی صوبہ داری پر بحال تھا وہ لوگوں کی لعن طعن سننے کی بجائے احمد آباد واپس جانا چاہتا تھا مگر اس کی درخواست منظور نہ کی گئی اور اس کو دار الخلافہ ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا۔

فرخ سیر کی وفات کا حال

معزول بادشاہ کی موت کا حال دو مختلف لوگوں نے جن کی علمیت اور قابلیت پر ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ دونوں بزرگ اس وقت حیات تھے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے سارا واقعہ ملاحظہ فرمایا ہے۔ راست ودروغ برگردن راوی۔ فقیر نے معتمدوں سے سنا ہے کہ سادات نے فرخ سیر کو نہ تو کبھی موت کے گھاٹ اتارنے کا خیال دماغ میں لایا اور نہ ضرر جسمانی اور تکلیف جانی پہنچائی وہ صرف سارے اختیارات پر قابض ہونا چاہتے تھے اور اسی مقصد کے لئے انھوں نے فرخ سیر کو ایک افغان کی حفاظت میں نظر بند کر دیا تھا۔ یہ افغان دن رات اس کی نگہبانی کرتے تھے ایک رات کو فرخ سیر موقع غنیمت جان کر شام کے اندھیرے میں ایک بام سے دوسرے بام پر گیا اور اچک کر وہاں سے نکل کر محبس خانے کے دوسرے کوٹھے پر جانا ہی چاہتا تھا کہ افغان محافظ ادھر آپہنچا۔ جب اس نے اپنے قیدی کو وہاں نہ پایا اور اس کو اپنی زندگی خطرہ میں نظر آئی تو اس نے ہر طرف ڈھونڈنا شروع کیا۔ اتفاقاً اس کو ایک متحرک سایہ نظر آیا وہ فوراً ادھر لپکا اور دوڑ کر اسے کھینچ لایا اور بٹھاتے وقت ایک طمانچہ مارا۔ فرخ سیر یہ ذلت ورسوائی برداشت نہ کر سکا فوراً وہ دوڑا اور دیوار سے اس زور سے اس نے اپنا سر ٹکرایا کہ اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور وہ فوراً دیار بقا کو سدھار گیا۔

محمد ہاشم بن خواجہ میر محرر نے فرخ سیر کے ہلاک ہونے کا حال سادات کے ایما سے تحریر کیا ہے جس کی وجہ سے حقائق کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا۔ میں یہاں اصل عبارت لکھتا ہوں تاکہ یہ ثابت نہ ہو سکے کہ میں نے پاس داری کی ہے۔ البتہ میں نے کہیں کہیں ان غلطیوں کو درست کرنے کی جرات کی ہے جو یا تو مصنف کی لاعلمی یا پھر کاتب کی جہالت کی وجہ سے سرزد ہو گئی تھیں اس واقعہ کی ذمہ داری سراسر مصنف کے سر پر ہے جو بعینہٖ درج ذیل کر رہا ہوں :-

"اس تیرہ وتاریک اور تنگ مقام میں بدقسمت بادشاہ کی نظر بندی کو دو ماہ گذر چکے تھے۔ یہاں اس پر مختلف اقسام کی سختیاں روا رکھی گئیں۔ اس کی آنکھوں

---

[1] اجیت سنگھ فرخ سیر کی منکوحہ رانی کا باپ تھا جس نے اپنے داماد فرخ سیر کے خلاف سخت قدم اٹھائے۔

میں گرم سلائی پھیری گئی لیکن اس وحشیانہ حرکت کے باوجود وہ بصارت سے محروم نہ ہوا۔ اس ظلم وستم اور وحشیانہ طرز عمل سے وہ حد درجہ تنگ آگیا تھا چنانچہ وہ کسی طرح بھی ان مصائب سے نجات پانے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ اس قید شدید میں اس کا یہ حال تھا کہ اپنے مدعیوں سے معذرت کرتا اور استدعائے سلطنت میں ناک رگڑتا کبھی عبداللہ خاں افغان سے جو اس قید خانے کا محافظ تھا چاپلوسی کرتا اور اعلیٰ درجے کے مرتبے کا وعدہ فرما کر وعدہ کرتا کہ مجھے راجہ جے سنگھ سوائی تک پہنچا دے اس کی یہ حماقت اور چاپلوسی خود اس کی جان کی دشمن بن گئی۔ عبداللہ خاں افغان نے سارے ماجرے سے سادات کو آگاہ کردیا یہ باتیں دونوں بھائیوں کے گوش گزار ہوئیں تو وہ گھبرائے اور انھوں نے اس خطرناک رجحان کو ہمیشہ کے لئے ختم کردینے کا فیصلہ کر لیا۔ سادات نے اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فرخ سیر کے کھانے میں دوبارہ زہر ملایا لیکن دونوں بار اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور اگر اثر ہوا بھی تو بہت ہی تھوڑا۔ تیسری بار زہر نے اپنا اثر زائل نہ کیا۔ سادات اس بدقسمت بادشاہ کی جاں کنی کا منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے گئے۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر آپے سے باہر ہوگیا اور دونوں کی نمک حرامی پر اس کو سخت غصہ آیا اور کلام الٰہی کی جو سوگند کھائی تھی اس پر گراں بار خاطر ہو کر سخت وسست کہنا شروع کیا کہ کلام اللہ بھی ایسے روسیاہوں کو سزا کیوں نہیں دیتا۔ سادات کو بادشاہ کی اس جرأت پر طیش آگیا۔ وہ انگشت بدنداں تھے کہ آخر اس زہر کا اثر کیوں نہیں ہو رہا ہے چنانچہ قطب الملک نے اس کے گلے میں پھانسی ڈالنے کا حکم دیا تاکہ اس کی چرب زبانی کا خاتمہ ہوجائے۔ فرخ سیر نے عالم مایوسی میں اس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور ہاتھ پیر پٹکنے لگا۔ دونوں وحشی اس کی اس کوشش سے گھبرا گئے چنانچہ انھوں نے دونوں ہاتھوں کو جدا کرنے کے لئے گھونسے مارنے کا حکم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت دیر تک عالم جاں کنی میں رہ کر بادشاہ کی روح آخر کار قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

بر خوانِ دہر دستِ ارادت مکن دراز
کالودہ کردہ اند بزہر ایں نوالہ را

بعضوں کا خیال ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جب بادشاہ کی روح قفس عنصری

سے نہ نکلی تو دونوں بھائیوں نے اس کے شکم میں خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ لیکن جو شخص بادشاہ کی وفات کے وقت موجود تھا اس نے خنجر زنی کی روایت کی تردید کی ہے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ بادشاہ کے شکم میں خنجر مارا ہی نہیں گیا۔ بہر حال واقعہ جو بھی ہو لاش چھتیس گھنٹے تک یوں ہی پڑی رہی۔ نہ اس پر کوئی ماتم کرنے والا تھا نہ آنسو بہانے والا۔ بارہ پہر کے بعد لاش کو تجہیز و تکفین کر کے مقبرہ ہمایوں میں تابوت پہنچایا گیا۔ تابوت کو جونہی باہر نکالا گیا کہ دو تین ہزار عورتیں جو بادشاہ کی سخاوت سے مستفید ہوا کرتی تھیں گریبان چاک کر کے اور سروں اور چہروں کو خاک آلود کر کے چیخیں مار مار کر بین کرنے لگیں ساتھ ہی ساتھ وہ بادشاہ کے دشمنوں پر لعنت و ملامت کر کے مغلظات بھی بکتی جاتی تھیں۔ دلاور علی خاں بخشی اور سید علی خاں برادر بخشی، قطب الملک کے حسب الحکم تابوت کے ہمراہ رقت کناں جا رہے تھے ان کے علاوہ اور بھی ممتاز شہری اشک آلود شامل ہو گئے تھے ابھی تابوت کو مضافات کے باہر ہی پہنچایا گیا تھا کہ خاص خاص ماتم کناں پر اینٹ پتھر پھینکے گئے۔ ان کی خیرات بھی کسی نے قبول نہ کی تین دن کے بعد اسی چبوترے پر جہاں فرخ سیر کی لاش کو غسل دیا گیا تھا۔ بہت سارے غربا جمع ہوئے اور انھوں نے مولود کی مجلس تیار کی۔ ساری رات دعاؤں اور گریہ وزاری میں گذار دی اور صبح ہوتے ہوتے سب منظم ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے۔" اے خدا تیری ذات کتنی عجیب و غریب ہے! اس انقلاب کے دوران جو واقعات پیش آئے تیرا انصاف حرکت میں نہیں آیا۔ اس کے دشمن اس کے خلاف کارروائیاں کرنے میں حق بجانب تھے۔ نفرت کی جڑیں اتنی مضبوط ہو گئی تھیں کہ اس کو کیفر کردار تک پہنچانا لازم امر ہو گیا تھا۔ فرخ سیر نے اپنے دور اقتدار میں اپنے بھائیوں کی جانیں لی تھیں ان گنت بے گناہوں کو قتل کیا تھا اور بعضوں کی آنکھیں تک نکلوالی تھیں اس کو مرنے سے پہلے ان مظالم اور سختیوں کا مزہ چکھنا ہی تھا اس کو ان لوگوں کے ہاتھوں جاں کنی کی تکلیف برداشت کرنی تھی جو اس کے ہاتھوں مصائب جھیل چکے تھے۔ دونوں بھائیوں کو بھی اپنے کئے کا پھل مل گیا تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کا بھی وہی حشر ہوا جو ان ہی کے ہاتھوں دوسروں کا ہوا تھا۔"

یہ تو ہاشم علی خاں کی تحریر تھی جو پیش کی گئی اب میں اپنے بیان کی طرف آتا ہوں۔

دونوں بھائیوں نے فرخ سیر کو عدم آباد پہنچانے کے بعد شاہی خزائن پر قبضہ کر لیا۔ ان کے قبضے میں ہاتھی گھوڑے نقد اور جواہرات غرض کہ جو کچھ بھی ملا آ گئے اور جس طرح سے مناسب معلوم ہوا دونوں بھائیوں نے باہم دگر تقسیم کر لیا۔ اس کی بھی اطلاع ملی کہ قطب الملک عبداللہ خاں چونکہ عیاش تھا اس لئے اس نے حرم سرائے شاہی کی حسینانِ صاحب جمال کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بھائیوں میں اختلافات

اس اہم واقعہ کے بعد کہا جاتا ہے کہ بھائیوں کے تعلقات بھی خراب ہو گئے اگرچہ ظاہر میں کچھ پتا نہ چلتا تھا لیکن جلد ہی دونوں کے ہمرازوں اور ہمدموں کو اس راز سے آگاہی ہو گئی دونوں بھائیوں کی صلاحیتوں میں بھی بڑا فرق تھا۔ امیر الامرا حسین علی خاں چھوٹا بھائی ہونے کے باوجود بہ مقتضائے دانائی و شجاعت خداداد کے اپنے بڑے بھائی قطب الملک سے تمام باتوں میں افضل و برتر تھا۔ بلکہ پچھلے سارے شہزادوں اور فرمانرواؤں سے زیادہ جری و جفاکش ثابت ہوا جنھوں نے تاج و تخت حاصل کئے اور ملک فتح کئے۔ لیکن شومئ قسمت کہیئے کہ اس کی زندگی نے زیادہ دنوں تک وفا نہ کی اگر وہ کچھ روز اور زندہ رہتا تو یقیناً ہندوستان کی آبرو اس طرح برباد نہ ہوتی جیسی اب ہو رہی ہے اور نہ ہندوستان کی عزت و شرافت کے اس طرح پر خچے اڑ لئے جاتے۔ لیکن خلق اللہ کو اس کی بداعمالی کی سزا ملنی ضرور تھی اس لئے ایسا پُر فراست امیر دنیا سے اسقدر جلد گزر گیا۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ

رفیع الدرجات کی وفات

دونوں بھائیوں کی بدبختی کہیئے کہ رفیع الدرجات چونکہ مسلول تھا اس لئے تین مہینے اور چند روز تخت آرا رہ کر بروز شنبہ رجب کی ۲۱ تاریخ کو جاں بحق ہوا۔ اس کی وفات کے فوراً بعد اس کے چھوٹے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا گیا اور دونوں بھائی سلطنت کے مدار المہام رہے۔

رفیع الدولہ کی تخت نشینی اور رحلت

رفیع القدر بھی زیادہ دنوں تک تخت نشین نہ رہ سکا۔ یہ دونوں شہزادے محض چند دنوں کے لئے تخت پر جلوہ افروز رہے اور پھر دوسری دنیا کو سدھار گئے۔ ان کی مثال ان مسافروں سے دی جا سکتی ہے جنھوں نے ایک جگہ منزل اس لئے کی کہ پھر انھیں ابدیت کا سفر طے کرنا تھا۔ ہم ان دونوں شہزادوں کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ لہٰذا انتظام سلسلہ کے لئے مختصر لفظوں

میں کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب رفیع الدولہ کی تخت نشینی کو تھوڑے دن گذرے تو شاہزادہ نیکو سیر ولد اصغر محمد اکبر کو جو قلعہ اکبر آباد میں نظر بند تھا قلعدار اور دیگر ملازمین متعینہ قلعہ مذکور کی مدد سے نکال کر تخت نشین کیا۔ اکبر آباد کے لوگوں نے بھی نیکو سیر کی تخت نشینی میں قلعداروں اور قلعہ کے دوسرے ملازموں کی مدد کی۔ یہ لوگ اس کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوئے۔ دونوں بھائیوں کو اس میں سازشں نظر آئی اور حالات خطرناک صورت اختیار کرنے لگے۔ چنانچہ امیر الامرا نے فوراً مع قطب الملک کے رفیع الدولہ کو اور شہر کے ممتاز لوگوں کو ہمراہ لے کر اکبر آباد کی طرف پیش قدمی کی انھوں نے آتے ہی قلعہ پر قبضہ کیا۔ نیکو سیر نے قلعہ کو دشمن کے ہاتھوں سے چھیننے کے لئے خوب بہادری دکھائی۔ وہ اخیر وقت تک لڑتا رہا لیکن آخر کار قلعہ کا پھاٹک کھول دیا گیا اور اس طرح قلعہ فتح ہوا اور نیکو سیر مغلوب و محبوس ہوا۔ جن لوگوں نے نیکو سیر کو جنگ پر آمادہ کیا تھا انھیں سخت سزا ملی اور قلعہ کے نگہبان بھی کیفر کردار کو پہنچے۔ لیکن اس معمولی نتیجے سے دونوں بھائیوں کو تسکین نہ ہوئی۔ اسی اثنا میں رفیع الدولہ کے مرض اسہال نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ ہر چند کہ قطب الملک نے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن اس کو افاقہ نہ ہوا۔ قطب الملک کی پریشانی بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس کے ایام حکومت بھائی کے ایام حکومت سے بھی مختصر ثابت ہوئے کیونکہ وہ بڑی تیزی سے اس دنیا سے کوچ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر کار اس کو موت آ ہی گئی۔ اب دونوں بھائیوں نے جو تخت پر جلد از جلد کسی کو بٹھانا چاہتے تھے اپنے چھوٹے بھائی نجم الدین خاں کو سلیم گڈھ کے محل سے شہزادے کو لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ غلام علی خاں ولد سید خاں جہاں کو اس کام پر مامور کیا ممکن ہے کہ غلام علی خاں نجم الدین کے ہمراہ گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نجم الدین خاں کے ہمراہ نہ گیا ہو۔ بہر حال حقیقت جو بھی ہو دونوں بھائیوں نے روشن اختر ولد خجستہ اختر شاہ جہاں بن بہادر شاہ جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی لانے کے لئے احکام صادر کئے۔ شاہزادہ مذکور معز الدین کے دور حکومت سے گویا صغر سنی ہی سے سلیم گڈھ کے قلعہ میں اپنی والدہ کے ساتھ نظر بند تھا یہ شہزادہ نہایت ذہین اور خوش شکل تھا۔ سبزہ ابھی اگ ہی رہا تھا اس سبزے کی وجہ سے اس کی شکل اور حسین ہو گئی تھی۔ چوڑی چکلی پیشانی کی چمک دمک سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مستقبل اس کی مٹھی میں ہے ابھی یہ شہزادہ اکبر آباد پہنچا بھی نہ تھا بلکہ ابھی وہ دار الخلافہ کی حدود میں داخل

نہ ہوا تھا کہ رفیع الدولہ کی رحلت کی اطلاع ملی لیکن اس کی رحلت کی خبر کو پورے ایک ہفتہ تک رازمیں رکھا گیا۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ پورے دس روز تک کسی پر یہ خبر ظاہر نہ ہو سکی اس خبر کو راز میں اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس عرصہ میں جانشین کا انتخاب ہو سکے بہرحال روشن اختر کے پہنچنے کے بعد رفیع الدولہ کا تابوت خواجہ قطب الدین کے جوار میں اسی طرح دفن ہوا جیسے اس کے بھائی کو دفن کیا گیا تھا۔ اس کی رحلت کے بعد روشن اختر کے لئے راستہ بالکل صاف نظر آیا۔

روشن اختر کی تخت نشینی

نوجوان شہزادہ روشن اختر گیارہویں ذیقعد کو فتحپور میں رونق افروز ہوا اور ۱۵ ذیقعد ۱۱۳۱ھ روز شنبہ چار گھڑی دن گزرنے پر اپنے پرکشش حسن و جمال کے ساتھ جلوہ افروز تخت ہوا اور اسی نیک گھڑی میں اس کے نام نامی کے فیض خطبہ سے منبر کا پایا بلند ہوا۔ سونے اور چاندی کی تقسیم ہوئی تخت نشین ہونے کے بعد ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ کا لقب مقرر ہوا۔ شادیانۂ فیروزی بجنے لگا شاید اس شہزادے کی بخت آوری کا نتیجہ تھا کہ تخت نشینی کے بعد ہی سے غلہ کی قیمتیں گر گئیں اور بازاروں میں اجناس کی افراط ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادے کی والدہ نواب قدسیہ بہت ہی باشعور اور ذہین شہزادی تھیں چنانچہ اس نے اپنے لخت جگر کی پرورش و پرداخت بھی اچھی طرح کی۔ چونکہ اس کو صورت حال کا بخوبی علم تھا اور وقت کی نزاکت کو وہ خوب سمجھتی تھی اس لئے اس نے دونوں بھائیوں کی خوشنودی و خوشحالی کا خیال رکھا۔ وہ اس لئے بھی سادات کو خوش رکھتی تھی کہ وہ دارالمہام تھے اور وہی سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک تھے وہ اس قدر محتاط تھی کہ جب وہ دارالخلافہ سے اکبر آباد اپنے لڑکے سے ملنے گئی اور اسے معلوم ہوا کہ اس کے شوہر جہاں شاہ کے پرانے ملازم اسکا استقبال کرنا چاہتے ہیں تو اس نے سرے سے انکار کر دیا۔ اس ممانعت کے باوجود جب وہ نہ مانے تو اس نے کہا کہ استقبال تو درکنار بلکہ وہ کورنش کے ارادہ سے حرم سرا کے دروازے تک بھی نہ آئیں اور نذرانے پیش نہ کریں۔

یہ طے پایا کہ محمد شاہ سے پہلے یکے بعد دیگرے جو تین شہزادے تخت نشین ہوئے اور جو چند روز سریر آرائے تخت ہو کر دنیا سے چل بسے ان کی تاریخ نہ لکھی جائے کیونکہ یہ مختصر سا دور انتشار و خلفشار ــــــ سے پر ہے بلکہ یہ دور بھی محمد شاہ کے دور میں شامل کیا جائے۔ اور اس کی تاریخ فرخ سیر کی رحلت کے بعد سے لکھی جائے۔ نواب قدسیہ یعنی محمد شاہ کی والدہ کی ضروریات کے واسطے ماہانہ پندرہ ہزار روپیہ مقرر ہوا۔ کلال باڑہ اور نظارت

اور عہدیداروں کا انتظام بدستور رہا۔ خواجہ سرا، خواص، فیل بان، مردم خاص، باورچی رکاب دار اور فراش وغیرہ سید عبداللہ خاں کے ملازمین سے منسوب رہے۔ ہمت خاں جو قطب الملک کے رفیقان خاص میں سے تھا۔ بادشاہ کا اتالیق مقرر ہوا۔ وہ پہلے ہی سے دیوان خاص و عام کا صاحب اختیار چلا آ رہا تھا۔ نوجوان بادشاہ کو نئے حالات کے تحت اور صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر قطب الملک کی تجاویز کو مسترد کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ اس نے ہمیشہ اپنے خلوص اور محبت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے باوجود اس پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی مثلاً جب بھی وہ مہینے میں دو ایک بار سیر و شکار کے لئے جاتا اس کو چاروں طرف سے سادات گھیر لیتے اور اس کے ہر کام کی نگرانی کرتے اور اس کو باغات سے کہیں دور نہ جانے دیتے یہ باغات بھی محل سے دو تین کوس کے فاصلے پر ہوتے تھے۔ شام ہونے سے پہلے ہی سادات اس کو محل واپس لے آتے۔ القصہ قطب الملک اگر دارالخلافہ میں امن و امان بحال کرنے میں معروف تھا تو آس پاس کے صوبوں میں نئے فتنے سر اٹھا رہے تھے۔

چھبیلہ رام کی مخالفت ناظم صوبہ الہ آباد چھبیلہ رام ناگر نے نئے بادشاہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جب مدار المہام سلطنت یعنی دونوں بھائیوں کو چھبیلہ رام ناگر کے اطوار ناہموار کی اطلاع ملی تو امیر الامرا نے اس کی گوشمالی کے لئے الہ آباد کی طرف خیمہ نکلوایا۔ لیکن عین اس وقت اس کی موت کی خبر ملی۔ اس خبر سے اگرچہ امیر الامرا کو خوشی ہوئی اور اس کو دکھ بھی ہوا اور اس کو سسکیاں بھرتے ہوئے کہتے سنا گیا:۔

”کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس کے سر پُر غرور کو نوک سناں پر نہ دیکھ سکے۔“

چھبیلہ رام کی وفات کے فوراً بعد معلوم ہوا کہ گردھر بہادر نے جو دیا بہادر کا لڑکا اور چھبیلہ رام کا بھتیجا تھا اپنے چچا کے مرنے کے بعد الہ آباد کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور فراہمی سپاہ اور قلعہ کے استحکام میں مصروف ہو گیا ہے۔ یہ سنتا تھا کہ امیر الامرا نے دریائے جمنا میں پل باندھنے کا حکم دیا اور الہ آباد کی طرف ہراول دستے روانہ کر دیئے اس موقع کو غنیمت جان کر میر جملہ نے ایک بار پھر سیاست میں آنے کا ارادہ کیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ وہ صدر الصدور بنا دیا جائے گا۔ اس ہم میں میر جملہ کو صدر الصدور تو بنا دیا گیا لیکن اس کی موجودگی سے رتن چند کے کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ ہو سکی۔ وہ بدستور کل امور مالی و ملکی بلکہ شرعی میں اختیار کل کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان امور میں اس کے اختیارات اس حد تک تجاوز کر گئے تھے کہ اسکے سامنے متصدیانِ شاہی عضو معطل بن چکے تھے البتہ مُہر ان کے پاس تھی۔ معاملہ اس حد تک

نازک ہوگیا تھا کہ قضاۃ شہر اور ارباب عدالت کا تقرر بھی رتن چند کے ایما کے بغیر نہ ہو سکتا تھا ایک روز کا واقعہ ہے کہ رتن چند قطب الملک کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک شخص کو لے کر آیا جسے اس نے شہر قاضی مقرر کیا تھا۔ قطب الملک نے اس منظر سے متاثر ہو کر اپنے ایک ہم نشین سے مسکراتے ہوئے کہا ــ" ہمارے رتن چند کا کیا کہنا اب تو وہ قاضیوں کو خود جنم دیتا ہے اور شرعی امور کے لئے ان کا تقرر بھی کرتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔" حضور اس میں کچھ کلام نہیں کیونکہ راجہ، دنیوی امور سے فراغت پا کر دینی امور کے انتظام میں مصروف ہوئے ہیں۔"

امیر الامرا کی فوج کشی کی خبریں سن کر گردھر بہادر کے وکیل نے حاضر دربار ہو کر اپنے موکل کی طرف سے عفو تقصیر کی استدعا کا خیال کیا۔ اس نے ایک شرط پر اطاعت قبول کرنے کی پیش کش کی کہ اس کو صوبہ الہ آباد سے سبکدوش نہ کیا جائے یا پھر اس صوبے کی بجائے کوئی اور صوبہ عطا کیا جائے نیز اس کو خطاب اور منصب بھی دیئے جائیں۔ یہ شرائط منظور کر لی گئیں۔ گردھر بہادر کو الہ آباد کی بجائے اودھ کا صوبہ دیا گیا اور اس کو بہادر کا خطاب بھی بخشا گیا۔

ادھر اس معاہدہ پر گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بوندی میں فتنے سر اٹھانے لگے ملک بوندی راجہ بدھ سنگھ اور راجہ بھیم کا موروثی ملک تھا لیکن بدھ سنگھ نے بھیم سنگھ کو ورثے سے محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ اپنے ورثے سے محروم ہو کر راجہ بھیم امیر الامرا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر الامرا نے اس کو دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ اس کا حق اس کو مل جائے گا۔ یہ کہہ کر حسین علی خاں بہادر نے اپنے بخشی سید دلاور علی خاں کو چھ ہزار جنگی سوار دیکر راجہ بھیم سنگھ کی مدد پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ بدھ سنگھ کی سرکوبی کے بعد راجہ بھیم سنگھ کو گدی نشین کرے اور پھر اس کے اور دوسرے ہندو راجہ گج سنگھ کے ہمراہ صوبہ مالوہ کی سرحد پر جا کر دوسرے حکم کا انتظار کرے اس کے علاوہ امیر الامرا کو چونکہ گردھر بہادر کے وعدوں پر بھی یقین نہ تھا اس لئے اس نے فوراً حیدر قلی خاں بہادر کو تازہ دم فوج کے ساتھ الہ آباد روانہ کیا تاکہ اگر گردھر بہادر وعدہ خلافی کرے تو اس کی گوشمالی کیجائے

حیدر قلی خاں بڑا ہی جری، جفاکش اور معتبر شخص تھا۔ اس نے الہ آباد کے قلعہ تک پہنچ کر اپنی شجاعت وبہادری سے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے لیکن اس کو کامیابی نہ ہوئی گردھر بہادر نے حیلے تراشنے شروع کر دیئے۔ کبھی وہ کہتا کہ چند روز کے اندر اندر قلعہ خالی کر دیا جائے گا اور کبھی صلح جوئی کا خواہشمند ہوتا۔ وہ دراصل چاہتا تھا کہ کچھ روز اسی طرح لیت ولعل کرنے کے بعد اس کی طاقت میں اتنا اضافہ ہو جائے گا کہ وہ دشمن کا جم کر مقابلہ کر سکے۔ امیر الامرا کو جب

اس تاخیر سے تشویش ہوئی تو وہ خود دریائے جمنا عبور کرکے الہ آباد کی طرف بڑھا اگر دھر کو جب امیر الامرا کی پیش قدمی کی اطلاع ملی اور اس کو اپنی جان کی سلامتی نظر نہ آئی تو وہ قلعہ میں بھاگ گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے غلہ اور جنگی سامان جمع کرنا شروع کیا۔ امیر الامرا نے بھی حالات کا اندازہ لگانا شروع کیا۔ قلعہ تینوں طرف سے دو بڑے دریاؤں گنگا اور جمنا سے گھرا ہوا ہے اور گردھر بھی شجاعت و ہمت و دلاوری میں یکتائے روزگار ہے اگر وہ قلعہ کو حصار میں لینے کے لئے حملہ کرتا ہے تو جنگ کے طول کھینچنے کا احتمال ہے۔ معمولی سے کام میں مدت لگے گی اور اس طرح سلطنت کے دوسرے امور کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ساتھ ہی اس کی طویل غیر حاضری سے دشمنوں کو فتنہ و فساد پھیلانے میں مدد ملے گی" وہ ان ہی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ دونوں بھائیوں (امیر الامرا اور قطب الملک) کے درمیان نااتفاقی نے سر اٹھایا۔ امیر الامرا کو اس سے روحانی تکلیف پہنچی۔ نااتفاقی معمولی سی بات پر ہوئی تھی یعنی اکبر آباد کے محل سے جو زر و مال اور جواہر ملے تھے ان کی تقسیم کا مسئلہ در پیش آیا۔ اس سوال پر طرفین میں خوب رنجش بڑھی لیکن رتن چند کمال ہوشیاری اور دانائی سے اس نااتفاقی در رنجش پر پردہ ڈالتا رہا۔

امیر الامرا سوچ رہا تھا کہ اس مسئلے کا حل کیسے نکالا جائے کہ گردھر بہادر کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ اگر رتن چند پورے اختیارات لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے عہد و پیمان کرے تو میری دل جمعی ہو جائے گی اور میں اطاعت شاہی قبول کر لوں گا۔ دونوں بھائی اس پیغام صلح سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اس طرح فساد کا وہ شعلہ بجھ گیا جو بہت بڑی تباہی کا سبب بن سکتا تھا۔ ربیع الثانی کے آخری دنوں میں رتن چند کثیر فوج لے کر بہت جلد الہ آباد پہنچ گیا۔ قلعہ کے ناظم نے اس کا شایان شان خیر مقدم کیا۔ دونوں ہندو راجاؤں کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اور دستخط کرنے سے پہلے دونوں نے گنگا مائی کی سوگند کھائی۔ اس معاہدہ کی رو سے گردھر کو اودھ مع فوجداری کے ملا کیونکہ الہ آباد سے اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور جمادی الثانی مہینے کے آغاز میں جبکہ محمد شاہ کی حکومت کو صرف دو سال ہوئے تھے الہ آباد کو دوبارہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد رتن چند اپنے دونوں آقاؤں کی خدمت میں واپس آگیا جہاں اس کو اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔

جنوبی ہند میں انتشار و ہنگامے

سلطنت کے شمالی علاقوں میں امن و امان بحال کئے جا رہے تھے اور جنوبی علاقوں میں شر پسندی اور

فتنہ و فساد کی آندھیاں چل رہی تھیں ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ نظام الملک بڑی ہی بد دلی سے مالوہ کی حکومت پر رضا مند ہوا تھا۔ کیونکہ اس صوبے کے امن و امان کو لٹیروں اور قزاقوں کی بہت بھاری جماعت اور زمینداروں کی بڑی تعداد تہس نہس کر رہی تھی۔ بہرحال اس نے بہت جلد ان مفسدوں سے صوبے کو پاک صاف کر دیا۔ لیکن آہستہ آہستہ سلگنے والے تھے شعلہ نے آگ بھڑکا دی تھی وہ تھا مرحمت خاں کا واقعہ۔ چونکہ مرحمت خاں نے جو مانڈو رکا قلعدار تھا امیر الامراحسین علی خاں سے دکن آکر نہیں ملا تھا اسلئے اس عہدے سے اس کو معزول کر کے امیر الامرا نے خواجم قلی خاں تورانی کو مانڈور کا قلعہ دار مقرر کیا لیکن مرحمت خاں مختلف قسم کے حیلے تراش کر سپردگی قلعہ میں تاخیر کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خواجم قلی خاں نے حضور میں شکایت نامہ بھیج دیا۔ نظام الملک کو اس کام پر مامور کیا گیا۔ نظام الملک نے فوراً مرحمت خاں سے ملاقات کی اور اس کو قلعہ سے دستبردار ہو جانے پر رضامند کر لیا۔ کیونکہ نظام الملک کو اس کی خاندانی نجابت و شرافت کا پاس تھا اس لئے اس نے مرحمت خاں کو اپنی خدمت پر مامور کر لیا۔ اسی اثنا میں صورت حال نازک ہو جانے کے باعث قرب و جوار کے چند مفسد زمینداروں نے قلعہ رت گڈھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا نظام الملک کو جواب فتح جنگ کے خطاب سے نوازا گیا تھا فوراً مفسدوں کو قلعہ سے باہر نکالنے کا حکم ملا۔ اس نے مرحمت خاں کو فوج شائستہ کے ساتھ ادھر روانہ کیا۔ مرحمت خاں نے اپنی دلاوری اور بہادری سے اس قلعہ کو آن کی آن میں مسخر کر لیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اس کی اس خدمت سے دونوں بھائی خوش ہوں گے اور ان کے ذہنوں سے غبار دھل جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ البتہ نظام الملک فتح جنگ نے اس کی خدمات کے عوض میں اس کو مالوہ کی صوبہ داری عنایت کی۔ اس نے نہ صرف یہ کہ صوبے کو قزاقوں سے خالی کرا دیا بلکہ موضع چندیری میں بھی جہاں مفسدوں کا جماؤ تھا امن و امان قائم کر دیا۔

نظام الملک فتح جنگ کو جب ادھر سے بالکل اطمینان ہو گیا تو اس نے فوجوں میں اضافہ کرنا شروع کیا۔ سامان جنگ جمع کئے۔ سپاہی اور سپہ سالار جنگی مشقیں کرنے لگے اور چندیری کے باغی صوبے سے برابر فوجوں کی بھرتی ہونے لگی۔

قطب الملک عبداللہ خاں کو برابر اس جنگی تیاری کی خبر ملتی رہی۔ عبداللہ خاں کو اطلاع ملی کہ محمد امین خاں بادشاہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے برابر ترکی زبان میں گفتگو کرتا ہے اور نظام الملک کے ساتھ بھی خفیہ طور پر اس کی خط و کتابت ہے اور اس کو مرحمت خاں کے ذریعہ بھاری تعداد میں فوج

مل رہی ہے۔ اسی اثنا میں امیر الامرا حسین علی خاں نے نظام الملک فتح جنگ کے نام یہ نوشتہ بھیجا کہ میرا ارادہ صوبہ ہائے دکن کے بندوبست کے لئے صوبہ مالوہ میں قیام کرنے کا ہے۔ لہٰذا تم چار صوبوں اکبر آباد، الہ آباد، برہان پور اور ملتان میں سے جو پسند کرو ہمیں لکھو تاکہ تمہارا انتظام کیا جائے۔ اس خط کے ذریعہ امیر الامرا نے فضا کو ہموار کرنا چاہا تھا لیکن نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ نظام الملک پہلے ہی اپنی حدود میں دلاور خاں کو فوجوں سمیت دیکھ کر برہم تھا۔ خصوصاً راجہ بھیم سنگھ اور راجہ گج سنگھ سے اس کی رفاقت اس کو مشکوک بنا رہی تھی۔ اس نے حسین علی خاں کے خط کے جواب میں برہمی دکھلائی اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اپنے منصوبے تک کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا خط کے نیچے یہ شعر لکھ دیا:۔

من بیوفا نیم بوفا میخورم قسم
من چوں شما نیم بشما میخورم قسم

خط کا مضمون پڑھ کر امیر الامرا اور قطب الملک نے نظام الملک کے وکیل کو فوراً خلوت میں طلب کیا اور دونوں نے اس کے آقا کی شان میں تند و تلخ کلمات استعمال کئے اور نظام الملک کو اخیر میں دھمکی بھی دی۔ نظام الملک کو بھی جلد ہی ان باتوں کی اطلاع مل گئی۔ اس کو اس بات کا بھی علم ہوا کہ محمد امین خاں نوجوان بادشاہ کے دل میں فتنہ و فساد اور نفرت و عداوت کے شعلے بھڑکا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے وقار، اس کی عزت، اس کی طاقت اور اس کی زندگی نیز تمام مغل امراء و دیگر امرائے مقتدر کے وقار کی سلامتی اس میں ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچایا جائے جن کی نخوت نے اس کے احساسات و جذبات کو مجروح کیا ہے اور جس کے لامحدود اختیارات کے آگے کسی کی زندگی محفوظ نہیں ہے۔ اس کو رتن سنگھ اور اجیت سنگھ کے نازیبا سلوک سے بھی روحانی اذیت پہنچی تھی۔ اس نے اپنے سارے خیالات اور منصوبے اپنے مقربان خاص اور آزمودہ سپہ سالار کے سامنے پیش کئے اور ان کا عندیہ معلوم کیا۔ اس کے بعد اس نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ میں اپنی زندگی کو داؤ پر لگا چکا ہوں اور میں ان دونوں بھائیوں کی مدافعت و مخالفت کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھوں گا۔ جب سبھوں نے اس کی تائید کی تو اس نے دونوں بھائیوں کے نام مختصر سا خط لکھا۔ اس کے بعد وہ عبدالرحیم خاں، مرحمت خاں اور رعایت خاں کے ہمراہ محل سے نکل کر خود فوج کی کمان سنبھالی۔

اس کی فوج میں قدیم و جدید دس بارہ ہزار گھوڑے سوار تھے۔ نظام الملک وسط جمادی الثانی ۱۱۳۲ھ کو نواح سرونج سے دکن کی طرف بڑھا۔

نظام الملک کی بغاوت

نظام الملک کی کھلی بغاوت کی اطلاع چند روز میں اکبرآباد پہنچ گئی اور چشم زدن میں عوام کو اس کا علم ہوگیا امیر الامرائے فوراً دلاور علی خاں اور دونوں راجاؤں کو نظام الملک پر کڑی نگرانی رکھنے کا حکم صادر کیا اور یہ بھی لکھا کہ سارے دکن میں لوگوں کو جاہ و منصب کا لالچ دلاکر اپنا رفیق و ہمدم بنائیں کیونکہ اسی طرح نظام الملک کی اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد کو پائے سرکوبی کی جاسکتی ہے۔
سلطنت کے طول و عرض میں ایسا خلفشار پھیلا کہ بدخواہ اور ذلیل لوگ ہاتھ پاؤں نکال کر آزادی کا خواب دیکھنے لگے۔

پنجاب میں خلفشار

حسین خاں افغان خویشگی جو قصبہ قصور (پنجاب) کا رئیس تھا ادھر کئی سال سے نواح قصور اور لاہور کے بہترین مواضعات پر قابض ہوکر سرکش ہوگیا تھا۔ عبدالصمد خان بہادر دلیر جنگ سکھوں کے خلاف اقدام کر رہا تھا کہ افغان حسین خاں نے اپنے صوبے سے اس کو مع عمال بادشاہی بیدخل کر دیا۔ اس کے بعد اس نے فوجیں اکٹھا کیں اور جب اسے معلوم ہوا کہ قطب الدین خاں عامل اس کی سرکوبی کے لئے پیش قدمی کرتا آرہا ہے کہ وہ فوراً اس کے مقابلے کو آیا اور اس کو قتل کرکے اس کا مال واسباب و خزانہ لوٹ لیا۔ اس فتح سے نہ صرف اس کے عزائم مضبوط ہو گئے بلکہ وہ مزید فتح و کامرانی کا خواب دیکھنے لگا۔ اس کے پاس اب آٹھ نو ہزار سوار تھے جن کی مدد سے اس نے گردو نواح کو تاخت و تاراج کرنے کا سوچا۔ عبدالصمد خاں سات آٹھ ہزار سوار فراہم کرکے اس کی تنبیہ کو نکلا۔ دونوں لاہور سے تیس کوس کے فاصلے پر چھاؤنی میں صف آرا ہوئے عبدالصمد خاں نے کریم قلی خاں بخش کو ہراول کیا جانی خاں اور خواجہ رحمت خاں اقربائے دلاور کو جانب راست اور حافظ علی خاں برادر خاں مرزا کو ہراول مع ہزار سوار کے متعین کیا ــــ اور چپ کی طرف اپنے نائب عارف خاں کو مع اعز خاں کے مقرر فرمایا مخالف سمت میں حسین خاں نے اپنے بھتیجے مصطفٰے خاں کو ہراول پر مع رحمت خاں اور بہلول خاں اور سعید خاں اور دیگر رفیقوں کے ساتھ مقرر کیا۔ سب کے سب ہاتھی پر سوار تھے اور ان کی شجاعت و بہادری ضرب المثل تھی۔ ابھی توپ و تفنگ کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تھی کہ حسین خاں

چابک دستی سے بڑھ کر دشمن کے توپ خانے پر جاگرا اور پھر وہاں سے کریم قلی خاں کی طرف بڑھا اور اس کو پہلی ہی وار میں گھوڑے سے نیچے گرادیا اور چشم زدن میں اس نے بہتوں کی جانیں ہلاک کرڈالیں۔ کریم قلی خاں کی فوج ششدر رہ گئی۔ اس سے نمٹ کر وہ اعز خاں کے ساتھ مقابلہ کو آیا لیکن اس کی فوج مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب اعز خاں کے پاس کل پانچ چھ ہزار تورانی اور تاتاری سپاہی باقی بچ گئے تھے یہ سپاہی تیر دکمان سے خوب مسلح تھے انھوں نے اعز خاں کو حفاظت میں لے کر دشمنوں پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ افغان بوکھلا گئے اعز خاں نے افغانوں کی گھبراہٹ دیکھی تو وہ فوراً دشمن پر جھپٹا اس کا ہر تیر دشمن کے دل پر جا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی شجاعت وجواں مردی سے سپاہیوں کے دلوں کو گرما دیا چنانچہ سبھوں نے اس طرح حملہ بولا کہ مصطفٰے خاں جو مخالف کا ہراول تھا اپنے چند افغان سپاہیوں کے ساتھ ملک عدم کو سدھارا۔

حسین خاں خویشگی اس نقصان کی پروا کئے بغیر عبدالصمد خاں کے ساتھ مقابلے کو آیا میدان کارزار گرم ہوا۔ حسین خاں کا حملہ شدید تھا۔ عبدالصمد خاں کے آدمی یا تو ہلاک ہوئے یا زخمی ہوکر بھاگے اس اثنا میں اختر خاں اپنے فاتح مغل دستوں کے ہمراہ موقع پر پہنچ گیا۔ اس کے آتے ہی میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا عین اسی وقت حسین خاں خویشگی کا فیل بان ہاتھی سے گر کر مرگیا۔ ساتھ ہی حسین خاں کا پیر ومرشد شاہ بشک بھی ہلاک ہوگیا۔ نیز حافظ علی خاں کے ہاتھ سے توپ کا گولہ حسین خاں کی چھاتی پر لگا یہ بھی زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد ہی حسین خاں کی فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی اور عمادی میں آگ لگ گئی۔

عبدالصمد خاں نے فاتح وکامران ہوکر اپنے ہمراہیوں کو انعام واکرام سے نوازا اور اعز خاں کو فیل وخنجر وشمشیر تحفے میں دیئے اور اس کا درجہ پنج ہزاری سے شش ہزاری کر دیا۔ دربار میں فتح کی اطلاع آئی تو دونوں بھائی بہت خوش ہوئے۔ اس نوید سے خوش ہوکر انھوں نے عبدالصمد خاں کو سیف الدولہ کا خطاب دیا۔

دکن میں ہنگامے

اگر پنجاب میں یہ واقعات رونما ہو رہے تھے تو دکن کی فضا بھی خطرناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ نظام الملک نے قسم کھائی تھی کہ وہ دونوں بھائیوں کی تابعداری میں نہیں آئے گا۔ چنانچہ وہ دریائے نربدا عبور کرکے اکبرا آگیا۔ قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی اور وہ اپنا سب کچھ قسمت ہی کے حوالے کرچکا تھا

جوں ہی وہ دریائے نربدا عبور کر کے اکبر پور آیا کہ قلعہ اسیر اس کے قبضہ میں آگیا۔ یہ وہی قلعہ ہے جسے فاتح سلطان اکبر نے برسوں کے محاصرہ میں فتح کیا تھا۔ قلعہ اسیر کے ہزاری طالب خاں نے قلعہ دار سے صلاح مشورہ کر کے انعام کے لالچ میں قلعہ کی کنجی نکال کر نظام الملک کے حوالے کر دی یہ وہی طالب خاں ہے جس کا تقرر سید برادران نے کیا تھا۔ قلعہ کی کنجی لے کر نظام الملک نے فوراً دو سال کا بقایا ادا کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے قلعہ کے لوگوں کو دیگر عنایات سے بھی نوازا۔ قلعہ برہان پور بھی اسی آسانی سے اس کے قبضہ میں آگیا۔ عوض خاں صوبیدار برار جو جرأت و شجاعت میں لاثانی تھا فوج اور توپ خانہ سمیت نظام الملک کی مدد کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد ہی رنبھا سردار مرہٹہ نے جو راجہ ساہو کا مخالف تھا اس کی اطاعت سے نکل کر دو ہزار سوار لے کر نظام الملک کی اطاعت قبول کر لی اس کے بعد اس علاقے اور گرد و نواح کے بعض زمیندار اور افغان سردار جو وہیں ایک عرصے سے بس گئے تھے نظام الملک سے مل گئے۔ حالات نے یہاں تک نظام الملک کا ساتھ دیا کہ برہان پور کا صوبیدار انور خاں جیسا شخص جو امیر الامرا اور قطب الملک کا پروردہ یافتہ تھا نمک حرامی کر کے اس کی فوج میں شامل ہو گیا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ انور خاں سادات کے خواہر زادہ عالم علی خاں کے ساتھ تھا لیکن جب اس کو نظام الملک کے منصوبوں کا علم ہوا تو وہ فوراً حراست حصار کے بہانے سے نکلا اور اس نے نظام الملک کی معاونت اختیار کر لی۔

نظام الملک کی برق رفتاری اور اس کی خون آشامی کا خوف چاروں طرف ایسا سما گیا تھا کہ وہ مرہٹے سردار جو اپنے آقا ساہو راجہ کے لئے چوتھ وصول کر رہے تھے اپنے اپنے مقامات سے بھاگ کر ستارا میں چھپ گئے۔ ابھی وہ جنوب کی طرف پیش قدمی کر ہی رہا تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا جس سے اس کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔

والدہ سیف الدین علی خاں

ایک معزز و مقتدر خاتون جس کو صورت حال کا ذرا بھی علم نہ تھا شمال کی طرف جا رہی تھی۔ یہ خاتون سیف الدین خاں کی والدہ اور سادات کی بہن تھی وہ اپنے لڑکے سے ملنے کے لئے دار الخلافہ کی طرف قدم بڑھا رہی تھی اس کے ساتھ کئی چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ برہان پور پہنچ کر اس کو پتہ چلا کہ وہ دشمنوں کے نرغہ میں ہے اور یہ کہ نظام الملک بھی اس طرف آ رہا ہے۔ صورتحال کی نزاکت کا اندازہ لگا کر اس نے اپنے ایک معزز رفیق کو نظام الملک کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجا

کہ وہ سارے زر و جواہر جو اس کے پاس ہیں دینے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ اس کی عزت و ناموس پر حملہ نہ ہو اور بہ سلامتی اس کو سفر جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ نظام الملک اس پیغام کو پڑھ کر مسکرایا۔ اس نے ایلچی کو عطائے خلعت سے نوازا اور بچوں کے لئے میوے بھی بھیجے۔ ساتھ ہی دو سو سوار ہمراہ کر دیئے اور سواروں کو یہ ہدایت کی کہ جب تک وہ بہ حفاظت دلاور علی خاں کے خیمے تک نہ پہنچ جائے اس پر نگاہ رکھی جائے دلاور علی خاں وہی سپہ سالار تھا جو نظام الملک پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھتا چلا آرہا تھا۔ امیر الامرا نے دلاور علی خاں کو حکم دیا تھا کہ جیسے بھی ہو نظام الملک کا سر کچل دیا جائے اور وہ خود دکن روانہ ہونے کے لئے اس خط کا انتظار کرنے لگا رتن چند نے کئی بار امیر الامرا کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ نظام الملک کو دکن کی صوبہ داری عطا کر کے اس سے صلح کر لی جائے اور جنگ و جدل سے ہاتھ کھینچ لئے جائیں لیکن دونوں بھائیوں کو یہ تجویز ناگوار گزری حالانکہ ملک کے شمالی و جنوبی علاقے فتنہ و فساد کی چنگاریوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی کشمیر سے بھی کشت و خون کی پریشان کن خبریں موصول ہو رہی تھیں۔

کشمیر میں فساد کی چنگاریاں

ملا عبد النبی کشمیری جو محتوی خاں کے نام سے ملقب تھا ہندوؤں کا جانی دشمن تھا۔ اس نے پرانتشار حالات سے فائدہ اٹھایا اور اپنی شدید نفرت کو بروئے کار لانے کی کوشش شروع کر دی وہ اوباشوں اور غنڈوں کو جمع کر کے میر احمد خاں نائب صوبہ دار کشمیر اور قاضی کے پاس گیا اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اب سے ہندوؤں کو گھوڑے کی سواری کرنے، کپڑا پہننے، سبز پگڑی باندھنے اور ہتھیار رکھنے اور نیز وقت مقررہ پر سیر باغ اور مذہبی غسل کرنے سے منع کر دیا جائے۔

میر احمد خا اور قاضی نے جواب دیا "جو احکام بھی بادشاہ اور ارباب شرع ملک محروسہ کے ہندوؤں کے بارے میں صادر کریں گے ان کا نفاذ کشمیر میں بھی ہوگا" لیکن اس جواب سے محتوی خاں کو تشفی نہ ہوئی چنانچہ وہ اسی دن سے جہاں بھی ہندوؤں کو پاتا حملہ آور ہو جاتا اور اس طرح اپنے وحشی جذبات کو سکون پہنچاتا۔

ایک دن صاحب رائے ہندو جو کشمیری ہندوؤں میں معزز تھا ایک باغ میں زناردار کی جماعت کو کھانا کھلوا رہا تھا کہ وہ مفسد پرداز اور شیطان یکایک ان معصوم لوگوں پر جھپٹ پڑا اور ان کو مارنے مرنے پر تل گیا اس نے بہتوں کو ہلاک اور مجروح کر کے دم لیا صاحب رائے کو جب اپنی زندگی خطرہ میں نظر آئی تو وہ چند افراد کے ساتھ میر احمد خاں کے مکان پر آیا اور

وہیں اس نے پناہ لی۔ محتوی خاں فوراً صاحب رائے کے گھر گیا اور اس نے اپنے اوباش رفیقوں کے ساتھ مل کر ہندوؤں کے گھروں میں آگ لگادی اور سامان وغیرہ لوٹ لیا۔ اس کے بعد گردونواح کے اور ہندو گھروں کو بھی لوٹا اور پھر ان میں آگ لگادی۔ وہ اپنی ان مذموم حرکتوں سے مطمئن نہ ہوئے تو انھوں نے ان ہندوؤں کو ہلاک کرنا شروع کیا جو ان کے پاس درخواست لے کر آتے تھے حتیٰ کہ وہ مسلمان بھی ان کی نفرت کی زد میں آگئے جو ہندوؤں پر رحم کھاتے تھے۔

یہاں تباہی و بربادی پھیلا کر یہ اوباش میر احمد خاں کی قیام گاہ آئے۔ پہلے تو گھر پر اینٹ پتھر پھینکے۔ پھر تیر و بندوق کی بوچھاڑ شروع کردی۔ جو بھی گھر سے باہر نکلتا یا ان کے پاس رحم کی درخواست لے کر آتا وہ یا تو قید کرلیا جاتا اور یا پھر لوٹ لیا جاتا۔ میر احمد خاں چوبیس گھنٹے تک گھر میں محبوس و مقید رہا اگر وہ زندگی کو خطرے میں ڈال کر کسی طرح باہر نہ نکلتا تو اس کا زندہ بچ جانا ممکن نہ تھا۔

میر احمد خاں نے دوسرے دن کچھ سپاہیوں کو جمع کیا اور بخشی شاہ نور اور دیگر منصب داروں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار محتوی خاں پر حملہ کردیا۔ اس نے بھی اوباشوں کو جمع کرکے حملے کا جواب دینا شروع کیا۔ اس کے مشورہ سے چند شوربختوں نے اس پل کو نذر آتش کردیا جس پر سے میر احمد خاں گذرا تھا اور ان راستوں میں بھی آگ لگادی جدھر سے وہ گیا تھا اس کے کچھ اور لوگ گھروں کی چھتوں سے میر احمد خاں پر اینٹ پتھر اور تیر و تفنگ برسانے لگے ان کی عورتیں بھی جو کچھ پاتیں مکانوں سے پھینک مارتیں غرض کہ ایسا بلوہ ہوا کہ الامان والحفیظ۔ اس ہنگامہ میں سید ولی خواہر زادہ میر احمد خاں اور ذوالفقار بیگ نائب چبوترہ کوتوالی معہ دیگر افراد کے ہلاک کردیئے گئے۔ ان کے علاوہ بہت سے لوگ مجروح بھی ہوئے یا پھر جسمانی لحاظ سے بیکار ہو گئے میر احمد خاں بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ چنانچہ عالم مجبوری میں اس نے رحم کی درخواست کی اور اس طرح وہ موت کے پنجے سے نکلا۔ محتوی خاں پہلے سے زیادہ غضبناک ہو کر میر احمد خاں کے گھر واپس آیا۔ صاحب رائے اور اس کے دیگر ہندو رفقا یہیں پناہ گزیں تھے۔ یہ اپنی پوری قوت سے گھر کے اندر گھس گیا۔ بہتیرے اس کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے بہتوں کی ناک کاٹ ڈالی گئی اور بعضوں کو اتنی جلدی میں ختنہ کیا گیا کہ ان کا آلہ تناسل بھی کٹ گیا۔

دوسرے دن وہ مسجد میں آیا اور میر احمد خاں کو نیابت سے معزول کرکے اپنا لقب

دیندار خاں اور حاکم مسلمان رکھا اور اعلان کیا کہ دوسرے نائب کے آنے تک احکام شرعی یہی نافذ کیا کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر احمد خاں مکمل پانچ ماہ تک معطل رہا اور محتوی یعنی دیندار خاں ہر روز مسجد میں بیٹھ کر اجرائے حکم دیتا اور مقدموں کا فیصلہ کرتا ۔

جب دربار میں ہنگاموں کی خبر پہنچی تو مومن خاں نجم الدولہ کو کشمیر کی نیابت پر مقرر کیا گیا محتوی خاں دیندار جو اپنی مذموم حرکتوں سے تائب ہو چکا تھا اس تقرری پر ایک بار پھر غضب ناک ہوگیا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ وہ اپنے دو چھوٹے لڑکوں کو ساتھ لے کر شہر کے مشاہیر خواجہ عبداللہ کے پاس آیا۔ دونوں ایک دوسرے سے واقف تھے محتوی نے آتے ہی کہا " میں آپ اور چند فضلاء کے ہمراہ نئے نائب سے ملنا چاہتا ہوں۔" خواجہ مذکور نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میری صلاح ہے کہ تم پہلے شاہ لوز بخشی کے پاس جاکر اپنے گناہوں کی معافی مانگو ۔ محتوی خاں کو یہ مشورہ پسند آیا چنانچہ وہ بخشی مذکور کے پاس اس کے گھر گیا۔ بخشی نے خواجہ کے مشورہ سے جدی بل کے بہت سارے لوگوں کو اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا کیونکہ اس محلے کے زیادہ تر لوگ اس کے مظالم کا شکار ہوئے تھے ۔

محتوی خاں کا قتل

جب محتوی خاں کمرہ میں داخل ہوا تو معمولی گفتگو کے بعد بخشی کسی کام کے بہانے سے اٹھ کر باہر گیا۔ اس کا اٹھ کر باہر جانا تھا کہ چھپے ہوئے لوگ ایک دم سے اس پر لوٹ پڑے۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے اس کے سامنے اس کے دونوں لڑکوں کا پیٹ چاک کیا اور پھر اس کو اتنی ہی بیدردی اور سفاکی سے ہلاک کیا گیا جس بیدردی سے اس نے بے شمار معصوموں کی جانیں لی تھیں جونہی اس کے پیروکاروں کو اس کے قتل کی اطلاع ملی سبھوں نے مل کر اس کا انتقام لینے کی ٹھانی۔ فوراً جدی بل میں بلوہ ہوگیا۔ اس محلہ کے دو تین ہزار افراد مارے گئے اور مجروح ہوئے گھروں میں آگ لگا دی گئی اور لاکھوں کا مال لوٹ لیا گیا۔ ہلاک ہونے والوں میں بیشتر وہ مغل تاجر اور اجنبی لوگ تھے جو وہاں تجارت کی غرض سے آئے تھے ۔ ان گنت عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر مال غنیمت کی طرح لے گئے اس جہاد کے بعد وہ جہاد ثانی کی طرف متوجہ ہوئے ۔ قاضی اور بخشی کے گھروں میں جا پہنچے ۔ بخشی تو کسی طرح روپوش ہوا اور قاضی نے کپڑے تبدیل کئے اور بھاگ گیا ۔ باغیوں نے اینٹ سے اینٹ بجادی ۔ گھروں کا نام و نشان تک نہ چھوڑا ۔ اس

قتل و غارت گری کے چند روز بعد مومن خاں پہنچ گیا۔ اس نے پہنچتے ہی سب سے پہلے میر احمد خاں کو بدرقہ کے ساتھ ایمن آباد بھیج دیا۔ اور پھر اس علاقے میں امن و امان برقرار کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ کام بہت مشکل تھا۔ کیونکہ وہ علاقہ کشت و خون اور مار دھاڑ کے لئے مشہور تھا اور وہاں اوباش اور غنڈے رہتے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے مشکل کام کو سہل بنانے کے لئے کشمیر کے اوباشوں اور بدکاروں کے ساتھ دوستی گانٹھ لی۔

اگرچہ سلطنت کے شمالی علاقوں میں امن و امان بحال ہو رہا تھا اور بغاوت و سرکشی کی چنگاریاں سرد پڑ رہی تھیں لیکن جنوبی علاقوں میں خطرناک جنگ کی بھٹی سلگ رہی تھی۔ اس صورت حال سے سادات بہت پریشان ہوئے کیونکہ ان کا وجود خطرہ میں پڑ گیا تھا۔

جب دلاور علی خاں برہان پور سے چودہ کوس پر پہنچا اور نظام الملک کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے بھی لشکر کے بعض سرداروں کو عوض خاں وغیرہ سرداروں کی فوج کے ساتھ بھیجا اس کی کمان اس کا آزمودہ رفیق عنایت خاں کر رہا تھا۔ سواروں کے علاوہ توپ خانہ کی کثیر تعداد بھی تھی خود بھی ہاتھی پر سوار ہو کر اس نے اپنے ساتھ عیوض خاں اور نشائستہ فوج کو لیا اور عنایت خاں کو بروقت مدد پہنچانے کے لئے برہان پور سے نکل کر قریب ہی جا ٹھہرا۔

دشمن پر نظر پڑتے ہی عنایت خاں فوراً صف آرا ہو گیا اور نظام الملک کی ہدایات کے بموجب اس نے دستی اور بڑے توپ خانے جھاڑیوں میں چھپا دیئے۔ جھاڑیوں کے سامنے چشمہ بہتا تھا اس جگہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ دشمن کی نظروں سے دور تھی اور اس کا پتہ بڑی مشکل سے لگایا جا سکتا تھا۔ نظام الملک کے سپاہی نہ صرف اپنی جاں بازی اور سپہ گری میں لاثانی تھے بلکہ وہ بہت سی آزمائشوں پر بھی پورے اترے تھے۔ نظام الملک کو یقین تھا کہ خطرہ کے وقت ان کے سپاہی حاضر دماغی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ دلاور علی خاں اگرچہ تھا جری اور شجاع لیکن دانائی اور ہوشیاری اس کو چھو کر نہیں گئی تھی۔ بارہہ کے لوگوں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان میں سمجھ کا نقدان ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ افغان سردار دوست محمد کے ساتھ گھوڑے پر سوار صف آرا ہو گیا۔ اس نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا تھا کہ گیارہ ہزار سوار کی کمان وہ خود کر رہا تھا اور راجہ بھیم سنگھ اور راجہ گج سنگھ راجپوت سپاہی کے ساتھ ساتھ اس کے پیچھے تھے۔ ان کے پیچھے توپ خانہ اور سب کے پیچھے جنگی ہاتھی کھڑے تھے۔ غرض کہ اس ترتیب کے ساتھ اس نے دشمنوں پر حملہ کر دیا جو بہت دیر سے کمین گاہ میں بیٹھے حملے کا انتظار کر رہے

تھے۔ عنایت خاں دشمنوں کی نقل و حرکت کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔ ایک دم سے بان اور توپ کی شور باریاں ہونے لگیں۔ دلاور علی خاں دشمن کو دیکھ کر غضب ناک ہو گیا اور اسی عالم غضب ناکی میں آگے بڑھتے بڑھتے دشمن کے بالکل قریب آ گیا اس کو علم نہ تھا کہ دشمن کمین گاہ میں چھپ کر موقع کی تاک میں ہے۔ راہ ناہموار تھی اس لئے اس کے سپاہی منتشر ہو گئے۔

برہان پور کی جنگ

دلاور علی خاں کو اس انتشار کا ذرا بھی علم نہ تھا اس لئے وہ پیش قدمی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ کمین گاہ کے بالکل قریب جا پہنچا۔ لیکن کمین گاہ میں چھپے ہوئے لوگ یکایک توپ و بندوق سے گولیاں برسانے لگے۔ بہت سے لوگ زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ صورت حال کو نازک دیکھ کر ان کے پاؤں ڈگمگائے اور بارود کے دھوئیں میں چھپ کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے اب دونوں راجاؤں اور چار پانچ ہزار سواروں کے اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔

چونکہ گھوڑے اور ہاتھی ناہموار راستے میں نہیں چل سکتے تھے اور بیشتر راجپوت سوار میدان جنگ میں یا تو مارے گئے تھے یا زخمی ہو گئے تھے۔ اور باقی ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس لئے دوست محمد خاں نے بھی جو اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے مشہور تھا بھاگ جانا ہی بہتر سمجھا چنانچہ وہ ننگ و نام خاک میں ملا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نامی گرامی مرد جری کی بہادری کام نہ آئی لیکن اس کے باوجود دلاور علی خاں اور دونوں راجپوت سرداروں نے ہتھیار نہ رکھنے کی قسم کھائی تھی۔ وہ غیرت مند تھے۔ کیونکہ ان کو اپنی آبرو عزیز تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میدان جنگ میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ توپ کے گولوں سے ان کے جسم کے ٹکڑے اڑ گئے اور ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اس جنگ میں دلاور علی خاں کے سارے سپاہی کھیپ رہے لیکن یاوری بخت ملاحظہ ہو کہ نظام الملک کا ایک سردار بھی نہ مارا گیا۔ ادھر فتح کے شادیانے بج رہے تھے اور ادھر دلاور علی کا سارا سامان لوٹ کر نظام الملک کے قبضہ میں آ رہا تھا۔ نظام الملک فتحیاب ہو کر برہان پور آیا۔ یہاں اس نے خاندیس کی رعایا کی دلجمعی کی خاطر لشکر کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس نے محرومین کو بھی مال و زر دے کر خوش کیا۔

ایک طرف اس فتح سے اگرچہ بادشاہ اور محمد امین خاں معتمد الدولہ بباطن بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکرانہ بجالائے اور دوسری طرف دونوں بھائیوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی دونوں روزانہ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ کبھی وہ مل کر نظام الملک کے خلاف حملہ کرنے کا منصوبہ بناتے

اور کبھی یہ طے پاتا کہ دونوں بھائی اپنے ساتھ بادشاہ کو دارالخلافہ پہنچا دیں اور قطب الملک اس کی نگہبانی کرے اور امیر الامرا دکن کے خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو جائے کبھی دونوں سوچتے کہ کیوں نہ جنگ میں بادشاہ کو بھی گھسیٹ لیا جائے اور کبھی ان کے ذہن میں یہ بات آتی کہ حسین علی خاں کے بچوں کو یہاں سے ہٹا کر دونوں نظام الملک کی سرکوبی کے لئے نکل جائیں۔ ان کی گفتگو کا دوسرا موضوع محمد امین خاں بنا ہوا تھا۔

سادات میں حجت وتکرار

ایک دفعہ عوام میں یہ خبر مشتہر ہوئی کہ دونوں بھائیوں نے محمد امین خاں کو قتل کر دیا ہے یا پھر گرفتار کر لیا ہے ایک اور خبر میں بتایا گیا کہ صلح ہو گئی ہے اور اب دشمنی و عداوت کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ ان ہی خبروں میں ایک خبر یہ بھی اڑی کہ امیر الامرا یعنی چھوٹا بھائی امین خاں کو ہلاک کر دینے کا حامی تھا لیکن بڑے بھائی یعنی قطب الملک کو اپنا وہ قول و قرار یاد آتا تھا جو اس نے امین خاں سے کیا تھا۔ اس لئے وہ اس کو ہلاک کرنے کا سخت مخالف بن گیا اور کہا کہ قول و قرار سے پھر جانا انتہائی شرمناک ہے۔ اس موضوع پر تنازعہ اتنا طول پکڑ گیا کہ قطب الملک کو یہ کہتے سنا گیا:۔

"میری زندگی اس کی زندگی سے وابستہ ہے۔ اگر تم اس کو ہلاک کر ڈالنے پر تلے ہوئے ہو تو مجھے بھی ہلاک کر ڈالو یا پھر میں اپنا خاتمہ خود کئے لیتا ہوں"۔

آخر اس بحث و تکرار کے بعد امین خاں کو ہلاک کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا گیا۔

سلطنت کے چاروں طرف جو خطرناک واقعات جنم لے رہے تھے ان سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی نہ کسی وقت حالات ایک دم سے نازک ہو جائیں گے اور کشت و خون کا بازار پھر سے گرم ہو جائے گا۔

ہولناک زلزلہ

۲۲ رماہ رمضان ۱۱۳۲ھ جمعہ کے دن جبکہ لوگ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جمع ہوئے تھے اور خطبہ شروع ہونے ہی والا تھا کہ ہولناک زلزلہ آیا اور مسجد کی پوری عمارت ہلنے لگی اور جب اینٹیں گریں تو نمازیوں میں گھبراہٹ پھیل گئی سبھوں نے سمجھا کہ کوئی ہیبت ناک واقعہ نمودار ہونے والا ہے۔ شاہجہاں آباد اور پرانی دہلی کی بیشتر عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ متعدد افراد یا تو ملبہ میں دب کر رہ گئے یا پھر شدید زخمی ہو گئے۔ زمین سے پیہم گھڑ گھڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں لوگوں میں

خوف وہراس پھیل گیا۔ ایسے مسلسل نو جھٹکے محسوس کئے گئے۔ اوران جھٹکوں سے شہر کی بیشتر عمارتیں زمین دوز ہوگئیں۔ چالیس دن اور چالیس رات تک شدید جھٹکوں کا سلسلہ جاری رہا اور ہر روز کوئی نہ کوئی عمارت ان جھٹکوں کا شکار ہوتی رہی۔ زمین کے نیچے سے ہر وقت آوازیں سسکیاں اور کراہیں سنائی دیتی رہیں۔ لوگوں میں اتنا خوف سما گیا تھا کہ کوئی بھی بند جگہوں یا چھت کے نیچے سونے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ چالیس روز تک متواتر جھٹکے کے بعد زمین کو سکون ملا لیکن چار پانچ ماہ تک کبھی کبھی لرزہ آجاتا۔ ابھی جھٹکے محسوس ہو ہی رہے تھے کہ یکم ذی قعد کو فیصلہ ہوا کہ بادشاہ اور وزیر کا پیش خیمہ اکبرآباد سے دارالخلافہ منتقل کر دیا جائے۔ اور حسین علی خاں فوراً چند امرا کے ہمراہ دکن روانہ ہوجائے

ابھی یہ تیاریاں ہو ہی رہی تھیں کہ افواہوں کا بازار پھر گرم ہوگیا۔ محمد امین خاں کی موت وزیست کی خبریں پھر موضوع بحث بن گئیں۔ چند روز تک گفتگوئے مخاصمت شہر میں پھیلتی رہی۔ یہاں تک کہ حالات انتہائی نازک اور تشویشناک ہوگئے۔ ہر لمحہ اس کو اپنی زندگی کا خطرہ محسوس ہونے لگا چنانچہ وہ ہر وقت مسلح رہنے لگا اور اس کے تورانی رفقا اسے ہمیشہ گھیرے رہتے۔ یہاں تک کہ طرفین میں صلح وصفائی ہوگئی اور اقرار رفاقت کے لئے قسمیں کھائی گئیں طرفین اپنی قسموں اور وعدوں پر کہاں تک ثابت قدم رہے اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ابھی میں معرکہ دکن کی تصویر پیش کرتا ہوں۔

دلاور علی خاں کی جو تھوڑی سی فوج میدان کارزار سے بچ نکلی تھی جس کی تعداد دو تین ہزار سے زیادہ نہ ہوگی انتہائی خستہ حالت میں عالم علی خاں بہادر سے جا ملی۔ نظام الملک کو جو تھوڑا سا وقت ملا اس سے اس نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ توپ خانوں کی درستی اور سامان جنگ کے اضافہ میں مصروف ہوگیا۔ نیز اس نے زخمیوں میں دوائیں تقسیم کیں جو لوگ برگشتہ خاطر تھے ان کو سرد کیا اور مزید سپاہی بھرتی کرکے ان کے دلوں کو مختلف انداز سے جیتنے کی کوشش کرنے لگا اس کے علاوہ وہ عالم علی خاں کے سپاہیوں اور سرداروں کو خفیہ طور سے بہکانے میں بھی مصروف ہوگیا لیکن ایک طرف تو وہ دوسرے کی فوج کو لالچ دے رہا تھا دوسری طرف خود اس کی سپاہ کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی۔ انور خاں ناحق شناس دونوں بھائیوں کا حق پرورش فراموش کرکے نظام الملک سے جا ملا تھا لیکن یہاں بھی وہ اپنی خباثت سے باز نہ آیا۔ اس نے عالم علی خاں کو لکھا:

ہنوز نظام الملک کی طاقت زور نہیں پکڑی ہے۔ اس کا زیادہ تر وقت دوا سازی میں گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ موقع غنیمت ہے فوراً اس کی سزا کو آئے۔"

لیکن وہ خط کسی طرح نظام الملک کے ہاتھ لگ گیا اور اس طرح اس کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل گئی اور اس کو اپنے اعمال کی سزا ملی۔

عالم علی خاں ان باتوں سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر اوائل ماہ رمضان شریف میں قریب پچیس ہزار سوار کے روانہ ہوا۔ جن میں بارہ تیرہ ہزار سوار مرہٹہ راجہ ساہو کے بھی تھے اور جن کی کمان کنڈو وہار اور سنکراجی ملہار کر رہے تھے ان سواروں کے علاوہ وہ مرہٹہ سردار بھی شامل ہو گئے جو اس کے ممنون احسان تھے۔ بعض امرائے دکن نے بھی ظاہری اطاعت کی رو سے شمولیت اختیار کر لی۔

عالم علی خاں اپنے لشکر جرار کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ اب اس کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنے ان سپاہیوں کی مدد سے نظام الملک کے دانت کھٹے کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی فوج لے کر فرداپور میں جو خاندیس اور بالا گھاٹ اورنگ آباد کے مابین واقع ہے خیمہ زن ہوا اور اس کی مرہٹہ فوج قرب وجوار کے تمام گاؤں کی لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ اس لوٹ مار سے نظام الملک کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ چنانچہ اس عالم خوف وہراس میں اس نے اپنے اہل خاندان وغیرہ کو قلعہ اسیر بھیج دیا اور اس کے بعد وہ میدان کارزار میں دشمن کے مقابلے کو آیا۔ چونکہ دریائے پورنا جو برہان پور سے اٹھارہ کوس پر واقع ہے عالم طغیانی میں تھا اس لئے عبور میں تاخیر ہو گئی لیکن عوض خاں اس کی مدد کو آ گیا۔ اس نے نظام الملک کو اپنے ہمراہ لیا اور سترہ کوس بائیں جانب سے پایاب پا کر بلا تاخیر عبور کر گیا۔ دریا عبور کر کے نظام الملک نے پیش قدمی شروع کر دی۔ وہ دشمن کو اطلاع ملنے سے پہلے پہلے اس کے قریب پہنچ جانا چاہتا تھا۔ لیکن عالم علی خاں کو فوراً اس کی پیشقدمی کی اطلاع مل گئی۔ وہ فوراً نظام الملک کی سرکوبی کو نکلا۔ اس کی مرہٹہ فوج نے ملک کو اس حد تک تاراج کر دیا تھا کہ نظام الملک کے لشکر میں غلہ کی گرانی اور کمیابی ظاہر ہو گئی۔ خصوصاً موسلا دھار بارش نے سڑکوں کی حالت بگاڑ دی تھی۔ اور مرہٹہ فوج اس کو چاروں طرف سے اس طرح پریشان کر رہی تھی کہ اس کا قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ عوض خاں یہاں بھی نظام الملک کی دستگیری کو آیا اس نے نظام الملک کی مرہٹہ فوج کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھی لیا اور عالم علی خاں کے مقابلے کو نکلا۔ نظام الملک بھی اس کے پیچھے پیچھے

جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بالا پور پہنچ گیا اور یہیں دونوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں۔ شوال کی پانچویں تاریخ تھی جب عالم علی خاں نے نظام الملک پر حملہ کیا۔ اس نے منور خاں اور غالب خاں ولد رستم خاں دکنی کو ہراول کیا اور امین خاں برادر خان عالم اور عمر خاں ابن عم داؤد خاں اور شمشیر خاں، محمد اشرف خاں بخشی، فدوی خاں دیوان منتہی خاں اور محمد بیگ نے پشت پناہی کی۔ رفایت طلب خاں اور خواجہ رحمت اللہ خاں وغیرہ نامی دلاوروں اور سرداروں کو میمن و یسار میں جگہ دی اور مرہٹے گھوڑ سوار بھی شامل کئے۔ لیکن اس بات کی سختی سے ہدایت کر دی کہ سب اپنی اپنی جگہ رہیں۔ عالم علی خاں اور غیاث خاں ایک ہی ہاتھی پر سوار تھے۔ اس کے توپخانہ کے چاروں طرف دس بارہ ہزار پیادہ کرناٹکی جوان تھے اور ان جوانوں کی حفاظت فیلان مست کر رہے تھے۔ یہ فیلان مست ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے پہاڑوں کو زنجیر میں کس دیا گیا ہو۔

عالم علی خاں نے اس کے بعد ایک نظر فوجوں کی ترتیب پر دوڑائی اور اطمینان کی سانس لیتا ہوا شادا دفرحاں اس طرح آگے بڑھا جیسے یہ جنگ فیصلہ کن ہو گی۔ لیکن چونکہ وہ اس علاقہ میں نیا نیا آیا تھا۔ یہاں کے حالات کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اور یہ سن چکا تھا کہ کس طرح دلاور علی خاں اپنی گرمیٔ مزاج کی وجہ سے خود اپنی جان اور فوج تباہ کر چکا تھا اس کے باوجود وہ بڑھتا گیا اس کو بھی دلاور علی خاں کی طرح اپنی زندگی کی کوئی فکر نہ تھی۔ ۔ ہزتاریخ ماہ مذکور کو عالم علی خاں کو تیس چالیس سرداروں نے گھیر لیا۔ سب کے سب ہاتھی پر سوار تھے۔ یہ اس کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس طرح لے گئے کہ تاریخ اس حقیقت کو نہ تو چھپا سکی اور نہ مسخ کر سکی۔

نظام الملک نے مرحمت خاں کو ہراول کر کے اپنے لڑکے غازی الدین خاں کو ہمراہ کیا اور عبد الرحیم خاں، رعایت خاں، سعد الدین خاں، داراب خاں، کامیاب خاں، عنایت خاں، قادر داد خاں، اختصاص خاں، دلیر خاں، روح اللہ خاں اور انور خاں وغیرہ کو چند راجاؤں کے ساتھ میمنہ اور میسرہ پر متعین کیا اور خود عوض خاں کے ساتھ قول میں آیا۔ چند زمیندار اپنے ساتھ جو فوج لے آئے تھے معہ ہزاروں مرہٹہ سواروں کے رنبھا کی نگرانی میں اپنے خیمہ میں رکھا۔ اس کے پاس متعدد توپ خانے بھی تھے اور یہ سب کے سب قلعہ اسیر اور برہان پور سے حاصل کئے گئے تھے۔ علی خاں کے لشکر سے بھی اس کو کافی تعداد میں سامان جنگ ملا تھا۔ یہ سارا جنگی سامان

اس نے اپنے سامنے یوں رکھوایا کہ دشمن کی نگاہیں دیکھ سکیں ۔ لیکن جب اندھیرا چھا گیا تو اس نے بیشتر سامان یمین و یسار میں لگا دیا اور دلاوران معتمدین کو معہ چھرہ دار توپ اور بان کے کمین گاہ میں کھڑا کر دیا اور خود ان کے زیر پناہ ہوا ۔ وہ فوجوں اور سامان حرب کی ترتیب سے فارغ ہوا ہی تھا کہ عالم علی خاں کی فوج نے ہلہ بول دیا اور منور خاں ہراول دس بارہ ہزار سوار لے کر نظام الملک کے توپ خانے پر حملہ آور ہوا لیکن پہلے ہی وار میں نہ صرف اس کی لاش تڑپتی نظر آئی بلکہ بارہ اور دکن کے بہت سے جاں فروش بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ یہ دیکھ کر دلاوران مغلیہ جو نظام الملک کے نوکر تھے ہمت کر کے ہراول کے مقابلے میں جا پہنچے ۔ عالم علی خاں کی فوج میں انتشار پھیل گیا ۔ اس کی اطلاع عالم علی خاں کو پہنچی تو وہ آزمودہ سپاہیوں کو لے کر فوراً اس انتشار کی کیفیت کو دور کرنے کے لئے بڑھا ۔ اس نے پہلے ہی حملے میں نظام الملک کی فوج میں بھگدڑ مچا دی ۔ دشمن کے قدم اکھڑ رہے تھے اور عالم علی خاں تعاقب کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ عنان ہوشیاری ہاتھ سے چھوڑ دی اور اس جگہ جا پہنچا جہاں توپوں کے دہانے کھلے ہوئے تھے ۔ سارا سامان حرب ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھا جن کو سادات سے ازلی دشمنی تھی یکبارگی توپوں کی باڑھ سے زلزلہ سا آ گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے روز محشر آ گیا ہو آفتاب کا چہرہ دھوئیں میں چھپ گیا تھا اور دشمن کو تاریکی نگل گئی تھی چھرّوں کی بوچھاڑ سے خون کا مینہ برسنے لگا اور چاروں طرف سے کراہنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں جب ذرا اندھیرا دور ہوا تو منور خاں ہراول ، غالب خاں ، شمشیر خاں ، اشرف خاں ، خواجہ رحمت خاں ، مہنتی خاں اور محمدی بیگ وغیرہ بہت سے سرداروں اور سپاہیوں سمیت مجروح و مقتول نظر آئے ۔ بعض خون میں غلطاں تھے اور بعض خاک پر لوٹ رہے تھے ۔ زیادہ تر سوار یا تو تباہ ہو گئے تھے یا وہ جسمانی لحاظ سے معذور ہو گئے تھے ۔

لیکن اس تباہی کے باوجود عالم خاں مایوس نہ ہوا ۔ مجروح ہونے کے باوجود وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور بہت سے اُن جری سپاہیوں کو اپنے ساتھ لیا جو اس کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا چاہتے تھے ۔ اور جن کے اندر شیر کی بے پناہ طاقت تھی ۔ ان سپاہیوں کو ساتھ لے کر پیش قدمی کرتا چلا جا رہا تھا کہ اختصاص خاں نبیرۂ خاں عالم اور محمد غیاث خاں نے جس کی ایک آنکھ تیر سے زخمی ہو گئی تھی اس کو روکا اور جسارت کرتے ہوئے اس کے رو برو آئے ۔ میدان کارزار خون کی ندی میں بدل گیا اور نہ جانے خون کے کتنے دریا بہہ

جاتے کہ اختصاص نے عالم علی خاں پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ ایک ہی وار میں اس کا بازو کٹ گیا بازو کے کٹ جانے سے وہ عضو معطل ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مع سرداروں کے جن میں انیس فیل سوار اور باقی گھوڑ سوار اور پیادے تھے شہید ہو گئے۔ عالم علی خاں کے جسم سے خون کا آخری قطرہ جب بہہ گیا تو خوشی خوشی وہ اپنے بہادر اعزہ و اقربا سے جا ملا۔

عالم علی خاں کا خاتمہ

عالم علی خاں کے بعد سنکراجی مرہٹہ سردار زخمی ہو کر اپنے بہت سارے مرہٹہ ساتھیوں سمیت گرفتار ہو گیا۔

اس کشت و خون کے ہیبت ناک منظر سے اگر ایک طرف لوگوں میں خوف و ہراس طاری تھا تو دوسری طرف عمر خاں برادر داؤد خاں پنی اور امین خاں برادر خان عالم جنھوں نے اس معرکہ میں خاں مرحوم سے دو تین لاکھ روپیہ اور تین چار ہاتھی لیے تھے نمک حرامی کر کے دیگر منافق ساتھیوں سمیت نظام الملک کے لشکر سے آملے اس میں ان کو اپنی عزت و سلامتی نظر آئی۔

عالم علی خاں کا جو سامان لٹیروں سے بچ گیا وہ نظام الملک کے قبضۂ قدرت میں آیا اس لڑائی میں بھی پہلی لڑائی کی طرح نظام الملک کو کوئی زیادہ نقصان نہ ہوا۔ نہ تو کسی سپاہی کی جان گئی اور نہ کسی کو شدید زخم آیا۔ جن سپاہیوں کو تھوڑا بہت زخم آیا وہ جلد سے جلد صحت یاب ہو گئے۔

جب عالم علی خاں کی شکست اور بھاری نقصان کی اطلاع دونوں بھائیوں کو ملی تو ان کو اتنا رنج ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً چھوٹے بھائی یعنی امیر الامرا کے جگر میں اس خبر کو سن کر کانٹا سا چبھنے لگا اور اس کی خلش سے اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس کو نہ صرف اپنے ناموس کی فکر تھی بلکہ اس کو اپنے اہل خاندان کی فکر کھائے جا رہی تھی جو دکن میں تھے لیکن چند دنوں کے بعد جب یہ خبر آئی کہ اورنگ آباد میں نظام الملک کی فوج کی آمد سے پہلے ہی دولت آباد کے قلعہ دار نے سادات سے نقصان اٹھانے کے باوجود امیر الامرا کے اہل خاندان کو قلعہ میں جگہ دی تھی اور ان کو محفوظ رکھا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو سادات سے ان کی بدسلوکی کا انتقام لے سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کرنے کی بجائے ان کے خاندان والوں کی نازک حالت میں مدد کی ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا ∴ اگر مردی احسن الیٰ من اسا

اس خبر سے امیر الامرا حسین علی خاں کی کسی قدر دل جمعی ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ جب اس کو یہ خبر ملی کہ مبارز خاں صوبہ دار حیدر آباد اور دلاور خاں جو باہم ہم زلف ہیں سات آٹھ ہزار سوار سمیت نظام الملک سے جا ملے ہیں تو اس کو روحانی تکلیف پہنچی۔

حسین علی خاں کی روانگی دکن

دکن سے روزانہ تشویشناک خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ ان خبروں سے دونوں بھائی بہت پریشان ہوئے اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ کافی غور و خوض کرنے کے بعد انجام کار یہ صلاح ہوئی کہ قطب الملک عبداللہ خاں بادشاہ کی نیابت کی وجہ سے دار الخلافہ ہی میں رہے اور امیر الامرا حسین علی خاں بادشاہ کے ہمراہ دکن جائے۔ اس مشورہ پر ہر پہلو سے غور کرنے کے بعد امیر الامرا نے اپنی تمام تر توجہ فوج اور سوار کی فراہمی کی طرف مبذول کر دی۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر اس نے مصحوب سید محمد خاں ولد اسد اللہ خاں کو زر و مال اور پروانہ دیا اور کہا کہ بارہہ کے بہادر مکینوں اور جری افغانوں کو لانے کا انتظام کیا جائے اس کا یہ منصوبہ کامیاب ثابت ہوا۔ کیونکہ دیکھتے ہی دیکھتے پچاس ہزار سوار جمع ہو گئے ان سواروں کے علاوہ اس کے پاس شاہی محافظ بھی تھے۔ قدیم و جدید ملازمین مع راجہ اور راجپوتوں کے بھی اس سے آملے۔ بہت سارے مقتدر اور معزز افراد نے بھی اس کی اعانت کی۔ اس کی توپ جہاں آشوب کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی گرج سے زمین بنیاد سمیت ہل جائے گی۔ توپچیوں کے علاوہ ان کے چاروں طرف گولہ انداز بھی تعینات کئے گئے تھے۔ اپنی فوج دریا موج کو ملاحظہ کرنے کے بعد امیر الامرا نے آخر شوال میں دکن کی جانب پیش خیمہ نکالا اور خود امیر الامرا نے اس روز بادشاہ کے ہمراہ اکبر آباد سے دو کوس پر مقام کیا۔ چونکہ اجل اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اس لئے اس سے چند کام ایسے انجام پائے جو ضابطہ کے خلاف تھے اور یہی اس کی بدبختی کا سبب بنے۔

چنانچہ اوائل ذیقعدہ میں اس نے میر آتش کی خدمت سید خان جہاں کے ہاتھوں سے لے کر جو حسین علی خاں کے اعزہ میں تھا حیدر قلی خاں کو دیدی۔ یہ عہدہ بہت ہی اہم تھا اور اس کی ذمہ داری برابر خانوادۂ بادشاہی کے شانے پر رہتی تھی۔ کئی دن گزر جانے کے بعد ۹ ذی قعدہ ۱۱۳۲ھ کو محمد شاہ نے اکبر آباد کی شاہی قیام گاہ سے کوچ کر کے تین کوس پر جا کر قیام کیا۔ عبداللہ خاں اس کے ہمراہ تھا اور اس موقعہ کی تاک میں رہا کہ اس سے رخصت

لے کر دارالخلافہ کی طرف اپنا سفر شروع کرے۔ کیونکہ ۵ ارذی قعدہ کو جشن بادشاہی[1] تھا اور اس موقع پر وہ دارالخلافہ میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ حسین علی خاں کو تاخیر ناگوار گزری چنانچہ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اس کو جلد از جلد رخصت کر دیا جائے اس کے بعد وہ خود بادشاہ کو اس ماہ کی چودھویں تاریخ کو ساتھ لے کر فتحپور میں منزل گزیں ہوا۔ یہاں جشن جلوس کے سلسلے میں دونوں نے تین چار روز گزارے۔ جشن کے اختتام کے بعد اس نے جلد از جلد دکن پہنچ جانا چاہا۔ لیکن قطب الملک عبداللہ خاں معہ حامد خاں عم نظام الملک، حمید الدین خاں، غازی الدین خاں، غالب خاں جنگ، ابراہیم خاں، نعمت اللہ خاں، میر خاں اور سید صلابت خاں وغیرہ امرائے بے پروبال کے دو تین دن اسی جگہ مقیم رہا۔ اس کی وجہ کسی کو نہ معلوم ہو سکی کہ وہ دو تین روز کیوں مقیم رہا۔ ۱۹ر تاریخ کو وہ وہاں سے چلا اور اثنائے راہ میں اس کی ملاقات محمد خاں بنگش ایک افغان سے ہوئی۔ اس کو حسین علی خاں سے پہلے ہی کئی لاکھ روپے مل چکے تھے۔ لیکن اتنی بھاری رقم سے بھی اس کو تشفی نہ ہوئی تو اس نے پچاس ہزار مزید روپے عبداللہ خاں سے یہ حیلہ تراش کر لئے کہ وہ اس کو کئی ہزار فوج اس کے بدلے میں دے گا۔ مگر اس کا یہ وعدہ کبھی وفا نہ ہوا۔

جب قطب الملک شاہجہاں آباد کے چالیس کوس پر پہنچا تو اس کو یہ خبر موصول ہوئی کہ اس کے بھائی حسین علی خاں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی چھوٹا بھائی نورالدین خاں اور بھانجا غیرت خاں بھی ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تحریر رتن چند نے جلدی میں اپنے شقہ کی معرفت ارسال کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے:-

امیر الامرا کے خلاف سازش اور اس کا قتل

جب بادشاہ کے ہاتھوں میں کوئی اختیار نہ رہا۔ اور وہ اپنی ہی سلطنت میں ایک عضو معطل ہو کر رہ گیا تو سادات کے بڑھتے ہوئے اختیارات کو دیکھ کر دربار اورنگ زیب کے قدیم امرا مثلاً نظام الملک، محمد امین خاں وغیرہ کے دلوں میں بغض وعناد اور حسد و نفرت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ سادات کی ترقی ان امرا کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ ہمہ دم وہ ان کی ذلت ورسوائی اور تنزل کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سادات کے ہاتھوں میں اتنے سارے اختیارات سے نہ صرف خاندان سلطانی کو نقصان

---

[1] جشن شاہی میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ بادشاہ کو سنہری ترازو میں تولہ جاتا ہے۔

پہنچے گا بلکہ خود یہ امرا بھی پردۂ گمنامی میں جا چھپیں گے۔ محمد امین خاں پر اگرچہ کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی لیکن وہ موقع نکال کر بادشاہ کو اپنا ما فی الضمیر ترکی زبان میں سمجھاتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کی ترکی زبان میں اجازت حاصل کر کے نظام الملک کو شورش پر آمادہ کر دیا دربار کی ان ہی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ دلاور علی خاں اور عالم علی خاں جیسے دلیر و جوانمرد سپہ سالار موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ لیکن ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو کچھ بھی ہوا اس میں حالات کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ کیونکہ جب محمد امین خاں نے امیر الامرا کا ارادہ نظام الملک کے استیصال پر دیکھا اور اسے جب یہ یقین ہو گیا کہ نظام الملک امیر الامرا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کی تباہی و بربادی نہ صرف اس کے حق میں بری ہو گی بلکہ سارے تورانی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ان خیالات کے آتے ہی وہ اپنے رفقار کے ساتھ رات دن اسی فکر میں لگا رہتا کہ امیر الامرا کو آتے راہ میں غافل پا کر مار ڈالا جائے مگر اس کا یہ منصوبہ دوسروں کی اعانت کے بغیر ناممکن نظر آ رہا تھا اور اس راہ میں مشکلات بھی روزانہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ سب سے پہلے اس کے ذہن میں میر محمد امین المعروف سعادت خاں کا جو سادات نیشاپور خراسانی میں تھا خیال آیا۔ اس نے سب سے پہلے عہد فرخ سیر میں عہدہ ہفت ہزاری حاصل کیا تھا اس کے بعد ہنڈون بیانہ کی فوجداری پر جو صوبہ اکبر آباد کا مشہور ضلع ہے مقرر ہوا۔ یہاں رہ کر اس نے کچھ سپاہی فراہم کئے اور سید عبداللہ کی مدد لے کر وہاں کا انتظام کیا اور مخالفین کی سرکوبی کی اور اس طرح اضافۂ پانچ ہزاری سے وہ سرفراز ہوا اس کے بعد سے دربار میں اس کا خوب چرچا ہونے لگا اس کی شجاعت و جرأت کی تعریفیں کی جانے لگیں۔ وہ اپنے کسی کام سے یہاں آیا ہوا تھا اور محمد شاہ کے لشکر کے ہمراہ تھا۔ محمد امین خاں نے اس طرح اس کو پٹی پڑھائی کہ اس دن سے وہ اس کا جگری دوست بن گیا۔ اس نے سارے راز اس کو بتا دیئے۔ چونکہ دونوں مغل تھے۔ اس لئے ان کی دوستی اور مستحکم ہو گئی۔ انہوں نے مل کر ایک تیسرے مغل کو ڈھونڈ نکالا۔ جس سے ان کا مقصد پورا ہو سکتا تھا۔ میر حیدر خاں کاشغری اور جس کا تعلق چغتائی[1] قبیلے سے تھا اور جسکو میر شمشیری کی وجہ سے میر کا خطاب ملا تھا۔ اس سے دونوں نے صلاح و مشورہ کیا۔ میر مذکور نے جو نہایت بے باک اور شجاعت میں لاثانی تھا ان کا مشورہ قبول کیا۔ ان کا مشورہ محض اس لئے قبول نہیں کیا

---

[1] تیمور لنگ اور چنگیز خاں بھی چغتائی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

کہ وہ بڑا جری اور بہادر تھا بلکہ وہ اتنا ہی کٹر سنی تھا جتنا کٹر شیعہ امیر الامرا تھا۔ اس نے اس کام کے لئے خود کو پیش کیا اور کہا کہ میں تنہا اس کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ تینوں چونکہ بڑے ہی بہادر اور جفاکش تھے اور تینوں اس مہم کو انجام دینا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے قرعہ نکالا قرعہ پر سید حیدر کا نام نکلا — یہ شخص نہ اس دنیا میں زندہ رہنے کا مستحق تھا نہ اُس دنیا میں رہنے کا مستحق۔ اس شخص نے اپنی قضا و قدر سے بے خبر ہو کر عرضی شکایت محمد امین خاں کے خلاف لکھی اور اپنے ہی علاقہ کے ایک شخص کو لے کر روز چہارشنبہ ۶ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ درخواست لے کر آیا۔ فوج فتحپور سے پچاس کوس پر خیمہ زن تھی اور بادشاہ اس وقت خیمہ میں جانے کے لئے گھوڑے سے اتر رہا تھا محمد امین خاں نے یہ موقع غنیمت جانا۔ اس نے بادشاہ کو ترکی زبان میں صورت حال سے آگاہ کیا اور زمین بوس ہو کر حیدر قلی خاں کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ امیر الامرا بادشاہ کو خیمہ میں اتار کر اور محل سرائے میں داخل کر کے باہر آیا اور اپنے خیمے کی طرف بڑھا۔ اس کا خیمہ ایک کوس سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ جب امیر الامرا دروازہ کلاں باڑہ کے قریب پہنچا میر حیدر نے دور سے عرضی دکھائی وہ پالکی کے قریب آنا چاہتا تھا لیکن چوبدار اور محافظ نے روک دیا۔ امیر الامرا کے سر پر چونکہ قضا منڈلا رہی تھی اس لئے اس کو میر حیدر پر رحم آگیا۔ اس نے قریب آنے کا حکم صادر فرمایا۔ وہ دوڑ کر پالکی کے قریب آیا اور اپنی عرضی پیش کر دی۔ وہ پالکی کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ جونہی اس نے امیر الامرا کو عرضی پڑھنے میں غرق پایا کہ فوراً کمر سے پیش قبض نکال اور اس کے جگر کے پار کر دیا ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ چلا یا تک نہیں لیکن اس عالم میں امیر الامرا نے قاتل کی چھاتی پر اس زور سے لات ماری کہ پالکی بالکل لڑھک گئی اور لاش بھی زمین پر گر گئی۔ نور اللہ خاں نے جو پالکی کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا یہ دیکھ کر خنجر نکالا اور قاتل کے پیٹ میں ایسا مارا کہ وہ چشم زدن میں زمین پر گر پڑا لیکن نور اللہ خاں بھی بچ نہ سکا اس کو ایک مغل نے ہلاک کر دیا مغل بھاگ بھی نہ سکا تھا کہ میر مشرف اس پر جھپٹا اور اس کو ہلاک کر کے دم لیا میر مشرف کے زخم آئے لیکن وہ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ غرض کہ پالکی کے اردگرد کُشت و خون کا بازار ایسا گرم ہوا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اتنے میں بہت سے مغل ادھر آ گئے اور اس طرح فضا پر سکون ہوئی۔ ان مغلوں نے حسین علی خاں اور نور اللہ خاں کی لاشوں کو بادشاہ کے خیموں میں لے آئے۔ اس دردناک منظر سے مقبول نامی ایک خواجہ سرا دم بخود رہ گیا لیکن یکایک اس کی رگوں کا خون گرم ہو گیا اور اس نے مغلوں پر حملہ کر دیا مغل بھی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو اتنے شدید زخم آئے کہ وہ تین چار روز میں اس دنیا سے چل بسا۔

حسین علی خاں کے جسم سے اب تک خون بہہ رہا تھا۔ امیر الامرا کے سقہ اور خاکروب بھی برہنہ شمشیر لے کر بادشاہ پر وار کرنے دوڑے اور عالم جنون میں وہ تسبیح خانہ تک آ گئے لیکن سعادت خاں نے ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ امیر الامرا کے دیوان محکم سنگھ کے کچھ دلاور جوان بھی اس منظر کو دیکھ کر ہاتھوں میں خنجر لئے گلال باڑہ تک آ گئے انھوں نے خوب بہادری دکھائی اور ان میں سے بہتیرے زخمی ہوئے حسین علی خاں کے برق انداز یا تو خاموش ہو گئے یا پھر منتشر ہو گئے۔

غیرت خاں کی بے مثال شجاعت

حسین علی خاں کی موت کی خبر براہ راست اس کے عم زاد بھائی غیرت خاں کو پہنچائی گئی وہ اس وقت خیمہ میں موجود تھا۔ یہ جری اور بہادر شخص جو اس وقت کھانا کھا رہا تھا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گیا، منہ کو صاف کیا اور کسی سے کچھ کہے بغیر ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ اور تنہا بادشاہ کے اور اپنے چچا کے قاتلوں کے ساتھ لڑنے کے لئے چل پڑا لیکن جب اس کی فوج کو اطلاع ملی فوراً تین ہزار گھوڑ سوار اور پیادہ فوج اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ غیرت خاں اس تیزی سے اپنے دشمن پر جھپٹا جیسے بجلی کی لپک ہو یا طوفان کی تیز رفتاری ہو وہ پیش قدمی کرتا ہی جا رہا تھا کہ سعادت خاں اور محمد امین خاں مع حیدر خاں کے جن کو بادشاہ کی زندگی کا خطرہ ہو گیا تھا فوراً دشمن کی صفیں چیر کر حرم سرا کے پاس پہنچے اور دروازہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بادشاہ کو بلایا تاکہ وہ فوجوں کو اپنا چہرہ دکھا دے لیکن بادشاہ اپنی والدہ کو پکڑے ہوئے تھا اور متعدد عورتیں بادشاہ کو گھیرے ہوئے تھیں۔ سعادت خاں کو صورت حال کی نزاکت کا احساس تھا اس نے آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بہادری دکھلائی اور حرم سرا میں داخل ہو گیا اور بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا وہ باہر نکل کر اپنے ان سپاہیوں کو اپنا چہرہ دکھلا دے جو خون کا آخری قطرہ بہا دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بادشاہ کو عورتوں سے الگ کیا اور محمد امین خاں کے پاس لے آیا محمد امین خاں نے بادشاہ کو ہاتھی پر سوار کیا اور خود اس کی حفاظت کے لئے پیچھے بیٹھ گیا۔

بادشاہ کے محافظوں اور دوسرے دستوں کے لئے یہ رسم بن چکی ہے کہ وہ شاہی محل سرا کے پھاٹک کے سامنے سویرے سے جمع ہوں چنانچہ وہ وقت سے پہلے ادھر روانہ ہو گئے اور دیگر مغل سپاہی سعادت خاں کے پاس اور کچھ سپاہی محمد امین خاں کے پاس جانے لگے اتنے میں بادشاہ معزز لوگوں کے ہجوم میں گھرا ہوا نمودار ہوا۔ اب بھی خطرہ دور نہیں ہوا تھا لیکن حیدر علی خاں بے عد چوکس تھا۔ وہ اپنی خوش کلامی اور فیاضی سے سپاہیوں کو جوش دلا رہا تھا غیرت خاں کی

پیش قدمی کی خبر سنتے ہی وہ ایک دم سے بادشاہ کے حضور میں پہنچ گیا۔ غیرت خاں کی فوج منظم نہیں تھی۔ وہ غیر منظم فوج کو لئے بڑھا جا رہا تھا لیکن حیدر قلی کی رفتار تیز نہ تھی وہ آہستہ آہستہ کثیر فوج کے ساتھ میدان کارزار میں آرہا تھا اس کے بعد وہ خود ہراول میں آگیا رزم گاہ گرم ہوگئی تھی اور فضا میں روز حشر کی سی گرمی تھی۔ غیرت خاں جس کے پاس بھوکے شیر تھے انتقام لینے کی غرض سے بے صبری کی آگ میں بجھا جا رہا تھا۔ اسے دم لینے کی بھی مہلت نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی سے قطعی بے پرواہ ہوگیا تھا۔ اس کو اپنی زندگی اب ذرا بھی عزیز نہ تھی وہ اپنے چچا کی زندگی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو بادشاہ امین خاں اور حیدر قلی خاں کے خون سے اس کی تلوار سرخ ہو جائے۔ توپوں کی باڑھ سے فضا کانپ رہی تھی اور گولے اس طرح گر رہے تھے جیسے اولے پڑ رہے ہوں۔ طرفین میں ایسے گھمسان کا رن پڑا تھا کہ ہچکیوں، کراہوں اور سسکیوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وقت جوں جوں گزرتا تھا بادشاہ کی فوج چاروں طرف سے آکر جمع ہوتی جاتی تھی۔ غیرت خاں کی فوج بھی مارنے مرنے پر تل گئی تھی رزم گاہ میں صرف سر ہی سر نظر آرہے تھے گولے اور بارود کے بجائے اب دست بدست جنگ ہونے لگی۔ پلک جھپکتے ہی غیرت خاں حیدر علی خاں کے اتنے قریب آگیا کہ اس نے اتنے زور سے تیر مارا کہ حیدر قلی خاں کے سپر میں پیوست ہوگیا اور جس کو بڑی مشکل سے نکالا گیا یہ دیکھتے ہی سعادت خاں اور قمر الدین خاں فوراً حیدر قلی خاں کی مدد کو دوڑے۔ بادشاہ بھی تیروں کی بارش کرنے لگا۔ ادھر طرفین ایک دوسرے کی تباہی کے درپے تھے اور دوسری طرف قزاق اور لٹیرے موقع دیکھ کر حسین علی خاں کے خیموں پر گر پڑے اور ان میں آگ لگا دی اور کروروں کی تعداد میں زر و مال لوٹ لئے۔

خان دوراں کی آمد

اس نازک وقت میں خان دوراں بادشاہ کی مدد کو پہنچا۔ دو زخموں سے غیرت خاں ویسے ہی کمزور ہوگیا تھا۔ اب تیسرے زخم نے اس کو اور نڈھال بنا دیا۔ ایک خواص نے جو حیدر علی خاں کے ہاتھی پر اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ غیرت خاں پر گولی کا ایک نشانہ کیا اور نوجوان سید راہئ ملک عدم آباد ہوا! اس عرصہ میں امیر الامرا کا خزانہ وغیرہ لوٹا گیا اور جو کچھ بچ رہا تھا اسے شاہی خزانہ میں داخل کر دیا گیا۔

فتح و نصرت کے بعد حیدر قلی خاں نے حسین علی خاں کے دیوان محکم سنگھ کو بادشاہ کی طرف سے حفظِ جان و عزت کا پیغام دیا اور اس کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بادشاہ کے حضور میں آکر سجدہ

ریز ہوا۔ بادشاہ نے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے اور منصب شش ہزاری پر سرفراز کیا اعتماد الدولہ کی طرف سے رتن چند کو بھی مکرر پیغام بھیجا گیا۔ لیکن چونکہ اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا چنانچہ اس نے ایک تسقہ متضمن ماجرا قطب الملک کے نام لکھ کر ستر سوار کے ہاتھ روانہ کیا اور خود پالکی میں بیٹھ کر جلد از جلد اپنے گھر کو چلا گیا لیکن راستے ہی میں کچھ مغل اور لچے جو اس کے مظالم سے تنگ آگئے تھے راہ میں حائل ہو گئے۔ انہوں نے مل کر رتن چند کو پالکی سے اتارا، خوب زدوکوب کیا اور پھر اس کو برہنہ کر کے گھسیٹتے ہوئے محمد امین خاں کے پاس لے آئے۔ امین خاں نے فوراً اس کی ستر پوشی کرائی اور ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا کر قید میں بھیج دیا۔ رائے سروند اس جو قطب الملک کا وکیل تھا خوش قسمت ثابت ہوا۔ اس نے صورت حال کو جب نازک پایا، فوراً داڑھی مونچھیں منڈوا دیں لباس تبدیل کیا اور چوروں کی طرح اپنے خیمہ میں جا کر مال وزر اور ہیرے جواہرات اور نقد اور جنس ہمراہ لیے قابل اعتماد دوست کے پاس پہنچ گیا۔ دوست نے اس کی مدد کی آخرکار چند روز کے بعد وہ چھپ چھپا کر عبداللہ خاں کے پاس آگیا۔ میر علی خاں خدمت گار مقرب حسین علی خاں جو صاحب خیل اور داروغہ داغ تصحیحہ اور لڑائی کے دن غیرت خاں کا رفیق ہوا تھا دو تین دن تو تاخت وتاراج کی بلاؤں سے محفوظ رہا لیکن آخرکار اس کے مال وآبرو دونوں لوٹے گئے اور قید کر لیا گیا۔ میر مشرف جس نے تہوری اور شجاعت کے کارنامے انجام دیئے تھے اس کو منصب اور زر و مال کا لالچ دیا گیا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور ایک عرصہ تک اپنے گھر میں خاموش زندگی گزارتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن بادشاہ نے خود اپنی مرضی سے اس کو بلا بھیجا اور اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔

محمد امین خاں کے حکم سے حسین علی خاں، نور الدین علی خاں اور غیرت خاں کے جنازوں کو عوام کی لعنت ملامت سے بچانے کے لئے زربافت میں لپٹا گیا اور اس کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی۔ جنازے کے پاس آ کر محمد امین خاں نے ان کو داد شجاعت دیکر ان سے اظہار عقیدت کرتے ہوئے فرمایا۔

"یارو یہ تین جگر دار شیر ہیں جو سوئے ہوئے ہیں"

اس کے بعد اسی کے حکم سے جنازے اجمیر بھیجے گئے جہاں اس خاندان کا بانی عبداللہ خاں عرف میاں خاں دفن ہے۔

جنازہ آرائی سے غرض صرف اتنی سی تھی کہ راستے میں رہزن اور لٹیرے لوٹ نہ لیں

محمد امین خاں کو نہ جانے کیوں خوف تھا کہ عوام ان تینوں شہیدوں سے سخت متنفر ہیں لیکن یہ جنازے جدھر سے بھی گزرے لوگوں نے جوق در جوق اظہار عقیدت کیا اور احترام سے پیش آئے اور اسی شان و احترام کے ساتھ آخر یہ جنازے اجمیر پہنچے اور دفن ہوئے۔

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست ∴ ز دنیا وفاداری امید نیست
نہ بر باد رفتی سحرگاہ و شام ∴ سریر سلیمان علیہ السلام
در آخر ندیدی کہ بر باد رفت ∴ خنک آنکہ با دانش و داد رفت

امیر الامرا کا کردار

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حسین علی خاں کا کردار داد و دہش کے صفات سے معمور ہے۔ متصدقہ توزکوں اور دستاویزات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فرخ سیر اور امیر الامرا کے درمیان جو کچھ ہوا وہ بدرجہ لاچاری سرزد ہوا دنیا میں کون ایسا شخص ہے جس کو اپنی جان و آبرو عزیز نہیں؟ اب تک یہ نہیں سنا گیا کہ کسی نے اپنی جان و آبرو کی پروا نہیں کی اور ان کے تحفظ کے لئے جنگ نہ کی ہو ہم تو یہاں تک کہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کم ہی لوگ ایسے ہیں جنھوں نے خدا اور رسول کی خاطر اپنی جان و آبرو قربان کر دی ہو۔ حالانکہ یہ حقیقت سبھوں پر روشن ہے کہ اس کارنیک کے لئے دوسری دنیا میں مسرت و شادمانی اور شان و شوکت اور دوسرے تحفے ملیں گے نیک کام کا بدلہ دنیا میں بہت کم ملا ہے۔ قطب الملک اور امیر الامرا نے فرخ سیر کے لئے جو قربانیاں دیں اور اس کی سلطنت کے لئے اس نے جتنا بھی خون بہایا لیکن ان کو سوائے اس کے کیا ملا کہ وہ ہمیشہ میر جملہ اور اعتقاد خاں جیسے شرپسندوں کے ہدف لعنت بنے رہے۔

اسد اللہ خاں معروف بہ نواب اولیا جو حسین علی خاں کی پھوپی کا لڑکا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور حالات سے متنفر ہو کر خانۂ خدا کی زیارت کو نکل گیا۔ غلام علی خاں جس نے بادشاہ کو قصر سلیم گڈھ سے لانے کا اعزاز حاصل کیا تھا اور اس لئے اس کے مال و آبرو محفوظ تھے یکایک موقع پاکر عبداللہ خاں کے پاس چلا گیا۔ نصرت یار خاں نے جو سادات میں سے تھا اور عبداللہ سے دل میں غبار رکھتا تھا اور حسین علی خاں کے لشکر میں آتا جاتا تھا جب تین کوس کے فاصلے پر امیر الامرا کی موت کی خبر سنی تو اس نے خان دوراں کو جس سے اس کو محبت تھی اپنی آمد کی اطلاع دی۔ خانِ دوراں نے اس کو بلا کر اپنے ہمراہ بادشاہ کے حضور میں پہنچایا۔ کورنش بجا لانے کے بعد بادشاہ نے اس کو دو ہزاری کا اضافہ کر کے پنج ہزاری کے عہدہ پر فائز کیا۔ اعتماد الدولہ محمد امین خاں کو

ہشت ہزاری ہشت ہزار سوار عنایت ہوا اور ڈیڑھ کروڑ دام انعام اور خدمت وزارت معہ لقب وزیر الممالک بہادر ظفر جنگ کے مرحمت فرمایا اور خاں دوراں کو خدمت میر بخشی کے علاوہ منصب ہشت ہزاری اور خطاب امیر الامرا کا بھی ملا۔ قمر الدین خاں ولد محمد امین خاں کو بخشی دوم اور داروغہ غسلخانہ اور صاحب خدمات مقرر کیا اور اضافہ ہزاری سے منصب ہفت ہزاری دیا گیا۔ حیدر قلی خاں نے منصب ہفت ہزاری اور شش ہزار سوار دو اور ایک اسپ پاکر ناصر جنگ کا خطاب پایا۔ سعادت خاں پنج ہزاری ہوا اور خطاب بہادری اور عطائے نقارہ سے معزز ہوا۔ ظفر خاں کو بھی شاہی عنایات سے نوازا گیا۔ غرض کہ بادشاہ کے جو بھی نئے اور پرانے احباب تھے ان کو فراموش نہیں کیا گیا۔ سبھوں کو کسی نہ کسی اعزاز اور منصب سے نوازا گیا۔

سید عبداللہ خاں شاہجہاں آباد سے چالیس کوس نکل گیا تھا کہ اس کو رتن چند کا نوشتہ ملا جس میں خبر بد سنائی گئی تھی — یہ وہ خبر تھی جس نے اس کے روز روشن کو اندھیرے میں بدل دیا اس کی آنکھوں کی بصارت چھین لی اور خود اس کا وجود اس کے لئے گراں ہو گیا۔ اشک بار آنکھوں اور دل میں رنج و غم کا بارے کر شاہجہاں آباد کو لوٹا۔ اس کے بعد احباب نے اس کو روکا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ چونکہ اطراف کی فوجیں اب تک بادشاہ تک نہیں پہنچی ہیں اور حسین علی خاں کا ہزاروں لشکر بھی اس کے ساتھ شامل نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا اکبر آباد پہنچ کر فوراً بادشاہ پر حملہ آور ہونا چاہیئے۔ لیکن عبداللہ کو یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ چنانچہ اس لئے کہا:-

"مٹھی بھر فوج اور پست حوصلگی سے لڑ کر کامیابی نہیں ہو سکتی خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ بادشاہ امرا اور سپہ سالاروں میں گھرا ہوا ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھکو یقین ہے کہ مقابلہ یکطرفہ ہو گا البتہ مقابلہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر ہمارے ساتھ نسل عالمگیری کا کوئی شاہزادہ ہو جس کو دیکھ کر بادشاہ کے حواریوں کی آنکھیں خیرہ ہوں اور ان کے دل اس طرف کھنچ آئیں اور پھر وہ نئے شہزادہ کے لئے زیادہ سے زیادہ سپاہی اور توپ خانے اکھٹا کر سکیں۔"

عبداللہ خاں کا یہ مشورہ سبھوں کو پسند آیا اور پھر سب دار الخلافہ کی طرف چل پڑے۔

جوں ہی انقلاب کی خبر قرب و جوار میں پہنچی وہاں کے کاشتکار مفسدوں، رہزنوں اور شرپسندوں سے مل گئے اور لوٹ مار مچانے لگے۔ انھوں نے وہ سارے اسباب جو سپاہ و خیمہ کے پیچھے تھے لوٹ لئے۔ ہرچند ان پر لعنت ملامت بھیجی گئی اور ان کی اس مذموم حرکت کو برا بھلا کہا

گیا مگر وہ باز نہ آئے۔

ایک دن کی بات ہے کہ عبداللہ خاں کے خیمے کے نزدیک اور خود اس کی آنکھوں کے سامنے ہمراہیانِ خیمہ میں سے ایک جماعت دار کو قتل کیا گیا۔ دوسرے روز ایک کارواں شاہجہاں آباد کا جس میں حسین علی خاں کا بھی اسباب تھا لوٹ لیا گیا۔ یہ واقعہ عبداللہ خاں کے خیمہ سے صرف دو کوس کے فاصلہ پر نمودار ہوا اس کے علاوہ زمینداروں نے دونوں بھائیوں کی ساری زمینوں اور جاگیروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے قبضہ میں محصول وغیرہ بھی تھے۔ بعد میں خود انھوں نے اعلان کیا کہ آخر ہم یہ ساری چیزیں کس کے حوالے کریں۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر قطب الملک عبداللہ خاں نے شجاعت اللہ خاں کو مع مرتضیٰ خاں کے اس غرض سے شاہجہاں آباد بھیجا کہ وہ کسی شاہزادہ کو اپنے ساتھ لے کر آئیں نیز اس نے اپنے چھوٹے بھائی نجم الدین علی خاں صوبہ دار شاہجہاں آباد کو تحریر کیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سپاہی اور سامان جنگ مہیا کرے۔

قطب الملک کی تحریر ۸ رذی الحجہ کی شام کو پہنچ گئی۔ چونکہ پہلے ہی سے اس قسم کی افواہ اڑنے لگی تھی لہٰذا صوبہ دار نجم الدین علی خاں نے کوتوال شہر کے ساتھ کئی مسلح افراد کو محمد امین خاں کے محل پر قبضہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ رات بھر یہ لوگ محل کا محاصرہ کئے رہے اور محل کے مکین دفاع کی تیاری میں مصروف ہو گئے لیکن صبح سویرے نجم الدین نے یا تو خود سے۔ یا عبداللہ خاں کا حکم پاکر کوتوال کو واپس بلالیا۔ اس کی توجہ دیگر امور کی طرف مبذول ہوگئی کیونکہ دو دن کے بعد یعنی ۱۰ رذی الحجہ کو جو یوم قربانی ہے وہ متعدد لوگوں کے ہمراہ عیدگاہ میں عبادت خدا کے لئے نکل پڑا۔ واپسی میں وہ سیدھے محل میں آیا جہاں شہزادوں پر کڑی نگرانی رکھی گئی تھی۔ اس کے ساتھ عبداللہ خاں کے دونوں بیابر بھی تھے۔ ان ہی کو لے کر وہ محل کے اس کمرے میں گئے جہاں پر معزالدین جہاندار شاہ کے دو شہزادے رہتے تھے۔ ان کو نجم الدین نے اپنے ساتھ لے جانا چاہا مگر چونکہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ درخواست کس کی طرف سے کی گئی ہے اس لئے انھوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ نیکو سیر پر تو ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ وہاں سے چپکے سے نکل گیا اور چھپ گیا۔ جب ادھر سے مایوسی ہوئی تو وہ نوجوان شہزادے سلطان ابراہیم ولد رفیع القدر و نبیرہ بہادر شاہ کے پاس آئے۔

سلطان ابراہیم کی تخت نشینی

اس شہزادے کو جب کسی طرح رضامند کر لیا تو اس

محل سے نکال کر دوسرے روز اس کا لقب ابوالفتح ظہیر الدین محمد ابراہیم رکھا گیا اور اس کی تخت نشینی کی خبر مشتہر کردی گئی۔

قطب الملک عبداللہ خاں دو روز بعد پہنچ کر نئے بادشاہ کے سامنے کورنش بجالایا اور اس کے حکم سے غازی الدین خاں کو اول بخشی کا منصب اور ہفت ہزاری اور لقب امیر الامرا کا ملا نجم الدین خاں کو بخشی دوم، صلابت خاں کو بخشی سوئم اور بیرم خاں کو بخشی چہارم کے منصب سے سرفراز کیا۔ اعزہ واقربا اور دوست احباب کو بھی اعزاز ملے۔ اس کے بعد قطب الملک نے اپنی توجہ ان قدیم امرا کی طرف مبذول کی جو کبھی رفیع الدرجات کے دربار میں معزز عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن اب نہ ان کے پاس کوئی عہدہ تھا اور نہ اعزاز۔ وہ اپنے گھروں میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان امرا کا شاندار استقبال کیا گیا، معزز منصب عطا کئے گئے اور ہر ایک کو ایک لاکھ سے پچاس ہزار روپے دیئے اکثروں کو اسی روپیہ ماہانہ پر رسالہ بھرتی کرنے کا حکم ہوا۔ نظام الملک کے چچا حامد خاں کو ان جاگیروں کے علاوہ جو اس کے پاس پہلے سے تھیں نئی جاگیر معہ کثیر رقم کے ملی۔ بعض امرائے فرخ سیر مثلاً اعتقاد خاں، شائستہ خاں سیف خاں، اسلام خاں اور صفی خاں وغیرہ جو وظیفہ پاتے تھے لیکن اب وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے اور اپنی قسمت پر قانع تھے ان کو طلب کیا گیا اور اس شرط پر ان کو اعزاز واکرام دینے کا وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ نئے بادشاہ کی رفاقت قبول کریں۔ لیکن اسلام خاں، محمد یار خاں اور صفی خاں نے صورت حال کو ناسازگار پاکر معذرت چاہی اور ناسازئ طبع کا بہانہ بنا کر اعزاز واکرام اور منصب وعہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اعتقاد خاں اور سیف خاں ان تجاویز پر رضامند ہو گئے اور اپنی ضروریات کے لئے کچھ رقم چاہی حالانکہ ان کا ارادہ نیک نہیں نظر آرہا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں امرا نیز اور لوگ جو منصب داران والاشاہی تھے ایک دو منزل طے کرکے اپنے گھروں کو لوٹ گئے لیکن وہ منصب دار جو کم حیثیت والے تھے یعنی پنج صدی تا یک ہزاری زیادہ مخلص ثابت ہوئے لہٰذا ان کو ان کی استعداد کی بناپر ترجیح دی گئی تھی ملازمان قدیم جن کو پچاس روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اب ان کی تنخواہ اسی روپے ماہوار تھی۔ پرانے سپاہیوں کو ترجیح دیئے بغیر جب اس طرح نئے سپاہی بھرتی کئے جانے لگے تو ان میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور ان کے اندر ایک طرح کی بے چینی پھیل گئی۔ چونکہ حالات کا تقاضہ کچھ اور تھا اس لئے جو بھی سواری کے ساتھ آیا اس کا نام درج فہرست کر لیا گیا نسل اور فرقہ کی قطعاً چھان بین

نہ کی گئی اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ غرض کہ اس طرح تھوڑے عرصہ میں تقریباً ایک کروڑ روپیہ کے خرچ سے سرکار قطب الملک میں نوے ہزار سوار ملازم ہو گئے۔

تاجپوشی کے پانچ روز کے بعد یعنی ۶ ار ذالحجہ سن مذکور کو عبداللہ خاں سلطان ابراہیم کو ہمراہ لے کر بڑے کروفر اور تجمل کے ساتھ جو اس وقت میسر آسکتا تھا شاہجہاں آباد آیا اور پھر وہاں سے عیدگاہ گیا اور وہیں اس نے قیام کیا۔ یہاں شاہی فوج کے بہت سارے لوگ کٹ کر قطب الملک کی فوج میں شامل ہو گئے تھے ان میں غلام علی خاں اور تہور علی خاں لشکر محمد شاہ اکبرآباد سے آکر عبداللہ خاں کی سپاہ سے ملحق ہوا۔ اس شخص کو مع نجابت علی خاں کے جو کہ قطب الملک کا بھتیجا اور متبنیٰ تھا اور جس کی عمر صرف چودہ سال تھی قلعہ شاہجہاں آباد کے بندوبست کے لئے رخصت کیا۔ پہلی خبر کے مطابق کہ محمد شاہ راجپوتانہ کی راہ سے آرہا ہے قطب الملک نے خواجہ قطب الدین کے مزار کے پاس قیام کیا لیکن جب یہ خبر ملی کہ محمد شاہ اکبرآباد کی سمت سے آرہا ہے لہٰذا وہ فریدپور میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں اس نے اس امید میں کچھ روز قیام کیا کہ اس کے چھوٹے بھائی سیف الدین علی خاں اور سید محمد خاں مع دیگر رؤسائے بارہہ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اس مختصر قیام سے اس کو فائدہ ہی پہنچا کیونکہ ہر روز فوج کا ایک دستہ آکر شامل ہو جاتا۔ اس کے علاوہ بہادر افغان اور بہت سارے زمیندار بھی اس سے آملے۔ علی ہذالقیاس حسین علی خاں کے سپاہی بھی جو محمد شاہ کے نوکر ہو گئے تھے ایک ماہ کی تنخواہ لے کر نکل جاتے اور بیک وقت سیکڑوں کی تعداد گھوڑے پر سوار اور مسلح عبداللہ خاں کے پاس آجاتے اس طرح عبداللہ خاں نے قوت پکڑ کر بلوں کی طرف پیش قدمی کر دی۔ یہیں اس کے بھائی سیف الدین علی خاں اور سید محمد مع دیگر سرداروں اور افواج بارہہ کے جن کی تعداد دس بارہ ہزار سوار ہو گی مدد کو آپہنچے ہر سپاہی اپنے آپ کو رستم و افراسیاب سے کمتر نہ سمجھتا تھا۔ ساری فوجیں عبداللہ خاں کے ہاتھی کا حلقہ باندھ کر کھڑی ہو گئیں سبھوں کی رگوں میں خون جوش مار رہا تھا اور ہر سپاہی اپنے آقا کے کام آنے کے لئے سر کو ہتھیلی پر لئے حکم کا منتظر تھا۔

قطب الملک کے پاس چورامن کی آمد

اسی اثنا میں چورامن راجپوت ولد بیدن سنگھ جو اکبرآباد کا طاقتور زمیندار تھا قطب الملک کے پاس آیا۔ وہ اپنے ساتھ چند زنجیر فیل اور اونٹ لے آیا۔

تھا۔ اس کی آمد کے فوراً بعد حسین علی خاں کا سابق دیوان راجہ محکم سنگھ بھی پہنچ گیا یہ وہی شخص ہے جس کو محمد شاہ اپنے ساتھ ملانے کی حتی الامکان کوشش کر رہا تھا لیکن وہ محمد شاہ کے قریب نہ آسکا اور بھاری تعداد میں تازہ دم فوج معہ جری سرداروں کے عبداللہ خاں سے آملا عبداللہ خاں کے پاس اب تو لشکر جرار کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کا جگر کانپ اٹھا اور ان کی ٹھوکر سے گرد یوں اڑتی تھی جیسے بادل چوکڑیاں بھر رہے ہوں

طرفین کی فوجیں ایک دوسرے کے اتنے قریب پہنچ گئیں کہ محمد شاہ شاہ پور میں خیمہ زن ہوا۔ دونوں لشکر کا فاصلہ بہت کم رہ گیا۔ محمد شاہ یہاں رک گیا اور عبدالصمد خاں صوبہ دار ملتان اور راجہ دھیراج جے سنگھ کا انتظار کرنے لگا جواب تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ شاید سڑکوں کی خرابی یا دیگر اسباب کی بنا پر تاخیر ہو رہی تھی۔ محرم کی نویں تاریخ تھی محمد خاں بنگش تین ہزار سوار کے ساتھ اور غیرت خاں روہیلہ اور بایزید خاں میواتی کوے کر بادشاہ کے حضور میں آیا اس عرصہ میں راجہ جیبی سنگھ سوائی کے چار ہزار سوار بھی فوج شاہی میں شامل ہو گئے۔

محمد شاہ اور قطب الملک میں جنگ

طرفین کی فوجوں میں جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں ایک بار تو ایسا محسوس ہوا کہ چورامن عبداللہ خاں کی ہدایت پاکر شاہی بارود خانہ میں آگ لگانا چاہتا تھا کہ حیدر قلی میر آتش کی ہوشیاری سے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

محرم کی دس تاریخ تھی طرفین نے اپنے سپاہیوں کو منظم و مرتب کرنا شروع کیا۔ حیدر قلی خاں کو جس نے چورامن کے حملے کو ناکام بنا دیا تھا محمد شاہ کی طرف سے لشکر ہراول مقرر کیا گیا۔ سعادت خاں بہادر اور محمد خاں بنگش داہنی طرف، خان دوراں، نصرت یار خاں اور ثابت خاں معہ دیگر سرداروں کے بائیں طرف مقرر ہوئے۔ اعظم خاں کو سردارانِ جنگ آزمودہ کے درمیان میں رکھا گیا۔ اعتمادالدولہ محمد امین خاں کو مع ہادی خاں، قمرالدین خاں، عظیم اللہ خاں اور طالع یار خاں وغیرہ کے التمش پر رکھا گیا اور شیر افگن خاں اور تربیت خاں حضور خاص میں رہے۔ میر جملہ عنایت اللہ خاں، ظفر خاں، اخلاص خاں اور راجہ گوپال سنگھ بھدوریہ وغیرہ میمنہ اور میسرہ کے محافظ ہوئے۔ اسد علی خاں، سیف اللہ خاں، حامد خاں، امین الدین خاں مع فوج راجہ دھیراج یہ برانغار وجوانغار کی مدد پر آگئے اور خدمت محل سرا پر مامور ہوئے فیلانِ کوہ شکوہ کو سامنے لے کر توپ خانے کے عقب میں رکھا گیا۔

قطب الملک حسن پور پہنچنے کے بعد ۱۲ محرم کو لشکر کی ترتیب میں مصروف ہوا اس نے دشمن کے خیمہ سے تین کوس کے فاصلہ پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ سرداران بارہہ جو اپنی خوئے رعونت انگیز کے باعث کسی کے مطیع و فرماں بردار نہیں تھے اس لئے کئی بار وہ منظم ہوئے اور کئی بار برہم ہوئے بہرحال نجم الدین علی خاں، سیف الدین علی خاں، غالب جنگ بہادر، غازی الدین خاں اور مظفر خاں وغیرہ بارہہ ہراول پر مقرر ہوئے اور چاند خاں، سیف خاں، بہرام خاں، نعمت اللہ خاں، امیر خاں، سید صلابت خاں، عبدالغنی خاں، اخلاص خاں افغان، عمر خاں روہیلہ، دیندار خاں، عبدالقدیر خاں، صبغۃ اللہ خاں، غلام محی الدین خاں، دلیر خاں، شجاع خاں بلوچ اور عبداللہ خاں ترین وغیرہ جو سب کے سب زمیندار تھے اور ہاتھی پر سوار تھے میمنہ و میسرہ کے محافظ ہوئے۔ ابوالحسن خاں بخشی سائر اور سید علی خاں بخشی رسالہ اور رہیرامن بخشی مردم بارہہ مع پچیس ہزار سوار کے ہمرکاب قطب الملک کے سوار ہوئے۔ ساری فوجوں نے منظم و مرتب ہو کر اس طرح ۱۳ محرم کی رات گزاری اس رات کو حسین علی خاں کا سابق دیوان راجہ محکم سنگھ جس پر محمد شاہ کی نگاہ خاص تھی اور اس لطف و کرم کا نتیجہ تھا کہ اس کو پنج ہزاری بنا دیا تھا۔ موقع پا کر عبداللہ خاں کے پاس آٹھ ہزار سوار سمیت آیا۔ اس کے ساتھ خداداد مرزا اور خان مرزا جیسے دو مقتدر سردار بھی تھے۔

جنگ شاہ پور کا آغاز

ادھر مشرق سے چہرہ آفتاب نظر آیا اور ادھر دہل پر چاپ پڑنے لگی اور تین بار یہ اعلان ہوا۔ الجرأۃ خیر من الجبن (بزدلی سے بہادری کہیں بہتر ہے) اور طرفین کے ہراول دستے نے ایک دوسرے کو سلام کہا اس کے بعد تیر و کمان نے پیغام اجل پہنچانا شروع کیا۔ بادشاہ نے ہاتھی پر سوار ہو کر حکم دیا کہ رتن چند کا سر کاٹ کر اس کے ہاتھی کے پاؤں میں باندھ دیا جائے۔ فوج دریا موج نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ توپ خانے نے دھواڑا کر فضا کو گرد آلود کر دیا۔ کرنا اور کوس کی گرجدار آوازیں کوسوں تک پہنچنے لگیں۔ امن و امان کا جگر توپوں کی باڑھ سے چھلنی ہو رہا تھا۔ توپیں ایک ساتھ اس طرح گرجتی تھیں کہ رعد کا کلیجہ بھی پاش پاش ہو جاتا تھا۔ آگ کا دہانہ کھلا ہوا تھا جسے دیکھ کر جاں فروش سپاہی بھی ڈر سے آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ غرور اور تمکنت کے سر جھک گئے تھے توپوں کے دھماکے سے شہاب ثاقب کی بھی جان جاتی تھی۔ اور یہ سب کچھ حیدر قلی خاں جیسے جری اور دلیر سپاہی کی نگرانی میں ہو رہا تھا جس کی آتش افروزی میں ید بیضا کی کرامات روشن تھی۔ لیکن توپوں کی گرج اور تیروں کی بوچھاڑ سے مخالف

سمت کے سپاہیوں کے دل نہیں ہلے۔ کیونکہ ادھر بھی ہزاروں سپاہی جن کے سینے میں ہزاروں اژدروں کے دل تھے نڈر اور بے خوف ہو کر اس دوزخ میں کود پڑے جو صرف آگ اور موت اگلتی ہے۔ ہزاروں موت کے گھاٹ اترتے تو لاکھوں صفیں چیر کر آگے آجاتے۔

محمد شاہ کا توپ خانہ سرد ہو رہا تھا اور سپاہیوں کے قدم اکھڑنے والے تھے کہ نجم الدین علی خاں نے دس بارہ ہزار سوار اور توپ خانہ برق آثار سے درختوں کی قطاروں کے نیچے جاکر ایسی آتش باری کی کہ طائر خیال کے بھی پر جلنے لگے۔ اگر اس کا مقصد میدان جنگ کو اپنے ہاتھ میں لینے کا تھا تو وہ اپنے مقصد پر پورا اتر چکا تھا کیونکہ اس نے فوج شاہی پر ایسی آگ برسائی کہ عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ بہادران نامی گرامی کے رخساروں کی سرخیاں اڑ گئیں بے شرم و بے حیاؤں نے راہ فرار اختیار کی۔ وہ اتنے حواس باختہ ہوئے کہ دست و پا میں تمیز کرنا بھی بھول گئے۔ ان کی صفیں منتشر ہو گئیں اور وہ بھاگ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر نصرت خاں اور ثابت خاں وغیرہ مع دیگر بہادروں کے ہراول پر آئے اور نجم الدین علی خاں کے مورچہ میں شرر افشانی سے آگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مورچہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ توپوں کے دھماکوں سے نجم الدین علی خاں اور اس کے ہمراہیوں کے دل دہل گئے انہوں نے مخالفین کو آگ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔

چونکہ جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اور آفتاب غروب ہو چکا تھا اس لئے قطب الملک عبداللہ خاں نے حکم دیا کہ فوراً ایک خیمہ نصب کیا جائے۔ نقصان کا اندازہ کر کے وہ سسکیاں بھرنے لگا اور جب اسے محسوس ہوا کہ اس دنیا میں اس کے لئے آسائش نہیں ہے تو اس نے خیمہ کو اکھاڑ دینے کا حکم دیا۔

جب ذرا اندھیرا ہوا حیدر قلی خاں نے جو شاہی لشکر کا ہراول تھا توپ خانے کو آگے بڑھانے کی سعی کی۔ وہ گولہ باری کرتے کرتے آگے بڑھتا جاتا یہاں تک کہ ایک مناسب جگہ پر رک کر رات بھر اس نے ایسی مسلسل گولہ باری کی کہ مخالف سمت کے ان گنت سپاہی ہلاک اور مجروح ہوئے۔ توپوں کے ایسے شدید دھاکے کا مقابلہ شیر دل بھی نہ کر سکتا تھا قطب الملک کے سپاہی بالکل خاموش رہے۔ جب گولوں کی شدت کی تاب نہ لا سکے تو خیمہ سے کچھ دور پیچھے چلے گئے۔ وہ سردار اور سپاہی جنہوں نے دن کی روشنی میں اپنی بہادری اور شجاعت کا سکہ دشمنوں پر بھی بٹھا دیا تھا وہ اب بڑی بے حیائی سے راہ فرار ڈھونڈ رہے تھے۔ لیکن خیمہ کے

مسلح محافظوں نے ان کو بھاگنے سے روک دیا۔

صبح ہوتے ہی جب ایک گولہ آکر راجہ محکم سنگھ کے ہاتھی پر لگا تو وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر اس تیزی سے بھاگا کہ بہت دیر تک اس کی موت وزیست کی خبر کسی کو معلوم نہ ہو سکی اب اجالا پھیل چکا تھا۔ محرم کی ۱۴ تاریخ تھی، پندرہ سولہ ہزار سوار منجملہ ایک لاکھ سوار کے جو ساری رات توپوں کی دھمک سن کر جاگتے رہے تھے ان کے حلق میں نہ اب تک ایک دانہ گیا تھا اور نہ ان کی پیاسی زبانوں کو ایک قطرہ پانی ملا تھا پانی یہاں سے بہت دور اور وہ بھی جاٹوں کے قبضہ میں تھا لیکن ان میں ایسی تنظیم تھی اور آبرو کا اتنا پاس تھا کہ کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ ان میں زیادہ تر سادات بارہہ مثلاً غازی الدین، حامد خاں، سیف خاں، امیر خاں، روح اللہ خاں، نعمت اللہ خاں۔ بیرم خاں وغیرہ چند قدیم جماعت دار جیسے صبغتہ اللہ خاں اور شیخ ہٹیلا رہ گئے تھے۔

بادشاہ کا ہاتھی "شاہ پسند"

محمد شاہ کے لشکر میں بھی یہی جوش وخروش پایا جارہا تھا۔ بادشاہ اپنے ہاتھی "شاہ پسند" میں سوار ان تمام سرداروں اور سپاہیوں کی ہمت بندھارہا تھا جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے کہا جاتا ہے کہ وہ رات بھر اور پھر دوسرے دن ہاتھی پر بیٹھا رہا۔ صبح ہوئی تو دشمن پھر حرکت میں آگئے نجم الدین علی خاں آزمودہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر اس ارادے سے آگے بڑھا کہ یا تو فتح اس کے قدم چومے گی یا پھر وہ اس مہم میں تہس نہس ہو جائے گا۔ توپوں کے گولوں سے رات بھر جو تباہی مچی تھی اس کا انتقام لینے کے لئے اس نے ایسا خطرناک حملہ کیا کہ روز محشر کا منظر کھنچ گیا۔ حیدر قلی خاں اور خاں دوراں نے بھی اس کے وار کو روکا ان کی مدد کو لشکر جرار کے علاوہ نصرت یار خاں جس کا تعلق بھی سادات بارہہ سے تھا آیا چنانچہ اس کو نجم الدین علی خاں اور عبداللہ خاں کی جگر داری اور شجاعت پر ناز تھا۔ لیکن وہ تنہا ان کے مقابلے کو آگے بڑھا۔ مقابلہ بڑا سخت ہوا خون کی ندیاں بہہ گئیں طرفین کے جاں نگار وجری بہادر ایک دوسرے کے سینے میں اپنا خنجر پیوست کر کے دم لینا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کے خنجر خون کے فواروں میں نہا جائیں۔ دونوں طرف کے سپاہی اس طرح ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے جیسے گھڑیال تہہ آب سے نکل رہے ہوں یا پھر بھوکے شیر جنگل سے چنگھاڑتے ہوئے بڑھے آرہے ہوں۔ چاروں طرف شور وشیون کی ایسی جگر پاش صدائیں

بلند ہو رہی تھیں جیسے قیامت آگئی ہو۔ تمشیریں نیام سے یوں نکلتیں جیسے بجلی چمک جائے اور پھر ایک ایک وار میں نہ جانے کتنے سپاہی کھیت ہو جاتے اور کتنے خاندان کے چراغ بجھ جاتے۔

سعادت خاں نے جب یہ خطرناک منظر دیکھا تو وہ ہاتھی پر سوار بار بار ان جاں نثاروں کی مدد کو جاتا جو بادشاہ کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینا چاہتے تھے شیرافگن نے بھی بادشاہ کا حکم پاکر اس طرح کود کر خود کو کمند پیچاں اور نوک سناں سے الجھایا جیسے کوئی بھوکا شیر شکاری پر جھپٹ پڑے۔ جب شاہی فوج میں دم خم باقی نہ رہا تو درویش علی خاں داروغہ توپ خانہ، صمصام الدولہ عبدالغنی داروغہ توپ خانہ حیدر قلی خاں اور میارام منشی اور محمد جعفر نبیرہ حسین خاں نے چند دیگر آدمیوں کے ساتھ جاں نثاری کو آگے بڑھے نصرت علی خاں نے تیر کے دو زخم کھائے اور دوست علی خاں دوسرے ہمراہیوں سمیت زخمی ہوا۔

قطب الملک کی طرف سے شہامت خاں سردار نامی گرامی مع فتح یار خاں، تہور علی خاں عبدالقدیر خاں برادر قاضی میر بہادر شاہی اور عبدالغنی خاں ولد عبدالرحیم خاں عالمگیری، غلام محی الدین خاں، صبغتہ اللہ خاں عرف شیخا اور غلام علی خاں اور شجاع خاں ولد بلولی کے راہِ عدم آباد کو سدھارے اور ان کے ہمراہی بھی اس معرکہ میں جاں بحق ہوئے انھوں نے نہ صرف اپنی شجاعت وجوانمردی کے حیرت انگیز جوہر دکھائے بلکہ خوشی خوشی موت سے بغل گیر بھی ہوئے انھوں نے جام شہادت اس طرح نوش کیا جیسے جام شیریں ہو۔ زہرآب دراصل مئے نوشیں ثابت ہوا۔ ان کی تعداد کثیر تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا سارا سرمایا کشت وخون اور خون آشامی کے داؤ پر لگا دیا اور ان دیوالیوں کی طرح اس دنیائے آب وگل سے رخصت ہوئے جو اپنا سب کچھ ہار کر ابدیت کے غار میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ جری وجفاکش اور جگر دار نجم الدین علی خاں جنھوں نے موت اور کشت وخون سے بھری منڈی میں سب سے زیادہ بولی بولی تھی متعدد زخم کھا کر آخر ایک تیر کھا کر بے دست وپا ہو گیا۔ تیر اس کی ایک آنکھ میں پیوست ہو گیا اور بصارت چشم زدن میں ضائع ہو گئی۔ عبداللہ خاں کو یہ دیکھ کر اتنا دکھ ہوا کہ وہ فوراً اس کی مدد کے لئے آگے بڑھ گیا اس کے ساتھ تمام سادات بارہہ بھی تھے۔ نازک صورت حال سے جب سراسیمگی پھیل رہی تھی کہ چورامن نے جو عبداللہ خاں کا آزمودہ ساتھی تھا فوراً شاہ کی پچھلی صف پر حملہ کر دیا — اس حملہ سے چیخیں بلند ہوئیں اور غلغلہ شادر مچ گیا اس نے

شاہی توپ خانے کی ہزاروں بیل گاڑیوں اور ان اونٹوں پر قبضہ کر لیا جن پر اجناس رکھی ہوئی تھیں اس کے بعد وہ بڑھتا ہوا شاہی خیمہ تک آ گیا لیکن یہاں آتے ہی بادشاہ نے خود اس کو تیر کا نشانہ بنایا اور محمد امین خاں اور ہادی خاں بادشاہ کی مدد کو دوڑے عبداللہ خاں اپنے ہمراہیوں کی مدد کو آگے بڑھ رہا تھا کہ سعادت خاں، حیدر قلی خاں اور محمد خاں بنگش نے میمنہ و میسرہ پر حملہ کیا یہ دیکھ کر عبداللہ خاں ادھر مڑا اور برق رفتاری سے دوڑا لیکن اس کے ہمراہیوں پر حیدر قلی خاں مسلسل تیروں کی بارش کر رہا تھا تیروں کی اس بارش سے عبداللہ کے دو آزمودہ ساتھی شیخ ہٹیلا داروغۂ توپ خانہ اور سید علی خاں برادر ابوالمحسن خاں بخشی اللہ کو پیارے ہو گئے اس حملہ سے اگرچہ حیدر قلی خاں کی صفیں غیر منظم ہو گئی تھیں لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا اور جب خان دوراں اس کی مدد کو آ گیا تو اس نے ایسا بھیانک حملہ کیا کہ عبداللہ خاں کی حاضر دماغی بھی جاتی رہی اب تک وہ جتنی جنگیں لڑ چکا تھا یا جتنی جنگوں میں شامل ہو چکا تھا اس کی حاضر دماغی نے کبھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ خطرہ میں گھر کر بھی وہ ہاتھی کی پشت سے زمین پر آیا ہو اور عام سپاہیوں کے ساتھ لڑا ہو۔ وہ ہمیشہ چٹان کی طرح اپنی جگہ پر مستحکم رہا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ بھوکے شیر کی طرح شکار پر جھپٹنے کے لئے چوکس فنون جنگ کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ میدان اس کے ہاتھ رہے گا اور وہ فاتح بن کر میدان جنگ سے لوٹے گا۔ لیکن کچھ دیر بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ اس کی خوش بختی اندھیرے کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہے اور کامیابی کی امیدوں کا چراغ جھلملا رہا ہے چنانچہ وہ خود عالم مایوسی میں اپنے قول سے پھر گیا اور ہاتھی کی پشت سے کود کر نیچے آ گیا اور شمشیر اور سپر لے کر دست بدست جنگ کرنے لگا وہ بھول چکا تھا کہ اب تک تین ہزار سادات اس کے لئے مارنے مرنے کو تیار کھڑے ہیں وہ دیوانہ وار خون آشام تلوار سے دشمنوں کی گردنیں اڑا رہا تھا کہ اس کے زیادہ تر ہمراہیوں کو ایسا محسوس ہوا کہ عبداللہ خاں یا تو قتل ہو چکا ہے یا جنگ کرنے کے قابل نہیں رہا۔ ان کے دماغ میں یہ خیال آتا تھا کہ سب اپنے مراتب بھول کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔

قطب الملک عبداللہ خاں کی شکست

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ خاں ہاتھی کی پشت سے کودا بھی نہیں تھا کہ اس کا برادر زادہ سیف الدین علی خاں اس کے چند بہترین سپہ سالار فرار ہو گئے ان کے بعد اور

سپاہیوں نے بھی راہ فرار اختیار کی - بات خواہ کچھ بھی ہو عبداللہ خاں اکیلا ہونے کے باوجود اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح اٹل رہا - لیکن کب تک ! آخر کار چاروں طرف سے وہ دشمنوں کے محاصرہ میں آگیا اور اس کی شمشیر بھی تھک چکی تھی یکایک اس کی پیشانی پر ایک تیر آکر لگا اور پھر گردن اور ہاتھ زخمی ہوگئے وہ مضمحل ہو چکا تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گرفتار کر لیا گیا - اس اثنا میں اس کا چھوٹا بھائی نجم الدین علی خاں بھی اس کے قریب آگیا اور وہ بھی قید ہوگیا - دونوں کو قتل گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ حیدر قلی خاں نے دونوں کو قتل ہونے سے بچا لیا -

ان دونوں بہادروں کا انجام دیکھ کر لوگ اپنے جذبات سے بے قابو ہوگئے اور ان کے لبوں پر یہ اشعار آگئے -

من آنم کہ چوں حملہ آوردمی ∴ بر مریخ ازکف انگشتری بردمی
ولی چوں نہ کرد اخترم یاوری ∴ گرفتند گردم چوں انگشتری !
چہ یاری کند مغفر و جوشنم ∴ چو یاری نکرد اختر روشنم
کلید ظفر چوں بنا شد بدست ∴ بباز و در فتح نتواں شکست

حیدر قلی خاں دونوں زخمیوں کو ایک ہی ہاتھی پر بٹھا کر بادشاہ کے پاس لے آیا - بادشاہ چونکہ طبعیتاً نیک اور رحم دل تھا اس لئے اس نے ان پر ہمدردانہ نگاہ ڈالی اور پھر دونوں کو حیدر قلی کی حراست میں رکھنے کا حکم دیا -

اس کے بعد فتح و نصرت کے شادیانے بجے مفتوح سپاہیوں میں سے بہت سے تو بھاگ گئے اور کچھ فاتح سپاہیوں کے ساتھ مل گئے - غازی الدین خاں موقع غنیمت جان کر عبداللہ خاں کے خیمہ میں آیا اور اس کے مال و اسباب کو جو ابھی تک لوٹے نہیں گئے تھے سمیٹا اور ٹھیک اس وقت دہلی کی جانب بھاگا جب سپہ سالار اور سرداران نذرانے پیش کر رہے تھے اور فتح و کامرانی پر خدا کا شکر ادا کر کے ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے عبداللہ خاں کے خیمہ میں جو کچھ بچ رہا تھا وہ بادشاہ کے استعمال کے لئے رکھ لیا گیا -

ذکر حروف جفر

معتمدین سے سنا گیا ہے کہ جب امیر الامرا اور قطب الملک کا تورانیوں سے تنازعہ شروع ہوا تو سادات دولت خواہ میں سے ایک شخص کسی ایسے عارف کی خدمت میں حاضر ہوا جس کو علم جفر پر قدرت حاصل تھی اس شخص

عارف مذکور سے تنازعہ سے پیدا ہونے والے واقعات اور فتح وشکست کے بارے میں مختلف سوالات کئے۔ عارف مذکور نے جفر سائل مرتب کر کے سوال استخراج کیا اور یہ حروف نکلے۔ "غ ل ب ع د د ک" ان حروف کو مرتب کرنے سے کلمہ غلب عدد ک بنا۔ جس کا مطلب ہے "دشمن غالب آئے گا" اور ان حروف کا قلب کیا جائے تو بلغ اور عدد ک برآمد ہوتا ہے جس کا مطلب ہوا "تمہارا انجام نزدیک ہے" فی الحقیقت آئندہ واقعات نے ان حروف کو سچ کر دکھایا۔ بہت ایسی پیشین گوئیاں ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں القصہ سلطان ابراہیم کا جو میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھا تعاقب کیا گیا اور حسب معمول اس کو قید میں رکھا گیا۔

اس فیصلہ کن جنگ کی خوشخبری دارالخلافہ میں جمعہ کے روز ۱۴ محرم الحرام کی شام کو پہنچی اس خبر سے دو قسم کا ردعمل دیکھنے میں آیا۔ جو لوگ حکومت کے خیر خواہ تھے انھوں نے خوشیاں منائیں اور جو خیر خواہ نہیں تھے ان کو عبداللہ خاں کی شکست اور اس کے بھیانک انجام سے دکھ پہنچا اوّل الذکر قسم کے لوگوں نے حکم دیا کہ سلطانی شادیانہ بجا کر عوام کو اس خوشخبری سے آگاہ کیا جائے لیکن سادات کے اہل خاندان نے یوم ماتم منانے کا اعلان کیا۔ خصوصاً عبداللہ خاں کے بھائیوں کی بیگمات نے ناقابل بیان غم واندوہ کا اظہار کیا اور ایسی دردناک تصویر پیش کی کہ دیکھنے والوں کے دل تڑپ اٹھے۔ ایک طرف تو فضا گریہ وماتم سے سوگوار بنی ہوئی تھی اور دوسری طرف حرم سرا کی کنیزوں اور دیگر ملازمین نے قیمتی اشیا چرائیں اور نقاب اوڑھ کر اپنے گھر کو چلی گئیں۔ یہ کنیزیں کوتوال کے آنے سے پہلے ہی حرم سرا چھوڑ کر بھاگ گئی تھیں اس کے باوجود بعض کنیزیں مال غنیمت سمیت کوتوال کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں۔

قطب الملک کی موت کا سوگ

عبداللہ خاں کی حرم سرا کی عورتوں نے سر سے پاؤں تک ماتمی لباس پہنا اور بین کرنا شروع کیا ان کے بین کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ماتم میں دوسروں کو بھی شریک کرلیں یا اپنا غم دوسروں میں بانٹیں۔

عبداللہ خاں کاش جو قطب الملک عبداللہ کا قدیم دوست اور معتمد تھا اور جو اس کے حرم سرا کی نگہبانی کرتا تھا یکایک جب اس کو شکست کی خبر ملی اس کے دل میں لالچ اور طمع نے گھر کرنا شروع کیا۔ کسی کو توقع نہ تھی کہ ایسا شخص جس پر عبداللہ خاں کو مکمل اعتماد تھا اور جس کی شرافت ونیکی ضرب المثل تھی ایسے نازک وقت میں طمع اور لالچ کا شکار ہوگا اور حرم سرا کی ساری عورتوں

سے بے وفائی کرے گا۔ اس نے اپنی طمع کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ہندو محافظ سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ دونوں شیطان نما انسان حرم سرا میں گھس گئے اور مستورات کی عزت و توقیر کی پروا کئے بغیر وہ سب کچھ لے بھاگے جو ان کے قبضہ میں آ سکے۔ غلام علی خاں اور نجابت علی خاں جو قطب الملک کے برادر زادہ اور متبنّی تھے لباس و وضع تبدیل کر کے عازم قصبہ جانسٹھ ہوئے جو امیر الامرا اور ان کے آبا و اجداد کی جائے پیدائش تھا۔ لیکن منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی بادشاہ کے لوگوں نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔

جب محمد شاہ کو اپنے تاج و تخت کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور اس کی ساری پریشانیاں دور ہو گئیں تو اس نے ان امرا اور سپہ سالاروں کو اعزاز و اکرام سے نوازنے کا ارادہ کیا جو صحیح معنوں میں مستحق تھے۔ میدان جنگ میں جن کے ارادوں کی پختگی، عزائم کی بلندی طلائی طبیعت و ارادت کے استحکام کو آگ میں تپایا گیا تھا اور جو معیار پر پورے اترے تھے ان کو عطائے مناصب و مواجب اور دیگر مواہب سے سرفراز کیا گیا۔

مزار خواجہ نظام الدین

محرم الحرام کی سولہ تاریخ کی مسرت بخش گھڑی کو بادشاہ کی روانگی مقرر ہوئی تھی چنانچہ وہ فتح و کامران ہو کر رخش نصرت پر سوار ہوا اور اسکی لگام کو دارالخلافہ کا رخ کر کے موڑا اور اتنی جلدی وہ راستہ طے کرتا ہوا آگے بڑھا کہ ۱۹ ار محرم الحرام کو مزار خواجہ نظام الدینؒ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مزار کی زیارت کی اور یہیں اس نے ہر ایک کو فراخدلی سے انعام و اکرام سے شاد کیا یہاں وہ ساعت مختار کی توقع میں دو روز تک مقیم رہا اور اس عرصہ میں اس نے حیدر قلی خاں کو ہزار سوار کے مراتب سے ہفت ہزاری اور ہشت ہزار سوار کیا سعادت خاں بہادر کو بہادر جنگ کا لقب دے کر بعطائے ماہی و مراتب سے سربلند کیا ان کے علاوہ دیگر سرداروں اور خیر خواہوں کو خطابات و اعزازات دیئے گئے۔ نجابت علی خاں کو بادشاہ کے حضور میں مقید لایا گیا۔ بادشاہ نے اسکو حیدر قلی خاں کے حوالے کر دیا۔

دارالخلافہ میں بادشاہ کی آمد

۲۲ محرم ۱۱۳۳ھ ہفتہ کے دن بادشاہ حشمت و جاہ اور صدائے کوس و کرنا کے ساتھ کہ جس کا غلغلہ مہر و ماہ تک پہنچ رہا تھا دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس شان و شوکت کو دیکھ کر تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں بادشاہ کی سواری کے پیچھے پیچھے کوہ پیما ہاتھی تھے جن پر زربفت کی جھولیں نقرہ و طلائی پاکھرے آراستہ نشان زر افشاں طلاکار زرنگار جس پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں دستہ دستہ فوج سلطانی اور امرائے ہمراہی مسلح مزین و یراق نو ساختہ سے پیراستہ کوتل گھوڑے مرصع سامان

سے مزین قدم بہ قدم چلے جا رہے تھے۔ بادشاہ فیل کوہ شکوہ پر سوار اور تخت طلائے خوش رنگ پر جلوہ فرما شان وشوکت کے ساتھ اجمیری دروازے سے ہوتا ہوا شہر پناہ ــــ دار الخلافہ میں داخل ہوا۔ وہ جس راستے سے گزرتا اس پر سے سونے کی بارش ہوتی اور وہ حاجت مند وفقیر جو ایسی مبارک گھڑی کے انتظار میں رہتے ہیں فیض یاب ہوتے رہے شام کے پانچ بجے یعنی مبارک گھڑی میں بادشاہ داخل قلعہ ہوا نواب قدسیہ مادر مہرپرور محمد شاہ اور حرم سرا کی دوسری شہزادیوں نے طلا ونقرہ کی ایک تھالی اٹھائی اس میں طلائی ونقرئی سکوں کے علاوہ مختلف قسم کے زر وجواہرات بھرے ہوئے تھے جو بادشاہ کے سر پر سے نچھاور کئے گئے اور تہنیت ومبارک باد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

"سال کے اختتام تک یعنی شوال اور ذیقعد کے درمیان چالیس روز تک زمین سے پورے شہر میں ایسا تعفن پھیلا کہ اہل شہر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ امیر و گدا کی کوئی تمیز باقی نہ رہی اور پھر تپ کی ایسی وبا پھیلی کہ کوئی گھر مریضوں سے نہ بچا۔ منڈیاں اور دکانیں بند کر دی گئیں سڑکیں سنسان ہوگئیں اور سارے شہر میں الو بولنے لگا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے نہ ایسی آفت دیکھی تھی اور نہ کانوں سے اس کے بارے میں کسی سے سنا تھا یہ وبا پٹنہ اور الہ آباد میں بھی شروع ہوئی یہاں سے اکبرآباد اور دہلی پہنچی اور پھر پانی پت اور سرہند اس سے متاثر ہوئے یہاں تک کہ لاہور پہنچ کر اس کا زور ٹوٹا لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایک مریض بھی ہلاک نہ ہوا اور چند ایسے لوگوں کے علاوہ جن کی عمر طبعی جواب دے چکی تھی سب صحت یاب ہو گئے۔"

باب ۳

اس رسم کی ادائیگی کے چند روز بعد سیف الدولہ عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ، زکریا خاں، ولد عبدالصمد خاں اور آغر خاں وغیرہ جو لاہور سے بادشاہ کے حضور میں تشریف لائے تھے - اور دوری مسافت کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے تھے بارگاہ دولت میں شرف یاب ہوئے اور عطائے خلعت و خنجر و سرپیچ مرصع وغیرہ سے سرفراز ہوئے۔ زکریا خاں ہزاری سے پنج ہزاری کے درجہ پر پہنچا۔ راجہ جے سنگھ اور راجہ گردھر صوبہ دار اودھ بھی بروقت نہ پہنچ پائے تھے وہ ماہ صفر کے آغاز میں پہنچ کر بادشاہ کی قدم بوسی سے سرفراز ہوئے۔ ان کی پچھلی خطائیں درگذر کر دی گئیں۔ کچھ دیر پہلے جزیہ شرعیہ کی تحصیل کا جو فرمان شاہی جاری ہوا تھا وہ جے سنگھ کی معافی و معذرت سے واپس لے لیا گیا۔ نظام الملک کی عرضی کو جس میں فتح و نصرت پر مبارکباد دی گئی تھی اور بادشاہ کی درازی عمر و اقبال مندی کی دعائیں مانگی گئی تھیں بادشاہ نے ملاحظہ فرمایا۔ صوبہ دار بنگالہ مرشد قلی خاں کی عرض داشت متضمن مبارک باد و نیز نقد نذرانہ کے پہنچی اس نے بھی بادشاہ کی اقبال مندی کی دعائیں مانگیں تھیں۔

اسی روز متعدد افراد کو اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ حیدر قلی خاں کو ناصر جنگ کے علاوہ معز الدولہ کا خطاب اور ظفر خاں کو روشن الدولہ کا خطاب ملا۔ سعادت خاں کو خواصیوں کی داروغگی ملی۔ زکریا خاں، عنایت اللہ خاں کی جگہ پر صوبہ دار کشمیر ہوا۔

اعتماد الدولہ محمد امین خان کی وفات

منگل کے روز ۲۲ ربیع الاول کو بادشاہ نیل گائے کے شکار کو جارہا تھا کہ ہرکارہ یہ خبر لے کر آیا کہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں یکایک درد شکم کا ایسا شکار ہوا ہے کہ وہ رکاب سے محروم رہے گا۔ دوسرے روز اس کا مرض پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر گیا۔ اس کی حالت ایک دم سے غیر ہوگئی دوا دارو سے ذرا بھی افاقہ نہ ہوا اور درد میں اس حد تک اضافہ ہوا کہ منہ کی راہ سے فضلات برآمد ہوئے یہاں تک کہ ماہ مذکور کی ۲۹ تاریخ کو راہئ ملک عدم ہوا اس نے کل تین ماہ اور بائیس روز وزارت کی۔ اس کا مال و اسباب جس کی مالیت کروروں سے اوپر تھی اس کے ورثا کو دیدیا گیا۔ خلق خدا اس کی ایذا رسانی سے بچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے اپنا محل وسیع کرنا چاہا تو اس نے ایک ہی اشارہ سے اپنے ہمسائے کے سات سو مکان خالی کرا دئے اور لوگ قفل لگا کر چلدیئے۔ لیکن اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے قمر الدین خاں نے ازراہ کرم مالکوں کو ان کے مکان واپس دلوادئے۔ لوگوں نے اس کو دعائیں دیں اور خدا بھی خوش ہوا۔

لیکن محمد شاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بخیل و ممسک ہے لیکن بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات نہ تھی۔ کیونکہ جب امین خاں مرا اس وقت چنداں خزانہ بھی نہ تھا کیونکہ لشکر کشی کے باعث بھاری رقم خرچ ہوگئی تھی اور جو کچھ خزانہ میں بچ رہا تھا وہ لوٹ مار میں ضائع ہوگیا۔ حتیٰ کہ دیوان خاص و عام میں جو طلائی و نقرئی جھالریں بنی ہوئی تھیں وہ بھی آفتوں اور مصیبتوں کے وقت توڑ کر سکے میں ڈھال دی گئی تھیں ان کی تعمیر میں اشد ضرورت تھی۔ جب اعتماد الدولہ محمد امین خاں کے مال و اسباب کی فہرست بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی (سونے چاندی ہیرے جواہرات جن کی قیمت کروروں سے زیادہ تھی) اس نے توجہ تک نہ دی۔ بلکہ حکم دیا کہ ساری چیزیں اس کے ورثا میں تقسیم کر دی جائیں۔ حالانکہ خاندان بابریہ بلکہ تیموریہ کا معمول تھا کہ جب امرا اور دیگر ملازمین فوت ہوتے تو ان کی جائداد سرکار میں داخل ہوتی اور ورثا کو سرے سے محروم کر دیا جاتا البتہ مستحق ورثا کو تھوڑا بہت اپنی طرف سے بطور انعام دیدیا جاتا۔[1]

---

[1] مصنف کا یہ خیال تعصب پر مبنی معلوم ہوتا ہے اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ خانوادۂ بابر نے اپنے غلاموں کو اعلیٰ عہدوں اور مراتب پر پہنچایا؟ اگر مال وزر ہمیشہ ضبط کر لئے جاتے تھے تو پھر یہ غلام وزیر کیسے بن گئے یہ ساری باتیں بے بنیاد ہیں۔

لیکن یہ رسم درحقیقت تھی بہت مذموم کیونکہ ایسی رسم کو کوئی شخص کوئی مذہب یا عدل و انصاف قبول نہیں کر سکتا۔ ایک شخص جو عمر بھر خون پسینہ ایک کر کے اور شب و روز محنت کر کے روپیہ پیسہ پس انداز کرتا ہے۔ جو آرام و چین سے بالکل بے گانہ ہو جاتا ہے اور جس کو اپنی ذات کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی۔ لیکن کتنے دکھ اور افسوس کا مقام ہے کہ جب وہ مرجاتا ہے تو اس کی جائیداد، اس کی کمائی اس کا سب کچھ ضبط کر لیا جاتا ہے اور اس کے اہل و عیال، اس کے ورثا، اس کے پس ماندگان دولت آبائی سے محروم ہو کر دانے دانے کو ترستے اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ یہ ظلم اتنا سنگین ہے اور یہ بے انصافی ایسی تکلیف دہ ہے کہ ایک ان پڑھ انسان بھی بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اتنی ساری زندہ جاوید مثالوں کے باوجود محمد شاہ خاندان بابریہ کا وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے اس رسم، اس بدعت کو ختم کیا اور اس سے انتہائی نفرت کا بھی اظہار کیا ایک بار اس کا ایک امیر کبیر وزیر فوت ہوا رسم و رواج کے مطابق اس کے اثاثہ کی ایک فہرست اس کے حضور میں پیش کی گئی جس کی مالیت کا اندازہ کروروں روپے لگایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ فہرست دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ غصہ سے اس نے اپنا منہ پھیر لیا اور اس رسم سے انتہائی نفرت کا اظہار کیا۔ اس دن اس نے اعلان کیا کہ آئندہ سے ایسے کاغذات اس کے حضور میں پیش نہ کیے جائیں۔

قتل و غارت گری اور کشت و خون کے واقعات میں ہم اب تک الجھے رہے ہیں۔ اب ذرا چند دلچسپ واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

میر محمد حسین کا ذکر

میر محمد حسین نامی ایک شخص جو مشہد مقدس کا رہنے والا تھا۔ عمدۃ الملک امیر خاں صوبہ دار کابل کی جود و سخا سن کر کہ وہ اہل ایران پر خصوصاً نگاہ کرم ڈالتا ہے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر رفاہ اور افزائش جاہ کی خاطر کابل آگیا۔ چونکہ علوم منطق و فلسفہ پر اس کو درک تھا اس لئے بہت جلد وہ یہاں مشہور ہو گیا اس کی شہرت یہاں تک ہو گئی کہ منشی امیر خاں کے لڑکے نے اس سے استفادہ کرنا شروع کیا۔ اس کی علمیت اور فضیلت کا ذکر اکثر و بیشتر امیر خاں کی محفل میں بھی ہونے لگا۔ چنانچہ وہ اس شخص سے ملنے کا خواہش مند ہوا۔ اس نے اس کا ذکر اپنی بیوی صاحب جی دختر

علی مردان خاںؒ مرحوم سے بھی کیا۔

میر محمد حسین کی شادی اور دربار میں اس کی رسائی

صاحب جی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی چنانچہ اس نے ایک سید کی لڑکی کو جس کا باپ اس کے شوہر کا ملازم تھا لے کر متبنیٰ کیا۔ اس لڑکی کی تعلیم و تربیت کی طرف اس نے خاص توجہ دی اس کی شادی وہ ایسے شخص سے کرنا چاہتی تھی جو نیک، شریف اور مذہبی ہو اور ایران کا رہنے والا ہو۔ میاں بیوی میں یہ طے پاگیا تھا کہ جب بھی ایران سے ایسا کوئی شخص آئے گا دونوں ایک دوسرے کو مطلع کریں گے۔ چنانچہ یہ خبر سن کر اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ وہ اس پر ہر نہج سے غور کرے چنانچہ امیر خاں نے اس کو جانچا، پرکھا اور ہر لحاظ سے اس کو پسند فرمایا۔ صاحب جی کو بے حد خوشی ہوئی اس نے فوراً شادی کی تیاری شروع کردی اور چند روز کے اندر اندر لڑکی اسی عیار شخص کی مناکحت میں آگئی۔ ازدواجی رشتہ کی بنا پر امیر خاں کے خاندان میں اس کی رسائی ہوگئی۔ دربار کے خواص سے اس نے راہ و رسم بڑھائی۔ خوب روپے پیسے جمع کئے اور اچھا عہدہ بھی مل گیا یعنی چند ہی روز کے بعد بادشاہی خوشبو خانہ کی دارونگی کا منصب پایا اس نے رفتہ رفتہ عمدۃ الملک کی دیگر اولاد سے جو صاحب جی کے علاوہ دوسری بیوی سے تھی تعلقات پیدا کرنا شروع کردیئے۔ یہ شخص چونکہ بڑا ہی عیار اور جاہ طلب تھا اور شعبدہ بازیاں بھی جانتا تھا اس لئے بہت سے لوگ اس کے معتقد بن گئے امیر خاں کا سب سے بڑا لڑکا دیگر لوگوں طرح اس کا بے حد گرویدہ تھا۔ ان ہی دنوں امیر خاں اللہ کو پیارا ہوا اس کے سارے اہل و عیال حضور میں آئے لیکن میر محمد حسین خاں کابل میں ہی رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد عطر و گلاب پشاور وغیرہ کا لے کر قاصد حضور ہوا تاکہ عز و جاہ سے مالا مال ہو۔ وہ اپنے اس مقصد کے تحت لاہور پہنچا ہی تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر کی رحلت کی خبر موصول ہوئی۔ جب اس کی امیدیں مایوسی میں بدل گئیں اس نے عطر مذکور کو شہر میں ساٹھ ستر ہزار میں فروخت کردیا۔ یہ رقم باقی زندگی گذارنے کیلئے کافی تھی چنانچہ اس نے درویشی اختیار کرلی۔ چونکہ طامع اور جاہ طلب تھا اس لئے پرانی تقلید پسند نہ ہوئی بلکہ ایک ایسی راہ نکالی جو کبھی کسی نے سنی تک نہ تھی۔ اس نے اسی منشی زادے کو اپنی شاگردی میں لیا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے اس نے منشی زادہ سے کہا۔

"اگر ہم دونوں اپنی صلاحیتیں نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے میں صرف کریں تو اس سے ہم دونوں مستفید ہوں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے نئے قواعد

---

[1] علی مردان خاں شاہ عباس کے دورِ حکومت میں قندھار کا ناظم تھا اس کے پاس بے انتہا دولت تھی اس نے دہلی میں ایک نہر کھدوائی جس سے اسّی میل بھر خشک زمین سیراب ہونے لگی۔

اور نئی زبان ایجاد کر کے الہام اور نزول کلام کا دعویٰ کریں تاکہ لوگ ہمیں اولیا انبیاء میں بخوشی تسلیم کر سکیں۔ ہم اپنے الہام کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں مرتبہ حاصل کر لیں گے اور تب ہمیں اتنے اقتدار و اختیار ملیں گے کہ وہم و خیال میں بھی نہیں آ سکتا اگر ایک بار ہمیں لوگوں کا اعتماد حاصل ہو گیا اور وہ ہمارے معتقد بن گئے تو پڑھے لکھے لوگ بھی جوق در جوق ہمارے حلقے میں بآسانی آ جائیں گے۔"

نئی زبان کی ایجاد

کیونکہ دونوں کا ذہن ایک ہی انداز سے کام کر رہا تھا اور استاد اپنے شاگرد کے دماغ پر حاوی ہو چکا تھا لہٰذا دونوں نے مل کر متحدہ کوششوں سے ایک نئی زبان ایجاد کی، اس کے قواعد مرتب کئے اور اس زبان میں ایک کتاب بھی تیار کر لی جس میں عجیب و غریب خیالات و معتقدات پائے جاتے تھے اس کتاب کا نام اقوزۂ مقدسہ رکھا گیا۔

فارسی کے غیر مفہوم الفاظ کا استعمال

میر محمد حسین چونکہ علم کلام سے قطعی بے گانہ و نابلد تھا اس لئے اس نے اس کتاب میں فارسی کے ایسے ایسے الفاظ اور خیالات شامل کئے جو کم ہی سننے میں آتے ہیں یا رائج ہیں اس نے ایسے ہی الفاظ سے اشعار بھی موزوں کئے۔ غرضیکہ اس نے قدیم الفاظ و تشبیہات کو نیا جامہ پہنایا اور جدید شکل دی۔ لیکن اسکی مکاریاں اور عیاریاں یہیں ختم نہیں ہوتی ہیں اس نے بیگوکیت یا بیگوکیتی کا دعویٰ کیا اور اس کی وضاحت اس نے ان الفاظ میں کی۔

"یہ رتبہ امامت اور نبوت کے مابین ہے۔ لیکن تمام پیغمبر بیگوک نہیں ہوئے اور خاتم الانبیاء دونوں۔ اول بیگوک حضرت ختمی پناہ سید او حیا دشاہ اولیا علی ابن ابی طالب ہے اور ہشتم امام رضا سے امام ثامن ضامن تک امامت اور بیگوکیتی دونوں باہم جمع تھے۔ بعد ازاں بیگوکیت مجھے ملی اور امامت امام محمد تقی کو جکا سلسلہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام تک جاری رہے گا اور میں محمد حسین زین پر خاتم البیگوکیت ہوں تعداد بیگوکیت کی میں اس ترتیب سے اس وقت ذکر کرتا جب امامیہ مذہب کے سامنے ہوتا ہوں اور جس وقت اہل سنت والجماعت کے روبرو ہوتا ہوں۔ خلفائے اربعہ اور چار اشخاص دیگر یعنی اموی و عباسی کو جن کی نیکی مذکو رہے گن کر نویں بیگوکیت اپنے نام بیان کرتا ہوں۔"

اس کے بعد وہ اس طرح مخاطب ہوتا:۔

"حاضرین مجھے کسی کے مذہب سے کوئی غرض نہیں ہے، میں تو شعاع نور بن کر ہر مذہب کا چراغ روشن کرنے آیا ہوں۔ میرا کردار ارفع و اعلیٰ ترین ہے کیونکہ میں لوئیں بیگوک اور خاتم البیگوک ہوں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ میں ایک کتاب لکھوں اور تمام قوموں کو اپنے مذہب میں آنے کی دعوت دوں۔ اور اپنے نئے قوانین وضوابط کا پرچار کروں تاکہ بعض رسوم وعقائد نیا جامہ پہن سکیں اور اس لئے مجھ پر اوپر سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔"

فربود ان عیاریوں اور فریب کاریوں کے بعد اس نے عیدین کی طرح جن کو مذہب اسلام میں محترم ومقدس سمجھا جاتا ہے بعض آیام کو "فربود" کا نام دے کر اپنے پیروکاروں پر لازم کر دیا۔ ماثر نبوی میں جیساکہ درج ہے کہ پیغمبر اسلام پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی تھی اس نے بھی اپنے پیروکاروں سے کہا کہ مجھ پر دو قسم کی وحی آسمان سے اترتی ہے۔ ایک وحی اس قسم کی ہوتی ہے کہ آفتاب کی طرح ایک گروہ نورانی نظر آتا ہے۔ وہ حروف وکلمات جو میرے منہ سے برآمد ہوتے ہیں وہ کشیدہ ہوتے ہیں اور پھر وہی قرص نورانی مجھ پر اس طرح محیط ہو جاتا ہے کہ میرے ہوش وحواس غائب ہو جاتے ہیں اور اسوقت میری حالت دگرگوں ہوجاتی ہے مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا۔

دوسری وحی نازل ہوتے وقت صرف آواز سنائی دیتی ہے اور یہ آواز کلمہ "خفشاں نمود بوداں" کے علاوہ کچھ نہ ہوتی۔ پھر یہ کلمہ وہ اپنے پیروکار کو سناتا۔ اس نے اپنی الگ رسوم بھی ایجاد کیں۔ مثلاً اس نے یہ رسم ایجاد کی کہ اس کے پیروکار جب ملیں تو اسلام کی رسم کے بموجب وہ آہستہ سے السلام علیکم کہیں اور پھر کلمہ خفشاں نمود لوداں کا اضافہ کریں۔ جس روز کہ اول اول اس کے بقول اس پر وحی نازل ہوئی اس کا نام اس نے روز جشن رکھا۔ چنانچہ اس کی سالگرہ کے روز اس کے پیروکار ایک جگہ جمع ہوتے اور عنبر وخوشبو ایک دوسرے پر چھڑکتے پھر نغمہ سرائی کرتے، ناچتے اور خوشیاں مناتے۔ عین اسی وقت وہ اپنے سر پر کلاہ ارامنہ کی مانند ایک ٹوپی رکھتا جو ذرا اس سے اونچی ہوتی اور پھر اپنے امتی کے ساتھ وہ لاہور کے ان پہاڑوں کے آس پاس گھومتا جہاں دیول رانی کی قدیم عمارتیں ہیں اور جو دیول بختیاری کے نام سے موسوم ہیں۔ لیکن اس کا یہ گشت صرف رات ہی کو ہوا کرتا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح

پیغمبر اسلام پر غار حرا میں وحی نازل ہوئی تھی اسی طرح اس پر بھی ایسے ہی ایک غار میں وحی نازل ہوئی۔ جشن نوروز کے چھ روز تک وہ روزہ بھی رکھتا۔ یہ چھ دن وہ خاموشی میں گزارتا اور غالباً اسی طرح وہ اس یوم کو یاد کرتا جو اس کے حافظہ سے نکل گیا ہو۔

تین وقتی نماز پنج گانہ نماز کے سوا اس نے اپنے فرتودوں پر تین وقت کی نماز ضروری قرار دی یعنی نماز فجر کے فوراً بعد۔ پھر نصف النہار کی نماز اور تیسری غروب آفتاب کے وقت جب مغربی افق پر سرخی چھائی ہو۔ نماز پڑھنے کے طریقے اور آداب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"خود یا اس کا خلیفہ یا کوئی نمائندہ درمیان میں کھڑا ہوتا اور جتنے آدمی جمع ہوتے چار صف میں مربع چار دیواری کی مانند متصل ہوتے اور ہر صف اس کی طرف رخ کر کے وہ چند کلمات پڑھتے جو اس کے اختراعی تھے۔ یہ کلمات پڑھ چکنے کے بعد اس طرف سر جھکا کر بائیں طرف پھر جاتے۔ تاکہ صف جو شمال کی طرف ہے وہ شمال مغرب کی سمت ہو جائے۔ اسی طرح مغربی صف جنوب میں جنوبی صف مشرق میں اور مشرقی صف شمال میں تبدیل ہو جائے۔ مقامات یعنی اس طرح سمتیں بدل لینے کے بعد وہ زمین کی طرف دیکھتے، بعدازاں آسمان کی طرف اور ہر بار وہ وہی کلمات دہراتے۔ اس طرح شش جہت کے بعد یہ تمام ہوتی اور جمعیت متفرق ہو جاتی اور ان کی زبان سے یہ کلمہ برآمد ہوتا:۔

"میں وہی محسن ہوں جو حضرت فاطمہ زہرہ کے شکم سے اسقاط حمل ہوا تھا۔"
(نعوذ باللہ)

اس کے علاوہ اس نے اور کلمات کفر بکے جو فقیر حقیر کو یاد نہیں۔ البتہ راقم جب عہد محمد شاہ اور آغاز احمد شاہ میں شاہ جہاں آباد آیا تھا تو اس کے دو لڑکوں شاہ عفار اللہ اور شاہ دید نیز ان کے چند معتقدین سے میں نے بہت سی باتیں سنیں جو حافظہ میں رہ گئیں اور وہی میں پیش کر رہا ہوں۔

اس کافر نے خلفائے اربعہ کے مقابلے میں اپنے لئے چار خلیفہ مقرر کئے تھے ان میں سے اس کا ایک وہی شاگرد رشید تھا جس کا نام دوجے بار تھا۔ دوسرا میر باقر اس کا سالا تھا

ان کے علاوہ دو خلیفہ تھے جن کے نام اس نے نمود اللہ اور نمودہ نمودرہ رکھے۔ یہ دونوں نام اس کے خود ایجاد کردہ ہیں۔ اسی طرح اس نے اپنے لڑکوں اور اپنے معتقدین کے بھی دلچسپ عجیب و غریب نام رکھے۔ جو شخص بھی اس کے نئے مذہب میں داخل ہوتا سوائے اس کے پہلے نام کے اپنی طرف سے یہی لقب دیتا تھا۔ اس کے تین لڑکے تھے۔ اول نما نمود، دوم نخار اور سوم دید اس کی دو لڑکیاں بھی تھیں جن کے نام تھے نمانہ کلاں اور نمانہ خورد اور بیبیوں کے نام پر (اس کی بیوی کا نام تھا حق نما) اس نے یہ نام دیئے۔ نما پار، نمود پار اور فر نمود۔ اس نے اپنے لڑکے نخار کا دوسرا مضحکہ خیز نام رکھا۔ نمود دید۔ وغیرہ وغیرہ۔

میر محمد حسین کی شاہجہاں آباد میں آمد

غرض کہ یہ مکار اور عیار لاہور سے آ کر شاہجہاں آباد میں مقیم ہوا۔ چونکہ بہادر شاہ دارالخلافہ سے دور دراز علاقہ میں رہتا تھا اس لئے روزانہ بہت سارے احمق اس کے حلقہ بگوش ہوتے رہے۔ غرض کہ دارالخلافہ میں ایسا کوئی احمق نہ تھا جو اس کے دام میں نہ آگیا ہو۔ چونکہ وہ خود اہل ثروت تھا اس لئے لوگوں سے نہ کچھ طلب کرتا اور نہ ہی تحفے تحائف قبول کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اور گرویدہ ہو گئے۔ وہ اس کے استغنا پر سخت حیران تھے اور اسی لئے اس کے مریدوں کی تعداد دوگنی چوگنی ہوتی گئی۔ ان ہی دنوں بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور شہزادے حقوق کے لئے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اس لڑائی جھگڑے سے ہر شہر و قصبہ میں خلفشار پھیل گیا۔ اس عیار نے موقع غنیمت دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھیلانا شروع کر دیئے۔ چونکہ اب وہ بزدل اور ڈرپوک نہیں رہا تھا اس لئے اس نے چہرے سے عیاری و مکاری کی نقاب الٹ دی اور کھلے بندوں اس نے اپنی نئی زبان اور نئی کتاب کی اشاعت شروع کر دی وہ لوگوں سے مناظرہ کرتا۔ دلائل پیش کرتا اور قائل کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا جب کوئی شخص اس کے عقیدے کی مخالفت کرتا اور اس مخالفت میں دلائل پیش کرتا تو اس کے معتقدین فوراً اس کی مدد کو آتے اور مخالف کی زبان اپنی منطق اور دلیل سے بند کر دیتے غرضیکہ اس مناظرہ کا اس کو سب سے بڑا جو فائدہ پہنچا وہ یہ تھا کہ جوق در جوق لوگ اس کے عقیدے کے شکار ہوتے گئے یہاں تک کہ فرخ سیر تخت پر جلوہ افروز ہوا جو نہ صرف احمق اور نادان تھا بلکہ بہرے سے جاہل بھی تھا۔ اس کے دونوں وزرا کو اتنی فرصت نہ

ملتی کہ وہ اور چیزوں کی طرف توجہ دیتے۔ مثلاً امیر الامرا حسین علی خاں زیادہ ترحرب و ضرب میں مصروف رہا اور قطب الملک عبداللہ خاں عیش و نشاط کی محفلیں گرم کرتا رہا۔ البتہ جب اس کو اطلاع ملتی کہ بادشاہ اس کے خلاف منصوبے بنا رہا ہے تو وہ چوکس ہو جاتا اور ان منصوبوں کے خلاف تدابیر اختیار کرنے میں مصروف ہو جاتا۔ لہٰذا اس مکار کی طرف دھیان دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ نئے مذہب کو فروغ ملتا رہا اور اس طرح ہادی علی خاں ولد امیر خاں جو معزز امرا میں سے تھا اس کے پیروکاروں میں شامل ہو گیا۔ اس کا شامل ہونا تھا کہ عوام کا اعتقاد اس کی طرف سے اور مستحکم ہوتا گیا اور چشم زدن میں تقریباً بیس پچیس ہزار اس کے مرید بن گئے۔

فرخ سیر کی نمود سے ملاقات

بعض امرانے جب فرخ سیر کو اس عیار کے عقائد سے مطلع کیا اور سبھوں نے اس کی تعریف و توصیف کی تو وہ بھی راتوں رات چند خواجہ سراؤں کی معیت میں چپ چاپ اس مکار کی ملاقات کو آیا۔ جب مکار کو احمق اور جاہل بادشاہ کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اندر سے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا تا کہ آسانی سے کھل نہ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے فرتودوں یعنی اس کے لڑکوں اور مریدوں کی منت کی۔ بڑی مشکلوں سے دروازہ کھلا بادشاہ نے اس کو دیکھا تو نہایت فروتنی اور انکساری سے سجدہ ریز ہوا۔ نمود نے بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے مرگ چھالا پیش کیا اور کہا:۔

پوست تختِ گدائے و شاہی

ہمہ داریم آنچہ می خواہی

فرخ سیر تنگ نظر اور بے عقل تو تھا ہی اس کا استغنا دیکھ کر اس پر ایمان لے آیا اور چند ہزار روپیہ اور اشرفی جو اپنے ساتھ نذرانے کو لے گیا تھا اس کے سامنے پیش کیا۔ اس ردوانا نے دونوں چیزیں قبول کرنے سے انکار کر دیا البتہ بہ ہزار منت و سماجت اس نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی قرآن مجید بادشاہ کی خدمت میں پیش کی اور کتابت کے عوض میں کل ستر روپے لے کر باقی روپے لوٹا دیئے۔ بادشاہ عقیدت کے مارے کھڑا ہو گیا قرآن مجید کو بصد احترام قبول کیا، سر پر رکھا اور حجرہ سے نکل گیا۔ نمود بھی جب کمرہ سے باہر آیا تو اس نے در دولت پر روپیہ کی وہی تھیلی دیکھی اس نے فوراً سارے روپے اپنے مریدوں میں

تقسیم کروا دیئے اس کی اس حرکت نے عقیدت مندوں کے عقیدے کو اتنا مضبوط کر دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس کی طرف سے بدگمان نہیں کر سکتی تھی۔

اب اس نے اپنی عیدیں چوری چھپے منانے کی بجائے کھلے بندوں منانے کا اعلان کیا اب وہ جائے معبود میں بڑے اطمینان سے ڈھول بجاکر آمدورفت کرتا اور اپنے کفر کا اعلان بھی نقارہ بجا بجا کر کرنے لگا۔

محمد امین کا عتاب

جب فرخ سیر کی حکومت کا تختہ الٹ گیا اور اس کے دونوں وزرا امیر الامرا اور قطب الملک کا اقتدار بھی روبہ زوال ہوا تو حکومت محمد شاہ کے ہاتھ آئی اور محمد امین خاں کو پایۂ وزارت ملا۔ اگرچہ اس کی وزارت صرف تین چار ماہ رہی اس کے باوجود اس قلیل مدت میں بھی اس نے جب اس مکار کی فریب کاریاں سنیں تو چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ فوراً اس ملعون کو قید کر کے لایا جائے اور اگر اس نے مزاحمت کی تو اس کو وہیں قتل کر دیا جائے۔

چونکہ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا اور وزیر کے حکم سے بہت سے لوگ جا چکے تھے اس لئے وہ چند لوگ جو اس وقت موجود تھے وہ اس مکار کے پاس گئے اور اس کو وہ فرمان دکھایا جو اپنے ساتھ لے گئے تھے اس وقت خفتشان نمود (جیسا کہ وہ خود خطاب کرتا تھا) اپنے کمرہ میں کھانا تناول کر رہا تھا۔ جب اس کے کانوں میں سپاہیوں کی سرگوشی کی آواز آئی تو اس کا ماتھا ٹھنکا اور ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا اور عقل و ہوش میں آکر اس نے اپنے چھوٹے لڑکے دَیّد کو جو نہایت حسین تھا مع چند قرص نان جو و گندم کے باہر بھیج کر یہ پیغام دیا ــ" چونکہ آپ لوگوں نے فقیر کے غریب خانہ میں آکر زحمت اٹھائی ہے اس لئے کچھ تناول کیجئے جب تک وہ خود تشریف لے آئیں گے"۔

سپاہی نہ صرف اس پیغام کو پڑھ کر ششدر رہ گئے بلکہ اس صاحب جمال لڑکے کی صورت پر بھی ان کو رحم آگیا۔ چنانچہ انہوں نے انتظار کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اتنے میں سپاہیوں نے امین خاں کی حالت غیر کی اطلاع سنی۔ یہ سنتے ہی وہ الٹے پاؤں وزیر کے دروازے کے پاس آئے کیونکہ وہ اپنے بقایا کے لئے زیادہ پریشان تھے۔ وزیر کی حالت ردی ہو گئی تھی درد قولنج نے اسکو اتنا ستایا کہ اس پر بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا لیکن جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے اس مکار کے بارے میں پوچھا سپاہیوں نے جواب دیا کہ جب

کی بیماری کی اطلاع ہم لوگوں تک پہنچی تو ہماری توجہ ادھر سے ہٹ گئی اور ہم آپ کے حضور میں دوڑے آئے۔ وزیر کو ناگوار گذرا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ کل صبح تک حکم کی تعمیل بہر حال ہو جانی چاہیئے۔

محمد امین خاں پر درد قولنج کا حملہ

شام ہوتے ہوتے وزیر پر دوبارہ قولنج کا حملہ ہوا۔ اس بار پہلے کے مقابلے میں حملہ شدید تھا غشی پر غشی طاری ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ موت کا شکار ہو گیا۔ لوگ ہادی علی خاں وغیرہ گھڑی گھڑی یہ خبر دے رہے تھے۔ اس نے صبح کو روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن جب اس نے مرگ وزیر کی خبر سنی تو اس کے دل کو اطمینان ہوا اور وہ بڑی دل جمعی کے ساتھ اپنے گھر کے متصل مسجد میں بیٹھ گیا اور دیکھتے دیکھتے مسجد اس کے مریدوں رشتہ داروں اور دوستوں سے بھر گئی اسی وقت قمر الدین خاں ولد امین خاں نے عورتوں کے ڈر اور خوف سے صبح سویرے اپنے دیوان کی معرفت اس مکار کے پاس پانچ ہزار روپیہ نذر کے واسطے اور عفو جرائم اور طلب تعویذ میں بھیجا۔ چونکہ اس مکار کو امین الدین خاں کی جانکنی کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ حاضرین جلسہ سے کہہ رہا تھا:۔

"میں نے اس مردود کے جگر میں ایسا تیر پیوست کیا ہے کہ وہ کبھی جانبر نہ ہو سکے گا میں بھی شہادت کے انتظار میں اس مسجد میں جس میں میرے دادا کو جام شہادت نوش کرنا پڑا تھا بیٹھا ہوں۔ ہر چند کہ میں ایک بار شہید ہو چکا ہوں اس لئے امید شہادت نہیں ہے"۔

ابھی وہ حاضرین سے مخاطب ہی تھا کہ قمر الدین کا دیوان پہنچا اور اس کے قدموں پر کیسۂ زر رکھ کہا کہ یہ رقم تعویذ لکھنے کے سلسلے میں ہے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ امین الدین خاں سے جو گستاخی سرزد ہوئی ہے اس بارے میں قمر الدین خاں معافی کے خواستگار ہیں۔ مکار نے جواب دیا:۔

تیر از کمان جستہ و آب از جوئے رفتہ باز نمی آید

جب اس نے زیادہ منت سماجت کی تو دوجی بار مرید سے قرآن کی یہ آیت لکھوائی۔

و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا۔

یہ آیت لکھی جا چکی تو اس نے دیوان کے حوالے کیا اور کہا کہ فوراً لیجا لیکن مجھے یقین ہے

اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا کیونکہ جب تک پہنچے گا وہ مرچکا ہوگا۔

دیوان کو نذر دیا گیا لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے تو منظور نہیں البتہ اگر فقراء چاہیں تو لے لیں۔ آخر ان لوگوں نے لے لیا اور جب دیوان پہنچا محمد امین خاں اس دنیا سے چل بسا تھا جب یہ خبر نمود تک پہنچی وہ فوراً کھڑا ہو گیا حاضرین کو منتشر کیا اور مطمئن اور خوشحال ہو کر گھر گیا دریں اثنا اس کی کرامات کی خبر دور دور تک مشتہر ہو گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مریدوں کی تعداد اور بڑھ گئی۔

نمود کی موت اور اس کے لڑکے کی گدی نشینی

اس معجزہ کے تین سال بعد نمود خود واصل جہنم ہوا اور اس کا لڑکا نما نمود گدی نشین ہوا۔ لالچ بری بلا ہوتی ہے۔ بھائیوں اور باپ کے کئی مریدوں کے مابین جائداد کے سلسلے میں اس کا جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ یہ جائداد نمود نے اپنی زندگی ہی میں رازداری کے لئے دوجی بار اور اپنے دیگر معتقدین کے لئے مقرر کر رکھی تھی دوجی بار کو اس جھگڑے سے خوشی نہ ہوئی اس نے کئی بار نما نمود سے کہا بھی کہ تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ اور جھگڑا نہ کرو لیکن چونکہ نما نمود باپ کی زندگی ہی میں خود سر ہو گیا تھا اور وہ مریدوں پر اپنا سکہ بٹھا چکا تھا چنانچہ وہ دوجی بار کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ لہٰذا دوجی بار نے کہ اس کا محرم راز تھا مجبور ہو کر ایک دن فرلودوں میں کھڑے ہو کر فرمایا ”یارو تم لوگ نمود کا اور میرا خط پہچانتے ہو؟“ جو لوگ دونوں کا خط پہچانتے تھے انہوں نے اقرار کیا اس کے بعد وہ اندر جا کر وہ سارے مسودات لے آیا جو دونوں کے صلاح مشورہ سے مرتب کئے گئے تھے اور دونوں کے مشورہ سے کمی بیشی ہوئی تھی۔ اس نے یہ مسودات لوگوں کے سامنے پیش کئے لوگوں نے دونوں کے خطوں کو پہچانا۔ دوجی بار نے کہا:۔

”دوستو اس مذہب کی بنیاد نمود اور بندہ کی اعانت سے رکھی گئی ہے اگر یہ مذہب خدا کی طرف سے دنیا میں آتا تو بیک جنبش قلم آتا۔ اس میں کمی و بیشی کیسے ہوتی اور رد و بدل کیوں کیا جاتا؟“

یہ الفاظ سن کر حاضرین سناٹے میں آ گئے۔ حاضرین میں سے جو لوگ ذرا باشعور تھے وہ متنبہ ہو کر اس مذہب سے فوراً منحرف ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو منحرف کیا۔ جو جلسہ میں حاضر نہیں تھے۔ لوگ اس مذہب سے اس حد تک برگشتہ ہو گئے کہ مریدوں کی تعداد ایک دم سے گھٹ گئی۔ لہٰذا نما نمود نے مصلحتاً دوجی بار کو اپنا یار

بنایا لیکن پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ چند روز کے بعد نمامنود ہادی علی خاں کے موضع دوآب میں جو اس نے جاگیر میں دیا تھا چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔ اس کے مرنے کے بعد دوسرا لڑکا فغار سجادہ نشین ہوا۔

شاہ فغار کی سجادہ نشینی

شاہ فغار خوش گفتار، متواضع اور ماہر علوم تھا راقم الحروف نے اسے اس کے بھائی شاہ دید، دوجی بار اور میر باقر جو خلیفہ اول و دوئم تھے ان چاروں کو دیکھا ہے۔ ان سے بالمشافہ گفتگو کی ہے ان سے ان کے حالات دریافت کئے ہیں لہٰذا میں جو کچھ تحریر کر رہا ہوں یا تو اس میں ذاتی معلومات کو دخل ہے یا پھر یہ باتیں ان لوگوں کی زبانی سن کر لکھ رہا ہوں جو ان کے مقربان خاص میں سے تھے۔ شاہ فغار محمد شاہ کے دور میں رہا اور اس نے احمد شاہ کا ابتدائی زمانہ بھی دیکھا۔ نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد احمد شاہ کا زیادہ تر وقت درویشوں اور دینی لوگوں کی صحبتوں میں گزرتا۔ درویش اور علماء کو اس کے دربار میں آنے کی کھلی اجازت تھی

لیکن اس بادشاہ کی رحلت کے بعد شاہ فغار کا تعارف نواب جاوید خاں سے ہو گیا۔ بقول اس کے اس کو بھی خدا کی طرف سے الہام ہوتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ مبالغہ سے کام لے کر الہامات جاوید کی تالیف میں لگ گئے۔ شاہ فغار بھی کسی طرح اس میں شامل ہو گیا۔ اس عرصہ میں اس کے چھوٹے بھائی دید کی موت واقع ہو گئی اور چند سال کے بعد فغار بھی اس دنیا سے چل بسا یہ سب محمد شاہ کے ابتدائی دور حکومت میں ہوا۔ شاہ فغار کی زندگی ہی میں اس کے باپ کے بہت سارے احباب اور مدح خواں کا انتقال ہو گیا تھا۔ مریدوں کی اکثریت اس واقعہ کے بعد منحرف ہو گئی اور کچھ احمق اور نادان لوگ اب بھی اس کی مریدی میں رہ گئے تھے شاہ فغار کی رحلت اور شاہجہاں آباد کی تباہی کے بعد چند آدمی جو نمود کے قریبی اقربا میں رہ گئے تھے بنگالہ پہنچے ان دنوں میرن ولد میر جعفر خاں بنگالہ کا ناظم تھا۔ بعض لالچی قسم کے درباریوں نے نمود کے اقربا کی میرن سے سفارش کی میرن ان سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کے اخراجات کے واسطے پانچ روپے یومیہ مقرر کر دیئے اور ان کے نام ایک زمین لکھ دی جو بعد میں قدم رسول کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان میں سے بیشتر لوگ میر جعفر ہی کی حکومت میں جہنم رسید ہو چکے تھے میر جعفر کے

بارے میں آگے چل کر میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ البتہ نمانمو دیا راور اس عیار کی چند خواتین اب تک یعنی سنہ ۱۱۹۴ھ تک[1] زندہ ہیں غرض کہ اس عیار و مکار کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ

(فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)

جب محمد امین خاں کا مرض روز بروز زور پکڑتا گیا اور اطبا وغیرہ کی دوائیں اثر پذیر نہ ہوئیں تو مجبوراً اطبا کی متفقہ یہ رائے ہوئی کہ حقنہ دیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود اجابت نہ ہوئی۔ منہ کی راہ سے فضلات برآمد ہوئے اور اس طرح راہی ملک عدم آباد ہوا۔

لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کو اہل بیت اور حضرت ولایت مآب سے ایسی عداوت تھی کہ اگر وہ کسی شخص کی زبان سے علی ولی اللہ سن لیتا تو اس کو طلب کر کے اس کی زبان کٹوا دیتا[2] نیز اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ جس طرح بعض مقدس بزرگ حضرت شاہ مرداں کے نام پر دستر خوان بچھاتے ہیں اور اس بات

---

[1] اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آ گیا جس کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ بارہ سال پہلے کی بات ہے کہ نصف شب کو اور مختلف روپ بدل کر، قدم رسول، سے ایک طویل القامت اور حسین و جمیل شکل نکلتی تھی بعض کہتے ہیں کہ اس مزار مقدس سے فرشتے کا نزول ہوا ہے اور بعض اس شکل کو عورت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر اسے عورت تسلیم کر لیا جاتا ہے تو وہ اپنے آبا و اجداد کی طرح وہمی اور تنگ نظر تھی لیکن ساتھ ہی اس کا حسن اتنا پرکشش تھا کہ بعض اس کو آسمانی حور کہنے لگے اور اس کو زمین پر بھیجے جانے کا یہ مقصد بتایا گیا کہ لوگ اسے دیکھ کر حسن فردوس سے لطف اندوز ہو سکیں حسن و جمال کے علاوہ اس کا لحن لحن داؤدی سے کم نہ تھا اس کی آواز کا دھیما پن اور گداز پن اس بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ وہ یقیناً سراپا آرٹ ہے۔ جس کو یا تو بہشت سے زمین پر اتارا گیا ہے یا سچ مچ ایسے ملکوتی خد و خال کی دوشیزائیں اس خاندان میں ملتی ہیں۔

[2] جو شخص بھی ہندوستان کے اندر دنی علاقوں میں رہ چکا ہے وہ یقیناً یہاں کی رواداری اور شرافت سے متاثر ہوا ہوگا اور ایسی من گھڑت کہانی کو وہ ذرا بھی اہمیت نہیں دیگا لیکن مصنف کو چونکہ وزیر سے نفرت تھی اور یہ نفرت بھی بچکانہ حد تک مضحکہ خیز تھی اس لئے اس نے ایسی کہانی کو جنم دیا۔

کا انتظار کرتے ہیں انہوں نے اس کو قبول کیا یا نہیں اس نے ایسا ہی دستر خوان اپنے لئے بچھوانے کا فرمان جاری کیا۔ ایسا فرمان جاری کرنے کا اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ اس رسم کا مذاق اڑایا جائے جن لوگوں کو شاہ مردان پر ایمان ہے ان ہی کے دسترخوان کو وہ قبول کرتے ہیں اور اس پر غیب سے نشان پڑ جاتا ہے اس نشان کو ہزار ول لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ ایسے لوگ عقل وہوش والے تھے یہ کرامات راقم نے بھی دیکھی ہے۔ کیونکہ میں بھی اکثر و بیشتر ان کے حضور میں نیاز لے کر گیا ہوں اور انھوں نے قبول بھی کیا ہے جس کے لئے میں خدا کا ممنون ہوں۔ لیکن یہ وزیر اس کرامات کا ذکر سننا بھی نہ چاہتا تھا۔ سادات سے بھی اس کی نفرت اس حدتک بڑھی ہوئی تھی کہ خود اس کے دوست احباب، خدمت گزار اور اعزہ اس کو معاویہ اور یزید کہہ کر پکارتے تھے اور وہ ان ناموں کو سن کر خوش ہوتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے زید وعمرو کا نام لے کر ہم صحبتوں سے کہا کہ میں بھی ان کا دستر خوان کرنا چاہتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس طرح ان دیکھا نشان اس کو قبول کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے عمل کر کے بھی دکھایا۔ جب کسی خلوت گاہ میں دسترخوان آراستہ ہوا تو مع چند آدمیوں کے وہاں جاکر مقتدیان مذکور اور ائمہ خود کے نام فاتحہ پڑھ کر اس نے دروازہ بند کر دیا لیکن ساتھ ہی ایک ضعیف عورت کو اس نے دروازہ کی کنجی دی اس ضعیف عورت پر اس کو اعتماد تھا۔ اس سے وزیر نے کہا کہ وہ دروازہ کی نگہبانی کرے اور ایک گھنٹے کے اندر دروازہ کھول دے اور اس کی نگاہ جو نشان دیکھے اس سے وہ فوراً وزیر کو مطلع کرے اتفاق کی بات وہ ضعیف عورت خود شیعہ تھی لیکن اس نے اپنے عقائد پوشیدہ رکھے تھے ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد فرمان کے بموجب اس نے دروازہ کھول دیا اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ کتا دستر خوان پر ہر قسم کا کھانا مزے لے کر کھا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور دوڑ کر اپنے آقا کے پاس گئی اور چیختے ہوئے بولی ــ "حضور اس نشان کا انتظار کیوں کرنا چاہتے ہیں وہ تو بہ نفس نفیس آکر آپ کے دستر خوان کی ہر چیز بڑے شوق سے تناول فرما رہے ہیں۔" محمد امین خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ادھر چلا اور وہ عورت خوف جان سے گھبرا کر وہاں سے نکل گئی۔ وزیر اس جگہ پہنچا تو اس نے اپنی آنکھوں سے کتے

کو کھاتے ہوئے دیکھا - یہ دیکھ کر اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی - وہ اس عورت کو جان سے ہلاک کر دینا چاہتا تھا لیکن وہ کہیں نہ ملی - وہ غصہ میں اپنا ہونٹ کاٹنے لگا لیکن چونکہ وہ کسی اور پر اپنا یہ غصہ اتار نہیں سکتا تھا اس لئے وہ خود راہی ملک عدم ہوا جو اس کے لئے مناسب جگہ تھی -

مقتدر لوگوں کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب میر جملہ عظیم آباد کی صوبہ داری پر مامور ہوا تو دربار کے امراء و رؤسا رخصتی سلام کو گئے لیکن نعمت اللہ خاں مرحوم ولد روح اللہ خاں ایام عاشورہ اور تعزیہ داری کے مراسم میں مصروفیات کے سبب چند روز نہ پہنچ سکا - تاخیر سے حاضر ہونے کے باعث میر جملہ سے معذرت خواہ ہوا - اور کہا کہ میں ایام عاشورہ کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکا - کہا جاتا ہے کہ اس وقت محمد امین خاں بھی موجود تھا - میر جملہ کے ایک طرف یہ بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف نعمت اللہ خاں بیٹھا ہوا تھا - محمد امین خاں نے جب یہ عذر سنا تو پوچھا کہ کیا محل میں کوئی وفات پا گیا ہے ؟ نعمت اللہ خاں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ سید الشہدار کا ماتم کر رہا تھا - محمد امین نے کہا - مگر یہ عجیب بات ہے کہ جب حسینؓ اور یزید دونوں ہی ایک خاندان کے دو صاحبزادے ہیں تو ایک کا ماتم کریں اور دوسرے کا ماتم کیوں نہ کریں ؟ نعمت اللہ خاں نے جواباً کہا کہ حسینؓ ابن علیؓ شہید ہوئے تھے اس لئے ہم ان کا ماتم کرتے ہیں - لیکن یزید کو فتح ہوئی تھی اس لئے تم خوشیاں مناؤ - دونوں کو جلال آگیا اور دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے سرپیچ اپنے ہاتھ میں لے لئے لیکن میر جملہ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کر دیا -

محمد امین خاں کے مرنے کے بعد بائیسویں ربیع الثانی ۱۱۳۳ھ کو عنایت اللہ خاں عالمگیری کو عہدہ وزارت ملا - اس کو بادشاہ نے خلعت سے بھی نوازا - اسی اثنا میں بادشاہ کی توجہ مندرجہ ذیل اطلاع کی طرف مبذول ہوئی :-

بادشاہ کا وفادار خادم نظام الملک اورنگ آباد کے امور سلطنت کو درست کر کے بعزم حضوری روانہ ہو کر فرید اپور پہنچا ہی تھا کہ یہاں بیجاپور کے باغی افغانوں اور کرناٹک کے شر پسندوں کے فسادات کی اطلاع ملی چنانچہ اس اطلاع کے پاتے ہی وہ ان فسادات کی سرکوبی کے لئے اس نے فوراً ادھر کا رخ کیا ——— راجا ساہو نے شاہی فوج کی فتح یابی کی خبر سن کر ایک عرضداشت

مع پانچ صد اشرفی پیش کی۔ بادشاہ نے سیف الدولہ عبدالصمد خاں کو اس کے صوبہ لاہور میں بھیج دیا اور قمر الدین خاں اپنے باپ کے خطاب اعتماد الدولہ سے سرفراز ہوا اور معز الدولہ حیدر قلی خاں بہادر کو ناصر جنگ کے بدلے فیروز جنگ کا خطاب ملا۔ سعادت خاں اکبر آباد کی صوبہ داری سے معزز کیا گیا۔ محمد خاں بنگش جس کو الہ آباد کی صوبہ داری ملی تھی اور وہ ادھر روانہ ہو رہا تھا کہ اس کو دوبارہ طلب کر لیا گیا کیونکہ اس نے جاگیر کے زیادہ مطالبے کئے تھے اس کو معتوب گردانا گیا لیکن از سر نو اس کو عہدہ مل گیا۔

کرناٹک میں بھیانک سیلاب

اسی اثنا میں حیدر آباد کے سلطانی اخبار سے یہ معلوم ہوا کہ ضلع کرناٹک میں ماہ صفر کی سات تاریخ کو دو مرتبہ ایسی غیر موسمی بارش ہوئی کہ ندی نالے چڑھ گئے اور مسلسل بارش کی وجہ سے بارہ کوس کے اندر جتنے بھی موضع پڑتے تھے سب کے سب غرقاب ہو گئے۔ بیشمار لوگوں اور مویشیوں کی جانیں ضائع ہوئیں اسی اثنا میں ایک پہاڑ پھٹ پڑا جس کی وجہ سے پورا شہر تباہ ہو گیا۔ اور شہر کے سارے باشندے ہلاک ہو گئے۔ آبادی کا نام ونشان نہ رہا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ شکارگاہ کو گیا اس کے ہمراہ آعز خاں ترک بھی تھا۔ بادشاہ نے بہ زبان ترکی اس کی خوب تعریف وتوصیف کی۔ اس کے تین چار روز کے بعد بادشاہ نے اپنے مطلب سے اس کو اضافہ ہزار اور پانچ صد دہزار سوار اور نقارہ وسرپیچ عنایت فرمایا چند روز کے بعد پھر اس کو منصب ہزاری ہزار سوار اور بہادری کا خطاب ملا ابھی یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ اکبر آباد سے خبر آئی کہ دلیر خاں جو محمد خاں بنگش کا منشی تھا ماہ رجب کے آخیر میں دوہزار سوار سمیت بندیل کھنڈ کے اس زمیندار کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا جس نے اس کے آقا کی جاگیر کے سلسلہ میں تنازعہ برپا کر رکھا تھا۔ لیکن جب وہ یہاں آیا تو معاملہ نے طول کھینچا۔ نتیجہ کے طور پر لڑائی ہوئی۔ دلیر خاں اپنے آٹھ سو سوار سمیت مارا گیا اس خبر کو سن کر بادشاہ نے محمد خاں بنگش کے لڑکے کو خلعت اور سرپیچ مع ہمدردانہ مکتوب کے بھیجنے کا فرمان صادر کیا۔

گجرات میں فسادات

قارئین کو ان واقعات میں ہم نے بہت دیر الجھائے رکھا۔ لہٰذا اب ہم پھر تاریخ کے سمندر میں غوطہ زن ہو رہے ہیں صوبہ اجمیر اور گجرات اور احمد آباد کی رعایا راجہ اجیت سنگھ کے ظلم وجور سے پریشان ہو کر دربار حضور میں شکایت لے کر حاضر ہوئے۔ انہوں نے شکایت نامہ میں تحریر کیا تھا کہ راجہ کو امیر الامرا اور

قطب الملک سے دوستی ہے اور اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف مذہبی تعصب پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ دونوں شکایتیں حق بجانب ثابت ہوئیں۔ راجہ کو صوبہ داری سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور اس کی جگہ گجرات کی صوبہ داری مع امینی، دیوانی اور فوجداری کل محالات خالصہ صوبہ مذکورہ کے معزالدولہ حیدر قلی خاں کو ملی اس کے علاوہ بندرگاہ سورت کا بھی کل اختیار اسی کو ملا۔ کاظم خاں شجاعت خاں کو جو صوبہ احمد آباد کے متعینہ منصب داروں میں تھا صوبہ گجرات کی نیابت ملی۔ اصل و اضافہ سے سہ ہزاری اور دو ہزار سوار کر کے شجاعت خاں کا خطاب دیا اور اس کا بھائی مرتضیٰ قلی خاں بیگ اضافہ ہزاری دو پنج صد سوار اور رستم علی خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ان اعزازات کے علاوہ اس کو پرگنات بردوہ کی نیابت بھی ملی۔ حیدر قلی خاں کے دیوان رائے رگھوناتھ کو بھی منصب ذات دسواری سے سرفراز کیا گیا۔ نیز بندرگاہ سورت اور گجرات کے مالی بندوبست کا بھی ذمہ دار مقرر کیا گیا۔ سرکار مراد آباد کی فوجداری معزالدولہ کی ترقی پانے سے اعتمادالدولہ کو ملی۔ صوبہ اجمیر مظفر علی خاں کو ملا جو خان دوران اور راجہ جے سنگھ سوائی کے ذریعہ دربار میں متعارف ہوا تھا صوبہ داری کے علاوہ اس کو خلعت سرپیچ مرصع اور ہاتھی سے بھی سرفراز کیا گیا۔ عطاء اللہ خاں ولد عنایت اللہ خاں بخدمت داروغگی ڈاک اور فضل علی خاں داروغگی فیل خانہ پر مقرر ہوا۔ دونوں کو خلعت فاخرہ بھی ملا۔ سعدالدین علی خاں کو جو نظام الملک کی طرف سے آیا تھا نظام الملک کی سفارش کے بموجب اضافہ پانچ ہزار اور نقارہ و خلعت عطا فرمایا۔

اجمیر میں ہنگامہ

اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ راجہ اجیت سنگھ کے نائب کو اپنے آقا کی معزولی کی اطلاع ملی اور اسے یقین ہو چلا کہ ظلم وجور کی سزا اس کو بھی ملے گی تو اس نے عہد کیا کہ جب تک کوئی دوسرا نائب نہیں آتا وہ شہر کو تخت و تاراج کر کے اور تباہی و بربادی پھیلا کر یہاں سے نکل بھاگے گا۔ لیکن اس کا منصوبہ غلط نکلا کیونکہ اس شہر میں مہر علی خاں نامی ایک امیر رہتا تھا جو راجہ اجیت سنگھ کا بخشی تھا وہ کسی طرح محاسبہ کی زد میں آگیا تھا اور اسی وجہ سے آزردہ خاطر رہا کرتا تھا۔ حیدر قلی خاں کے ساتھ بھی اس کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حیدر قلی خاں اس سے اور اس کے دوست صفدر خاں بابی سے ناخوش رہنے لگا چنانچہ دونوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ اگر راجہ اجیت سنگھ کی سرکوبی کی جائے تو نئے صوبہ دار کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا دونوں اپنے ساتھ

بہت سے افغانوں اور رعایائے شہر کو ساتھ لیا اور اس پر حملہ آور ہو گئے خونریز جنگ ہوئی جس میں بہت سے راجپوت ہلاک اور زخمی ہوئے اور نائب شہر سے فرار ہو کر صفدر خاں بابی کے بھانجے کے مکان میں آکر پناہ گزیں ہوا۔ گھر کا محاصرہ کر لیا گیا لیکن صفدر خاں بابی کے بھانجے کی مدد سے وہ بکمال خفت شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن جودپور یعنی اپنے وطن پہنچتے پہنچتے اس نے بعض مواضع کو خوب لوٹا۔

مہر علی خاں اور صفدر علی خاں بابی نے اطمینان کی سانس لے کر ناہر خاں دیوان احمد آباد کو جو رفقائے سادات میں تھا پیغام دیا کہ وہ خزانہ شاہی حاضر کرے اور معاملات حکومت میں دخل در معقولات نہ کرے۔ چونکہ یہ شخص بھی کس بل والا تھا لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ حالات انتہائی تشویشناک ہو گئے تھے کہ اتنے میں شجاعت خاں مع دستاویز مہری معز الدولہ حیدر قلی خاں کے پہنچا۔ فوراً اس نے صلح کر لی اور شہر سے چلا گیا۔

سید نصرت یار خاں صوبہ دار عظیم آباد کو رکن الدولہ کا خطاب مع اضافہ ہزار سوار دو اسپہ کے عنایت ہوا۔ شیر افگن نے عزۃ الدولہ کا خطاب اور ملتان کی صوبہ داری پائی۔ اکبر آباد سے یہ خبر آئی کہ متھرا اور دار الخلافہ کے مابین جو تین چار قلعے ہیں اور جہاں مفسد پرداز پناہ گزیں ہوا کرتے تھے ان کو سعادت خاں بہادر جنگ نے محاصرہ اور مقابلہ عظیم کے بعد جس میں چار سو افراد ہلاک ہوئے ہیں تسخیر کر لیا ہے اس اطلاع کے ملتے ہی فرمان صادر ہوا کہ فوراً اس سپہ سالار کو خلعت اور خنجر مرصع مع فرمان مبارکبادی کے بھیجے جائیں۔

زنجیر عدل والنصاف اگرچہ بادشاہ کو عدل والنصاف اور سلطنت کے دیگر اہم امور سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اس کے باوجود معدلت گستری کی خاطر ایک زنجیر بنوائی کہ جو مع گھنٹے کے برج مثمن سے معلق تھی اور اس کا ایک کنارہ دریا کے اس پار نظر آتا تھا گھنٹہ بن گیا تو بادشاہ نے منادی کرادی کہ جس کو اپنی شکایت بیان کرنی ہو وہ برج مذکور کے نیچے آکر زنجیر ہلا کے داد پائے گا۔

۹ رشوال کو بادشاہ کی تخت نشینی کا یوم بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ اس سال کے ختم ہونے سے کچھ پہلے مظفر خاں جو اجمیر کی صوبہ داری پر مامور ہوا تھا عسرت و بے سر و سامانی کے سبب مرواڑی میں کہ جو دار الخلافہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے گھوم رہا تھا کہ اس کو راجہ اجیت سنگھ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی اس کو معلوم ہوا کہ راجہ اجیت سنگھ

جودھ پور سے تیس ہزار سوار کے ساتھ بڑھا آرہا ہے اور اس کے ہمراہ بہت سارے زمیندار اور راجپوت بھی ہیں۔ لہٰذا مظفر علی خاں نے یہاں مزید قیام کرنے کا ارادہ کیا۔

راجہ اجیت سنگھ نے اجمیر میں داخل ہو کر منادی کرا دی کہ سارے دکاندار اور پیشہ ور اپنی اپنی دکانیں کھلی رکھیں اور سکون کے ساتھ بلا خوف وخطر کام میں مصروف رہیں نیز اس نے تمام مساجد کے موذنوں کو طلب کیا اور کہا کہ وہ اپنے مذہبی ودینی امور رسم و رواج کے مطابق انجام دیں۔ اس نے مساجد کی مرمت اور تعمیر کے واسطے ایک خاص رقم بھی مقرر کر دی اس کے بعد عملہ اور ارکان شاہی کو حاضر کر کے قول نامہ اور فرمان بادشاہ متضمن نشان پنجہ دکھلایا جس میں یہ عہد تھا کہ صوبہ اجمیر اور احمد آباد تا حیات اس کو تحفے میں دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ راجہ سادات کا رفیق تھا اور صاحب اقتدار بھی والدۂ بادشاہ نے عہد نامہ اس وقت اس کے ہاتھ میں رکھا جب رفیع الدرجات کی رحلت اور روشن اختر کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تھی۔ الغرض عہد نامہ دکھانے کے بعد اس کی نقل سے مع اپنی عرضی کے مصحوب دیوان بادشاہی خانِ دوراں اور ظفر خاں کی خدمت میں بھیج دی۔ اس عرضی کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"اگرچہ دونوں صوبوں کی عملداری کے حقوق سے مجھکو محروم کرنا خلاف عہدو پیمان ہے تاہم حضور کی خوشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں، احمد آباد، گجرات سے دستبردار ہو چکا ہوں اتنی گراں قدر قربانی کے باوجود بھی اگر میں صوبہ اجمیر سے محروم کر دیا جاؤں تو نہ صرف اپنی جماعت کی آنکھوں سے گر جاؤں گا بلکہ دنیا بھی مجھ کو عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے گی۔ چونکہ اہل جود وسخا کو ہمیشہ عزت اپنی جان سے زیادہ عزیز رہی ہے مجھے یقین ہے کہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں میں سے ایک صوبہ مجھے عنایت کیا جائے۔"

اس سال ذی الحجہ کے مہینے میں بادشاہ بیگم دختر عالمگیر بادشاہ جس کا نام زیب النسا تھا اس جہان فانی سے رحلت کر گئی۔

سعادت خاں کی مہم

جب یہ عرضی خانِ دوراں کو ملی تو اس نے اس سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ خصوصاً ایسے عالم میں جب کہ خزانہ خالی ہو رہا تھا اس نے سوچا کہ اجمیر نہ صرف دارالخلافہ سے ملحق ہے بلکہ یہاں معزز ہستیوں کے مزار

بھی ہیں لہٰذا یہ تو کسی مسلمان ہی کے قبضہ میں رہے البتہ گجرات اس کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بادشاہ، اس کے امرا اور خصوصاً حیدر قلی خاں راجہ سے لڑنے اور اس کی تادیب کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حیدر قلی نے اس مقصد کے لئے سعادت خاں کو اکبر آباد سے طلب کیا اور سعادت خاں بموجب حکم جرأت کر کے آخر ذی قعدہ کو حاضر ہوا۔ اس نے گھوڑ سوار رپیدل فوجوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سامان حرب اور توپ خانہ سمیت جلد از جلد پہنچ جائیں۔ دربار میں حاضر ہو کر سعادت خاں نے دوسرے امور کے علاوہ اس مہم کے لئے ضروری سامان طلب کئے لیکن چند امرائے دربار اس کی اس مہم کے مخالف تھے چنانچہ انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ عین اسی وقت یہ خبر آئی کہ مظفر علی خاں کی فوجوں نے تنخواہ نہ ملنے پر اجمیر کے قرب وجوار میں لوٹ مار مچا رکھی ہے اس پر بھی قانع نہ ہوئے تو انہوں نے اپنے سپہ سالار ہی کا محاصرہ کر لیا اور اس کے پاس جو کچھ بھی تھا ہتھیا لیا مظفر علی خاں جب بے بس ہو گیا اور اس کی حالت دگرگوں ہو گئی پنی جان بچانے کی غرض سے آبر بھاگ گیا اور جے سنگھ کے نائب کے یہاں پناہ گزیں ہوا۔ یہیں سے اس نے خلعت اور عہد نظامت دربار میں واپس بھیج دیئے اس کی ذلت و رسوائی کی داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ اجیت سنگھ کے دو لڑکوں نے فوج کثیر لے کر اور اس کی صوبیداری میں داخل ہو کر شاہی علاقہ کے چار پانچ موضعات کو روند ڈالا۔ دریں اثنا بہت سے زمیندار اور لٹیرے بھی آپس میں مل گئے۔ انھوں نے موقع غنیمت جانا اور نارنول کے شہر پر حملہ آور ہو گئے۔ بایزید خاں صوبیدار نے جو اتفاق سے وہاں مشاہدہ کے لئے پہنچ گیا تھا جب یہ عالم دیکھا تو وہ فوراً اپنی پوری قوت سے بھاگ کھڑا ہوا اور بڑی مشکل اور خطرہ میں گھر کر وہ اپنے بھانجے کے پاس شہر میں آگیا۔

اس شہر کے بڑے بڑے لوگوں نے جب سارا نظام درہم برہم دیکھا تو انھوں نے اپنی عزت، جائداد اور خاندان کے ناموس کے تحفظ کے لئے مارنے مر جانے کا تہیہ کر لیا جب تک ہو سکا وہ لڑتے رہے لیکن اخیر میں ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق انھوں نے اپنے اہل خاندان کو اپنی ہی تلواروں سے ہلاک کیا اور پھر وحشیوں کی طرح دشمن پر حملہ کر دیا لیکن رہزنوں اور ڈاکوؤں نے میدان مار کر اتنی بے دردی سے پورے شہر کو لوٹا کہ کسی مرد یا عورت کے پاس تن ڈھانکنے کو کپڑا تک نہ تھا۔ جو بھی ہاتھ آیا وہ لوٹ کر لے گئے اور عورتوں مردوں اور بچوں کو قید کر لیا۔

دربار میں یہ وحشت ناک خبر پہنچی تو خان دوراں اجیت سنگھ کی تادیب کو فوراً تیار ہو گیا اور اس نے اپنا پیش خانہ[1] فوراً شہر سے باہر بھیجدیا لیکن چونکہ عرصہ دراز سے اس کے اور دربار کے مغلوں کے ساتھ عداوت چلی آرہی تھی اور خزانہ بھی کسی ایسی مہم کے لئے اجازت نہیں دیتا تھا اس لئے وہ واپس آگیا اور حیلے حوالے کر کے اس نے عوام کو مطمئن کیا حیدر قلی خاں اگرچہ خانِ دوراں کے طرز عمل سے خوش نہیں تھا اس کے باوجود اس نے اپنی خدمات پیش کیں اور حلفیہ کہا کہ خواہ جو بھی ہو میں قسمت آزمائی کروں گا۔ وہ اس کی زیر کمان لڑنے کو تیار ہو گیا اور اس نے اپنا پیش خانہ شہر سے باہر لے جانے کا حکم دیا ایک طرف تو حیدر قلی خاں اس مہم کے لئے دل و جان سے تیار تھا لیکن دوسری طرف خانِ دوراں پر اس کی سوگند کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ الٹا اس نے بادشاہ سے خفیہ طور پر کہا کہ اگر راجہ اجیت سنگھ کو شاہی فوج پر فتح حاصل ہوتی ہے تو اپنی فوج کو اس عالم میں کہ تنخواہ نہیں ملی ہے اور خزانہ بھی خالی ہے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اجیت سنگھ کو شکست ہو جاتی ہے اور اسے میدان جنگ سے بھگا دیا جاتا ہے تو پھر بھی وہ ایسے دشوار گزار پہاڑوں اور گہری وادیوں میں چلا جائے گا جہاں اس کا تعاقب کرنے کی نہ تو ہماری فوج میں اتنی ہمت ہے اور نہ استقلال۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب خود ہمارے اندر نا اتفاقی اور رسہ کشی ہے ایسی صورت میں اس مہم پر جانا سراسر نادانی اور حماقت ہے۔ اس کا اثر قمر الدین خاں کے علاوہ کسی پر نہ ہوا اس نے اس شرط پر اپنی خدمات پیش کیں کہ قطب الملک عبداللہ خاں اور نجم الدین علی خاں کو رہا کر دیا جائے کیونکہ اس کے خیال میں وہ ان دونوں بہادروں سے مہم سر کرنے میں مدد لے سکے گا اس کے علاوہ اس نے اور بھی تجاویز پیش کیں مگر بادشاہ مطمئن نہ ہوا۔ چونکہ عبداللہ خاں کی رہائی کی تجویز کو بیشتر امرا نے ناپسند کیا تھا اس لئے قمر الدین خاں کی مہم بھی آگے نہ بڑھ سکی۔

قمر الدین خاں اور خانِ دوراں کے درمیان اسی موضوع پر خوب تکرار ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خانِ دوراں نے دربار میں آمد و رفت بند کر دی اور گوشہ نشین ہو گیا لیکن بادشاہ نے جب دیکھا کہ سلطنت کے دارالمہاموں میں رنجش بڑھ گئی ہے تو اس نے بیچ بچاؤ کیا اور دونوں کی شکایتیں دور کر دیں۔

---

[1] دربار شہنشاہ کے تمام امرا کے پاس پیش خانہ ہوا کرتا تھا۔ اور ہر پیش خانہ میں بیس یا چالیس خیمے رہتے تھے بعض خیمے اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ان میں بیک وقت پانچ سو افراد رہ سکتے تھے۔

نظام الملک کی آمد

رنجشوں اور مصالحتوں کا چکر ایسا چلا کہ اجیت سنگھ کے خلاف لشکر کشی کا خیال ترک کر دیا گیا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ راجہ اجیت سنگھ اور خان دوراں کے درمیان متواتر خط وکتابت ہوتی رہی۔ خانِ دوراں کو جس نے اس کو شرانگیزی اور فتنہ پروری سے حتی الامکان باز رکھنے کی کوشش کی مجبوراً کہنا پڑا کہ اس کی بغاوت کے نتائج بھیانک نکلیں گے چنانچہ اس کو اپنی بغاوت کا مزا چکھنا ہی پڑا۔ دربار میں یہ اطلاع آئی کہ نظام الملک دارالخلافہ کو چل پڑا ہے۔

کرناٹک کے حالات معمول پر آگئے اور وہاں کا نظام حکومت درست ہو گیا تو نظام الملک یکم ذی الحجہ کو اورنگ آباد[1] آگیا اور پھر وہاں سے ۷ ار ماہ مذکور کو دارالخلافہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ برہان پور پہنچ کر اس نے دیانت خاں کو طلب کیا اور اسے خلعت اور ہاتھی سے نواز کر دکن کا دیوان مقرر کیا۔ بادشاہ نے بھی کچھ روز پہلے اس کے لئے اس منصب کی تجویز کی تھی۔ چونکہ دارالخلافہ میں نظام الملک کی آمد یقینی ہو گئی تھی اس لئے اس کی آمد تک سلطنت کے سارے امور ملتوی کر دیئے گئے۔

کابل اور پشاور سے بھی یہ خبر موصول ہوئی کہ خان زاد خاں جس کو اس کے والد سربلند خاں نے کابل کے فسادات کی آگ بجھانے کے لئے بھیجا تھا واپسی میں اُس مقام پر رکا جہاں محمد امین خاں ولد میر جملہ کو لوٹا گیا تھا لہٰذا خان زاد کو بھی ان ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ افغانی کوہ پیماؤں کے محاصرہ میں آگیا تھا۔ اس نے مدافعت کرنا چاہی تو بھیانک جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس جنگ میں شاہ مجاہد جیسا جری سپہ سالار نہ صرف زخمی ہوا بلکہ اس کے آٹھ سو سپاہی بھی ہلاک ہوئے۔ خان زاد خاں کے بھی دو گھوڑے ہلاک کر ڈالے گئے اور وہ خود بھی ایک گولہ لگنے سے زخمی ہو گیا تھا چنانچہ اس نے میدانِ جنگ سے بھاگ کر اپنی اور کچھ لوگوں کی جانیں بچائیں لیکن اس کا سارا سامان یعنی خیمے، ہاتھی اور توپ خانہ دشمن کے قبضہ میں آگیا۔ سلطانی خبریں بھی

---

[1] اورنگ زیب عالمگیر نے اس پر قبضہ کر کے اس کا نام اورنگ آباد رکھا تھا ہندوستان کے بیشتر قلعوں اور شہروں کے قدیم نام نئے ناموں میں تبدیل ہو گئے تھے اورنگ آباد کا قدیم نام کارکی تھا۔ کولاریا مقصود آباد بنا پھر مرشد آباد۔ ڈھاکہ کا نام جہانگیر نگر پڑا اور کلکتہ کا علی نگر بنارس محمد آباد میں تبدیل ہوا اور پراگ الہ آباد میں۔ دہلی شاہجہاں آباد بنا اور آگرہ اکبر آباد۔

مذکور رہے کہ ناظم لاہور عبدالصمد خاں نے جس کے لڑکے کو کشمیر کا ناظم مقرر کیا گیا تھا جب یہ سنا کہ کشمیر میں خلفشار مچا ہوا ہے اور اشرف الدین خاں ولد محتوی خاں (مرحوم) نے اس کے نائب کا محاصرہ کر لیا ہے تو اس نے اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کا ارادہ کر لیا۔ تین چار ہزار مغل گھوڑ سواروں کو لے کر وہ اس تیزی سے بڑھا کہ چند ہی روز میں غیر متوقع طور پر وہ کشمیر پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر اشرف الدین خاں کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ پہلے تو مقابلہ کرنے سے ٹال مٹول کرتا رہا۔ لیکن چونکہ وہ کشت و خون نہیں چاہتا تھا اسلئے اس نے ہتھیار رکھ دیئے۔ اس کے ہتھیار رکھ دینے سے حالات معمول پر آگئے اور چاروں طرف امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالصمد خاں نے ملکی امور کی طرف توجہ دی کشمیر میں ایسے بہتیرے افراد تھے جن کو خیرات کے طور پر نہ صرف شاہی خزانے سے مدد ملتی تھی بلکہ بہتوں کو اس بنیاد پر جاگیریں بھی ملی ہوئی تھیں۔ عبدالصمد خاں نے سارے وظیفے بند کرا دیئے اور جاگیروں کی ضبطی کا حکم صادر ہوا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ کشمیر کے فسادات میں ان کے ہاتھ بھی ملوث تھے۔

بادشاہ کی عیاشی کی ایک مثال

اس خوشخبری کے ساتھ ساتھ شاہی خاندان میں خوشی کے شادیانے بج اٹھے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ کو پنج شنبہ کے روز رات کے وقت محل میں لڑکی تولد ہوئی اور ۱۹ ر صفر ۱۱۳۴ھ کو سہ شنبہ کی شب میں بادشاہ کی شادی ملکہ زمانی دختر محمد فرخ سیر سے بکمال تزک و احتشام اور زیب و زینت عمل میں آئی اور طالع اسد میں نکاح پڑھایا گیا ہندوستانی رسم و رواج کی سختی سے پابندی کی گئی کئی دنوں تک رقص و سرود، آتش بازی اور طعام کا سلسلہ جاری رہا اس کے بعد بڑے کروفر سے ملکہ داخل محل سرائے شاہی ہوئی۔

درایں اثنا نظام الملک دکن اور کرناٹک کے نظام کو درست کر کے روز پنج شنبہ ۱۱ر ربیع الثانی کو دارالخلافہ پہنچا اور ۵ ر جمادی الاول روز یکشنبہ کو پیش حضور ہوا بادشاہ نے اس کو عہدۂ وزارت اور عطائے خلعت جماقب اور قلمدان سے سرفراز کیا۔ تیسری جمادی الآخر شنبہ کے روز حسب معمول جشن نوروز منایا گیا۔ بادشاہ کا لقب ابوظفر سے تبدیل ہو کر ابوالفتح ناصر الدین مقرر ہوا۔ پنج شنبہ کے روز ۶ ر رجب سن مذکور کو دیوانی خالصہ راجہ گوجرمل کو ملی اور چند روز کے بعد یعنی یک شنبہ کو شیخ سعداللہ نے دیوانی تن پائی۔

دریں اثنا نظام الملک نے جو کہ صاحب اقتدار اور صاحب بصیرت تھا سب سے پہلے امور سلطنت کو درست کرنے کی طرف توجہ دی اور اس کے بعد نجی معاملات کی طرف دھیان دیا اس نے بادشاہ کو اس بات کا بھی مشورہ دیا کہ وہ عوام کے سامنے ذرا رعب و دبدبہ کے ساتھ آئے، اپنے اخلاق کو درست کرے، حالات کے سانچے میں خود کو ڈھالے ملازمین کے اختیارات کو کم کرے۔ ہر کام کے لئے وقت مقرر کرے اور عدل و انصاف کی طرف متوجہ ہو۔ بادشاہ نے ان مشوروں کو غور و خوض سے سنا لیکن ان پر عملدرآمد نہ کرسکا۔ بادشاہ اب بھی عالم شباب میں تھا اور اس کا زیادہ تر وقت رقص و سرود میں گزرتا۔ لیکن بعض امرائے دربار اور خصوصاً خانِ دوراں نظام الملک کی دخل در معقولات کو پسند نہیں فرماتے تھے لہٰذا وزیر سے لوگوں کی نفرت بڑھتی گئی اور اس کے خلاف لوگ منصوبے بناتے رہے۔ ایک دن کی بات ہے کہ حیدر قلی خاں امرائے دربار اور خواجہ سرائے خاص کے بہکانے میں آگیا۔ اس نے اپنی حد سے پاؤں بڑھائے۔ چونکہ وہ بھی مرد شجاع جاہ طلب اور صاحب جرات تھا صوبہ گجرات میں اور خود اپنی جاگیر سے کثیر رقم جمع کی اور اس کے علاوہ عبدالغفور بوہرہ (جو اپنی دولت و ثروت کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور تھا) کی جائداد بھی ضبط کرلی جس کا حساب کروروں سے بھی آگے جاتا تھا۔ اتنی دولت پاکر اس کا غرور حد سے زیادہ بڑھ گیا اور اس کے دل میں اکثر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ وہ بھی امیر الامرا حسین علی خاں کے مرتبے کو پہنچے گا لیکن ساتھ ہی اس کو یقین تھا کہ جب تک نظام الملک راہ سے نہیں ہٹ جاتا ہے اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا بادشاہ اور دیگر امرا نے بھی اس کے خیال کو ہوا دی۔ اگر وہ ایک طرف اس بات سے خوش تھے کہ حیدر قلی خاں کے ہاتھوں ان کو نظام الملک سے نجات ملے گی تو دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ حیدر قلی خاں نظام الملک کے ہاتھوں اس حد تک پریشان ہو کہ صوبہ گجرات کی حکومت سے اس کو سبکدوش ہونا پڑے۔

اسی عرصہ میں یعنی دوسرے سال (۱۱۳۵ھ) بادشاہ کے محل میں عجیب و غریب واقعہ ظہور پذیر ہوا جس سے اس کے دل و دماغ کو انتہائی تکلیف پہنچی۔

یکم محرم دوشنبہ کی صبح کاذب کے قریب ملکۂ زمانی کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی ماہ مذکور کی پندرہ تاریخ کو نظام الملک کو حید قلی خاں کے بدلے میں صوبہ داری گجرات کا خلعت

ملا اور پنج شنبہ کے روز دوم ماہ صفر سن مذکور کو دوپہر کے فوراً ہی بعد نظام الملک گجرات کی مہم پر روانہ ہو گیا۔

راجہ نیل کنٹھ کی موت

پتہ چلتا ہے کہ برہان الملک سعادت خاں بہادر کو صوبہ اکبر آباد کے علاوہ صوبہ اودھ جو راجہ گردھر کے اختیار میں تھا ملا اور راجہ گردھر کو مالوہ کی حکومت ملی۔ سعادت خاں کو از حد خوشی ہوئی کہ وہ اپنے پرانے ملک میں واپس جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے نائب رائے نیل کنٹھ کو اکبر آباد میں رکھا۔ قریبی علاقہ کے زمیندار کے ساتھ نیل کنٹھ کی عداوت چلی آ رہی تھی ایک دن جبکہ وہ ہاتھی پر سوار ہوا خوری کو جا رہا تھا کہ ایک جاٹ نے جو زمیندار کے اشارے سے ایک درخت پر تاک میں بیٹھا ہوا تھا نیل کنٹھ کا نشانہ باندھا اور بندوق چلا دی بندوق کی گولی فوراً چھاتی کے پار ہو گئی اور جاٹ نے راہ فرار اختیار کر لی۔ سعادت خاں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے سوچا کہ دونوں صوبوں کا مالک ہو کر ہی وہ اپنے نائب کا انتقام لے سکتا ہے لیکن خان دوراں صمصام الدولہ نے موقع غنیمت جان کر دونوں صوبے اجیت سنگھ سوائی کو دلوا دیئے۔ اور برہان الملک سعادت خاں کے قبضے میں صرف اودھ کی صوبہ داری رہی۔

چورامن کی خودکشی

اس اثنا میں راجہ اجیت سنگھ کو چورامن جاٹ کی سرکوبی کے لئے جو اس صوبہ کا طاقتور زمیندار تھا فرمان ملا چنانچہ اس نے حسب الحکم اس کے قلعہ تون کا محاصرہ کر کے اس کو حدود زمینداری سے نکال دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس نے اس کے بھتیجے بدن سنگھ سے دوستی گانٹھ لی اور محکم سنگھ نے اپنے باپ چورامن کے روبرو خلاف شان پسر کے گستاخی کی محکم سنگھ اس کا اکلوتا لڑکا تھا اس لئے اس کی گستاخی کو برداشت کر گیا لیکن اس کو اس حد تک قلق ہو گیا کہ اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ باپ کے مرنے کے بعد محکم سنگھ نے اجیت سنگھ کے خلاف طاقت استعمال کرنا چاہی لیکن اجیت سنگھ کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اس کو اس کی اطاعت قبول کرنا پڑی اس کے بعد راجہ نے بدن سنگھ کو زمینداری بخش دی اور دربار سے بھی اس کی تصدیق کرا دی۔ بدن سنگھ نے تالیف قلوب کر کے محکم سنگھ کے اکثر و بیشتر رفقا کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ محکم سنگھ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا جس پر فوراً بدن سنگھ نے قبضہ کر کے

اس کو اپنی رہائش گاہ بنالیا اس دوران راجہ گردھر بہادر مالوہ پہنچ گیا اور یہاں کی حکومت اس کو مل گئی۔

حیدر قلی خاں مالی خولیا کا شکار

ہم نظام الملک کے بارے میں یہ بتا چکے ہیں کہ اس کو صوبہ گجرات کا نیا صوبہ دار مقرر کیا گیا ہے چنانچہ وہ فوج اور توپ خانے کو لے کر ادھر بڑھ رہا تھا اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ حیدر قلی خاں کے ملازمین کو اس سے منحرف کردے تو اس کو حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔ کیونکہ اس کی فوج میں بھی تورانی، مغل، پٹنی، غزنی اور بانی کے لشکر ہیں لہٰذا حیدر قلی خاں کے خیمے میں اس نے مختلف طریقوں سے پیغام بھجوائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہتوں کو اس نے اپنی طرف مائل کرلیا اور حیدر قلی خاں سے منحرف کردیا۔ چنانچہ شجاعت خاں مہر علی خاں اور رستم خاں گجراتی، صلابت خاں اور زبردست خاں بانی، اسد خاں غزنی اور دیگر سرداران پنی و مغلیہ و تورانیہ حیدر قلی خاں کے خیمہ سے چلے آئے حیدر قلی خاں پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ وہ گھبرا گیا۔ اس پر مالیخولیا کی کیفیت طاری ہوئی لہٰذا رفقاء دیرینہ کو ہمراہ کرکے اور عماری میں بیٹھ کر دارالخلافہ کی راہ لی۔

نظام الملک کے لئے راستہ صاف تھا اس نے گجرات کی طرف پیش قدمی کی۔ گجرات اس کے قبضہ میں آگیا اور جب اس کے انتظامی امور سے فرصت ملی تو اس نے صوبہ گجرات اپنے چچا حامد خاں کو جو شاہزادہ جنگلی کے نام سے مشہور تھا حوالہ کیا اور خود مالوہ کے بندوبست کو جو گردھر کی تبدیلی کے بعد اس کو ملا تھا آیا اور یہاں کا انتظام کرکے یہ صوبہ اپنے بھتیجے عظیم اللہ خاں کے سپرد کرکے اور خود اورنگ آباد روانہ ہوگیا دریں اثنا حیدر قلی خاں اپنے رفقا اور مال وزر کے ساتھ دارالخلافہ آیا اور کچھ دنوں تک یہاں کسی کو اطلاع کئے بغیر پڑا رہا۔

ان ہی دنوں بروز یکشنبہ ۱۳ ر جمادی الثانی ۱۱۳۵ھ کو بڑے ہی تزک واحتشام اور شان وشوکت سے جشن نوروز منایا گیا اور اسی روز نیکو سیر نے رحلت فرمائی۔ اسی سال کے بروز شنبہ گیارہویں رجب کو روشن اختر محمد شاہ کی بیگم کے بطن سے ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام جہان افروز بانو بیگم رکھا گیا۔

کچھ روز کے بعد حیدر قلی خاں دربار میں آیا۔ بادشاہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور

اس کو اجمیر کی صوبہ داری عطا کی۔ بادشاہ اس طرح راجہ اجیت سنگھ کو اس سرکش اور باغیانہ طبیعت کی سزا دینا چاہتا تھا۔ حیدر قلی خاں کو چونکہ اجیت سنگھ سے دلی پرخاش تھی اس لئے اس نے اجمیر کی صوبہ داری بخوشی قبول کر لی اور حسب الامر اس کی سرکوبی کو روانہ ہوا۔ اس نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا لیکن اجیت سنگھ لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر شعبان سن مذکور کو کسی نے قاسم کوتوال کے لڑکے کو سرخ پوش جماعت کے کسی شخص نے سرپیچ سے مار ڈالا تھا اور قاتل بھی مقتول کی شمشیر سے زخمی ہوا اسی سال بروز شنبہ یکم شوال نظام الملک دکن سے لوٹ کر حضور میں آیا اور پنج شنبہ ۲۴ ذی قعدہ سال مذکور کو چار گھڑی دن گزرنے پر محمد شاہ کے ہاں لڑکا تولد ہوا اور نصف آخر ماہ محرم ۱۱۳۶ھ میں ایک دم دار ستارہ برج دلو میں نمودار ہوا اور دس بارہ دنوں تک آشکارا رہا اور پھر غائب ہو گیا اس سال بادشاہ کے بڑے لڑکے نے انتقال فرمایا۔

منصب عہدوں اور خطابات کی تقسیم،

اس سال خاص خاص منصب میں ارکان دربار کو ترقی ملی۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بخشی دوم اور داروغہ غسلخانہ اور امیر الامرا خانِ دوراں بخشی اول اور صاحب رسالہ شاہی اور اعلیٰ شاہی، روشن الدولہ ظفر خاں بخشی سوم اور سید صلابت خاں بخشی مقرر ہوئے۔ خاں ساماں عزت الدولہ۔ شیر افگن خاں اور اس کے بعد اس کا بھائی لطف اللہ خاں بہادر رسالہ دار سلطانی کے عہدے سے سرفراز ہوئے۔ صدر الصدور میر جملہ کو عطا ہوا۔ ناظر اور داروغہ صرف خاص محافظ خدمت گار خاں خواجہ سرائے عالمگیری بنا لیکن اس کی رحلت کے بعد دونوں عہدے روز افزوں خاں کو عطا ہوئے۔ دیوان خالصہ راجہ گوجرمل اور اس کے بعد اشرف الدولہ ارادت خان اور بعد ازاں راجہ تجمل اور دیوان تن شیخ سعد اللہ اور میر آتش اول حیدر قلی خاں اور بعدہٗ سعد الدین خاں اور بعد ازیں حیدر قلی خاں اور پھر اس کے بعد یہ منصب مظفر خاں برادر خانِ دوراں کو منتقل ہوا داروغہ جواہر خانہ برہان الملک سعادت خاں اور اس کا نائب احمد قلی خاں مقرر ہوئے۔ میر توزک اول امین الدولہ دو داور داد خاں اور داروغہ گذر داران مبارز خاں اور اس کے بعد آعز خاں اور داروغہ خاص جلو، اور جلو خانہ قدیم میر حسن حسن خاں کوکہ اور عرض مکرر یعنی احمد خاں کوکہ، داروغہ نہر فیض علی جامد خاں، داروغہ فراش خانہ،

بو علی خاں کو بیگی اور بخشی احدیان منور خاں برادر روشن الدولہ، بخشی شاگرد پیشہ عنایت خاں راسخ ولد خاں صادق قراول مقرر ہوئے۔ خدمت جیب فیض بہروز خاں اور جیب خاص جاوید خاں کو دی گئی۔ یہ دونوں خواجہ سرا تھے۔ جواہر خاں داروغہ جواہر خانہ، بختاور خاں داروغہ باورچی خانہ، سید حیدر خاں داروغہ قہوہ خانہ، فضل علی خاں داروغہ فیل خانہ، سید قطب الدین علی خاں داروغہ توپ خانہ اور یاسین خاں داروغہ سرخ پوشاں و قولاراںؒ بنائے گئے۔ اللہ یار خاں کو قلعہ دار شاہجہاں آباد اور قائم خاں ولد ظفر خاں داروغہ وقائع کل و ڈاک اور حکیم معصوم علی خاں کو داروغہ سوانح مقرر کیا گیا۔ اس طرح ہر ایک ایک ایک کام پر مقرر ہو گئے لیکن ظفر خاں ہی ایسا شخص تھا جو بادشاہ کے مزاج میں دخیل ہو کر خلق اللہ کے مقدموں کو روپیہ لے کر قبول کرتا۔

کوکی ۔ بادشاہ کی منظور نظر لڑکی

شاہ جان محمد فقیر کی ایک لڑکی تھی جس کا نام تو کچھ اور تھا لیکن وہ کوکی کے نام سے مشہور تھی۔ کسی طرح بادشاہ کے حضور میں آگئی اور بادشاہ بھی اس پر خاصا مہربان ہو گیا یہاں تک کہ اس نے اپنا قلمدان اس کے سپرد کر دیا۔ یعنی وہ بادشاہ کی طرف سے صاحب دستخط ہوئی محل کے اندر حاجت مندوں کی عرضی توقیع کرتی اور اس طرح اس نے خوب مال و زر پیدا کئے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ وہ اشعار پڑھتی اور خود کبھی کبھی اشعار کہتی بھی تھی۔ وہ اپنے یہ اشعار خوب لہک لہک کر گاتی بھی تھی۔

نوبت زکیان بہ ماکیان افتادہ است ۔۔۔ بازوئے تنگری عیاں افتادہ است

شاید کہ پہر سفلہ رقصند نشاط ۔۔۔ شمشیر زدن بدف زناں افتادہ است

بادشاہ چونکہ جوان اور کم حوصلہ مند تھا اس لئے اس کا زیادہ تر وقت عیش و انبساط اور رقص و سرور میں گزرتا تھا۔ لہٰذا جب کوئی اہم کام سامنے آتا تو اس طرف توجہ دینے کی بجائے وہ یا تو عمدۃ الملک امیر خاں وغیرہ امرا اور امرا زادہ کی صحبتوں سے لطف اندوز ہوتا یا پھر خوش طبعی و خوش کلامی میں تضیع اوقات کرتا۔ اس نے کبھی سلطنت کے امور میں دلچسپی نہ لی اور نہ ان کو وہ اہمیت دی جس کے وہ حامل تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے نام سے عوام میں جو ہیبت طاری ہو سکتی تھی وہ ختم ہو گئی۔ نہ عوام کے دلوں میں اس

ؒ قولاراں دراصل ترکی زبان کا اسم جمع ہے۔ اس کے معنی بیک وقت غلام اور سپاہی کے ہیں۔

کا رعب و دبدبہ بھی دیکھنے میں آتا۔ خواہ ارکان دولت ہوں یا امرائے سلطنت یا پھر عوام سب بادشاہ کے جلال سے بیگانہ ہو کر خیالی پلاؤ پکانے لگے اور خود سر ہونے کی سوچنے لگے لیکن نظام الملک بادشاہ کو اپنے خیالات و آرا کا ماتحت بنانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بادشاہ صحبت رنگین سے نکل کر سلطنت کے امور کی طرف توجہ دے۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ زنان نازک سرشت مثل کوکی اور اختیار مدار المہامی سے بادشاہ کو یک لخت رستگاری ملے لیکن افسوس کہ اس کی یہ تجویز نہ تو بادشاہ ہی کو پسند آئی نہ اس کے مصاحبین و مقربین نے اس پر آمنّا و صدقنا کہا۔ بلکہ اس کا نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ سارے لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے اور اس کی تضحیک کرنے لگے۔ جونہی وہ ان کی موجودگی سے باہر جاتا اہل دربار اس کے خلاف فقرہ بازیاں[1] شروع کر دیتے نظام الملک کو پل پل کی خبر ملتی تھی وہ اس فضا سے بالکل اکتا گیا اور اس نے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کیا۔ ارا کین دربار کے خلاف اس کے دل میں آگ بھڑکنے لگی چنانچہ اس نے ان فقرہ بازیوں اور مضحکہ خیزیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے گجرات اور دکن جانے کا عزم کر لیا غرض کہ اس نے علالت کا بہانہ تراش کر دربار میں جانا ہی موقوف کر دیا اور گوشہ گیر ہو گیا۔ وہ مسند وزارت سے بھی مستعفی ہو جانا چاہتا تھا۔ لیکن چونکہ بڑا ہی دوراندیش اور سمجھدار تھا اس لئے اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے گریز کرتا رہا۔ بادشاہ اور ارا کین دربار کو جب اس کا ما فی الضمیر معلوم ہوا تو سبھوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کا استعفیٰ منظور کر کے اس کا مذاق اڑایا جائے اور اس کو دربار سے الگ مقام پر رکھا جائے تاکہ اس کی بقیہ زندگی چین و اطمینان سے گزر جائے۔ بہرحال واسطہ و وسائل درمیان میں لا کر معاملہ کو رفع دفعہ کیا گیا اور نظام الملک دوشنبہ کے روز مطابق دوم ماہ صفر ۱۱۳۶ھ کو دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس کو وکیل المطلق کے اعزاز سے نواز کر آصف جاہ کا خطاب دیا۔

اس صلح و صفائی کے بعد آصف جاہ شکارگاہ جانے کے بہانے سے دکن روانہ

---

[1] نظام الملک ہمیشہ قدیم لباس زیب تن کرتا تھا اور بادشاہ کے حضور میں وہی آداب برتتا جو عہد عالمگیری میں رائج تھے۔ لیکن تاتاری آداب محمد شاہ کے عہد میں متروک ہو چکے تھے۔ لہٰذا جب وہ دربار میں ان ہی آداب کے ساتھ آتا تو ارا کین دربار اس کی طرف اشارہ کر کے کہتے۔ ذرا دکن کے اس بندر کو تو دیکھو۔ وہ کتنا اچھا رقص پیش کرتا ہے۔

ہو گیا وہاں اس نے اطمینان سے حکومت کی۔ یہاں بیٹھ کر اس نے آرام طلب بادشاہ کی سرزنش اور اوباش وعیاش درباریوں کی گوشمالی کرنے کا ارادہ کیا۔ دار الخلافہ سے اس کی روانگی کو سات ماہ گزر گئے تھے اسی اثنا میں بادشاہ نے قمر الدین خاں کو جملۃ الملک کا خطاب دیا اور اس امیر نے یہ خطاب قبول کرکے وعدہ کیا کہ ہر ممکن طریقہ سے نظام الملک کا مذاق اڑائے گا۔

امرائے دربار کو آصف جاہ کی آزردگی کا بخوبی علم تھا۔ چنانچہ انھوں نے رازدارانہ انداز میں شقۂ خاص بادشاہی مبارز خاں ناظم برہان پور کے نام روانہ کیا اس میں نظام الملک (آصف جاہ) سے جنگ کرنے اور اس کو ہلاک کر ڈالنے کی ہدایات درج تھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی اطلاع دی کہ عن قریب نظامت دکن کا فرمان صادر کیا جائے گا۔

مبارز خاں سلطانی اعانت پاکر جنگ کو آمادہ ہوا کیونکہ وہ بھی حوصلہ مند تھا وہ باتفاق ابراہیم خاں برادر داؤد خاں اور اولاد شیخ نظام اور شیخ منہاج سردارانِ دکن کے جو آصف جاہ کے دشمن تھے بعزم رزم روانہ ہوا۔ مبارز خاں نے فوجوں کو ترتیب دیا اسلحہ اکٹھا کئے اور پھر آصف جاہ پر ہلہ بول دینے کو چل پڑا۔ آصف جاہ کو جب اس بات کی اطلاع ملی، وہ چوکنا ہوا اور تیار ہو کر اس کی راہ دیکھنے لگا۔ پنج شنبہ ۲۳ محرم الحرام ۱۱۳۷ھ کو فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں چار ہزار سلطانی جوانمرد مع چار ہاتھی تباہ ہو گئے۔ آصف جاہ کو فتح نصیب ہوئی۔ مبارز خاں مع اپنے دو لڑکوں اور بہترین رفقا کے عدم آباد کو سدھارا۔ آصف جاہ نے اس فتح کی عرضی مع فہرست نام مقتولان واموال معتدبہ اور اشرفی نذر و مبارکباد کی حضور میں ارسال کی۔

آصف جاہ اور بادشاہ کے درمیان ناچاقی ان بن اور بے اطمینانی کا قصہ اگرچہ ڈھکا چھپا نہ تھا لیکن اس پر ریاکاری کا پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن مبارز خاں کی شکست کے بعد یہ پردہ کسی حد تک اٹھ گیا تھا۔ بادشاہ نے فوراً حیدر قلی خاں کو اپنے پاس طلب کیا جو اس کے عندیہ میں مخلص و شجاع و جری تھا۔ وہ جمعہ کے روز ۱۴ ربیع الاول سن مذکور کو اجمیر سے روانہ ہو کر دو گھڑی دن چڑھے بادشاہ کے حضور میں آیا بادشاہ نے اس کو میر آتش کی خدمت مع خلعت عنایت کی اور سعد الدین خاں تورانی کو جو آصف جاہ کا متوسل اور دست راست تھا خدمت سے برطرف کیا گیا۔ آصف جاہ کو اطلاع ملی تو اس نے اپنے

چچا حامد خاں ناظم گجرات کو تحریر کیا کہ وہ پیلاجی اور کنتاجی سرداران مرہٹہ کو ساتھ لے کر حملہ کر دے۔ اس اطلاع کے وصول کرنے کے فوراً بعد حامد خاں نے آزادی کی نوبت بجوادی اور اعلان کیا کہ "آج سے اس ملک کا والی کون ہے؟" اس کے بعد اس نے جاگیرداری، کاشتوں اور حضور کے فوجداروں کو برطرف کرکے اپنا قبضہ شروع کر دیا۔ اراکین دولت کو خبر ملی تو انھوں نے صلاح مشورہ کئے لیکن کوئی حاصل نہ نکلا۔

قطب الملک کی موت

بادشاہ نے تورانیوں کا غلبہ دیکھ کر قطب الملک عبداللہ خاں کی رہائی کا حکم صادر فرمایا اور کسی معتمد کے توسل سے اس حد تک یہ پیغام بھیجا کہ "ایسا نازک وقت آگیا ہے کہ وہ بادشاہ کے لئے بڑا سے بڑا کام انجام دے سکتا ہے۔" عبداللہ خاں نے جواب دیا:-

"اگر حضور خادم کو معاف کر دیں اور اس پر رحم کھائیں تو میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ کو پانچ چھ ہزار سوار مہیا کرکے اور مجھ پر اعتماد کرکے جس مہم پر روانہ کریں گے میں انشاء اللہ کامیاب و بامراد لوٹوں گا۔"

قطب الملک عبداللہ خاں کا یہ جواب جونہی بادشاہ کے گوش گزار کیا گیا کہ اس کے دشمن حاسد کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ ان پر خوف طاری ہو گیا کہ اگر عبداللہ کو رہا کیا گیا تو ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ چنانچہ اس خوف و دہشت کے مارے اس سید کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیا گیا۔

مبارز الملک سربلند خاں

ہم مبارز الملک سربلند خاں کے بارے میں لکھ چکے ہیں کہ اس کو کابل کی حکومت سے سبکدوش کرکے اس کی جگہ پر ظفر خاں کے اثر و رسوخ سے ناصر خاں کو ترقی دے دی گئی۔ سبکدوش سپہ سالار دربار میں شاذ ہی نظر آتا تھا کیونکہ اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ بہرحال عبداللہ خاں کی رحلت کے بعد اراکین دربار نے سربلند خاں کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا خصوصاً یہ مشورہ خواجہ سرا حافظ خدمت گار خاں نے دیا تھا جس پر بادشاہ کو اعتماد تھا۔ تجویز پیش کی گئی کہ اس کو باغی حامد خاں کی سرکوبی کے لئے بھیجا جائے اور اس کو گجرات کی صوبہ داری عطا کی جائے جہاں اس کو ہر قسم کی مدد دی جائے گی لیکن چونکہ سربلند خاں بہت دنوں سے گوشہ نشین تھا اور اس کے پاس لڑنے کے لئے کوئی چیز نہ تھی اس لئے اس کو خزانہ عامرہ سے ایک کروڑ روپیہ دیا گیا نیز یہ حکم بھی دیا گیا کہ جیسے بھی ہو حامد خاں کو شکست دینا اور گجرات کو تسخیر کرنا

ضروری ہے۔ سربلند خاں کو عبداللہ خاں کے بھائی نجم الدین علی خاں کی عسکری صلاحیتوں کا علم تھا اس لئے اس نے بادشاہ سے اس کی رہائی کی سفارش کی۔ بادشاہ بھی چونکہ نجم الدین علی خاں پر نگاہ شفقت رکھتا تھا اس لئے اس کو سربلند خاں کی درخواست پر اعتراض نہ ہوا۔ کیونکہ یہ وہی شخص ہے جو بادشاہ کو قلعہ سلیم گڈھ سے رہا کراکے اکبرآباد لایا تھا چنانچہ نجم الدین علی خاں کو قید سے رہا کرکے بادشاہ کے روبرو حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے اس کو خلعت خنجر اور بہادر کے خطاب سے نوازا۔ سربلند خاں بھی اس رسم کی ادائیگی میں موجود تھا۔ رسم کے اختتام کے بعد سربلند خاں نے نجم الدین علی خاں کو اپنے ہاتھی پر بٹھایا اور دونوں خیمے کی طرف آئے یہاں پہنچتے ہی نجم الدین نے اپنے خاندان کے سادات کو اکٹھا کیا ان کی تعداد خاصی ہو گئی۔ سربلند خاں نے سلطنت کے بیشتر مہمات میں حصہ لیا تھا وہ صرف اپنے کردار اور شجاعانہ عمل کی وجہ سے خاصہ مشہور تھا بلکہ اس کے لشکر کے آدمی اور سردار اس کو بے حد عزیز رکھتے تھے چنانچہ اب جبکہ اس کو ترقی مل گئی تھی وہ اپنے قدیم دوستوں اور ساتھیوں کے پاس آیا اور سبھوں کو اپنے خیمے میں لے گیا سب خوشی خوشی اس سے تعاون کرنے کے لئے تیار تھے تھوڑی دیر میں ہزاروں سپاہی جمع ہو گئے دونوں سپہ سالاروں نے اس جگہ مکمل چار ماہ گزار دیئے جہاں کی سڑک اجمیر اور اکبرآباد کو الگ کرتی ہے۔ سربلند خاں وزارت کا خواب دیکھ رہا تھا اور اس امید میں سچ مچ وہ جی بھی رہا تھا۔ اس وقفہ میں نجم الدین علی خاں دارالخلافہ واپس آکر علیل ہو گیا لیکن جب وہ روبہ صحت ہوا تو اس کو اجمیر کی صوبہ داری ملی اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ سربلند خاں کے ساتھ مل کر دوست اور ساتھی کی حیثیت سے کام کرے۔

دریں اثنا بادشاہ نظام الملک کی سازشوں سے آزردہ خاطر ہو چکا تھا کیونکہ اس نے دربار کے تورانیوں اور سلطنت کے درمیان اپنی حرکات سے خلیج حائل کر دی تھی لہٰذا بادشاہ کا اعتماد جاتا رہا اور اس لئے وہ نظام الملک کے تمام ساتھیوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اس کی نفرت اس حد تک بڑھی کہ اس نے سبھوں کے اثرات کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ قمرالدین خاں سب سے پہلے اس عتاب کا شکار ہوا۔ اس کے نام جو بعض صوبہ داری اور خدمات تھیں وہ دوسروں کے نام تقسیم کر دیں۔ سعادت خاں بندوبست صوبہ اودھ کے لئے رخصت ہوا لیکن سربلند خاں نے جو کسی طرح فوج کی ضروریات پوری کر رہا تھا گجرات پر چڑھائی کرنے کا خیال کیا اس اثنا میں نجم الدین علی خاں نے اپنے پرانے رفیقوں کو جمع کر کے

سربلند خاں کی رفاقت پر روانہ ہو کر اس سے جا ملا۔ جب دونوں کی پیش قدمی شروع کی تو حامد خاں جس نے سربلند خاں کے مشورہ کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ کنتھاجی اور بیلاجی گائیکواڑ کے ساتھ متفق ہو کر بقصد محاربہ گجرات سے نکلا اور ساتھ ہی اس نے اپنے بخشی امان اللہ خاں بیگ کو فوج سمیت مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لیکن حامد علی خاں اور امان اللہ بیگ کا لشکر جرار ان کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ ان کو شکست فاش ہوئی اور امان اللہ خاں میدان جنگ میں مارا گیا اس کے بعد ان کی فوجیں منتشر ہو گئیں۔

مرہٹوں کی شکست

جنگ ختم ہوئی تو شیخ الہ یار بلگرامی بخشی فوجوں سے کٹ گیا تھا وہ دوسری راہ سے احمد آباد کے قلعہ میں داخل ہوا اور شہر کو قبضہ میں لایا۔ حامد خاں نے شکست کھا کر نظام الملک کے خیمہ میں پناہ لی کچھ دنوں کے بعد نظام الملک نے مرہٹوں کو سربلند خاں کے ساتھ لڑنے پر آمادہ کیا اور حامد خاں کو شریک کر بھیجا لیکن اس حملہ میں کشت وخون کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا اس میں مرہٹوں کو نجم الدین علی خاں کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔ نجم الدین علی خاں نے اس مہم میں اپنی شجاعت و بہادری کے حیرت انگیز مظاہرے کئے۔

اس کے بعد حالات نے دوسرا رخ اختیار کیا نجم الدین علی خاں نے مع ساٹھ ہزار سوار و پیادہ کے جس میں زیادہ تر عربی النسل کے لوگ تھے۔ میدان کنتانج بندر میں مرہٹوں کا مقابلہ کیا اس کے پاس کثیر تعداد میں توپ گاڑیاں بھی تھیں اس مقابلہ میں بھی مرہٹوں کو شکست ہوئی۔ اس نے ان کا دریائے نربدا تک تعاقب کیا میدان جنگ میں بے شمار مرہٹے کھیت رہے جل گھر اور بدھنگر علاقوں پر بھی جہاں مرہٹے لوٹ مار مچا رہے تھے نجم الدین علی خاں اور خان زاد خاں ولد سربلند خاں نے قبضہ کر لیا۔ اس شکست فاش کے بعد مرہٹے گجرات کے ہر علاقے کو خالی کر کے بھاگ گئے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چونکہ مبارز الملک کے پاس فوج کثیر تھی اس لئے اس کو سربلند خاں کا وفادار دوست حافظ خدمت گار خاں اور اس کی وفات کے بعد ظفر خاں ماہ بماہ پانچ لاکھ روپیہ دارالخلافہ سے ارسال کیا جاتا تھا۔ اس کمک کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح بھی ہو دشمنوں کو ملک سے مار بھگایا جائے اور ہر طرف سکون و اطمینان کی فضا پیدا ہو لیکن جب فتح کی خبر موصول ہوئی تو خان دوراں کے مشورہ سے کمک بند کر دی گئی۔ اور ساتھ ہی یہ فرمان

بھیجا گیا کہ اتنی بڑی فوج کو اس وقت جبکہ ضرورت نہیں ہے برطرف کر دیا جائے اس فرمان سے فاتح لشکر کی اخلاقی حالت بگڑ گئی اور فتح سے جو حوصلہ افزا نتیجہ برآمد ہونے والا تھا وہ سب غارت ہو گیا۔ کیونکہ فرمان موصول ہونے سے کچھ دیر پہلے کی بات ہے کہ سلطانی طاقت چاروں طرف پھیل گئی تھی اور ملک بھر کے فتنہ پرور عناصر خوف و دہشت کے مارے بیدم ہو گئے تھے۔

ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ بادشاہ کے دل و دماغ پر ظفر خاں کی شخصیت کا غلبہ تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ وہ بہمہ صفت موصوف تھا لیکن اس کے اندر جو بری لت پڑ چکی تھی کہ اس کو زر و مال سے محبت تھی اور اس لئے وہ کھل کر رشوت لیا کرتا تھا۔ چنانچہ انہی دنوں اس کا راز افشا ہوا کہ وہ ہر سال صوبۂ کابل کو بارہ لاکھ روپے بھیجنے کے بجائے صرف نصف بھیجا کرتا اور نصف پر خود قبضہ کر لیتا۔ اس طرح اکثر امور میں بھی وہ خیانت کرتا تھا۔ اس کے طرز عمل سے بہت سے امراء بھی اس سے بدظن ہو گئے اور جب پردہ کھل گیا تو اس پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا اور اس کو شرمندگی اٹھانا پڑی۔ بادشاہ نے تحقیقات کرنے کا حکم دیا چنانچہ مقصدیان بادشاہ نے دو کروڑ روپے اس کے ذمہ برآمد کئے۔ چنانچہ پوری رقم اس کو واپس کرنا پڑی۔ بادشاہ کی نظروں سے اس کا سارا وقار جاتا رہا اور سارا بار خان دوراں کے شانوں پر رکھا گیا۔ خرد برد اور رشوت ستانی کا ایسا ہی الزام شاہ عبدالغفور درویش تورانی کے خلاف ہوا۔ بادشاہ کے حضور میں اس کی ایسی رسائی تھی کہ خالصہ بحالی و برطرفی اپنی مرضی سے کر دیتا۔ بڑھتے ہوئے اقتدار و اثرات سے اس کا دماغ ایسا خراب ہوا کہ اس سے ناشائستہ حرکات سرزد ہونے لگیں یہاں تک کہ بادشاہ کو اس کا علم ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں وہ ذلیل و رسوا ہوا پھر قید کر لیا گیا اور اس کے بعد بنگالہ میں شہر بدر کیا گیا اس کے مکان کی ضبطی کے سوائے جنس کے دو کروڑ روپے نقد داخل خزانہ ہوئے۔ کوکی بھی دونوں افراد کی جعل سازی میں شریک پائی گئی اس لئے اس کو بھی اسیر کیا گیا اور اس کا سارا اندوختہ بیت المال میں رکھ دیا گیا۔

خان دوران کے ہاتھ میں جب سارا اقتدار آ گیا تو اس نے سربلند خاں کو جو ظفر خاں کا متوسل تھا معزول کرا کر راجہ ابھی سنگھ راٹھور کو گجرات کی صوبہ داری پر بھیجا اور اس بات کی تاکید کی کہ وہ جلد از جلد گجرات پہنچ کر سربلند خاں کو حضور میں روانہ کرے لیکن ابھی سنگھ چونکہ بڑا آرام طلب اور مغرور تھا اس لئے اس نے اپنے نائب کو گجرات روانہ کر دیا۔ لیکن سربلند

خاں نے اس نائب کی خوب گوشمالی کی اور اسے ذلیل و رسوا کر کے گجرات سے بھگا دیا۔ لہٰذا ابھی سنگھ نے دوسری بار اپنا دوسرا نائب بھیجا۔ اس کو اسلحہ بھی دیئے لیکن اس کو بھی بے نیل و مرام واپس آنا پڑا۔ آخر کار ابھی سنگھ کو اپنی رسوائی کا اندازہ ہوا۔ چنانچہ وہ پچاس ہزار سوار اور دیگر سامان حرب لے کر گجرات میں داخل ہوا۔ سر بلند خاں اگرچہ دربار کی سازشوں اور نظام الملک کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خائف تھا اور قلت زر اور فوج کی کمی کا بھی شکار تھا اس کے باوجود وہ دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا احمد آباد سے چند فرسخ کے فاصلہ پر نکل کر خیمہ باہر کیا اور کچھ دوستوں اور پرانے سپاہیوں کو لے کر اس نے ابھی سنگھ پر حملہ کر دیا اس نے ایسی پیش قدمی کی کہ مجبوراً راجہ کو میدان سے ہٹ جانا پڑا سر بلند خاں چونکہ دربار کی سازشوں سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے ابھی سنگھ سے مصالحت کا خواہاں ہوا۔ دن ڈھلتے ڈھلتے اس نے سفید لباس تن زیب کیا اور سر پر دستار سفید باندھ کر چند چوبدار اور خدمت گار کے ہمراہ راجہ سے ملنے گیا۔ راجہ کو اس خبر سے حیرت ہوئی لیکن چونکہ سر بلند کی آمد کو وہ اپنے لئے باعث عزت خیال کرتا تھا اس لئے وہ کھڑا ہو گیا اور استقبال کے لئے دروازے تک آیا حسب معمول معانقے کے بعد اس نے سر بلند خاں کو بصد احترام مسند پر بٹھایا۔ رسمی بات چیت کے بعد سر بلند خاں ابھی سنگھ سے یوں مخاطب ہوا:-

سر بلند خاں کی تقریر

" اے نوجوان! تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ہمارا دوستی کا رشتہ بہت مستحکم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ میرے اور تمہارے باپ کے درمیان بھائی بھائی کی طرح دستار کی تبدیلی ہوئی تھی لہٰذا میں تم کو اپنا بھتیجا سمجھتا ہوں۔ اب سے کچھ دیر پہلے تمہارے ساتھ میری جو جنگ ہوئی تھی اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں بحیثیت سپاہی تمہارے سامنے اپنے کردار اور وقار کا مظاہرہ کروں۔ ویسے میرے اور تمہارے درمیان عداوت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے محسوس کیا کہ جب تمہارے خاندان کے ساتھ اتنے قدیمی تعلقات ہیں تو پھر تم سے ملاقات کیوں نہ کروں۔ میں سلطنت کا خادم اس لئے ملک میں آیا ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ملک کا نظم و نسق درست ہو اور تم بذات خود اس طرف توجہ دو میں مزید دخل انداز نہیں ہونا چاہتا تم سے میری صرف اس قدر درخواست ہے کہ زاد راہ کا انتظام کر دو۔"

تجربہ کار اور آزمودہ سپاہی کی اس تقریر سے تمام حاضرین کو اور خصوصاً راجہ ابھی سنگھ کو سخت تعجب ہوا۔ چونکہ راجہ کے ذہن پر اس کے جذبات و احساسات اور اعلیٰ کردار کا گہرا اثر پڑا تھا اس لئے اس نے فوراً اس کی درخواست منظور کر لی۔ رخصت ہونے سے پہلے سربلند خاں نے ایک بار پھر راجہ کے باپ سے اپنے قدیمی تعلقات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان تعلقات کو از سر نو تازہ اور استوار کرنا چاہیئے۔ اس نے اپنی دستار اتار کر ابھی سنگھ کو پہنا دی اور اس کی دستار اتار کر جس میں قیمتی لعل و جواہر ٹنکے ہوئے تھے خود پہن لی۔ اس کے بعد دونوں انتہائی خلوص و محبت کے ساتھ گلے ملے اور مطمئن و خوش ہو کر رخصت ہوئے۔ جب سربلند خاں کو ابھی سنگھ سے مال و زر مل گئے تو اس نے دارالخلافہ کی راہ لی۔ لیکن راجہ ابھی سنگھ سے اس کے تعلقات کی خبر جب دربار میں پہنچی تو ہر طرف بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی۔ خان دوراں نے تو یہاں تک کہا کہ چونکہ سربلند خاں نے بادشاہ کی مرضی معلوم کئے بغیر اپنے مطلب سے سلطانی خادم کے ساتھ جنگ کی تھی اور پھر اپنی خوشی سے دارالخلافہ کی طرف آ رہا تھا اس لئے اس میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ اس نے بادشاہ کو اس کے خلاف اتنا اشتعال دلایا کہ بادشاہ نے محافظوں کو فوراً یہ پیغام روانہ کیا کہ سربلند کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے اور اس وقت تک ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیا جائے جب تک وہ اپنی سرتابی سے توبہ نہ کرے۔ اس کے علاوہ دو سو مزید محافظ بھیجے گئے جن میں سے نصف اجمیر کی سڑک پر اور باقی نصف اکبرآباد جانے والی سڑک پر تعینات کئے گئے۔ سربلند خاں جونہی اکبرآباد پہنچا تھا کہ اسے شاہی فرمان دکھا کر روک دیا گیا اور آگے بڑھنے کی ممانعت کی گئی۔ چنانچہ سربلند خاں کئی دنوں تک اسی شہر میں گھومتا رہا تاکہ بادشاہ کے غصے کی آگ سرد پڑ جائے اسی اثنا میں اس کی فوج میں بے اطمینانی کی لہر پھیل گئی فوج کے ایک ایک سپاہی نے اپنا بقایا طلب کرنا شروع کیا۔ اس کی خوش قسمتی کہئے کہ برہان الملک سعادت خاں ان دنوں اکبرآباد کا صوبہ دار تھا۔ وہ اس بات کو نہ بھولا تھا کہ کبھی مبارز الملک سربلند خاں کے ماتحت وہ کام کر چکا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو ترقی ملی تھی۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ سربلند خاں کے ساتھ ایسی گستاخی کی جا رہی ہے تو اس کو دلی صدمہ پہنچا چنانچہ اس نے اس کے نام یہ پیغام بھیجا :-

"اگر آپ مفسدوں کو میرے پاس بھیجدیں تو میں جو آپ کا قدیم وفادار خادم اور

خیر خواہ ہوں ان کا سارا حساب کتاب چکا دوں گا۔" لیکن اس پیغام سے اس کا غم دور ہونے کی بجائے اس کے دل کو چوٹ سی لگی اور اس نے اپنے غرور کا سر نیچا ہوتا ہوا محسوس کیا چنانچہ اس کی یہ پیش کش اس نے قبول نہ کی اور جواب دیا کہ "بفضل الٰہی ابھی میری حالت اتنی خستہ نہیں ہوئی ہے کہ دوستوں کا احسان لوں۔" اس کے بعد وہ حرم سرا[1] میں گیا اور جو خزانہ کہ وہاں پوشیدہ رکھا تھا اس سے اشرفیاں نکال کر سپاہیوں کا حساب بیباق کیا اور اس طرح بے اطمینانی کی آگ فرو ہوئی۔

نظام الملک کی نئی چال

بادشاہ اور ارکین دربار کی طرف سے مبارز الملک سربلند خاں جیسے دانشمند اور لائق سپہ سالار کی جو قدر دانی ہوئی اس نے نظام الملک کی آنکھیں کھول دیں وہ ایک دم سے چوکنا ہو گیا اور اسی وقت سے اس نے مرہٹوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دینی شروع کی۔ اوّل تو اس نے باجی راؤ کو جو راجہ ساہو کا سپہ لار تھا اور یہ راجہ سنبھا اور سیوائی کے مشہور سرداران مرہٹہ کی اولاد میں تھا بھڑکایا کہ مالوہ کو راجہ گردھر بہادر ناگر سے اور گجرات کو راجہ ابھی سنگھ راٹھور سے حاصل کرنا چاہیئے ورنہ دونوں صوبوں کو اس حد تک تباہ و برباد کر دیا جائے کہ دشمن بھی وہاں نہ رہ سکیں۔ مرہٹوں کو اور کیا چاہیئے تھا۔ یہ تجویز ان کو پسند آئی اور انھوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ باجی راؤ اور دیگر سرداران مرہٹہ نے لشکر گراں لے کر بیک وقت مالوہ اور گجرات پر چڑھائی کر دی گجرات میں تو مرہٹوں نے خوب لوٹ مار مچائی مگر مالوہ میں ان کا زور نہ چل سکا۔

راجہ گردھر والئ مالوہ کے پاس اگرچہ زیادہ سپاہی نہ تھے اس کے باوجود وہ اپنے ملک کو تباہ و برباد ہوتا ہوا نہ دیکھ سکا۔ وہ خود شجاع اور دلیر تھا اس لئے وہ باجی راؤ سے جنگ کرنے پر مستعد ہوا۔ اس سلسلے میں اس نے دارالخلافہ سے کمک بھی طلب کی لیکن اس کی درخواست کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لہٰذا وہ اپنی قلیل سپاہ کے ساتھ لڑا اور لڑتے لڑتے ہلاک ہو گیا۔

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ سرکاری خزانہ اکثر حرم سرا میں رکھا جاتا تھا کیونکہ وہ جگہ محفوظ خیال کی جاتی تھی۔ سرکاری خزانہ کے علاوہ نجی مال و زر بھی وہاں رکھے جاتے تھے۔

راجہ گردھر بہادر کی وفات کے بعد اس کا قریبی عزیز راجہ دیا بہادر ولد چھبیلہ رام گدی نشین ہوا۔ اس نے راجہ گردھر کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا لیکن مرہٹوں کے ہاتھوں اس کو چین نہ ملا۔ چنانچہ اس نے اراکین دربار کو تحریر کیا :۔ "جب تک میں زندہ ہوں مرہٹے ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن میرے مرنے کے بعد ان کے اثرات یقیناً پھیل جائیں گے" لیکن اس تحریر کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بالآخر وہ بھی ہلاک ہوا۔

مالوہ اور گجرات پر مرہٹوں کا قبضہ

سنہ ۱۱۴۳ھ میں محمد خاں بنگش صوبہ مالوہ کا صوبہ دار ہو کر اجین پہنچا۔ لیکن چونکہ چاروں سمت سے مرہٹوں کی یورش جاری تھی اس کا قدم وہاں جم نہ سکا۔ سلطنت اس کی بزدلی سے اکتا گئی اور اس طرح مالوہ اس کے ہاتھ سے لے کر راجہ جے سنگھ سوائی کو دیدیا گیا۔ یہ سنہ ۱۱۴۵ھ کا واقعہ ہے۔ یہ تبدیلی بھی خاں دوراں کے مشورہ سے عمل میں آئی تھی۔ چونکہ یہ صوبہ دار مذہب کی رو سے مرہٹوں کی طرف زیادہ مائل تھا لہٰذا وہ بھی انتظامی امور میں ناکام رہا۔ لیکن تین سال کے بعد بالآخر اس کے مشورہ پر عمل کیا گیا یعنی مالوہ کی حکومت باجی راؤ کے حوالے کر دی گئی اور اس طرح یہ صوبہ ان ہی کا ہو گیا گجرات کا بھی کم وبیش یہی حشر ہوا۔ ابھی سنگھ کی سستی اور کاہلی سے مرہٹوں نے خوب فائدے حاصل کئے یہاں تک کہ پورے صوبہ پر ان ہی کا قبضہ ہو گیا آہستہ آہستہ خرابیوں نے جڑ پکڑنا شروع کیا اور سلطنت کا کام انتہائی کمزور ہو گیا۔ ان بدانتظامیوں کے تدارک کے لئے شجاعوں اور دلاوروں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن دربار میں ایسے شجاعوں کی کمی محسوس کی جا رہی تھی جو کردار اور قول کے اعتبار سے بھی اتنے ہی قوی ہوں جتنے جسمانی اعتبار سے۔ شیر ببر کے ساتھ بھلا لومڑی کا کیا مقابلہ! پھر تیغ چوبیں سے شمشیر آہن کے مقابلہ میں کیا امید کی جا سکتی ہے؟

خان دوراں نے بھی یہی سوچا کہ سلطنت ہند میں جو برائیاں سرایت کر گئی ہیں ان کو تدبیروں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ اور جو صوبے ہاتھ سے نکل گئے ہیں وہ چالاکی وعیاری سے دوبارہ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ احمقانہ خیال بھی آیا کہ نظام الملک اور مرہٹے جیسے طاقتور دشمن اس کی چکنی چپڑی باتوں اور لطائف الحیل میں آ جائیں گے۔ یہ تو پانی میں آگ جلانے والی بات تھی۔ خیر جو بھی ہو خانِ دوراں تھا بڑا ہی بدبخت اس نے جو تدبیر بھی پیش کی وہ اس کے خلاف نکلی۔ چنانچہ امرائے دولت جو انتظامی امور میں

نقائص سے کماحقہ واقف تھے وہ خود مختار ہونے کے منصوبے بنانے لگے۔ اختلاف کی خلیجیں روز بروز وسیع ہوتی گئیں اور انقلاب کے آثار زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔ ان حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے خاں دوراں کی بجائے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو خودسری، بغاوت شورہ پشتی اور سرکشی کے اس گھنے اور پھیلے ہوئے درخت کو قلم کر دیتا جس کی نئی نئی شاخیں چاروں طرف سے نکل رہی تھیں، ایسے جری اور بہادر شہزادے کے طاقتور بازو کی ضرورت تھی جو اس کی جڑ کو اپنے تبر سے اکھاڑ پھینکے۔ ایسے مقام پر ذوالفقار خاں اور حسین علی خاں کے دست و بازو یاد آتے ہیں جو سرکشی اور تمرد کی گردن کو مروڑ سکتے تھے۔

جب مرہٹے مالوہ اور گجرات پر قابض ہو گئے تو ان کی طمع بڑھی اور فتوحات کا نشہ تیز تر ہونے لگا۔ دربار کی انتظامی صلاحتیں اتنی بگڑ گئی تھیں کہ ان کے حوصلوں کو اور تقویت پہنچی اور زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قابض ہونے کی سوچنے لگے۔ لہٰذا انھوں نے شاہی ناظموں سے جو ان کے ہمسایہ تھے لڑائی مول لی۔ رفتہ رفتہ انھوں نے اکبرآباد اور الہ آباد کے قرب وجوار کے فوجداریوں پر پاؤں جمائے۔

محمد خاں بنگش کی بندیل کھنڈ پر چڑھائی

ان ہی دنوں محمد خاں بہادر غضنفر بیگ بنگش صوبیدار الہ آباد نے روہیلہ افغانوں کو جمع کر کے کثیر فوج جمع کر لی۔ ان فوجوں اور متعدد توپ گاڑیوں کو لے کر وہ بندیل کھنڈ کی تسخیر اور اس علاقے کے دو طاقتور راجاؤں چتر سال اور ناگا کو مار بھگانے کے لئے بڑھے اس نے چشم زدن میں بندیل کھنڈ کے اکثر مقامات فتح کر لئے اور ان کے صدر مقام کو بھی مسخر کر لیا۔ وہیں آ کر اس نے اقامت اختیار کی۔

راجہ مذکور اور دیگر لوگ جن کے علاقے بنگش کے قبضے میں آ گئے تھے بالآخر ناگپور کلاں کے مرہٹوں سے رجوع ہوئے جو بظاہر صوبہ برار اور نگ آباد کے توابع میں بندیل کھنڈ کی پشت پر واقع ہے اس کے علاوہ انھوں نے باجی راؤ کے سرداروں سے جو اطراف اجین میں سے تھے مدد کی درخواست کی۔ خیر واقع جو بھی ہوا انھوں نے یعنی ان راجاؤں نے کچھ مال و زر اور کسی قدر علاقہ دینے کا وعدہ کر کے ان کو اپنا مددگار بنا لیا۔ ان کو بہت سے مرہٹے سپاہی مل گئے اور ان ہی کو لے کر وہ بندیل کھنڈ آ گئے۔ محمد بنگش اس فتح سے اس قدر مغرور ہوا تھا کہ اپنے پاس بقدر ضرورت فوج رکھ کر باقی ماندہ کو رخصت کر دیا چونکہ بنگش کو اتنی

تھوڑی مدت میں اس علاقے اور گزرگاہوں سے آگاہی نہ تھی اس لئے راجہ مذکور نے یکایک حملہ کرکے بنگش کو حیرت زدہ کر دیا۔

بڑی مشکل سے بنگش اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور جو تھوڑی بہت فوج ہاتھ آئی اسی کو لے کر لڑنے پر آمادہ ہوا لیکن مرہٹوں کے آگے اس کی ایک نہ چلی وہ میدان جنگ چھوڑ دینے پر مجبور ہوا اور جائے پناہ ڈھونڈنا شروع کر دی۔ تین چار روز بعد وہ قلعہ جیت گڈھ پہنچا اور دیکھتے دیکھتے مع فوج قلعہ مذکور کے اندر محصور ہو گیا۔ راجاؤں اور مرہٹوں نے ایسا سخت گھیرا ڈالا کہ قلعہ کے اندر ہوا بھی نہ جا سکتی تھی۔ قلعہ میں اجناس کم تھیں اور فوج زیادہ تھی اس لئے جلد ہی آذوقہ نے جواب دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قحط پڑ گیا۔ حلال و حرام کی بھی تمیز جاتی رہی گائے گھوڑے گدھے غرض کہ جو بھی ملا اس کو کھانا شروع کر دیا۔ حتی کہ مردے جانور بھی ان کی گرسنہ آنکھوں سے بچ نہ سکے۔ نہ تو کوئی چیز قلعے کے اندر پہنچ سکتی تھی اور نہ وہ قلعہ سے باہر جا سکتی تھی۔ غضنفر جنگ کے عیال سے بہت دنوں تک یہ بات ڈھکی نہ رہ سکی ناکہ بندی کی پہلی ہی خبر پاکر اس کے اہل و عیال فرخ آباد سے دارالخلافہ آئے۔ یہاں آکر انھوں نے اراکین دربار اور بادشاہ سے رو رو کر سارا ماجرا بیان کیا اور ان سے مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے ادھر توجہ تک نہ دی اور نہ کسی کو ان کے حال زار پر رحم آیا۔ لہٰذا اخیر میں مایوس و نامراد ہو کر اپنے ہی قبیلوں یعنی روہیل کھنڈ کے افغانوں کے سامنے مدد کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ ماں ہزار کے سامنے بے نقاب ہو گئی اور قائم خاں یعنی اس کے سب سے بڑے لڑکے نے مجبور ہو کر اپنی جماعت سے درخواست کی۔ اس منظر کو دیکھ کر سبھوں کا دل بھر آیا۔ افغانوں کو اس معزز خاندان کی بے سروسامانی پر اتنا رحم آیا کہ وہ فوراً آگ میں کود پڑنے کو تیار ہو گئے ماں اور اس کے بیٹے کے پاس جو تھوڑے سے زر و جواہر تھے وہی افغانوں میں تقسیم کر دیئے دیکھتے دیکھتے بے شمار سپاہی جمع ہو گئے۔ فیصلہ یہ ٹھہرا کہ قائم خاں ہی ان کی قیادت کرے گا۔

افغانوں نے ایسی برق رفتاری دکھائی کہ وقت پر مدد کو جا پہنچے۔ محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کر دیا اور قلعہ کے پھاٹک میں داخل ہو کر انھوں نے محمد خاں بنگش اور اس کے سپاہیوں کو نکالا اور بخیر و خوبی الہ آباد تک پہنچا دیا۔ درحقیقت یہ بہت بڑا کام تھا جو لڑکے نے باپ کی خاطر انجام دیا۔ بنگش کی جان تو بچ گئی لیکن اراکین سلطنت نے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ مرہٹوں سے نہ صرف شکست کھا چکا ہے بلکہ محصور بھی ہو چکا ہے اس لئے اس کو الہ آباد

کی صوبہ داری سے معذول کیا جائے۔ یہ الزام ثابت ہو جانے پر اس کو الہ آباد کی صوبہ داری سے معذول کیا گیا اور مبارز الملک سر بلند خاں کی تقصیر معاف کر کے اس کو الہ آباد کی صوبہ داری عطا کی گئی اس نے پیش کش قبول تو کر لی لیکن اس نے اپنے لڑکے خان زاد خاں کو وہاں کا نائب بنا کر بھیجا اور خود دار الخلافہ میں رہا۔ وہ اتنا دل شکستہ ہو چکا تھا کہ دربار میں بہت کم حاضری دیتا۔

عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ اس سال کے ختم ہوتے ہوتے عجیب و غریب واقعہ نمودار ہوا۔ حیدر قلی خاں کے خسخانہ[1] میں خود بخود آگ لگ گئی اور اس طرح وہ راہئ ملک عدم آباد ہوا۔ لیکن دوسرے سال کی ابتدا بھی کچھ کم افسوسناک ثابت نہ ہوئی۔ روز چہار شنبہ ۸ ارجمادی الاولی ۱۱۳۶ھ کو چار پانچ گھڑی دن نکلے محمد یار خاں برادرزادہ امیر الامرا شائستہ خاں جو عہد عالمگیر سے شاہجہاں آباد کا صوبہ دار رہا تھا یکایک وفات پا گیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد یعنی جمعہ کے روز میر آتش کی خدمت جو حیدر قلی خاں کے رحلت کے بعد خالی پڑی تھی مظفر خاں برادر خان زادہ کو سپرد ہوئی۔ اسی سال کی چوتھی شوال کو برہان الملک کے توپ خانہ میں آگ لگ گئی شعلے بھڑکے اور منارہ فیروز شاہی مع نصف حصہ عمارت پائیں کے گرا دیا۔ اس سال جاں فردش وجگر دار نجم الدین علی خاں نے دنیا سے کوچ کیا۔ اس کی رحلت کے بعد اجمیر کی صوبہ داری بھی میر آتش کے علاوہ مظفر خاں کو عنایت ہوئی۔ روز چہار شنبہ ۱۰ رجمادی الثانی ۱۱۴۱ھ کو بادشاہ خفیف سا بیمار ہو کر رو بہ صحت ہوا۔ ساتویں شعبان سال مذکور کو دربار میں یہ خبر پہنچی کہ گجرات کے مرہٹے راجہ ابھی سنگھ کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں۔ راجہ اتنا بد حواس ہوا کہ وہ فوراً جودھپور میرٹھ اپنی دار الحکومت پہنچ گیا۔ اس ماہ کی دسویں تاریخ روز جمعہ کو پنجابی جوتا فروش اور دیگر مسلمان اہل حرفہ نے جمع

---

[1] خس خانہ چار دیواری کا بنا ہوا ایک مختصر سا کمرہ ہوا کرتا تھا جس کی چھت خیمہ کی طرح ہوتی تھی اس کمرہ کے چاروں طرف خس کی ٹٹی ہوتی تھی جس سے خوشبو نکلتی تھی خصوصاً گرمیوں میں کمرہ کی دیواروں کو دن رات پانی سے تر رکھا جاتا تھا اور ہوا کے ساتھ خس سے ایسی بھینی بھینی خوشبو نکلتی کہ تپتی ہوئی گرمی میں بھی جبکہ لوگ لو لگنے سے مرجاتے تھے خوشگوار نیند آجاتی ایک بار جنرل کارنگ نے شجاع الدولہ سے پوچھا کہ آیا اس کو گرمی سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے یا سردی سے۔ شجاع الدولہ نے جواب دیا کہ میں اپنے موسم کا خود خالق ہوں۔

ہو کر ہنگامہ برپا کر دیا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ان کی جماعت کا ایک شخص جو حاجی تھا ہندو سناروں نے ہولی میں ہنگامہ کر کے ہلاک کر ڈالا ہے۔ مسلمانوں کو سخت حیرت ہوئی کہ جب یہ شکایت دربار تک پہنچائی گئی تو اراکین دربار نے سنی ان سنی کر دی۔ ان کو سب سے زیادہ تعجب اس پر بھی ہوا کہ ان کی شکایت دور کرنے کی بجائے خود ہندوؤں کی پاسداری کی گئی لہٰذا انھوں نے اپنے مقتول بھائی کا انتقام لینے کے لئے لاش کو تین دنوں تک یوں ہی چھوڑ دیا۔ جماعت مذکور نے مجبوراً ایک جگہ جمع ہو کر بلوہ کر دیا۔ وہ جامع مسجد پر قابض ہو گئے اور مطالبہ کیا کہ جب تک ان کی شکایات دور نہیں کی جائیں گی اس وقت تک نہ تو کوئی نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی مسلمان یہاں جمع ہو سکتا ہے۔ قاضی شہر نے ان کے جذبات کو سرد کرنا چاہا مگر اس کو ذلیل و رسوا کیا گیا۔ ہنگامہ جب زیادہ بڑھ گیا تو عدالت کو اس کی اطلاع دی گئی چنانچہ قمرالدین خاں اور ظفر خاں کو جمعہ کی نماز ادا کرنے اور یہ دیکھنے کے لئے بھیجا گیا کہ مسجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے یا نہیں۔ وہ اپنی جماعت اور امرا کے ساتھ آئے وہ نماز پڑھنے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ لوگ ملک کے نظم و نسق کو برا بھلا کہنے لگے نیز ان کے لادینی عمل کا ایسا مذاق اڑایا گیا کہ وہ خائف ہو گئے۔ اس کے بعد سبھوں نے ان پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ وہ بھاگ گئے۔ ظفر خاں کو اپنے افغان رفیقوں کے سایۂ سپر میں پناہ لینی پڑی لیکن کفش روز بھی محافظوں، امراء اور سپاہیوں پر جوتا بازی کرتے رہے۔ جوتوں کی بارش کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ قمرالدین اعتمادالدولہ اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ اس نے بان بے دستہ سر کرائے نتیجہ یہ ہوا کہ بلوائی خاموش ہو گئے۔ اعتمادالدولہ نے جب دیکھا کہ حالات قابو میں آ گئے ہیں تو اس نے شیریں لہجے میں ان سے خطاب کیا۔ ان کو تسلی دی اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ سن کر بلوائی منتشر ہو گئے۔ ایسے ہی موقع کے لئے شاعر نے خوب کہا ہے ؎

کم سختی و سستی بہم در بہست
چوں رگ زن کہ جراح و مرہم بہست

بلوائی اس حد تک غضب ناک ہو گئے تھے کہ انھوں نے امرا تک کو نہ چھوڑا۔ اگر وہ واقعی اور کچھ تجاوز کر جاتے تو ممکن تھا کہ یوم حشر سا بھیانک منظر سامنے آ جاتا اعتمادالدولہ کی ژرف بینی اور دور اندیشی کا کرشمہ تھا کہ حالات معمول پر آ گئے۔

تپ کی وبا

سال کے اختتام تک یعنی شوال اور ذی قعدہ کے درمیان چالیس روز تک زمین سے پورے شہر میں ایسا تعفن پھیلا کہ اہل شہر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ امیر و گدا کی کوئی تمیز باقی نہ رہی اور پھر تپ کی وبا ایسی پھیلی کہ کوئی گھر مرض سے نہ بچا۔ منڈیاں اور دکانیں بند کر دی گئیں سڑکیں سنسان ہو گئیں اور سارے شہر میں الو بولنے لگا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے نہ ایسی آفت دیکھی تھی اور نہ کانوں سے اس کے بارے میں کسی سے سنا تھا۔ یہ وبا[1] پٹنہ اور الہ آباد میں شروع ہوئی یہاں سے اکبر آباد اور دہلی پہنچی اور پھر پانی پت اور سرہند اس سے متاثر ہوئے یہاں تک کہ لاہور پہنچ کر اس کا زور ٹوٹا۔ لیکن خدا کا شکر ہوا کہ ایک مریض بھی ہلاک نہ ہوا اور چند ایسے لوگوں کے علاوہ جن کی عمر طبعی جواب دے چکی تھی سب صحت یاب ہو گئے۔

دہلی میں کڑاکے کی سردی

اس عجیب و غریب واقعہ کے بعد ایک اور عجیب و غریب واقعہ منودار ہوا۔ اس بار شاہجہاں آباد اور پرانی دہلی میں ایسے کڑاکے کی سردی پڑی کہ تانبے کے پیالے میں پانی جما اور وہ بعد میں پھٹ گئے آب رواں اور دریا برف میں تبدیل ہو گئے ۱۱۴۳ھ کے ماہ رجب میں مسلسل تین راتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مختلف مقامات پر تو اولے بھی پڑے یہاں تک کہ یہ خوفناک سال بادشاہ کی ایک مہم پر ختم ہوا۔

بروز منگل ۵ رجب ۱۱۴۵ھ کو بادشاہ اپنے وزیر قمر الدین خاں، امیر الامرا خان دوراں اور اپنے پورے ارکین دربار کے ہمراہ قلعہ شاہجہاں آباد سے نکل کر اعز آباد، ہرونہہ اور سونی پت آیا جہاں ایک ماہ تک وہ شکار کی دلچسپیوں میں کھویا رہا۔ یہاں سے نکل کر وہ تال کٹورہ[2] نامی باغ میں آیا۔ باغ کے روح پرور مناظر اور حسن سے اس نے مسرتیں حاصل کیں پھر وہ دریائے جمنا کے کنارے آ گیا۔ اسے عبور کر کے اس نے فرح بخش کے باغ میں دس بارہ دن گزارے۔ یہیں جب اس کو اطلاع ملی کہ مرہٹے اکبر آباد تک گھس آئے ہیں تو اس نے ان لٹیروں اور قزاقوں کے دانت کھٹے کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ دریائے

---

[1] بارھویں صدی میں ایشیا اور یورپ کے سارے علاقہ ہیضہ کی نذر ہو گئے اس وبا نے آبادی کی آبادی صاف کر دی تھی اور پھر اسی وبا نے شمالی چین میں پھیل کر پوری شمالی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

[2] تال کٹورہ ایک باغ کا نام ہے جو شاہجہاں آباد یا دہلی سے کچھ فاصلہ پر واقعہ ہے۔

ہنڈاں تک پیش قدمی کر کے سرائے بہنگیل میں خیمہ کیا۔ یہاں سات آٹھ روز قیام کرنے کے بعد قزاقوں کے لوٹ جانے کی خبر ملی۔ اس خبر کو سن کر بادشاہ حدود مذکورہ سے تلپٹ کے نزدیک فرید آباد آکر شوال کے مہینہ میں بخیر و خوبی اور تزک و احتشام کے ساتھ دار الخلافہ پہنچا۔

نظام الملک کی طرف سے مرہٹوں کی ہمت افزائی

بادشاہ کی شکار پارٹی ایک بہت ہی تشویشناک واقعہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی کیونکہ ۱۲ ار رمضان المبارک ۱۱۴۶ھ روز یکشنبہ کو ساڑھے تین گھڑی دن گزرے مظفر خاں بہادر میر آتش برادر خانِ دوراں صمصام الدولہ نے خلعت پایا اور اس کو اسی وقت مرہٹوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا گیا۔ لیکن گھر آنے کی بجائے وہ بارہ پلہ کے نزدیک جیونداس کے باغ میں اقامت گزیں ہوا۔ یہ سچ ہے کہ گجرات اور مالوہ فتح کرنے کے بعد مرہٹے لوٹ مار سے باز نہیں آئے تھے اور دربار ان کی گوش مالی کے لئے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ جب ان مرہٹوں کو اطمینان ہو گیا کہ سلطنت ان کی نقل و حرکت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہی ہے تو انھوں نے ایک بار پھر پیش قدمی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے وہ حصار گوالیار تک جو اکبر آباد کے بالکل قریب واقعہ ہے آ پہنچے۔ گوالیار تک کے سارے علاقے ان کے قبضہ میں آ گئے تھے ان فتوحات سے خوش ہو کر ان کی ہمت بڑھی اور وہ مزید فتوحات کے منصوبے بنانے لگے۔ کیونکہ نظام الملک کی طرف سے بھی ان کی ہمت افزائی ہو رہی تھی۔ اس نے مرہٹوں کو نئی مہمات پر ابھارا اور ان کے دلوں میں آتش عناد و فساد خوب بھڑکائی۔

مرہٹے بادشاہ کی کمزوری سے واقف تو تھے ہی نظام الملک کی تحریک سے ان کو بہانہ مل گیا اور وہ تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ چنانچہ انھوں نے گوالیار کے پھاٹک تک پہنچ کر ایک طرف اکبر آباد پر قدم جمایا اور دوسری طرف وہ اجمیر کے متعلقات میں بھی قدم زن ہوئے۔ خان دوراں نے اس پیش دستی کے اثرات سے بے خبر ہو کر اپنے بھائی مظفر خاں کو جو گھر میں اکیلا اپنی شجاعت و جوانمردی کی ببانگ دہل تعریف کرتا تھا جنگ مرہٹہ پر مقرر کرا کر بادشاہ سے اجازت دلوائی۔ بادشاہ نے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو رخصت کیا۔ نجی رسالوں کے علاوہ امرائے بادشاہی کے بھی رسالے شامل ہو گئے۔ فوج کی تعداد اتنی ہو گئی کہ سیلاب بے پناہ معلوم ہونے لگا۔ مظفر خاں بے شمار فوج اور اسباب پیکار کے ساتھ مرہٹہ کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوا۔ وہ مرہٹوں کو آخری سبق پڑھانا چاہتا تھا

چونکہ مرہٹوں کا ضابطۂ جنگ چپاولی اور قزاقی ہے۔ اس لئے وہ کبھی اس کے سامنے نہ آئے مظفر خاں سرونج تک جا پہنچا اور اس نے یہیں قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ مرہٹوں نے چند ماہ تک اس کو محصور کیا رسد کی راہ بند کر دی۔ حالات نازک ہو گئے لیکن وہ اپنے بھائی اور بادشاہ کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ لوٹ جانے کا جب حکم ملا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور ساری فوج کو لے کر دار الخلافہ لوٹ گیا۔ ۱۳ر محرم ۱۱۴۷ھ روز سہ شنبہ کو وہ مشرف ملازمت ہوا اور لشکن جواہر سے اس کو نہال کیا گیا اس کے بعد وہ اپنے محل میں آیا اور صدقات و نذر حسب منقدور تقسیم کئے گئے۔ ہوا خواہوں اور دوستوں نے اس کی واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ خطرات سے بمٹ کر آیا تھا۔ اکثر اوقات مصاحبان خردمند کی زبان سے یہ مصرعہ سنائی دیا۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

عالی تبار کی رحلت

اسی سال شہزادہ عالی تبار ولد محمد اعظم شاہ مرحوم ملک عدم آباد کو سدھارا اور اس کو اسی کی والدہ کرپا پوری کے مقبرے کے پاس دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ۶ر محرم الحرام کو پیش آیا تھا۔ نیز اسی سال ۲۴ر جمادی الثانی کو وزیر قمر الدین خاں اور امیر الامرا خانِ دوراں صمصام الدولہ کو مرہٹہ کی گوشمالی کے لئے رخصت کیا گیا۔ دونوں جاندار بہادر ایک ساتھ روانہ ہوئے اور ساتھ ہی واپس آئے ان کی مہم بھی مظفر خاں کی طرح انجام کو پہنچی۔ ان بہادروں کی واپسی پر قزاقوں اور لٹیروں نے روز شنبہ ۱۶ر شوال کو قصبہ سانبھر میں جو شاہجہاں آباد سے سو کوس پر واقع ہے ڈاکہ ڈالا لیکن اس مقام کے فوجدار فخرو نامی نے چار ہاتھی اور تین لاکھ روپے کے قریب مال واسباب مرہٹہ کو دے کر جان کی امان چاہی۔ لیکن مرہٹے اتنے مال و زر پر قناعت نہ کر سکے انھوں نے فخرو کو اس بری طرح سے لوٹا کہ اس کے پاس سوائے کپڑے کے جو جسم پر تھا کچھ نہ رہا شہر قاضی کو بھی چونکہ ان کافروں اور لٹیروں پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے تمام اہل و عیال کو تہہ تیغ کر کے جس کو اصطلاح ہند میں جوہر کہتے ہیں مرہٹہ سے برسر پیکار ہوا۔ اس نے اپنے چند دوستوں کے ہمراہ خون کے آخری قطرہ تک گھر کی مدافعت کی لیکن آخر کار زخمی ہو کر دروازہ پر گرا اور مر گیا۔ حق تو یہ ہے کہ وہ جوانمردی کا حق ادا کر گیا۔

بارش یا سیلاب

۱۸ ربیع الثانی ۱۱۴۷ھ کو چہار شنبہ سے پنج شنبہ تک یعنی مکمل بیس گھنٹے تک ایسی موسلہ دھار بارش ہوئی کہ دارالخلافہ کے بہت سے مکانات منہدم ہو گئے۔ سرائے روشن آرا میں ایسی طغیانی آئی کہ گھروں کے اندر قد آدم تک پانی بھر گیا۔ نیز اکبرآباد سے بھی یہ خبر آئی کہ پنج شنبہ ۱۹ تاریخ کو وہاں بھی ایسی ہی مصیبت نازل ہوئی تھی۔

اڑاڑو زمیندار کی سرتابی

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ملک کے اکناف میں ایسی افراتفری پھیلی کہ ہر شخص فائدہ اٹھانے کی فکر میں مبتلا ہو گیا ان ہی حالات میں مسمی اڑاڑو زمیندار چکلہ کورہ نے بھی سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسی ضلع کے فوجدار کے خلاف سر اٹھایا۔ اس کو اس نے نہ صرف قتل کر ڈالا بلکہ وہ اس کا مال و اسباب لوٹ کر اس کے اہل و عیال پر قابض ہو گیا یہ فوجدار کوئی معمولی شخصیت کا آدمی نہ تھا وہ تھا جاں نثار خاں. برادر قمرالدین خاں۔ قمرالدین خاں کو اس خبر سے ایسا صدمہ پہنچا کہ اس نے فوراً عظیم اللہ خاں کو اس کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ لیکن زمیندار مذکور چونکہ طبعًا اور فطرتاً کمینہ اور ذلیل تھا اس لئے اس کی آمد کی خبر سن کر گھر سے دور دراز جنگلوں میں نکل بھاگا۔ عظیم اللہ خاں نے اس کے فرار سے یہ مطلب نکالا کہ آدمی معمولی اور غیر اہم معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس خیال کے تحت وہاں مختصر سا قیام کیا اور پھر خاجم بیگ خاں تورانی کو چکلہ مذکور کی حکومت دیدی اور خود دارالخلافہ واپس چلا گیا جو نہی اڑاڑو کو عظیم اللہ خاں کی واپسی کی اطلاع ملی وہ پہلے سے زیادہ مغرور ہو گیا۔ اس نے یکایک خاجم بیگ پر حملہ کر کے اس کو اور اس کی بیشتر فوج کو ہلاک کر ڈالا اس خبر کو سن کر قمرالدین خاں رنجیدہ ہوا۔ چونکہ اس کام کے لئے وہ خود کو مجبور پاتا تھا اس لئے اس نے برہان الملک سعادت خاں صوبہ دار اودھ سے رجوع کیا اور اسے اسلام اور حکومت مغلیہ کا واسطہ دیکر یہ لکھا کہ اگر تم کو اسلام سے محبت ہے اور مغلوں کے نام کا پاس ہے تو جیسے بھی ہو اس زمیندار کی سرکوبی کو جاؤ۔ سعادت خاں نہ صرف شجاع اور دلیر تھا بلکہ مذہب اسلام کے لئے وہ سب کچھ نچھاور کر دینے کے لئے تیار بھی تھا چنانچہ قمرالدین خاں کا مکتوب پاتے ہی وہ فوراً اس مہم کے لئے تیار ہو گیا وہ کسی کام سے دارالخلافہ کی طرف آ ہی رہا تھا کہ قمرالدین کا مکتوب موصول کر کے اس نے فوراً اپنا رخ بدل دیا اور اڑاڑو کی سرکوبی کے لئے نکل گیا۔ زمیندار

نابکار نے اس کو بھی فریب میں مبتلا کرنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی لہٰذا وہ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ سعادت خاں خستہ و درماندہ ہوکر اپنے خیمہ میں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے گیا ہی تھا کہ اڑاڑو کے جاسوسوں نے جو قریب ہی چھپے ہوئے تھے فوراً اپنے آقا کو خبر دی کہ سعادت خاں طویل القامت ہے، جامۂ سبز زیب تن کئے ہوئے ہے اور داڑھی سفید ہے۔ یہ سن کر اڑاڑو کمین گاہ سے نکل کر اپنے لشکر کے پاس آیا۔ برہان الملک سعادت خاں نے جھٹ ہاتھی پر سوار ہوکر آراستگیٔ فوج کا حکم دیا۔ جس طرح بھی ہوا وہ تھوڑی بہت فوج کو لے کر آگے بڑھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس وقت برہان الملک سفید لباس میں ملبوس تھا اور ابو تراب خاں تورانی جو اس کے بہترین سرداروں میں تھا سبز لباس تن زیب کئے ہوئے تھا اور اس کی داڑھی بھی سفید تھی۔

اڑاڑو کا خاتمہ

اڑاڑو نے ابو تراب کو برہان الملک سمجھ کر اس کے ہاتھی کی طرف بڑھا اور چشم زدن میں بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنے جاں باز ہمراہی سمیت اس کے ہاتھی کے پاس آگیا۔ اور اس نے برچھی اس زور سے ماری کہ اس کی سنان ابو تراب کی پشت سے پار ہوگئی اس منظر کو دیکھ کر برہان الملک کی پہلی صف کے سپاہی ششدر رہ گئے۔ ان کی ہمت جواب دینے ہی والی تھی کہ برہان الملک خود ان کی مدد کو آگے آگیا اور تیروں کی پیہم بارش شروع کر دی۔ رفقائے جان نثار بھی تیغ و تیر کے جوہر دکھانے لگے اس اثنا میں درجن سنگھ نے جو اڑاڑو کا رفیق تھا اور پھر برہان الملک کی ملازمت میں آگیا تھا برہان الملک کو اشارہ سے بتلایا کہ وہ اڑاڑو ہے اور گھوڑے کو دوڑا کر اس کے بالکل مقابل جا پہنچا۔ اڑاڑو کو بیک وقت دو زخم آئے ایک تو درجن سنگھ کے ہاتھ سے اور دوسرا برہان الملک کے تیر سے۔ چنانچہ وہ زمین پر گر پڑا اور سیدھا واصل جہنم ہوا۔

اس فتح سے برہان الملک کو بے حد خوشی ہوئی اس نے درگاہ ایزدی میں سجدہ کیا اور خدا کا شکر ادا کیا اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اڑاڑو کا سر کاٹ کر بادشاہ کی نذر کیا جائے اور اس کا پوست نکال کر گھاس سے پر کر کے قمر الدین خاں کو روانہ کیا جائے۔ چند روز کے بعد لشکر کی سرداری اپنے خواہر زادہ اور داماد ابو المنصور خاں صفدر جنگ بہادر کو دیکر خود دار الخلافہ چلا گیا اور چہار شنبہ کے روز ۷ رجب سنہ مذکور کو بادشاہ کے حضور میں آیا اور اس نے ایک ہزار نو اشرفی، ایک خنجر اور ایک شمشیر نذر دی اور بادشاہ کی طرف سے خلعت و

سرپیچ مرصع وشمشیر واسپ وفیل عطا ہوئے دو ماہ کے بعد اس کو ابو المنصور خاں شیخ عبداللہ وغیرہ کا مکتوب ملا جس میں تحریر تھا کہ اڑاڑوے نے اپنی مدد کے لئے جن مرہٹوں کو اطلاع دی تھی وہ قریب آگئے ہیں۔ لہٰذا آپ کی موجودگی بہت ضروری ہے۔

اس عرصہ میں روز شنبہ ۶ ذی قعدہ سنہ مذکور کو بادشاہ نے یادگار خاں کشمیری کو جو بے حد چرب زبان، دوربین، چالاک اور خان دوراں صمصام الدولہ کے رفیقوں میں تھا راجہ جے سنگھ سوائی اور باجی راؤ سپہ سالار مرہٹہ کے پاس جو راجہ ساہو کی طرف سے تسخیر ہندوستان پر مامور تھا مع اسناد ہر دو صوبہ مالوہ اور گجرات کے مرخص فرمایا اور یہ حکم دیا کہ جلد پہنچ کر مطیع شاہی کرے۔ اس کام میں راجہ جے سنگھ نے ثالث کا فرض انجام دیا۔ اسی سال ۱۴ ذی الحجہ کو پہر رات گئے روشن الدولہ ظفر خاں بہادر نے رحلت فرمائی۔ یہ شخص نہ صرف صفات حمیدہ کا حامل تھا بلکہ طبعاً فیاض بھی تھا۔ اس نے شاہ بھیک نامی فقیر سے رشتہ ارادت باندھ رکھا تھا۔ چنانچہ زندگی بھر اس مرشد کی رضاجوئی میں مصروف رہا۔

بنگال اور بہار

بہرکیف اب ان چھوٹے چھوٹے واقعات سے ہٹ کر سلطنت کے مشرقی علاقوں کی طرف آنا چاہیئے کیونکہ وہاں ایک عرصہ کی خاموشی کے بعد ایسے اہم واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں جو بعد میں غیر ملکیوں کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئے ان اہم واقعات کا سلسلہ عظیم آباد سے شروع ہوتا ہے۔

فقیر حقیر کو معلوم نہیں کہ نصرت یار جنگ کے بعد اس صوبہ کا ناظم کون مقرر ہوا البتہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ سنہ ۱۱۴۰ھ میں فخرالدولہ برادر ظفر خاں اس صوبہ میں پانچ سال تک رہا لیکن چونکہ وہ جاہل مطلق تھا اور غبی بھی اس لئے اس کے کسی عمل سے بھی دوراندیشی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ نیز وہ مغرور اور غصہ ور بھی تھا لہٰذا معمولی سی بات پر شیخ عبداللہ سے جو ایک عرصہ سے اس صوبے کا دالبہام اور مرجع انام رہا اور وہاں کے صوبہ دار اس کو نائب بھی کہا کرتے تھے اور کچھ زمیندار وغیرہ بھی اس کے مطیع و فرماں بردار تھے۔ جھگڑا ہو گیا شیخ عبداللہ کی نہ صرف اس صوبہ کے زمیندار ہی عزت کرتے تھے بلکہ فوج کے لوگ اور صوبہ کے تقریباً سارے افراد اس کا احترام کرتے تھے غالباً یہی وجہ تھی کہ فخرالدولہ کے دل میں اس کے خلاف حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ معمولی معمولی بات پر اس کو ایذا پہنچانے کی کوشش کرتا اور اس کی راہ میں کانٹے بوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے مکان واقع عظیم آباد سے

گنگا پار رہ کر قلعہ سوان میں جو خود اس کا بنوایا ہوا تھا اور جہاں اس نے کٹی اور گاؤں خرید رکھے تھے جا کر گوشہ گیر ہو گیا۔ فخرالدولہ کو اب بھی چین نہ آیا تو اس نے گنگا پار کر کے شیخ مذکور کو قلعہ میں محصور کر لیا۔ وہ نہ صرف اس کے قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کی آبرو ریزی کے بھی درپے ہوا۔ شیخ عبداللہ کنگال بن گیا۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ چنانچہ اس نے مجبور ہو کر برہان الملک سعادت خاں صوبہ دار اودھ سے اپنی حالت بیان کی برہان الملک کے طلب کرنے پر وہ قلعہ سے نکل گیا اور فخرالدولہ کے خیمے سے مردانہ وار ہوتا ہوا برہان الملک کے صوبہ کے حدود میں جا پہنچا۔ یہاں عزت و احترام سے اس کا خیر مقدم کیا گیا فخرالدولہ کو سخت مایوسی ہوئی وہ دارالخلافہ واپس آگیا اور وہاں اس نے چند روز کے بعد خواجہ معتصم جیسے بزرگ سے لڑائی مول لی خواجہ صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی۔ وہ امیرالامرا خان دوراں کا بھائی تھا اور سراپا درویشی اختیار کر لی تھی اور عظیم آباد میں باشان و شوکت رہتا تھا۔ خواجہ مذکور اس کے ناشائستہ طرز عمل سے آزردہ خاطر ہو کر عظیم آباد سے شاہجہان آباد آیا اور اپنے بھائی خان دوراں صمصام الدولہ سے فخرالدولہ کی حرکات نازیبا بیان کیں۔ خان دوران کو اس واقعہ کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی اس لئے اس کو صوبہ سے نکال دیا اس کے بعد اس نے عظیم آباد کی صوبہ داری کو صوبہ بنگال سے متعلق کر کے سند صوبہ مذکور کی موتمن الملک شجاع الدولہ شجاع الدین محمد خاں بہادر اسد جنگ داماد جعفر خاں کے نام جو اپنے خسر کی جگہ بنگالہ کا صوبہ دار تھا بھیجی۔ چونکہ سلطنت کے مشرقی علاقوں کی خاصی اہمیت ہو گئی ہے اور مستقبل میں یہاں اہم واقعات رونما ہوں گے اس لئے قارئین کو اس کے اصل حکمران سے متعارف کرانا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

بنگال میں انقلابات

شجاع الدولہ صوبہ دار بنگالہ صوبہ دکن کے ایک شہر برہان پور کا رہنے والا تھا اور نسب اس کا قوم افشار کی طرف پہنچتا ہے جو خراسانی ترکوں میں ہے۔[1] وہ اس شہر کا مشہود جوان تھا اس نے جعفر خاں صوبہ دار بنگالہ کی لڑکی سے شادی کی تھی اور وہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ جعفر خاں کو بنگالہ کی صوبہ

---

[1] خراسان ایران یا فارس کا مشرقی علاقہ ہے یہاں ترک قبائل کے لوگ آباد ہیں جو یا تو سپاہی بن جاتے ہیں یا پھر چرواہے کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔

داری اورنگ زیب کے عہد میں ملی تھی اور بعد میں اسی صوبہ کی نظامت بھی حاصل کر لی تھی جن دنوں جعفر خاں کی قسمت کا ستارہ عروج پر آیا اس کو بھی ترقی ملتی گئی۔ جن دنوں خسر یعنی جعفر خاں بنگالہ و اڑیسہ کا دیوان اور ناظم تھا ان ہی دنوں اس نے اپنے داماد یعنی شجاع الدولہ کے لئے اڑیسہ کی صوبہ داری حاصل کر لی چنانچہ شجاع الدولہ وہاں کے انتظام میں مصروف ہو گیا اور وہیں رہنے لگا۔ چونکہ خسر اور داماد کے تعلقات میں شگاف پڑ چکا تھا اور دونوں کے نظریات مختلف ہو چکے تھے اس لئے شجاع الدولہ نے خسر سے جدائی اختیار کر لی۔ وہ انصاف پسند تھا اور اخلاق حمیدہ اور خوش مزاجی کے صفات اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ انہی اوصاف کا نتیجہ تھا کہ ہر طبقے میں اس کی عزت تھی لیکن اس کے برخلاف جعفر خاں بڑا مغرور تھا۔ دونوں کے درمیان اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زینب النساء[1] دختر جعفر خاں و مادر سرفراز خاں اپنے شوہر شجاع الدولہ سے دور دور رہنے لگی تھی زینب النساء کے اطوار اگرچہ شائستہ اور حمیدہ تھے لیکن اس کا دل شجاع الدولہ کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کے شوہر کے تعلقات باپ سے کشیدہ ہو گئے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ اس کے علاوہ دوسری عورتوں سے بھی تعلقات ہموار کرتا تھا۔

شجاع الدولہ کی زینب النسا سے علیحدگی

چنانچہ زینب النساء اپنے لڑکے کو لے کر مرشد آباد چلی آئی جو اسی کے باپ کا بسایا ہوا تھا۔ یہاں اس کے شب و روز چین و آرام اور شان و شوکت سے گزرنے لگے اس کی اقبال مندی کا ستارہ اسی طرح عروج پر رہا لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا ایک شخص نمودار ہوا جس نے نہ صرف اس کے خاندان کی بنیاد ہلا ڈالی بلکہ ملک کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

علی وردی خاں کا ظہور

ان ہی دنوں دربار میں مرزا محمد نامی ایک شخص نمودار ہوا جسکی بیوی قوم افشار سے متعلق تھی اور شجاع الدولہ کی قرابت مند تھی مرزا محمد کے ساتھ اس کے دو لڑکے بھی تھے بڑے لڑکے کا نام حاجی احمد

---

[1] زینب النساء کا شوہر شجاع الدولہ بڑا ہی عیاش اور عورت پرست تھا۔ جب بھی وہ سرکاری کام میں مصروف ہوتا یکایک وہ تخلیہ میں چلا جاتا اور جب نصف گھنٹے کے بعد واپس آتا تو کہتا کہ میرے پاس ایک مجھو کا ٹٹو ہے جو میرے لئے دردسر بن گیا ہے۔

اور چھوٹے کا نام مرزا محمد علی المقلب بہ مہابت جنگ تھا۔ لیکن جو علی وردی خاں کے نام سے زیادہ مشہور ہے مرزا محمد اعظم شاہ کی ملازمت میں رہ چکا تھا لیکن اعظم شاہ کی رحلت کے بعد وہ افلاس کا شکار ہوگیا اور عرصہ دراز تک وہ بیکار رہا۔ لہٰذا افلاس ومصیبت سے گھبرا کر مرزا محمد کے لڑکے مرزا محمد علی خاں نے اپنے والدین کو شجاع الدولہ کے دربار میں بھیج دیا یہ واقعہ محمد شاہ کے دور اوائل میں پیش آیا تھا شجاع الدولہ نے مرزا محمد کو نہ صرف اپنا رفیق وہمدم بنایا بلکہ ان پر ان گنت مہربانیاں بھی کیں اس کے علاوہ اس نے مرزا محمد کو ملازمت بھی دیدی اس کی مہربانیوں سے مرزا محمد علی ولد مرزا محمد اتنا خوش ہوا کہ وہ بھی انتہائی مفلسی کے باوجود بنگالہ اور اڑیسہ کا عازم ہوا یہاں تک کہ وہ شجاع الدولہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ یہ شخص بڑا ہی زیرک، ہوشیار، مزاج شناس، آداب داں، شجاع اور جری تھا۔ چنانچہ شجاع الدولہ اس کی آمد سے بہت خوش ہوا۔ اس نے سمجھا کہ اب اس کا اقبال عروج پر آنے والا ہے مرزا محمد علی کو اس نے اپنا رفیق بنایا اور روز بروز وہ اس سے اتنا قریب آتا گیا کہ شجاع الدولہ نے اس کو مدارج عالیہ تک پہنچا دیا۔ جب دونوں کے تعلقات پختہ ہوگئے اور رشتہ دوستی استوار ہوگیا تو مرزا محمد علی نے اپنے بھائی حاجی احمد کو مع متعلقین وعیال واطفال کے شاہجہاں آباد سے بلا لیا۔ دونوں بھائی شجاع الدولہ کی ترقی دولت میں مصروف ہوئے دونوں نے صوبہ اڑیسہ کا بندوبست بڑے تدبر اور ہوشیاری سے کیا مرزا محمد علی جوہر شجاعت سے کماحقہ آگاہ تھا اور فراست ودانائی میں بھی اپنے بھائی اور باپ سے آگے تھا اس لئے وہ اپنے باپ، بھائی اور دیگر رفیقوں سے زیادہ مشہور ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود اس کے رشتہ دار اور دیگر لوگ اس کے دشمن بن گئے شجاع الدولہ نے اس کی لیاقت وفراست سے خوش ہوکر اس کو محمد علی وردی خاں کے خطاب سے نوازا۔ یہ اعزاز ایسا تھا کہ دشمنوں کے دلوں میں حسد کی آگ اور بھڑک اٹھی۔

سرفراز خاں کے لئے بنگالہ کی نظامت

چونکہ جعفر خاں اپنے داماد شجاع الدولہ سے خوش نہ تھا اور اس کی زندگی کا چراغ بھی ٹمٹمانے لگا تھا اس لئے اس نے اپنے نواسے یعنی زینب النساء کے لڑکے سرفراز خاں کے لئے بنگال کی نظامت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا چنانچہ اس نے اپنے اس منصوبہ سے دکلا کو آگاہ کیا۔ اس کا منصوبہ دراصل زندگی کا ایسا خواب تھا جس کی تعبیر وہ دیکھ لینا چاہتا تھا۔

جب شجاع الدولہ کو اس منصوبہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے علی وردی خاں اور حاجی احمد سے مشورہ کیا۔ دونوں بھائیوں نے ایک ہی مشورہ دیا۔ ان کی تجویز تھی کہ چند ایسے لوگوں کو جو باصلاحیت و ہوشیار ہوں شاہجہاں آباد مکمل اختیارات دے کر بھیجا جائے۔ لہٰذا انھوں نے بادشاہ وزیر اور امرا کے نام کے مسودے تیار کئے ان میں یہ استدعا کی گئی کہ سند صوبہ بنگالہ و اڑلیسہ مع دیوانی وغیرہ کے شجاع الدولہ کے نام عنایت ہو ان اسناد کے ساتھ لوگوں کو فوراً دارالخلافہ بھیجا گیا۔ ساتھ ہی چند معتمد جماعت سپاہ کو شجاع الدولہ کی ملازمت سے بظاہر برطرف کرا کر مختلف راستوں سے مرشد آباد بھیجا گیا تاکہ وہ متفرق دارالامارۃ کے نزدیک اس خبر کے منتظر رہیں جو بھیجنی ضروری ہے لیکن چونکہ موسم برسات سر پر آگیا تھا اور اس کا احتمال تھا کہ سیلاب کی وجہ سے کٹک اور مرشد آباد کا سارا مواصلاتی نظام درہم برہم ہو جائے گا اس لئے چھوٹی بڑی کشتیاں مہیا کی گئیں اور بہت سے ملاحوں کو بھی ملازم رکھ لیا گیا تاکہ جونہی جعفر خاں کی سبکدوشی کی خبر معلوم ہو فوراً شجاع الدولہ کو اس سے مطلع کر دیا جائے تاکہ وہ ایک سیکنڈ بھی دیر کئے بغیر مرشد آباد پہنچ جائے ساتھ ہی شاہجہاں آباد اور کٹک کے درمیان ایک پوشیدہ ڈاک بھی بٹھائی گئی تاکہ جونہی اسناد صوبہ داری ظاہر ہو فوراً مل جائے آخر کار جب شجاع الدولہ کو یہ معلوم ہوا کہ جعفر خاں صرف دو چار روز کا مہمان ہے شجاع الدولہ مع علی وردی خاں وغیرہ رفقا کے کبھی خشکی اور کبھی کشتیوں سے گزر کر مرشد آباد پہنچ گیا اس نے اپنے لڑکے محمد تقی خاں کو جو زینت النسا کے علاوہ کسی اور عورت کے بطن سے تھا کٹک کا نائب مقرر کیا راستہ ہی میں اس کو جعفر خاں کے انتقال کی خبر ملی ابھی کچھ فاصلہ اور طے کرنا باقی تھا کہ صوبہ داری کی اسناد بھی وصول ہوئیں۔ یہ مقام اس کے لئے اتنا مبارک ثابت ہوا کہ وہ وہاں کچھ دیر کے لئے رک گیا اور اس کا نام مبارک منزل رکھا۔ یہاں سے رات دن یلغار کر کے چند دنوں کے اندر اندر وہ مرشد آباد پہنچ گیا اور یہاں آرام کئے بغیر وہ فوراً چہل ستون میں داخل ہوا یہ چہل ستون جعفر خاں کا تعمیر کیا ہوا تھا۔

یہاں داخل ہوتے ہی شجاع الدولہ نے اپنے آدمی بھیج کر وقائع نگار و سوانح نگار وغیرہ کو بلایا اور مسند امارت پر جلوس فرما کر قوانین اسناد بآواز بلند پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد شادیانہ دولت خداداد بجنا شروع ہوا۔ اس رسم کے اختتام کے بعد اس نے نذرانے لینا شروع کئے۔

سرفراز خاں باپ کے قدموں پر

سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا لڑکا سرفراز خاں جو نادان محض اور جاہل مطلق تھا اس زعم میں غافل رہا کہ جعفر خاں کی جانشینی اور ولی عہدی اس کے سوا اور کسی کو نہیں ملے گی اور یہ کہ اس کے علاوہ دوسرا اور کوئی مستحق بھی نہیں ہے۔ وہ اس وقت خواب غفلت سے چونکا جب اس کے کانوں میں شاہی نقارہ کی آواز پہنچی اور جب اس کو اصل واقعہ کی خبر ملی تو وہ ششدر رہ گیا اس کے بعد اسی عالم تحیر میں اس نے عملہ فوج سے مشورہ طلب کیا کہ کیا قدم اٹھانا چاہیئے سبھوں نے باتفاق رائے کہا۔ کہ جب فرمان شاہی اور جعفر خاں کے خزائن و دفائن تمہارے باپ کو مل گئے ہیں اس کی اطاعت کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آتا ہے۔ چنانچہ وہ طوعاً و کرہاً کچھ لوگوں کے ہمراہ باپ کے قریب گیا اس کی قدمبوسی کی اور نذرانے پیش کئے اور دماغ سے ٹکر لینے کا خیال سرے سے نکال دیا۔ یہ تقریب ختم ہوئی تو شجاع الدولہ نے سلطنت کے امور اور اس کی مالی حالت کو درست کرنے کی طرف توجہ دی۔

شجاع الدولہ

شجاع الدولہ کا مشیر خاص علی وردی خاں تھا لیکن ساتھ ہی وہ اس کے بھائی حاجی احمد کی اہلیتوں کا بھی قائل تھا۔ رائے عالم چند نامی اس کا ایک قدیم دیوان بھی تھا جس پر نہ صرف اس کو مکمل اعتماد تھا بلکہ اس کی قدر بھی کرتا تھا اس نے اپنی مجلس میں جگت سیٹھ فتح چند جیسے بہت سے خیر خواہوں کو بھی شامل کیا۔ فتح چند کی دولت کا کوئی شمار نہ تھا اور نہ اس زمانے میں اس کی ٹکر کا کوئی اور اہل زر تھا اس کی ساہوکاری کروروں سے اوپر تھی اس کو کسی پر اعتماد نہ تھا ہر امر کی تفتیش و تحقیق خود ہی کرتا تھا حق و انصاف کا فیصلہ بھی خود ہی کرتا اعزہ و اقارب کی سفارشات اس کے آگے بے معنی تھیں جعفر خاں کے عہد میں صوبہ بنگالہ کا زمیندار اور مالگذار قید میں ڈال دیئے جاتے تھے اور ان پر ایسی ایسی اذیتیں کی جاتی تھیں کہ قلم اس کے لکھنے سے قاصر ہے شاید ایسے ہی عالم کے لئے سعدی نے کہا ہے۔

بناید برسم بد آئیں نہاد !
کہ گویند لعنت براں کیں نہاد

الغرض شجاع الدولہ نے عنان حکومت سنبھالتے ہی بے قصور اور بے خطا زمینداروں اور مالگذاروں کو قید سے رہا کر دیا اور دوسروں کو اپنے حضور میں بلا کر کہا کہ اگر تم لوگوں کو تمہاری خطائیں معاف کر کے آزاد کر دوں تو یہ بتاؤ کہ مستقبل میں حکومت کے ساتھ تمہارا کیا سلوک

کیساں رہے گا؟ وہ لوگ جو مدت سے قید کی سختیاں جھیل رہے تھے اور جن پر مختلف قسم کے مظالم روا رکھے گئے تھے یہ سن کر ششدر رہ گئے۔ سبھوں نے اس کی سخاوت اور نیکی کی تعریف کی اور درازی عمر و ترقی اقبال کی دعائیں مانگ کر بیک زبان کہا کہ ہم لوگ رہائی پاکر اس وقت سے ہزار چند زیادہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے اور وقت پر ادائے مال کردیں گے سبھوں نے اپنا وعدہ لکھ کر دیا اور پھر اس کی توثیق ہوئی۔ سبھوں نے عہد نامہ پر مہریں ثبت کیں اور پھر ہمیشہ مطیع و فرماں بردار رہنے کی سوگند کھائی اس کے بعد شجاع الدولہ نے ہر ایک کو بقدر لیاقت خلعت فاخرہ سے نوازا اس وقت اس کے سامنے ایسا کوئی فرد نہ تھا جس کو مناسب و موزوں تحفہ نہ ملا ہو اختتام رسم کے بعد سبھوں سے یہ کہا گیا کہ اب سے مالگزاری جگت سیٹھ کی وساطت سے آنی چاہیئے۔

بنگال جنت البلاد

حق و انصاف اور جود و سخا کا یہ عالم رہا کہ بنگالہ جس کا نام کتابوں میں جنت البلاد پڑھا ہے۔ وہاں اس عہد میں دودھ کی نہریں بہنے لگیں ہر طرف ہر چیز کی افراط و فراوانی تھی۔ ہر فرد کو آرام و سکون میسر تھا اور یہی وجہ تھی کہ سارے لوگ اس کی اقبال مندی اور ترقی کیلئے درگاہ خداوندی میں دست بدعا رہتے۔ زمینداروں اور مال گزاروں کے چلے جانے کے بعد وہ عہدوں اور منصب کی تقسیم کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لڑکے سرفراز خاں کو بنگال کی دیوانی اور محمد تقی خاں پسر دوئم کو اڑیسہ کی صوبیداری عطا کی جہانگیر نگر ڈھاکہ اپنے داماد رشد قلی خاں بہادر رستم جنگ کے حوالے کیا اور رنگ پور کی فوجداری اپنے بھتیجے سید احمد خاں کو جو مہابت جنگ پسر حاجی احمد تھا دی اور زین الدین چھوٹے بھتیجے کو اکبر نگر راج محل کی فوجداری ملی۔ لیکن نوازش محمد خاں بھتیجے اور بڑے داماد مہابت جنگ کو فوج کی بخشی گری ملی یہ سارے اہم عہدے تھے امور ملکی و مالی کے لئے شجاع الدولہ نے محمد علی وردی خاں، حاجی احمد، رائے رایاں عالم چند اور جگت سیٹھ فتح چند کی مجلس مشاورت بنائی یہ لوگ خاص وزرا کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ حالات اس طرح رہے تا آنکہ فخر الدولہ کو عظیم آباد سے ہٹا کر اس صوبے کو بنگالہ کا ضمیمہ مقرر کیا اور امیر الامراخانِ دوراں صمصام الدولہ نے اس کی سند شجاع الدولہ کے نام صادر فرمائی۔

عظیم آباد کی نیابت کا سوال

شجاع الدولہ نے نئی حکومت کی عنان اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد عظیم آباد میں ایک نائب بھیجنے کے سلسلے میں دولت خواہوں سے مشورہ کیا اس کے لئے بہت سے نام پیش کئے گئے لیکن وہ ایک نام پر بھی رضامند نہ ہوا۔ اخیر میں اس نے وہاں اپنے لڑکے کو بھیجنے کا قصد کیا لیکن اس کی بیوی زیب النسا بیگم نہ ہی اپنے لڑکے سرفراز خاں کی جدائی برداشت کرنے کو تیار ہوئی اور نہ اس کو یہ منظور تھا کہ محمد تقی خاں کو نائب مقرر کیا جائے۔ شجاع الدولہ نے بھی بالآخر بیوی سے اتفاق کیا اس کا خیال تھا کہ بہار کے لئے سخت ہاتھ کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی سرحدیں اودھ، الہ آباد، برار اور اورنگ آباد سے ملحق ہیں چنانچہ اس نے اپنی یہ تجویز مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کی سبھوں نے اس تجویز کے آگے سر جھکا دیئے اور شجاع الدولہ کی ذہانت و فطانت کی خوب تعریف کی۔

علی وردی خاں کی تقرری کی توثیق ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ نے اس کو خطابات و اعزازات سے نوازنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے نیابت صوبہ عظیم آباد کی مع منصب پنج ہزاری اور خطاب مہابت جنگ دبہادر اور عطائے پالکی جھالردار اور علم و نقارہ کے علی وردی خاں کے لئے تجویز کیا۔ چنانچہ اس تجویز کو زیر عمل لانے کے لئے اس نے اپنے وکیل کی معرفت بادشاہ اور وزیر خان دوراں کو لکھا۔ زینت النسا کو نئی تقرری کی اطلاع ملی تو اس نے علی وردی خاں کو زیر بار احسان کرنے کے لئے اپنے حرم سرا کے نزدیک بلوایا اور اس کے شانے پر قیمتی خلعت رکھا اور اپنی طرف سے صوبہ بہار کی صوبہ داری عنایت کی[1]۔

اس رسم کی ادائیگی کے بعد ہی شجاع الدولہ نے بھی اس کو حضور میں طلب کر کے اپنی طرف سے عظیم آباد کی نیابت کا خلعت دیا، نیز ایک ہاتھی، ایک خنجر اور جواہرات بھی عطا کئے۔ اس کے علاوہ اس کی خدمت کے لئے فوج کی ایک خاصی تعداد بھی دی گئی۔ اس کے بعد اسے یہ حکم دے کر رخصت کیا گیا کہ صوبہ کے نظم و نسق کو بحال کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔

مرزا محمد سراج الدولہ کی پیدائش

اس عروج کے چند روز قبل مہابت جنگ کی سب سے چھوٹی لڑکی کے بطن سے جو زین الدین احمد خاں کو بیاہی گئی تھی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ چونکہ مہابت جنگ لاولد تھا اس لئے اس نے اس

---

[1] اس رسم کی ادائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود کو جعفر خاں کی جانشین سمجھتی تھی۔ تاریخ ہند یا تاریخ ممالک شرقیہ میں عام طور پر خواتین کو ملکی انتظام میں حصہ لیتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

کا نام اپنے نام پر مرزا محمد رکھا اور اس کو اپنی ولایت میں قبول کرکے اپنے ہی گھر میں اس کی تعلیم و تربیت شروع کردی اس کی پیدائش کو اس نے نیک شگون سمجھا کیونکہ ان ہی دنوں اس کو خطابات اور اعزازات ملے تھے۔ چنانچہ اس وجہ سے بچے کی طرف اس کی شفقت و محبت بڑھتی گئی۔

علی وردی خاں اپنے دونوں دامادوں مع دیگر رفقا کے ہمراہ مرشد آباد سے عظیم آباد آیا اور یہاں مکمل ایک سال قیام کرکے پھر مرشد آباد اپنے محسن شجاع الدولہ کے پاس آگیا یہاں اس کا شایانِ شان استقبال ہوا پھر اپنے صوبے کو چلا گیا۔ اسی اثنا میں منصب پنج ہزاری معہ پالکی جھالردار و علم و نقارہ وغیرہ کی سند شاہی مہابت جنگ کو پہنچی۔ لیکن وہ ان خطابات و اعزازات سے ذرا بھی نہیں بوکھلایا۔ چونکہ وہ بڑا ہی دانا، زیرک اور ہوشیار تھا اور نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے اس نے سب سے پہلے شہر کا نظم و نسق درست کیا، آراستگیٔ فوج کی، رعایا کے دلوں پر قبضہ کیا اور صوبہ کے مفسد پردازوں باغیوں اور زمینداروں کی سرکوبی کی۔ خصوصاً اس نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ صوبہ کے گرد و نواح سے جو بھی جری اور بہادر سپاہی ملا اس کو اس نے ملازمت دیدی اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے پاس اچھی خاصی فوج تیار ہوگئی اگر کوئی بھی اپنے فرض سے غفلت برتتا فوراً وہ اس کی تادیب کر دیتا اس طرح اس نے فوج کی اخلاقی حالت درست کی۔ اس نے عبدالکریم نامی ایک افغان روہیلہ کو جس کے پاس ڈیڑھ ہزار ہم قوم رفیق تھے اور جو اپنے سے زیادہ کسی کو شجاع و دلیر نہ گردانتا تھا ملازم رکھ لیا۔ مہابت جنگ نے اس کو کئی مہمات پر آزمایا تھا۔ لیکن اس کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے غرور میں کسی کی اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے اندر اندر وہ خود سری پر آمادہ ہوگیا چنانچہ مہابت جنگ نے اس کو طرح دینے کی بجائے سزا دینے کی ٹھانی تاکہ دوسرے گردن کشوں کو ذرا بھی جرأت نہ ہو۔

مہابت جنگ نے ایک روز بعض ہمراہیوں کو جن میں والد راقم بھی تھے یہ حکم دیا کہ جب وہ کل صبح آئے فوراً تقصیرات سرکشی و گردن کشی سے منہ کرکے اس کا سر فوراً خنجر سے کاٹ ڈالا جائے چنانچہ دوسرے دن صبح کو وہ اپنے دس ہمراہیوں کے ساتھ جو مسلح تھے حاضر ہوا۔ نیز بیرون دروازہ اس کے دو سو آدمی اور مدد کے لئے کھڑے تھے۔ چونکہ وہ

خود آہنی انسان تھا اور اس کی شجاعت و بہادری تسلیم کی جاچکی تھی اس لئے اس کا سامنا کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا دو تین آدمی جو اس کام کے لائق نظر آئے مامور ہوئے۔

صبح ہوتے ہی کارروائی عمل میں آگئی اور اس طرح سرکشوں اور باغیوں نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہر آدمی اپنی جگہ کانپ رہا تھا۔ زمیندار جواب تک مغرور اور سرکش چلے آ رہے تھے اور گستاخ بھی تھے ایک ایک کرکے معتوب ہوئے۔ بعضوں کا وجود تک ختم کردیا گیا اور بعض جو اپنے گناہوں سے تائب ہوکر سجدہ ریز ہوئے ان پر ان گنت مہربانیاں کی گئیں اس نظم و نسق سے جس کے لئے وہ ہمیشہ چوکس و مستعد رہا کرتا تھا مہابت جنگ نے شجاع الدولہ کے دل میں گھر کرلیا۔

اس عظیم انسان کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دارالخلافہ کو لوٹ جائیں جہاں اہم واقعات رونما ہو رہے ہیں اس کے بعد ہم پھر علی وردی خاں اور بنگالہ کے حالات بیان کریں گے۔

ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ محمد شاہ نے یادگار خاں کشمیری کو راجہ جے سنگھ سوائی کی وساطت سے باجی راؤ سے گفت و شنید کے لئے بھیجا تھا اور مالوہ اور گجرات کی صوبہ داری مرہٹہ کو دی گئی تھی لیکن بادشاہ کو جب اپنے اس اقدام میں ناکامی ہوئی اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کی آگ بجھتی ہوئی نظر نہ آئی تو ۷ ذی قعدہ ۱۱۴۹ھ روز یکشنبہ کو طلوع آفتاب سے چھ گھڑی بعد امیر الامرا خان دوراں ان قزاقوں اور لٹیروں کی تادیب کو روانہ ہوا۔ رخصت ہونے سے پہلے اس کو ایک بالابند عطا ہوا جس کو پاکر وہ اتنا خوش ہوا کہ گھر جانے کی بجائے وہ چشم زدن میں شاہجہاں آباد سے نو کوس پر واقع تلپٹ نامی ایک مقام پر مقیم ہوا اور اس ماہ کی ۲۰ تاریخ کو اعتماد الدولہ قمر الدین کو بھی بالابند ملا جسے پاکر وہ فوراً اس مہم کے لئے روانہ ہوگیا لیکن وہ چارباغ[1] میں خیمہ زن ہوا۔ امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوراں دشمنوں کی گوشمالی اور تادیب کے ارادہ سے مع فوج ملازم خود اور رسالہ ہائے شاہی جملہ چالیس ہزار سوار کے ساتھ توپ خانہ وغیرہ سامان حرب وپیکار لے کر نواح اکبر آباد

---

[1] چارباغ جو دہلی کے نزدیک چارباغوں کے درمیان بنایا گیا تھا دراصل اصفہان کے حسین چارباغ کی نقل تھا۔

میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں بہت سے راجہ بھی مع اپنی فوج کے اس کے ساتھ ہو گئے اب امیر الامرا کی فوج کی تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سارا میدان جنگ اسی سے بھر گیا تھا۔ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے تھے۔ توقع تھی کہ وہ فوراً غنیموں پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن اس کے بجائے وہ چونکہ مرہٹوں کے داؤ پیچ سے واقف تھا دارالخلافہ سے چالیس کوس کے فاصلے پر وقت گزارنے لگا بستر مرگ پر زندگی اور موت کی جو کشمکش ہوتی ہے وہی کشمکش اس کے بیشتر سپاہیوں کے اندر پائی جاتی تھی۔ ان کے دن امید و بیم کے عالم میں گذر رہے تھے۔ اعتمادالدولہ قمرالدین نے بھی کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھلائی۔ اس نے مغل اور ہندوستانی سرداروں کو اپنے ساتھ لے کر جو اس کے ملازم تھے کچھ اور مغل و تورانی ملازمین شاہی کا اضافہ کیا اور اجمیر کی طرف چل پڑا وہ مرہٹوں کی سرکوبی کا تہیہ کر چکا تھا اس کے پاس ہر قسم کا سامان حرب تھا اور ایسے رضا کار بھی تھے جنھوں نے مختلف مہمات میں شہرت حاصل کر کے ترقی کی تھی۔ اس کے کوچ کی منظر کشی بہت مشکل ہے اس وقت وہ جاہ و جلال اور رعب و دبدبہ نظر آ رہا تھا کہ قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اجمیر کی سرحد پر کچھ دور تک کوچ کرنے کے بعد وہ رک گیا اور مرہٹوں کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں محمد خاں بنگش بھی فرخ آباد سے نکل کر (فرخ آباد فرخ سیر کے نام پر تعمیر کیا گیا اور لبایا گیا تھا) اعتمادالدولہ سے آملا اس کے پاس بھی فوج کثیر تھی یہ بھی مرہٹوں کا انتظار کرنے لگا لیکن دونوں مقتدر سپہ سالاروں اور مشہور جنگجوؤں کو پیش قدمی کر کے قزاقوں کو شکست فاش دینے کی جرأت نہ ہوئی ان کے اندر اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ وہ فوراً شمشیر برہنہ سے دشمنوں کا سر قلم کر کے صفحۂ روزگار پر بہادری کے کارنامے چھوڑ جائیں۔ امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوراں مستقل منصوبہ بندی میں مصروف رہا اور یہ منصوبے جے سنگھ کو بھیجدیتا اور جو کچھ اس کے ذہن میں آتا وہ بھی امیر الامرا کو اطلاعاً تحریر کر دیتا۔

راجہ ابھی سنگھ راٹھور کی یہ حالت تھی کہ وہ دارالخلافہ منتقل ہو گیا اور افیون خوری میں شب و روز گزارنے لگا۔ دن بھر وہ سویا رہتا اور رات اس پیچ و تاب میں گذارتا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ جب بھی امیر الامرا اس کو طلب کرتا کوئی نہ کوئی عذر لکھ کر بھیج دیتا اعتماد الدولہ قمرالدین کی بھی حالت عجیب و غریب ہو رہی تھی کبھی تو وہ اپنے آپ سے غافل ہو جاتا اور کبھی خوف و اندیشہ میں مبتلا ہو کر اپنے رفیقوں اور ہم مجلسوں سے مشورہ کرتا۔

لیکن اس کے ذہن سے خوف و اندیشے دور نہ ہوتے اور نظام الملک کی طرف سے کمک کی توقع میں رہتا۔ لیکن موخر الذکر یعنی نظام الملک نے جو اپنے دوست صمصام الدولہ اور بادشاہ کے ہاتھوں آزردہ خاطر رہنے لگا تھا نازک صورت حال کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی۔ وہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو وزرا اور ارکان دولت ذلیل و خوار ہوں۔ دوسری طرف بادشاہ کے دل و دماغ میں بھی بادشاہ کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے نیز اس کے دل سے دربار کے تورانی امرا کا اعتماد بھی جاتا رہا تھا۔ اس لئے اس نے ان سے کسی مسئلہ پر مشورہ نہ کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے چوبیس گھنٹے تذبذب اور پریشانی میں گزرنے لگے۔ وہ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ رہا تھا۔ دربار میں جو امرائے بے مقدور اور منصب داران معذور تھے ان کی ساری لیاقتیں ختم ہو چکی تھیں اور وہ ایک طرح سے عضو معطل کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن جن کے اندر لیاقت تھی اور جو صحیح معنوں میں مشورہ دے سکتے تھے وہ اس لئے زبان نہیں کھولتے تھے کہ کہیں ان کا مشورہ صمصام الدولہ خان دوراں کی رائے کے متصادم نہ ہو بادشاہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ کسی بات سے خان دوراں کی دل شکنی ہو کیونکہ نہ صرف وہ اس کو عزیز رکھتا تھا بلکہ سلطنت کے کل اختیارات صحیح معنوں میں اسی کے ہاتھوں میں تھے بادشاہ کے ذہن میں جو بات آتی اس سے وہ خان دوراں اور اعتماد الدولہ قمر الدین کو آگاہ کر دیتا دونوں اس کے مشوروں کو منطقی دلائل پر پرکھتے اور پھر اپنے خیالات سے اس کو مطلع کر دیتے بادشاہ اور خاں دوراں کے درمیان خطوط بازی ہوتی رہی۔ بادشاہ اور امرا مرہٹوں کے ساتھ صلح کرنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ خان دوران بھی چونکہ مرہٹوں کے استیصال کو اپنی طاقت سے باہر سمجھ رہا تھا اس لئے اس نے مناسب یہی سمجھا کہ حالات کو جنگ و صلح کے درمیان ڈانواں ڈول رکھا جائے تاکہ مرہٹے ہمیشہ گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں رہیں اس نے اپنے خیال کو دانشمندی پر محمول کیا۔ چنانچہ اپنی ذات کو الجھنوں سے نجات دلانے کے لئے وہ دار الخلافہ روانہ ہو گیا۔ فضا انتہائی خراب تھی۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ غیر متوقع طور پر یہ خوش خبری موصول ہوئی کہ برہان الملک سعادت خاں نے مرہٹوں کی ایسی گوشمالی کی ہے جس کے وہ مستحق تھے اس خبر سے امرائے خوفزدہ کو یک گونہ سکون ملا۔

برہان الملک کی کامیابی

برہان الملک سعادت خاں کے پاس اگرچہ صرف اودھ کی صوبہ داری تھی اور وہ خواص بادشاہ کا صرف عہدیدار

تھا اس لئے اس کے ہاتھوں مرہٹوں کی شکست فاش کو حیرت انگیز کارنامہ سمجھا گیا۔ امرائے دربار کے مقابلے میں اس کے پاس نہ زیادہ فوج تھی اور نہ مال وزر ہی تھا اس کے علاوہ اس کی حکومت گنگا کے قطعی شمال کے جانب تھی اس لئے مرہٹوں سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کیوں کہ مرہٹے اس دریا کے جنوبی سمت میں تھے۔ طاقت میں بھی وہ مرہٹوں سے کم تر تھا لیکن وہ تھا نہایت ہی دلیر، ہمت ور اور صاحب شعور۔ اس کے دل میں سلطنت کی عظمت اور جاہ وجلال کا احترام تھا وہ ہمیشہ بڑی سے بڑی مہم کے لئے خود کو تیار رکھتا تھا تاکہ صفحہ ہستی پر اس کا نام رہ جائے لہٰذا جب اس نے دیکھا کہ مرہٹے قزاق روز بروز سلطنت کی حدود میں گھستے چلے آرہے تھے اور ان کی بھوک کسی طرح مٹتی ہی نہیں تو اس نے مرہٹوں کو شکست فاش دینے کا ارادہ کر لیا اور اسے اپنے فرائض میں سے اہم فرض سمجھا اس نے اپنی فوج کا جائزہ لیا (اس کی فوج ہمیشہ چوکس اور تیار رہتی تھی) اس کی تعداد بڑھائی اور ضروری سامان حرب سے ایک ایک سپاہی کو مسلح کیا اس کے بعد اپنے داماد ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ کو ہمراہ لے کر دارالامارۃ سے نہضت فرما کر گنگا کو عبور کیا اس طرح وہ دریائے جمنا کو بھی عبور کرکے راجہ بہدادر یعنی اپنے معتمد اور رفیق کو مدد پہنچانا چاہتا تھا۔ کیونکہ راجہ مذکور کو مرہٹوں نے قلعہ کے اندر بند کر دیا تھا اس نے سعادت خاں سے کمک مانگی تھی سعادت خاں نے جواب عرضی میں تحریر کیا، "کہ خبردار تو اپنا دل تنگ نہ کر اور اس چیز سے بھی ہوشیار رہ کہ ایک حبہ بھی مخالفین کو نہ لے گا عنقریب میں تیرے پاس آرہا ہوں" یہ لکھ کر وہ روانہ ہو گیا چونکہ بندیل کھنڈ کے راجہ مرہٹوں سے مل گئے تھے اور ان کی بڑی جماعت دریائے جمنا کے گھاٹوں پر تاک میں تھی اس لئے وہ دریا کو جلدی جلدی عبور نہ کر سکا۔ دریں اثنا اس کے دوست یعنی راجہ بہدادر کو شکست ہوئی۔

مال راؤ کی غارتگری

یہ سب کچھ تو ہو ہی رہا تھا کہ باجی راؤ کی فوج کا مشہور ومعروف سردار مال راؤ کی راہ دریائے جمنا پار کر گیا اور سعادت خاں کے عقب سے گزر کر یہاں تک کہ اس کو خبر تک نہ ہوئی چکلہ اٹاوہ پر حملہ آور ہو گیا اٹاوہ کے پھاٹک سے لیکر موتی باغ تک کی کوئی چیز اس نے نہ چھوڑی ہر طرف سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جدھر سے بھی وہ گزرتا قتل وغارتگری، لوٹ مار اور کشت وخون کا بازار گرم کر دیتا ہر تے راکھ کا ڈھیر نظر آتی یہاں سے وہ قصبہ سعد آباد اور جالسیہ کو بھی لوٹنے کے لئے بڑھ ہی رہا تھا کہ سعادت خاں روز دوشنبہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۱۴۹ھ کو قیامت خیز طوفان کی طرح مال راؤ کے سر پر جا پہنچا قزاقوں

میں بھگدڑ مچ گئی۔ جب اس نے ان کو فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے مردانہ وار اس طرح حملہ کیا کہ اعتماد پور تک جو چار کوس پر واقع تھا تعاقب کر کے کشتے کے پشتے لگا دیئے۔ ہر طرف لاشوں کا انبار نظر آ رہا تھا اور آٹھ میل لمبی سڑک پر انسانی سروں کے علاوہ کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی اس کے تین مشہور سردار قید کر لئے گئے لیکن مال راؤ زخمی ہو کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا لیکن ان پر اتنا ہراس طاری تھا کہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ پایاب جگہ نہیں ہے جہاں سے انھوں نے دریا کو عبور کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ راستہ بھول گئے اور سبھوں نے ایسی جگہ چھلانگ لگائی جہاں گھاٹ نہ تھا۔ بہت سارے عدم آباد کو سدھار گئے مال راؤ مع اپنی قلیل جماعت کے نیم جاں باجی راؤ کی بارگاہ میں پہنچا۔ یہ مرہٹہ سپہ سالار ان دنوں گوالیار کے قریب قصبہ کوٹلہ میں جہاں سادات آباد تھے مقیم تھا برہان الملک برابر اس کا تعاقب کرتا گیا اور دس دس کوس بلکہ زیادہ چل کر دھول پور باڑی جو اکبرآباد سے اٹھارہ کوس پر دریائے چنبل کے اس طرف ہے پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس کو پتہ چلا کہ باجی راؤ اپنی فوج سمیت وہیں مقیم ہے چنانچہ اس نے باجی راؤ کو بھی مال راؤ کی طرح شکست دینے کی ٹھانی لیکن جب اس کا پتہ نہ لگا تو وہ اپنے خیمہ میں چلا گیا اور دو روز تک اس نے اپنی فوج کو آرام کرنے کی مہلت دی تیسرے روز اس نے لشکر میں منادی کرا دی کہ دارائن لشکر چار روز تک آب و دانہ لے کر کوچ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر کوچ کرنے کے بعد ایک سپاہی بھی خیمہ میں نظر آیا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دی جائے گی اور خود اس کا تمسخر اڑایا جائے گا۔ درایں اثنا اس نے مشک وغیرہ میں پانی بھرنے اور روٹیاں پکانے کا حکم صادر فرمایا تاکہ دوران تعاقب میں کسی سپاہی کو بھی پریشانی نہ اٹھانا پڑے اس نے چند ہلکے توپ خانے ہاتھیوں پر اور خزائن گراں اونٹوں پر رکھے اس کے بعد اس نے گھوڑوں خچروں، اونٹوں اور دیگر جانوروں کو کھلایا پلایا پھر یہ منادی کرا دی کہ وہ دریائے چنبل کے اس پار تک دشمن کا تعاقب کریگا اور یہ کہ سب سے پہلے وہ خود دریا میں اس غرض سے چھلانگ لگائے گا تاکہ اس کے سپاہیوں میں جوش و ولولہ اور ہمت و جرات پیدا ہو۔

برہان الملک کے نام خان دوراں کا خط!

جب برہان الملک اس مہم کے لئے تیار ہو گیا تو اس کے نام خانِ دوران کا خط ملا۔ چونکہ خان دوران برہان الملک سعادت خاں کی تہوری اور جوانمردی کے کارنامے سن چکا تھا اور اس کو اپنے حال پر شرم آ رہی تھی اس لئے اس نے اس کی ہمراہی میں نام پیدا کرنا چاہا۔ ان ہی خیالات کے

تحت اس نے برہان الملک کو کئی خطوط تحریر کئے ان خطوط میں اس نے سوگند کھائی اور یقین دلایا کہ وہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے آرہا ہے لہٰذا اس نے درخواست کی کہ اس کے پہنچنے تک وہ انتظار کرے کیونکہ " میں بھی تمہارے ساتھ مل کر لٹیروں کی گوشمالی کرنا چاہتا ہوں "۔

سعادت خاں گھوڑے پر سوار ہو ہی رہا تھا کہ اس کا خط ملا۔ وہ رک گیا اور حیص بیص میں پڑ گیا بہر کیف تین روز کے بعد امیر الامرا صمصام الدولہ خانِ دوراں پہنچ گیا۔ بادشاہ مرہٹوں کی پیش قدمی سے بے حد خائف تھا اس لئے اس نے خان دوراں اور دیگر امرا وسپہ سالار کو سعادت خاں کے ساتھ مل کر لٹیروں کی گوشمالی کے لئے بھیجا قمر الدین خاں ان دنوں اپنی فوج کے ساتھ دار الخلافہ سے تیس کوس پر صوبہ اجمیر کی راہ پر تھا نیز محمد خاں بنگش غنیموں کے انتظار میں اس سمت میں مقیم تھا۔

جب صمصام الدولہ خانِ دوراں اور برہان الملک سعادت خاں آپس میں ملے اور چھ سات روز ضیافت میں گذر گئے تو مرہٹوں نے موقع کو غنیمت سمجھا ان کے دلوں سے سعادت خاں کے تعاقب کا خوف نکل چکا تھا چنانچہ وہ شاہجہاں آباد کو فوج سے خالی سمجھ کر عقب سے کود پڑے یہ سب کچھ اتنی برق رفتاری سے ہوا کہ سال مذکور ہی میں ذی الحجہ کی ۸ تاریخ کو وہ باجی راؤ سپہ سالار کی کمان میں تعلق آباد پہنچ گئے کیونکہ یہاں ہندو اور مسلمان معبد کالکا میں تماشا کی وجہ سے جمع ہوئے تھے اس لئے ان کو مرہٹوں نے جی بھر کر لوٹا اور خواجہ قطب الدین کے مزار پر رات بسر کر کے بدھ کی صبح کو مینا بازار اور دوسری دوکانوں کو جلا کر خاکستر کر دیا دوپہر کے قریب وہ اور آگے بڑھے اور قصبہ پالم کو تاراج کیا۔ کالکا کے بھاگے ہوئے لوگ شہر میں پہنچ گئے اور مرہٹوں کی آمد کی خبر دی انھوں نے شہر والوں کو مرہٹوں کے ظلم وستم کی ایسی دہشتناک کہانی سنائی کہ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہر طرف ایسا کہرام مچا کہ الامان والحفیظ۔

مرہٹوں کی گوشمالی

بادشاہ کو غنیموں کی آمد کی جب اطلاع ملی تو اس نے امرا وارکین حاضر کو حکم دیا کہ وہ مرہٹوں کی گوشمالی کے لئے فوراً روانہ ہو جائیں چنانچہ امیر خاں، راجہ بخت مل، میر حسن خاں کوکلتاش، منور خاں برادر ظفر خاں، عبد المعبود خاں اور شیو سنگھ سردار رسالہ عنبری وغیرہ سرداران حسب حکم جمع ہو گئے اور قاضی سرائے اور تال کٹورا تک پیش قدمی کر کے پہنچ گئے۔ میر حسن خاں اور شیو سنگھ جو اپنی بہادری اور دلیری میں اپنے تجربہ اور عقل سے آگے بڑھے ہوئے تھے چشم زدن میں بہت دور چلے گئے امیر خاں نے جو اپنی تھوری

اور عقل و بصیرت میں یکتا تھا آگے بڑھنے کی مخالفت کی کہ ایسے وقت میں پیش روی مناسب نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ یہ سب ایک جگہ پر قیام کریں لیکن اس مشورہ پر دونوں بے شعور عمل پیرا نہ ہوئے وہ بدستور آگے بڑھتے رہے یہ لوگ تھوڑی ہی دور آگے گئے تھے کہ تھوڑے سے مرہٹے دور سے نظر آئے انہیں غلط فہمی ہوئی کہ مرہٹوں کی تعداد تھوڑی ہی ہے اس لئے وہ بڑھتے ہی گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تلواریں اس تیزی سے چلنے لگیں کہ چاروں طرف خلفشار مچ گیا اتنے میں ہمراہیان میر حسن میں سے ایک شخص مجروح ہو کر امیر خاں کے پاس آیا اور ہمت کر کے بولا: "یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو جبکہ ہمارے سید اور امام تہہ تیغ ہو رہے ہیں؟" امیر خاں جو طبعاً خوش مزاج بذلہ گو اور لطیفہ سنج تھا یہ سن کر مسکرا دیا اور بڑے اطمینان سے گویا ہوا "جیسی ہمیں بارہ امام کی غرض ہے، اگر کوئی تیرھواں امام بننا چاہتا ہے تو مجھے اس کے تہہ تیغ ہو جانے میں کوئی عذر نہیں۔"

چونکہ ہندوستانی سپاہی گھوڑے کی سواری میں مہارت نہیں رکھتے تھے اس لئے ان میں سے بیشتر مارے گئے اور ان کے قائد میر حسن خاں نے چند رفقا کے ہمراہ مجروح ہو کر راہ فرار اختیار کی اور دن بھر راستہ کی خاک چھانتے ہوئے بیک بینی و دو گوش اپنے اپنے خیموں میں پہنچ گئے دریں اثنا تغلق آباد اور شاہجہاں آباد کی بربادی کی خبریں جب پہنچیں تو امرار دربار میں آئے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ بادشاہ بالکل تنہا ہے اعتمادالدولہ قمرالدین جو دیگر امرا کی بہ نسبت بہت نزدیک تھا سب سے پہلے پہنچا اور ۹ ذی الحجہ کو مرہٹوں سے خفیف سی جنگ کی مرہٹے پیچھے ہٹ گئے۔ برہان الملک سعادت خاں اکبرآباد سے نکل کر دو دن میں پینسٹھ کوس کی مسافت طے کر کے قصبہ تلپٹ میں جو دارالخلافہ سے متصل ہے آیا اور دوسرے روز یعنی ٹھیک عید الضحیٰ کے دن دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ صمصام الدولہ خان دوراں جو اس کے ساتھ ہی روانہ ہوا تھا کچھ دیر کے بعد پہنچا۔ تیسرے روز محمد خاں بنگش بھی آ گیا چونکہ سعادت خاں کی شمشیر آب دار غنیموں کے چھکے چھڑا چکی تھی اور ان کو اپنے حریف کی قوت کا اندازہ ہو گیا تھا اس لئے وہ مقابلہ کو پھر نہ آئے بلکہ مال غنیمت لے کر بھاگ گئے اور قصبہ ریواڑی اور بالوڈھی کی طرف چلے۔ ان دونوں قصبوں کو بھی انھوں نے لوٹا جلایا اور تباہ و برباد کیا اس کے بعد یہ لوگ مالوہ اور گجرات آئے۔

بادشاہ ان سارے واقعات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا اس نے محسوس کیا کہ برہان الملک

سعادت خاں کے علاوہ دیگر امرا و اراکین دربار کسی نہ کسی حیلے سے مرہٹوں کے مقابلہ کو نہ آئے سبھوں نے معذرت مانگی۔ چنانچہ بادشاہ نے وزیر اور امیر الامرا سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ ان کو چوتھ دے کر تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کی جائے۔

بادشاہ کو اگرچہ معلوم تھا کہ ان سارے فسادات کا بانی دمبانی آصف جاہ نظام الملک ہے لیکن ساتھ ہی اس کو اس بات کا احساس بھی تھا کہ اس کو اس جرم کی سزا دینا کتنا دشوار ہے۔ چنانچہ اس نے دانشمندی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اس نے نظام الملک کو محبت و شفقت آمیز خطوط تحریر کئے خطاب آصف جاہی اور اضافہ ہشت ہزاری سے سرفراز کیا اور اس کی ایسی دلداری کی کہ اس نے حضور میں آنے کا قصد کر لیا۔

نظام الملک نے اپنے دوسرے لڑکے نظام الدولہ ناصر جنگ کو ملک دکن کا نائب مقرر کر کے دار الخلافہ کی راہ لی ابھی دار الخلافہ میں اس کی آمد کی خبر پھیلی ہی تھی کہ صمصام الدولہ خان دوراں نے جلد از جلد مرہٹوں سے صلح کر لی کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ معاہدہ میں اس کا کوئی دخل ہو معاہدہ کی رو سے یہ طے پایا کہ مرہٹے بادشاہ کے تابع رہیں گے اور نظام الملک سے کسی قسم کا ربط ضبط نہیں رکھیں گے لیکن چونکہ مرہٹوں کو اراکین دربار کی کمزوری اور بزدلی کا بخوبی علم تھا۔ اس لئے انہوں نے بیک وقت دربار میں اور نظام الملک سے اپنا معاہدہ پختہ کر لیا

نظام الملک دار الخلافہ میں

نظام الملک روز دوشنبہ ۱۶ ربیع الاول ۱۱۵۰ھ کو پہر دن چڑھے دار الخلافہ آ کر بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا اور تقریباً دو ماہ کے اندر راجے سنگھ اور باجی راؤ کی تبدیلی پر مالوہ اور گجرات کی صوبہ داری کا خلعت غازی الدین خاں پسر آصف جاہ نظام الملک کو عطا ہوا۔ روز جمعہ ۱۸ ربیع الثانی کو عبد الصمد خاں صوبہ دار لاہور کی وفات کی اطلاع آئی۔ چنانچہ ہمدردی کا خلعت متوفی کے بھائی اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کو مرحمت ہوا نیز خلاع ماتمی متوفی کے ورثاء کو اور بحالی صوبہ لاہور اور ملتان کا خلعت اس کے لڑکے زکریا خاں کو ارسال ہوئے ان ہی دنوں بادشاہ کے حکم سے آصف جاہ نظام الملک باجی راؤ کی گوشمالی کے لئے اکبر آباد آیا اور وہاں اپنے ہی کسی عزیز کو نائب مقرر کر کے اکبر آباد کے گھاٹ سے گذر کر جمنا عبور کر کے مالوہ آیا اور پھر اٹاوہ سے گذر کر کالپی میں دوبارہ جمنا عبور کر کے بندیل کھنڈ آیا یہاں اس نے راجہ کو گرفتار کیا اور اسے ہمراہ لے کر بھوپال آیا جو صوبہ مالوہ کے ماتحت تھا۔ باجی راؤ کو نظام الملک کے منصوبوں کی

جب اطلاع ملی تو وہ ایک فوج جرارے کر دکن سے نکلا اور اس کے مقابلے کو آیا۔ کشت وخون کا بازار گرم ہوا لیکن چونکہ فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا اور اسی اثنا میں نادر شاہ کے حملے کی اطلاع مل چکی تھی اس لئے نظام الملک نے باجی راؤ سے مصالحت کر کے اپنی فوج سمیت دار الخلافہ لوٹ گیا۔

درباری سازشیں

انتشار و خلفشار کا جو بھیانک سیلاب امنڈا چلا آ رہا تھا اس کی طرف توجہ دینے کی بجائے نمک حرام اور نفاق پیشہ امرائے دربار ایک دوسرے کے خلاف سازش برپا کرنے میں مصروف عمل رہے اور اپنے ہی بھائی یعنی مسلمانوں کا خون بہانے اور سادات کی پوری نسل تباہ کرنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ دشمنوں کی پرواہ تک نہ کی مثلاً انہی دنوں سیف الدین علی خاں جو قطب الملک کا دست راست تھا اس کی شکست کے بعد بالکل گوشہ نشین ہو گیا اور جاگیرداری اور تعلقہ قدیم موروثی پر گزر بسر کرنے لگا زندگی قائم رکھنے کے لئے جو تھوڑی بہت رسد رزاق حقیقی کی طرف سے ملتی تھی اس سے وہ اپنے اور اپنے چند ضعیف و ناتواں خاندانی افراد کی کفالت کر رہا تھا لیکن یہ معمولی سی جائداد بھی قمر الدین خاں اور تورانیوں کو گراں گذرنے لگی کیونکہ سادات کو وہ ایک آنکھ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے اور اسی لئے ان کے دلوں میں امیر الامرا حسین علی خاں مرحوم کے کسی اقربا سے بھی ہمدردی نہ تھی بلکہ وہ ان کے جانی دشمن تھے اور ان کے وجود کو ختم کرنے کے درپے رہا کرتے تھے چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر اعتماد الدولہ قمر الدین خاں نے حشمت خاں کو چکلہ سہارنپور دیدیا نیز یہ حکم بھی صادر کیا کہ سیف الدین علی خاں اور امیر الامرا حسین علی خاں مرحوم کے متعلقین کی ساری جائداد ضبط کی جائے لہٰذا سہارنپور پہنچتے ہی اس نے سید کی اولاد پر دست درازی شروع کر دی نیز اس نے سیف الدین کو بھی دانے دانے کا محتاج بنا دینا چاہا نوبت بایں جا رسید کہ جب ان کو رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اپنے ستم گر کو راہی ملک عدم کر کے دم لیا۔ یہ طرز عمل اعتماد الدولہ اور اس کے بھائی عظیم اللہ کو بہت برا معلوم ہوا اور وہ لوگ بھی آزردہ ہوئے جنھوں نے جاں نثار خاں کی ہلاکت اور بھگونت اور اڑاڑ د کی مسلمان خاندان پر دخل یابی کو عار نہ سمجھا۔ لیکن اب ان ہی لوگوں نے سید کے ہاتھوں حشمت خاں کی موت کو حکومت کے لئے باعث توہین سمجھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ حکومت کی شان میں اتنی بڑی گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے دراصل یہ ایک حیلہ تھا جو نامی گرامی خاندان سادات

کی گردنیں اڑانے اور اس کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے تراشا جا رہا تھا۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے اعتماد الدولہ نے فوراً عظیم اللہ خاں کو جس کو ابوسفیان ثانی کہنا بہتر ہے سالار لشکر بنا کر مع باقی ماندہ فوج دمشق یعنی فوج تو ان اور علی محمد خاں روہیلہ اور فریہ الدین خاں اور عظمت اللہ خاں شیخ زادہائے لکھنو کو جو قمر الدین خاں کی طرف سے مراد آباد کے فوجدار تھے سادات بارہ کو موت کے گھاٹ اتارنے پر مامور کیا۔

یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ چنانچہ اس انتقام کے جذبے کے تحت وہ صف آرا ہوئے سیف الدین علی خاں اپنے چند بھائی بندوں اور متعلقین کے ساتھ جو اس نازک وقت میں مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر میدان میں آگئے۔ سیف الدین کے پاس آدمی کی کمی تھی، توپ و تفنگ اور دیگر سامان حرب بھی نہ تھے لیکن اس کے باوجود ذلت وخواری کے احساس نے اس کو اتنا توانا، مضبوط اور جری بنا دیا تھا کہ قریب تھا کہ عظیم اللہ اور اس کی فوج فی النار والسقر ہو جائیں کہ اتنے میں روہیلہ افغان کی دوسری فوج مدد کو پہنچ گئی۔ اور آتے ہی بندوقی اور بان اس طرح سر کئے کہ آن کی آن میں سیف الدین علی خاں اور اس کے ہمراہیوں کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اس کے بعد یہ لوگ سیف الدین علی خاں اور اس کے آباؤ اجداد کے قدیم مسکن قصبہ جانسٹھ آئے اور لوٹ مار شروع کر دی انھیں ان نیک سیرت سیدانیوں پر ظلم ڈھانے سے بھی شرم نہ آئی جن کا قدم کبھی باہر نہ نکلا تھا۔ کچھ دنوں تک اس قصبہ میں حشر کا سا سماں رہا اس کے ظلم و جور سے اولاد پیغمبر کے نامہ وشیون نے ساتویں آسمان کے کروبیاں تک کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ صاحب اعتبار کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کئی روز تک صبح و شام افق پر ایسی سرخی نظر آتی رہی کہ دیکھنے والوں کے آنکھوں سے خون کے آنسو رواں ہو جاتے تھے سادات پر ان بے پناہ ظلم و ستم اور افق پر متواتر سرخی نے اہل نجوم کو قائل کر دیا کہ اعتماد الدولہ کی تنگ نظری اور آل پیغمبر پر ملعون عظیم اللہ کے تشدد کی وجہ

سے عن قریب اس ملک میں کشت و خون کی گرم بازاری ہوگی اور مصائب و آلام
کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔ کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہے کہ آسمان میں ایسی شفق سرخی ہمیشہ
آفات و مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوتی رہی ہے۔

نادر شاہ کے سپاہیوں نے گھر میں گھس کر نہ صرف لوٹ مار مچائی بلکہ قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ مقتولین کی بیویوں اور بیٹیوں کو زبردستی اپنے ساتھ لے بھاگے۔ متعدد مکانوں میں آگ لگا دی۔ دوپہر ہوتے ہوتے جب مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو نادر شاہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی سپاہیوں کی شمشیریں نیام کے اندر چلی گئیں سڑی گلی لاشوں سے کئی روز تک ایسا تعفن پھیلا رہا کہ شہر کی زندگی یکسر معطل ہوگئی اکثر مقامات پر تو آمد و رفت قطعی بند ہو گئی تھی۔ چنانچہ کوتوال شہر کو حکم ملا کہ لاشیں ایک ایک کر کے دفن کر دی جائیں اور سڑکوں کی صفائی ستھرائی کی جائے لیکن کوتوال نے لاشوں کو ایک جگہ جمع کر کے اور یہ تمیز کئے بغیر کہ کون کافر ہے اور کون مسلمان آگ لگا دی۔

(نادر شاہ کا حملہ)

باب ۴

نادر شاہ کا ہندوستان پر حملہ

اس وقت تک صمصام الدولہ خانِ دوراں کا اقتدار واثر عروج پر پہنچ چکا تھا۔ لیکن اس کے دل ودماغ میں تمرد وخود سری کا ایسا طوفان امڈ رہا تھا کہ اس کے ذہن میں جو بات آتی وہ فوراً کر گزرتا مگر اس کا اثر یا تو برعکس نکلتا یا پھر موجب فساد ہوتا ——— اور اس طرح اسے بعد میں ندامت محسوس ہوتی۔ ایسا ہی ایک معاہدہ تھا جو اس نے مرہٹوں کے ساتھ کیا اور جس کا ذکر پیشتر آ چکا ہے اس کی خودسری کی جہاں بہت سے نمونے ہیں وہاں ایک نمونہ یہ بھی ہے۔ کابل کے مصارف کی طرف سے اس کی غفلت، اس صوبہ کی تنگ گذرگاہوں کی عدم حفاظت اور پھران پہاڑی علاقوں کے تحفظ کے لئے جو فوج رکھی گئی تھی، اس کی شکایات کی طرف سے عدم توجہی ان ساری باتوں نے مل کر نادر شاہ کے حملہ کے لئے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ اگر خانِ دوراں پہاڑی علاقوں کے محافظ کو روپے پیسے دیتا رہتا اور ان دشوار گزار گزرگاہوں کی حفاظت کے لئے کوئی اور کارروائی کرتا تو نادر شاہ اتنی آسانی سے ہندوستان پر حملہ آور نہ ہوتا اور بالفرض وہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کرتا بھی تو پیش قدمی کرنے کی اتنی آسانیاں میسر نہ آتیں۔

ناصر خاں صوبہ دار کابل

ناصر خاں صوبہ دار کابل مرد صالح تھا اس کا سارا وقت یا تو شکار میں یا پھر تلاوت قرآن یا عبادت الٰہی میں

گذرتا۔ خانِ دوراں نے بارہ لاکھ کی نقدی جو بادشاہ کی طرف سے صوبہ کابل کو جاتی تھی منسوخ کر دی تھی اس کے خلاف بھی اس نے کوئی قدم نہ اٹھایا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو صوبہ دار ہی درّوں اور گذرگاہوں کی طرف توجہ دیتا اور نہ خانِ دوران ہی نے اس اہم معاملہ کی طرف توجہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محافظ اپنی چوکیوں سے دست کش ہو گئے۔ حملہ آوروں کی بن آئی سلطنت کی کمزوریوں کا ویسے ہی چاروں طرف چرچا تھا اس لئے سارے لوگ من مانی کرنے لگے سڑکوں اور گذرگاہوں پر پہرہ نہ ہونے کی وجہ سے آمد و رفت میں کوئی پابندی نہ تھی بادشاہ و امرا کو کسی واقعہ کی اطلاع تک نہ پہنچتی تھی اور نہ بادشاہ و وزیر اطلاع نہ ملنے کی پوچھ گچھ ہی کرتے تھے اس عدم توجہی کی وجہ سے بڑے ہی خطرناک نتیجہ کا سامنا کرنا پڑا۔

سلاطین صفویہ یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ سلاطین سلسلہ علیہ صفویہ نے کبھی بھی کسی مرحلے پر ہندوستان کے شہنشاہوں سے امداد طلب نہیں کی حالانکہ خود سلاطینِ ہند یعنی سلطان بابر اور سلطان ہمایوں کو شاہ اسمٰعیل اور اس کے پاک طینت لڑکے شاہ طہماسپ کے درباروں میں پناہ ملی تھی اس کے علاوہ ان کے ملک کو واپس دلانے میں ان دونوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ خاندان صفویہ کے بادشاہوں نے ہمیشہ سلاطین ہند سے رابطہ قائم رکھا یعنی سلاطین ہند میں سے جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تو خاندان صفویہ اس کو مبارکباد اور تہنیت کے پیغام بھیجتا اور اس طرح اس خاندان کے سلاطین اپنی نیک طینت اور اچھی تہذیب کا ثبوت دیتے رہتے لیکن کتنے تعجب کی بات ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں شاہجہاں آباد کا دربار انتہائی غیر مہذب ثابت ہوا اس نے دوستی اور خیر سگالی کی مطلق پروا نہ کی۔ مثال کے طور پر ملک ایران میں جب خانہ جنگی شروع ہوئی اور شاہ طہماسپ ثانی جب تخت موروثی پر جلوہ افروز ہوا تو محمد شاہ نے نہ تو فسادات پر کسی تشویش کا اظہار کیا اور نہ شاہ طہماسپ کو مبارک بادہی بھیجی اس کے برخلاف وہ پیر ویس افغان سے دوستانہ تعلقات بڑھاتا رہا اور اس طرح پیام و سلام کے دروازے کھل گئے یہ بات سبھوں پر واضح ہے کہ پیر ویس افغان کے لڑکے نے ملتان پر حملہ کرنے سے گریز نہ کیا۔ اس نے قندھار پر قابض رہنے کے دوران میں وہاں خون کی ندیاں بہا دیں اور شاہ طہماسپ نے دوریٔ مسافت کے باوجود فتح اصفہان اور استیصال افغان کے بعد اپنے کسی امیر کو ہندوستان بھیجا اور ان ایام کے سارے وقائع لکھوائے اور خط میں یہ بھی لکھا کہ چونکہ افغانوں کو ایران سے نکال دیا گیا ہے اور ان کے لئے دنیا کے کسی خطہ میں جگہ نہیں ہے اس لئے اگر وہ ہندوستان کا

رخ کریں تو وہاں بھی ان کو نکال دیا جائے اس اطلاع کے بعد دربار ہند کی فراست کا یہ تقاضا تھا کہ وہ ان مفسدوں کو جائے پناہ نہ دیتے لیکن نہ تو خط کو درخور اعتنا سمجھا گیا اور نہ ایلچی کو اہمیت دی گئی البتہ محمد شاہ نے اس ایلچی کی معرفت بے ہودہ جواب تحریر کروا کر ارسال کر دیا اور جب شہزادہ عباس مرزا تخت نشین ہوا اس وقت بھی ایک ایلچی ہندوستان بھیجا گیا اور خط میں مفسدوں کی بات پھر دہرائی گئی لیکن اس ایلچی کو بھی پہلے کی طرح رخصت کر دیا گیا۔ اس کے بعد نادر شاہ کے ہاتھوں میں جب عنان حکومت آئی تو اس نے کسی معتمد قزلباش کو برہان الملک کے پاس بھیجا لیکن ہندوستان پہنچتے پہنچتے ڈاکوؤں نے اس کو لوٹ لیا اس نے ڈاکوؤں کی منت سماجت کی اور ہزاروں خوشامدیں کیں تب کہیں جاکر وہ کسی طرح خطوط لے کر آیا۔ لیکن لوٹ جانے کی اس کے اندر تاب نہ تھی کیونکہ اس کی گرہ میں کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔ افسوس ہوتا ہے کہ محمد شاہ اور اس کے وزیر کو اس کی حالت زار پر رحم تک نہ آیا ان کو اس بات پر صرف حیرت ہوتی تھی کہ آخر ایران سے اتنے سارے ایلچی اور پیام کیوں آتے ہیں ان کو نیز تعجب ہوا کہ حسین خاں نامی ایک افغان قندھار پر قابض ہو کر ملتان پر چڑھ دوڑا ہے۔ نظام الملک کو دکن سے بلوایا گیا تاکہ بوقت ضرورت اس کی گوشمالی کے لئے اس کو بھیجا جائے لیکن نظام الملک بھی گرگ باراں دیدہ سرد و گرم روز چشیدہ اور تجربہ کار تھا اورنگ زیب کے عمدہ دست راست میں تھا۔ بادشاہ اور وزیر نے اس کو دربار میں رکھا حالانکہ وہ دکن واپس جانا چاہتا تھا اس دوران میں نادر شاہ قندھار تک آگیا اور اس کو تسخیر کر کے اس نے محمد خاں ترکمان کو جو امرائے صفویہ سے متعلق تھا سابق پیام کی یاد دہانی کے لیے ہندوستان بھیجا۔ دارالخلافہ آکر ایلچی نے خط اور پیام دکھلائے اس کو روک لیا گیا۔ لیکن جواب نہ دیا گیا امرار آپس ہی میں اس بات پر لڑتے رہے کہ جواب کس نوع کا دیا جائے خط کا مضمون کیسا ہو اور نادر شاہ کو کن القاب سے خطاب کیا جائے وغیرہ وغیرہ انہوں نے ایلچی کو واپس نہ بھیجنے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ انتظار میں رہے کہ شاید حسین خاں افغان نادر شاہ کو شکست فاش دے کر ساری فوج کو تہس نہس کر دے گا اگر ایسا ہوا تو سرے سے جواب دینے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ چونکہ محاصرہ قندھار میں خاصی دیر ہو گئی تھی اور محمد خاں واپس نہیں آیا تھا نادر شاہ نے چند گھوڑ سواروں کی معرفت اس کے نام ایک خط بھیجا جس میں اتنی تاخیر کی وجہ دریافت کی گئی تھی اور جلد واپس لوٹنے کی تاکید بھی تھی لیکن اب بھی کوئی فائدہ نہ ہوا

کیونکہ اس کو مختلف حیلوں سے روکے رکھا گیا۔

نادر آباد جب محاصرہ قندھار کو ایک برس گزر گیا تو نادر شاہ نے ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا جس کا نام نادر آباد رکھا گیا پھر یہیں سے حملہ شروع کیا گیا اور قزلباش نے دھاوا بول کر افغانوں کو بے دست و پا کر دیا اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے یہاں تک کہ قلعہ مذکور کو تسخیر کر لیا حسین خاں افغان قید ہوا اور اسے مزندران[1] بھیجدیا گیا۔

علی محمد خاں روہیلہ شیراز میں جب افغانوں کو شکست فاش ہوئی تو ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ نہ اب ان کا کوئی بادشاہ تھا اور نہ حکومت ہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ ہر طرف سے ہندوستان میں پھیل گئے اور اس کے مختلف صوبوں میں آباد ہو گئے ان ہی میں سے ایک شخص علی محمد خاں روہیلہ گذرا ہے۔ سیف الدین علی خاں اور عظیم اللہ خاں کے درمیان جب گھمسان کی جنگ ہوئی تھی تو اس نے موخر الذکر کا ہاتھ بٹایا تھا۔ چنانچہ عظیم اللہ خاں نے خوش ہو کر قمر الدین خاں سے اس کی سفارش کر دی تھی جس کے عوض میں اس کو کچھ جاگیریں ملیں۔ یہ شخص اگرچہ ہندو امیر تھا اور بعد میں اسلام قبول کر کے ایک افغان کا متبنّٰی بنا تھا لیکن بڑا ہی جفاکش اور جری اور لائق و فائق۔ جب اس کے قدم جم گئے اور اس نے خود کو محفوظ و مامون پایا تو قندھار سے بھاگے ہوئے افغانوں کی اس نے تنظیم کی اور اسطرح ان کو سمیٹ کر اچھی خاصی فوج بنالی اس کے بعد اس نے اپنی جاگیرداری کے ملحقہ علاقوں مثلاً انولہ، سنبھل، مرادآباد، بدایوں، بریلی وغیرہ میں پاؤں پھیلائے اور بعد میں ان پر قبضہ بھی کر لیا اس تمہید سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہندوستان میں ان افغانوں کی پیش قدمی اور ان کے داخلے کے خلاف جو تجویز محمد شاہ کے سامنے رکھی گئی تھی اس کا اس پر عمل پیرا ہونا کتنا مشکل تھا۔ وہ اس لئے اس تجویز پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان علاقوں کی چوکیوں کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے، دار الخلافہ سے مال و زر کا آنا بند ہو گیا تھا اور دشوار گذار دروں کے محافظوں کی تنخواہیں نہیں دی گئی تھیں، علاوہ بریں ناظم خود لاہور میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر عیش کوشی میں مصروف تھا۔ آخر ان قزاقوں اور لٹیروں کی پیش قدمی کو کون روکتا۔ اور اگر ان افغان لٹیروں کو کوئی روکنے کا ارادہ کرتا بھی تو اس کے پاس اختیارات کہاں سے آتے۔ جو ذرا سالہا سال سے آنکھیں بند کر کے نادر شاہ کے منصوبوں سے بے خبر دن گذار تے

[1] مرزندران شمالی ایران میں ایک صوبے کا نام ہے۔

آرہے ہوں وہ بھلا افغان لٹیروں کو روکنے کے لئے قدم کیوں اٹھاتے ان کے خیال میں یہ کوئی بہت اہم کام نہ تھا۔

اب ہم نادر شاہ کے واقعات کی طرف پھر واپس آتے ہیں قندھار پر قبضہ کر لینے کے بعد نادر شاہ نے قلعہ کو مسمار کرنے اور اس کے مکینوں کو نادر آباد منتقل کرنے کا حکم جاری کیا۔ وہیں سے اس نے غزنی اور کابل کا رخ کیا۔ ادھر کا رخ کرتے ہوئے اس نے ان علاقوں کے کوتوال کو تحریر کیا :۔

"میں جانتا ہوں کہ محمد شاہ کے ملک سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ یہ سرحدیں میری مملکت میں پڑتی ہیں اور بہت سارے مفرور افغان جن میں تم بھی شامل ہو مجھ سے آملے ہیں اس لئے میں مفسدوں کی پوری نسل کو روئے ارض سے پاک کر دینا چاہتا ہوں لہٰذا میری ذات سے تمہارا مشکوک یا خوفزدہ ہونا بیکار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے مہمان کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دو۔"

اس پیغام کے بعد وہ اسی قلعہ کی دیواروں کے چاروں طرف خیمہ زن ہو گیا جن کے کنگوروں پر کابلی جمع تھے۔ ان کابلیوں کا سربراہ وہی کوتوال تھا جس کے نام نادر شاہ نے پیغام ارسال کیا تھا ان کی تعداد خاصی تھی۔ نادر شاہ کا استقبال کرنے کی بجائے یہ لوگ اپنی مدافعت کرنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن قزلباشوں کا ایک دستہ نادر شاہ کا حکم پاتے ہی دیواریں پھاند کر قلعہ کے اندر گھس گئے نتیجہ یہ ہوا کہ سارے کابلی دروازے سے باہر نکل آئے اور قلعہ سے دست بردار ہو کر انہوں نے نادر شاہ کی اطاعت قبول کر لی اسی اثنا میں پہاڑوں کے چاروں طرف افغانوں کی سرگرمیوں کی خفیہ اطلاع آئی چنانچہ ان کی سرکوبی کے لئے فوراً فوج روانہ کی گئی جو افغان پہاڑی بھی سامنے آیا اس کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

جلال آباد میں قتل عام کا حکم

محمد خاں ترکمان کو جب کوئی اطلاع نہ ملی تو نادر شاہ نے چند منتخب کابلیوں کو محمد شاہ اور وزراء کے پاس ایک پیغام دیکر روانہ کیا۔ ایلچی جلد از جلد پہنچنے کے لئے لاہور کے راستے سے شاہجہاں آباد گئے اور پیغام مذکورہ شخصیتوں کے حوالے کیا لیکن حسب معمول کسی نے پیغام کو قابل توجہ نہ سمجھا راست بازوں اور معتبر لوگوں کا کہنا ہے کہ جب بھی ان کابلیوں نے ادھر سے آنے والے کسی بھی اہل زیرک نے نادر شاہ کا نام لیا تو صمصام الدولہ خانِ دوران نے مذاق میں ٹال دیا۔

اسے یہ بھی کہتے سنا گیا کہ ۔" اس دار الخلافہ کے مکانوں کی چھتیں بہت اونچی ہیں اور اتنی اونچی چھتوں پر سے یہاں کے شہری نادرشاہ اور اس کے مغلوں کو دور سے دیکھ سکتے ہیں "۔ خاں دوران اور اس کے دوست احباب کابلیوں کے پیغام میں نظام الملک، دربار کے تورانیوں اور خصوصاً ناظم کابل زکریا خاں کا ہاتھ دیکھ رہے تھے علاوہ ازیں جو لوگ ان کے خیال سے متفق نہ نکلے ان کی انہوں نے خوب تضحیک کی ایسے ملک کا جہاں کے وزیر اعظم کا ذہن حماقتوں کی آماجگاہ ہو اور جس کے مقربین بھی عقل و دانش سے دور بھاگتے ہوں نظم و نسق کیسے درست ہوتا اور ان باحوصلہ امرا کے ذہنوں پر گرفت کیسے مضبوط ہوتی جو اپنے ہاتھوں میں اختیار لینے کا منصوبہ بنا رہے ہو نادرشاہ نے ایک بار پھر دس سپاہیوں کی حفاظت میں کابل سے ایک اور ایلچی روانہ کیا۔ یہ لوگ جلال آباد پہنچ کر ایک گھر میں اترے ہی تھے کہ مفسدوں کی ایک جماعت ان پر حملہ آور ہو گئی اور سبھوں کو سوائے ایک کے موت کے گھاٹ اتار دیا ایک شخص نہ جانے کیسے بچ بچا کر کابل پہنچا اس نے پوری سر گزشت نادرشاہ کے گوش گزار کی اس صوبے میں نادرشاہ کے قیام کو مکمل سات ماہ گزر گئے تھے اس مدت میں جتنے بھی افغان ملے سبھوں کو اس نے چن چن کر قتل کر وا دیا اب جبکہ جلال آباد کا واقعہ اس کو سنایا گیا تو اس کے غیظ و غضب کی چنگاریاں ایک دم سے بھڑک اٹھیں اس نے فوراً جلال آباد کا رخ کیا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے شہر کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور قتل عام کا حکم دیا۔

نادرشاہ کی پشاور تک پیش قدمی

یہ بات بڑی حیرت انگیز لیکن حقیقت پر مبنی ہے کہ جن لوگوں نے کابل سے آتے ہوئے دس افراد کو قتل کرنے میں حصہ لیا تھا ان کے لئے دربار سے خلعت بھیجا گیا۔ ادھر نادرشاہ نے قتل عام کا حکم دیدیا تھا لیکن ادھر سارے مجرم خلعت زیب تن کرنے میں مصروف تھے یہ بھی واقعہ ہے کہ صوبہ کابل میں نادرشاہ کے داخلے کی خبر موصول ہوتے ہی نظام الملک اور صمصام الدولہ خاں دوراں کو اس سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن ان لوگوں نے اس حکم کو کوئی اہمیت نہ دی نتیجہ یہ ہوا کہ نادرشاہ جلال آباد کو لوٹ مار کر کے پشاور تک آ گیا۔ ناصر خاں نے نادرشاہ کے ساتھ مقابلہ نہ کرنے میں اپنی ذلت محسوس کی چنانچہ کثیر تعداد میں افغانوں کو ہمراہ لیکر وہ خیبر[1]

---

[1] مدینہ طیبہ کے مشرق میں ایک نہایت ہی تنگ وادی ہے جہاں سے یہودیوں کو نکالنے میں پیغمبر اسلام کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

جیسی تنگ و تاریک وادی میں آگیا تاکہ یہیں اس کے دانت کھٹے کئے جائیں نادر شاہ کو جب اس کی تیاریوں کا علم ہوا تو اس نے مندرجہ ذیل مختصر سا پیغام روانہ کیا:۔

"میں تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ فلاں وقت اور فلا مقام پر میں پہنچ رہا ہوں۔ تمہیں میری آمد تک ہتھیار رکھ دینے ہوں گے۔"

لیکن ناصر خاں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حسب تحریر نادر شاہ یکایک نمودار ہوا اور اس کی راہ میں جو بھی آیا وہ زندہ بچ کر نہ گیا حتیٰ کہ ناصر خاں بھی زخمی ہو کر قزلباشوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ قزلباشوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ کون ہے تو وہ لوگ اس کو نادر شاہ کے حضور میں لے گئے۔ نادر شاہ نے چند روز بعد اس کو خلعت و اعزاز و اکرام سے عزت بخشی اس کے بعد نادر شاہ پشاور سے اٹک[1] تک آگیا جس کو اس نے کشتیوں کے ذریعہ عبور کیا اور صوبہ ملتان میں قدم جمائے اس کی آمد سے پہلے ہی اس صوبہ میں کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو چکا تھا حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر قزاق دو جماعتوں میں بٹ گئے تھے انھوں نے آپس ہی میں وہ مار دھاڑ مچائی کہ بہت سے اضلاع تباہ و برباد ہو گئے۔

نادر شاہ کا طوفانی حملہ

زکریا خاں کو جب نادر شاہ کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس سے مقابلہ کے لئے اس نے دریائے راوی کے ساحل کا انتخاب کیا اس کو اپنی فوج اور سامان حرب پر ناز تھا لیکن اس کا یہ غرور جلد ہی خاک میں مل گیا نادر شاہ نے اپنے چند قزلباش رفقا کو ہمراہ لے کر گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور مخالف سمت سے زکریا خاں پر اس طرح آندھی اور طوفان بن کر حملہ آور ہوا کہ اگلی صف کے آزمودہ اور تجربہ کار گھوڑ سوار بھاگ کھڑے ہوئے باقی سپاہیوں نے جب یہ نقشہ دیکھا تو ان کے بھی ہوش اڑ گئے چنانچہ ان سپاہیوں نے معہ زکریا خاں کے شہر کے اندر پناہ لی نادر شاہ بھی شہر کے قریب ہی خیمہ زن ہوا۔

زکریا خاں کو جلد ہی اپنی حماقتوں اور غلطیوں کا احساس ہوا۔ اس نے نادر شاہ کی خدمت میں معافی کی درخواست بھیجی اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ وہ ہتھیار ڈال رہا ہے نادر شاہ نے

---

[1] اٹک دراصل لفظ "اٹکنا" کا مخفف ہے ایران جانے کے لئے یہ ہندوستان کی آخری سرحد بھی ہے جسے کابل سے پروانہ کئے بغیر عبور کیا جا سکتا ہے۔ کابل کا مطلب ہی ہے منظوری۔ یعنی مجھے منظور ہے۔

اس کی درخواست منظور کی۔ وہ خیمہ سے باہر آیا۔ اس کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آیا اور خلعت دیکر اس کی عزت افزائی کی۔

لاہور سے ہوتا ہوا نادر شاہ نے شاہجہاں آباد کا رخ کیا۔ محمد شاہ بھی اپنے درباری امرا اور کثیر فوج سمیت شہر سے چل پڑا تھا۔ اس کے رفقا کی تعداد اتنی سست تھی کہ وہ مکمل دو ماہ میں کرنال تک پہنچ سکا۔ یہ شہر اس نہر کے کنارے ہے جسے علی مردان خاں نے تعمیر کرایا تھا اور دار الخلافہ سے اس کا فاصلہ چار روز کے اندر اندر طے پا جاتا ہے۔ یہیں محمد شاہ نے پڑاؤ ڈالا چونکہ اس کے پاس متعدد توپ خانے تھے اس لئے اس نے ان توپ خانوں کو خیمہ کے چاروں طرف نصب کرنے کا حکم دیا۔ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ توپیں ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دی جائیں۔

نادر شاہ نے لاہور سے چلتے وقت محمد شاہ کو محمد خاں ترکمان کا حوالہ دے کر دو تین بار پیغام بھی بھیجا کہ آخر وہ ایلچی جس کو میں نے پیغام دے کر دربار بھیجا تھا ہے کہاں لیکن ان پیغامات کا نہ تو کوئی جواب ہی دیا گیا اور نہ اس ایلچی کا پتہ چلا۔ اس کو نہ جانے کیوں اور کس مقصد کے تحت خیمہ کے اندر رکھ چھوڑا گیا تھا۔ صمصام الدولہ خان دوراں نے بہت پہلے راجہ جے سنگھ سوائی اور چند دیگر طاقتور راجاؤں کی دلیری اور شجاعت و مردانگی کی تعریف کرتے ہوئے مکتوب روانہ کیا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ وزیر کو ان پر مکمل اعتماد ہے اور یہ کہ وہ مدد دینے سے انکار نہیں کریں گے لیکن اس کو مایوس ہونا پڑا کیونکہ ہر ہندو راجہ نے حیلے تراشے اور طرح طرح سے معذوری ظاہر کی کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آیا۔

بادشاہ اور اس کے درباری امرا بڑی بے چینی سے سعادت خاں کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے اور اسی کی آمد پر امیدوں کا محل کھڑا کیا جا رہا تھا۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ نادر شاہ اور اس کے ان گنت سپاہیوں کے قریب آجانے کے باوجود بھی محمد شاہ اور اس کی فوج کے کسی فرد کو اطلاع نہ ملی۔ ان کی آمد کی سب سے پہلی اطلاع گھسیاروں سے معلوم ہوئی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ صبح سویرے خیمہ سے نکل کر کچھ گھسیارے گھوڑوں کا چارہ لانے کے لئے تین چار کوس آگے نکل گئے تھے۔ یہاں دشمن کی فوج کے کچھ آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ کسی طرح بچ بچا کر زخموں سے چور خیمہ میں پہنچے۔ انھوں نے جب دشمن کی طاقت اور شجاعت کی تصویر کھینچی تو چشم زدن میں خیمہ کے اندر دہشت پھیل گئی اور ہر شخص سعادت

خاں کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگا۔ آخر کار اس کی آمد کی اطلاع موصول ہوئی یوم چہار شنبہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ کو صمصام الدولہ خانِ دوراں خیمے سے نکل کر سعادت خاں سے بغل گیر ہوا اور اسے بادشاہ کے حضور میں لے آیا بادشاہ نے اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور خان دوراں کے سپاہیوں کے دستہ کے قریب ہی خیمہ زن ہونے کا حکم صادر کیا۔

سپہ سالار سعادت خاں نے ابھی اطمینان کی سانس بھی نہ لی تھی اور وہ اپنے سامان کا انتظار ہی کر رہا تھا کہ یہ اطلاع آئی کہ اس کا سارا سامان نادر شاہ کے سپاہیوں نے لوٹ لیا ہے۔ اس اطلاع سے وہ گھبرا گیا اور اس نے فوراً خانِ دوراں سے کہا کہ مجھے اسی وقت اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لئے ادھر جانا ہے اتنا کہہ کر وہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا نکل گیا دریں اثنا خان دوراں نے سارا واقعہ بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دیا بادشاہ نے یہ خبر نظام الملک کو سنادی۔ موخر الذکر نے کہا ”اب جبکہ تین گھڑی گذر چکی ہے اور سعادت خاں کے آدمی خستہ و واماندہ ہو چکے ہوں گے اس لئے اس وقت جنگ کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے لہٰذا فوراً حضور ایک حکم نامہ کے ذریعے کل صبح تک سپہ سالار کو جنگ نہ کرنے کی ہدایت کر دیں۔ کیونکہ اس وقت تک فوج بھی جمع ہو جائے گی اور پھر حضور کی کمان میں ہماری توپیں اور فوج اپنے کمالات دکھائیں گی“ نظام الملک کا یہ پیغام جب خانِ دوراں کو ملا تو اس نے اس کو حسد اور عناد پر محمول کیا اور جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ ”سعادت خاں پہلے ہی آنکھوں سے دور نکل گیا ہے اور ممکن کہ اسوقت وہ دشمن کے ساتھ مائل پیکار ہو۔ یہ انتہائی بزدلی اور بے رحمی ہوگی کہ اگر ہم اس حوصلہ مند، جری اور مرد شجاع کو اکیلے دشمن کے نرغے میں چھوڑ دیں یہ عمل حضور اور سلطنت کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور لوگ جو چاہیں کریں لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں سعادت خاں کی مدد کو ضرور جاؤں گا۔

خاں دوراں میدان جنگ میں

خان دوراں یہ تحریر بھیج کر فوراً ہاتھی پر سوار ہوا اور اپنی فوج اور چند توپ خانے سمیت چل پڑا دن ڈھلنے میں محض دو تین گھنٹے باقی تھے کہ وہ میدان جنگ میں پہنچ گیا اور اس نے سعادت خاں سے ایک میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا نادر شاہ نے جب یہ دیکھا تو اس نے خیمہ کے پاس کچھ سپاہی رکھے اور خود ہراول دستے کو لے کر میدان جنگ تک آ گیا۔ اس نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ تو اس نے اپنے پاس رکھا اور باقی دو حصے دونوں سپہ سالاروں سے لڑنے چلے گئے ان قزلباش کے

برق رفتار گھوڑوں نے آن واحد میں دشمنوں پر ہلہ بول دیا۔ خان دوراں اور سعادت خاں کی فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ دو گھنٹے کے اندر نادرشاہی فوجوں نے وہ قیامت مچائی کہ دونوں سپہ سالاروں کی فوج میں انتشار پھیل گیا اور سپاہی ایک ایک کرکے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خصوصاً خان دوراں کے ان گنت جری بہادر اور نامور رسالدار ہلاک ہو گئے مظفر خاں اور اس کے بھائی نے ابدیت کی راہ لی۔ ہلاک شدگان میں خان دوراں کے سب سے بڑے لڑکے حامد خاں، شہزاد خاں، یادگار خاں مع مرزا عقیل بیگ کمبل پوش، میر گو لو ولد میر مشرف اور رتن چند ولد رائے خوشحال چند شامل ہیں۔ خانِ دوراں کو بھی اتنے زخم آئے کہ وہ بے ہوش ہوگیا اس کے چند رفقاء رات کی تاریکی میں اس کو خیمے کے پاس لے آئے لیکن شاہ ہند کی فوج کی تنظیم کا یہ عالم تھا کہ اس کا خیمہ درست حالت میں نہ ملا کہ اس کو آرام پہنچایا جا سکے اس کا خزانہ، اس کا مال و اسباب، گھوڑے مویشی غرض کہ اس کی ملکیت کی ساری اشیا لوٹ لی گئیں۔ اور لوٹنے والوں میں اس کے ہی لوگ تھے۔ کسی نے اس کی حالت زار پر رحم کھا کر چھوٹا سا خیمہ بھیج دیا چنانچہ خانِ دوراں کو اسی کے اندر لٹا دیا گیا۔ یہیں قمر الدین، نظام الملک مع خواجہ سرایان خاص اس کی مزاج پرسی کو آئے۔ سبھوں نے باری باری بارگاہ رب العالمین میں دعائیں بھی مانگیں۔

خانِ دوراں کی رحلت

خانِ دوراں کو ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ لیکن بڑی مشکل سے۔ اور جب اس کو اس دار فانی سے اپنے چل چلاؤ کا یقین آگیا تو اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"میں اپنا کام ختم کر چکا۔ بلاشبہ ہم نے جو کچھ کیا اس میں ہماری مرضی شامل تھی اب اپنی حفاظت آپ کرو۔ میں تم سے چند باتیں عرض کروں گا، اس بات کا خیال رکھو کہ بادشاہ نادر شاہ کے پاس نہ جائے اور اس بات سے بھی ہوشیار رہو کہ نادر شاہ شہر کا رخ نہ کرے کوشش کرو کہ وہ واپس چلا جائے اور ملک مزید تباہی و بربادی سے محفوظ رہے اس کے لئے ہوسکے تو پوری طاقت صرف کر دو۔"

دونوں امراء نے یہ الفاظ سنے اور کچھ دیر کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور صمصام الدولہ خانِ دوراں ماہ مذکور کی وارتاریخ کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔

قزلباشوں کا حملہ

سعادت خاں اب تک میدان کارزار میں ڈٹا ہوا تھا اور اس کے ان

رفقائے جو زندہ وسلامت تھے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ یکایک قزلباشوں نے بڑے زور کا حملہ کر دیا۔ ان ہی میں سعادت خاں کے وطن نیشا پور کا بھی ایک نوجوان ترک تھا جو دشمنوں کی صفیں چیر کر اندر گھس گیا اور سعادت خاں کے مدمقابل آگیا۔ سعادت خاں تیروں کی بارش کرنے میں مصروف تھا۔ یکایک نوجوان ترک اس کو پہچان گیا اور چلا اٹھا "آخر تم کس کے خلاف لڑ رہے ہو اور تمہارا تعلق کن سپاہیوں سے ہے ؟ تم پاگل تو نہیں ہو گئے ؟" یہ کہہ کر اس نے نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور اس سے گھوڑے کو باندھ دیا اور ہاتھی کا رسیاں پکڑ کر سعادت خاں کی عماری پر چلا گیا۔ سعادت خاں ایرانی رسوم سے واقف تھا اس لئے اس نے اپنی شکست مان لی اور اس کے سامنے جھک گیا۔ یہ سارا قسمت کا کھیل ہے کہ وہ نادر شاہ کے سامنے قیدی بن کر پیش ہوا نادر شاہ نے اس سے کچھ نہ کہا۔ اس کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آیا اور پھر شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ میدان جنگ سے نکل کر اپنے خیمہ میں آگیا۔

اسی اثنا میں سعادت خاں کو صمصام الدولہ خان دوراں کی رحلت کی خبر ملی اور اس کے ذہن میں فوراً خیال آیا کہ اب امیر الامرا بننے کا زرین موقع ہاتھ آگیا ہے یہ خواب وہ بہت دنوں سے دیکھتا چلا آرہا تھا۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر اس نے نادر شاہ سے گفت وشنید کا آغاز کیا۔ نادر شاہ بھی اس شرط پر صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا کہ دو کروڑ روپے مل جائیں تو وہ اپنے ملک واپس چلا جائے گا ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ جونہی نظام الملک یہ موعودہ رقم ادا کر دیگا اس کی شمشیر نیام میں چلی جائے گی چنانچہ سعادت خاں نے یہ خوش خبری بادشاہ اور نظام الملک کو سنادی۔

نادر شاہ کے ساتھ معاہدہ

ایسے نازک وقت میں جبکہ بادشاہ اور نظام الملک دونوں یاس ونومیدی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے یہ خبر بادشاہ کے لئے مسرت بخش ثابت ہوئی اس نے فوراً نظام الملک کو کل اختیارات دے کر نادر شاہ سے صلح نامہ پر دستخط کرانے کے لئے روانہ کر دیا۔ نظام الملک جب نادر شاہ کے حضور میں آیا تو سعادت خاں نے دونوں کا تعارف کرایا اس کے بعد نظام الملک دو کروڑ روپیہ دینے کا وعدہ کر کے فوراً خوش وخرم ہو کر بادشاہ کے پاس آیا اور اس معاہدہ کی تفصیل بتلاتے ہوئے اس نے اپنی جودت طبع اور فراست وذکاوت کا بادشاہ سے لوہا منوالیا بادشاہ نے بھی سوچا کہ یہ معاہدہ خلاف توقع اس کے حق میں ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے نہ صرف اس

کو اپنی عنایتوں اور بخششوں سے خوش کیا بلکہ اس کے مدعائے باطنی کو بھی کہ اس کو امیر الامرا کے عہدہ جلیلہ اور خلعت فاخرہ سے نوازا جائے غور سے سنا بادشاہ جواب تک اپنی زندگی اور تاج و تخت کے لئے خوفزدہ اور دل شکستہ نظر آرہا تھا مطمئن ہوگیا اور اس نے اس سپہ سالار کی درخواست کو قبول کرنا اپنا فرض اولیں سمجھا۔ چنانچہ فوراً اس کے لئے خلعت فاخرہ منگوایا گیا اور اس کو اعلیٰ منصب سے نوازا گیا۔

دوسرے روز ماہ مذکور کی ۲۰ تاریخ کو نادر شاہ کی تحریر موصول کر کے علی الصباح بادشاہ نظام الملک کے مشورہ سے ایرانی خیمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب وہ خیمہ کے قریب آتا دکھائی دیا تو نصر اللہ مرزا ولد نادر شاہ باپ کا حکم پاکر اس سے ملنے کے لئے بڑھا محمد شاہ نے فوراً تخت رواں کو زمین پر رکھنے کا حکم دیا اور وہ نصر اللہ مرزا سے اس طرح بغل گیر ہوا جیسے کہ وہ اس کا بیٹا ہو اس کے بعد اس نے مرزا کو تخت رواں پر بٹھایا اور نادر شاہ کے خیمہ کی طرف چل پڑا۔ نادر شاہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور لب فرش تک آکر وہ اس سے بغل گیر ہوا اس کے بعد وہ بادشاہ کو اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مسند تک لایا۔ اس کو اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی اور اس کا ہر طرح سے احترام کیا۔

سعادت خاں کی سازش

اسی اثنا میں یہ بات سعادت خاں کے گوش گزار ہوئی کہ اس سے امیر الامرا کا اعزاز چھین کر نظام الملک کو اس سے نوازا گیا ہے اس اطلاع نے نہ صرف اس کے ہوش و حواس گم کر دیئے بلکہ اس کے چہرے بشرے سے اشتعال انگیز یاں ٹپکنے لگیں لیکن وہ اپنے غم و غصہ کو ضبط کر کے نادر شاہ سے ملا اور اس سے یوں گویا ہوا۔ "اس وقت دربار ہند میں نظام الملک جیسا بااختیار آدمی نہیں ہے اور یہ کہ نظام حکومت کے چلانے میں اس کی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن صرف دو کروڑ روپے جیسی حقیر رقم پر معاہدہ کر لینا اور اس سرزمین سے اتنی رقم لے کر رخصت ہو جانا حضور کے شایان شان نہیں سرزمین ہند میں دو کروڑ جیسی معمولی اور حقیر رقم تو آپکا غلام اپنی جیب خاص سے دے سکتا ہے لہٰذا لازم ہے کہ حضور بادشاہ سے، اس کے قیصر عالی شان سے اس کے امرائے دربار سے اور دار الخلافہ کے تاجروں سے خطیر رقم لے کر جائیں آپ اس کام کے لئے فوراً دار الخلافہ تشریف لے جائیے یہاں سے دار الخلافہ کا فاصلہ محض چالیس کوس ہے۔ براہ کرم آپ ذرا بھی تاخیر نہ کریں۔" سعادت خاں کی باتوں اور اس کے

مشورہ سے نادر شاہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ چنانچہ اس نے فوراً نظام الملک کے نام ایک تحریر بھیجی اور اسے اپنے حضور میں طلب کیا۔ نظام الملک تو یہ سمجھ رہا تھا کہ معاہدہ تکمیل تک پہنچ ہی چکا ہے اور پھر نادر شاہ نے زبان دیدی ہے لہٰذا تاخیر کئے بغیر وہ روانہ ہوگیا۔ جب وہ نادر شاہ کے حضور میں آیا تو اس سے کہا گیا کہ وہ شام کو دوبارہ آئے اور اپنے ہمراہ محمد شاہ کو بھی دوسری ملاقات کی غرض سے لائے اس پر نظام الملک گھبرایا اور بولا کہ معاہدہ کی شرائط تو یہ نہ تھیں لیکن اس کو جواب ملا کہ۔ "معاہدہ اپنی جگہ پر ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے ذہن میں محمد شاہ کی سلطنت کے خلاف یا اس کے جان و مال یا وقار کے خلاف کوئی منصوبہ یا سازش نہیں ہے۔ صرف اس سے ملاقات کرنے کا خواہشمند ہوں" نادر شاہ کا یہ فرمان نظام الملک نے اپنے آقا تک پہنچا دیا۔ بادشاہ مختلف قسم کے مسائل میں اس طرح الجھ گیا تھا کہ وہ عدول حکمی نہ کر سکا لہٰذا اس نے اپنے ہمراہ امیر خاں، اسحاق خاں، چند اسلحہ بردار اور ملازمین و خواجہ سراؤں کو لیا اور ایرانی خیمے کی طرف چل پڑا۔ لیکن چونکہ اس کے ساتھ امرا، منصب دار اور ان کے دیگر افراد بھی جانا چاہتے تھے اس لئے اس نے قدم روک لئے اور ان سے واپس جانے کی درخواست کی اس کے بعد وہ تخت رواں پر بیٹھا اور روانہ ہوگیا۔ منزل پر پہنچتے ہی اس کو اس خیمے میں اتارا گیا جو خاص اسی کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ چند لمحے بعد اس کو یہ پیغام ملا ــ کہ وہ اپنے اسباب. تجمل اور سلطنت و مستورات حرم سرا نیز وابستگان مقرب و ملازمان خدمت اور سارے ساز و سامان کے ساتھ بارگاہ نادر شاہ میں آئے اور بڑے آرام و چین سے ہمارے خیمہ میں قیام پذیر ہو اس کے بعد محمد شاہ کے لشکر کے نام یہ عام فرمان جاری ہوا کہ ان میں سے جو چاہے یا تو وہ یہیں رہے یا پھر شاہ جہاں آباد جانا چاہے تو چلا جائے اس فرمان کے بعد لشکر کے بہت سارے لوگ شاہ جہاں آباد کو روانہ ہوئے محمد شاہ نے اپنے حرم سرا اور دیگر عملہ کو لانے کا حکم دیا ہی تھا کہ ایک ایلچی کی معرفت قمر الدین خاں کو حضور میں حاضر ہونے کا فرمان ملا چنانچہ اس نے فوراً اس فرمان کی تعمیل کی اس سے کچھ دیر پہلے سعادت خاں نے طہماسپ کے ہمراہ دارالخلافہ میں قدم رکھا ان کے پاس نادر شاہ اور محمد شاہ کا یہ فرمان تھا جس میں تحریر تھا کہ ان کے لئے محل کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اس شہر کا نائب ناظم لطف اللہ صادق تھا اس نے محل کے دروازے حسب حکم کھول دیئے اور ساری چیزیں ان دونوں کے حوالے کر دیں۔

ان کی واپسی کے بعد نادر شاہ خود محمد شاہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں لشکر ہند میں محمد شاہ کی نظر بندی اور وزیر کی واپسی کی افواہ پھیل گئی چنانچہ ان میں خوف طاری ہوا اور سب کے سب ایرانی دستوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔

نادر شاہ کے نام کا خطبہ

۸ رذی الحجہ ۱۱۵۹ھ کو محمد شاہ شہر میں داخل ہو کر اپنے محل آیا دو دن کے بعد نادر شاہ بھی آگیا۔ محمد شاہ کے درباری امرا اور اس کے دیگر افراد اپنی اپنی جگہ چلے گئے، عید قرباں کا دن تھا چنانچہ شہر کی جامع مسجد میں نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا دوسرے روز اس کی رحلت کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ بعضوں نے یہ خبر اڑادی کہ وہ طبعی موت مرگیا اور بعضوں نے کہا کہ وہ ایک قلمقانی عورت کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔ خیر بات جو بھی ہو یہ خبر چشم زدن میں ہر طرف آگ کی طرح پھیل گئی حالانکہ قلعہ کے اندر وہ بقید حیات تھا اور اس کے دروازے دن رات کھلے رہتے تھے نادر شاہ کی فوج کا کچھ حصہ ان دروازوں کے سامنے تعینات تھا۔ کچھ سپاہی شہر کے چاروں طرف گشت کر رہے تھے اور بہتوں نے شہر اور دریا کے بیچوں بیچ پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ شہر کے اردگرد اس افواہ کا پھیلنا تھا کہ مسلح ہندوستانی دستے خاص خاص سڑکوں پر آگئے اور ان تمام قزلباشوں کو تہہ تیغ کر ڈالا جو سامنے آئے۔ قزلباشوں کو چونکہ اطلاع نہ تھی اور وہ اسلحے سے لیس نہ تھے اس لئے بڑی آسانی سے ان کو قتل کر ڈالا گیا ان کے ساتھ سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ مقامی زبان سے قطعاً واقف نہ تھے اس لئے ان کو ذرا بھی شک نہ گزرا کہ ان کے خلاف کیا کچھ ہونے والا ہے۔ حالانکہ دن ڈھل چکا تھا اور تاریکی پھیل رہی تھی اس لئے سبھوں کو یقین ہو چلا تھا کہ قتل و غارتگری کا بازار بند ہو جائے گا لیکن معاملہ بالکل برعکس نکلا مفسدوں کی بن آئی تھی وہ آرام کئے بغیر کشت و خون میں مصروف رہے۔

نادر شاہ کو اطلاع ملی تو اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جو جہاں ہے وہیں مسلح ہو کر رہے اور طاقت کا جواب طاقت سے دے یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اتنے سارے امرائے ہند نے جو شہر کے مختلف مقامات پر موجود تھے فسادات کو ختم کرنے اور فضا کو ہموار کرنے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ انھوں نے تو ان قزلباشوں کو یا تو خود مار ڈالا یا مروا ڈالا جو ان کے قیدی تھے اور ان کے خاندانوں اور مکانوں کی حفاظت کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کل ملا کر نادر شاہ کے سات سو آدمی مارے گئے۔

لاشیں ہی لاشیں

لیکن جب صبح ہوئی اور فسادات کے شعلہ سرد ہونے کی بجائے پھیلتے گئے تو نادر شاہ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ سے باہر آیا تاکہ صورت حال پر قابو پایا جا سکے لیکن جب اس نے کشت و خون کا بازار گرم دیکھا اور اپنے ہی لوگ قتل ہوتے نظر آئے تو اس نے فوراً "قتل عام" کا حکم دیدیا۔ اس کا حکم پاتے ہی گھوڑ سوار اور پیدل فوج نے ایک دم سے ہلہ بول دیا۔ نادر شاہ نے اپنی فوج کو یہ حکم بھی دیا کہ جہاں بھی قزلباش کی لاش ملے وہاں کے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سپاہیوں نے گھروں میں گھس کر نہ صرف لوٹ مار مچائی بلکہ قتل و غارت گری کا بازار بھی گرم کیا مقتولین کی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے بھاگے۔ متعدد مکانوں میں آگ لگادی۔ دوپہر ہوتے ہوتے جب مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو نادر شاہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا اس اعلان کے ساتھ ہی سپاہیوں کی شمشیریں نیام کے اندر چلی گئیں سڑی گلی لاشوں سے کئی روز تک ایسا تعفن پھیلا کہ شہر کی زندگی معطل ہوگئی۔ اکثر مقامات پر تو آمد و رفت قطعی بند ہو گئی تھی۔ چنانچہ کوتوال کو حکم ملا کہ لاشیں ایک ایک کر کے دفن کر دی جائیں اور سڑکوں کی صفائی ستھرائی کی جائے۔ کوتوال نے لاشوں کو ایک جگہ جمع کر کے اور یہ تمیز کئے بغیر کہ کون کافر ہے اور کون مسلمان آگ لگادی۔

سعادت خاں کی رحلت

اس واقعہ کے چند روز بعد سعادت خاں سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر جو اس کے پاؤں میں ہوا تھا چل بسا۔ لیکن اس نے نادر شاہ کو دو کروڑ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی تکمیل کر دی گئی۔ اس کی رحلت کے بعد اس کے برادر زادہ اور نائب ابو المنصور خاں نے اتنی رقم کا انتظام کیا تھا یہ رقم نادر شاہ کو شیر جنگ کی معرفت ملی جسے اس کام کے لئے ہزار سوار قزلباش کے ساتھ بھیجا گیا تھا لیکن نادر شاہ اس رقم اور شاہی خزانہ سے بھی مطمئن نہ ہوا چنانچہ اس نے وہاں کے باشندوں سے کافی دولت وصول کی اس کے بعد اس نے ایک ناکتخدا لڑکی سے جو شہنشاہ کی پوتیوں میں تھی اپنے چھوٹے لڑکے نصر اللہ مرزا کی شادی کر دی۔ چونکہ نادر شاہ جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جانا چاہتا تھا اس لئے اس نے صوبہ جات سندھ اور کابل کو مع دیگر مواضعات پنجاب کے محمد شاہ کے توابع سے نکال کر ایران سے ملحق کیا۔ روانگی وطن سے پہلے محمد شاہ نے بڑے تزک و احترام کے ساتھ نادر شاہ کی ضیافت کی اس ضیافت کے اہتمام کے لئے درباری امرا کو مقرر کیا گیا تھا۔

مثلاً امیر خاں عمدۃ الملک قہوہ نوشانی کے انتظام پر مامور کیا گیا۔ دونوں شاہوں کے سامنے قہوہ تیار کرتے ہوئے یکایک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر اول پیالہ اپنے آقا محمد شاہ کو دیتا ہوں تو نادر شاہ کو شک گزرے گا اور میری اس حرکت کو وہ اپنے لئے باعث تذلیل سمجھے گا۔ اور اگر نادر شاہ کو دیتا ہوں تو آقا کی شان میں گستاخی ہوگی چنانچہ اس نے پہلے پیالے میں قہوہ بھر کر محمد شاہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "ایسے شہنشاہ کے حضور میں فدوی اپنے ہاتھوں سے پیالہ دینے کا اہل نہیں سمجھتا ہے لہٰذا حضور اپنے ہاتھ سے پیش کریں"۔ عمدۃ الملک کی اس شائستگی سے دونوں بادشاہ بے حد خوش ہوئے اور حاضرین نے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند کیں۔ فی الحقیقت عمدۃ الملک تھا بھی بڑا ہی مہذب اور شائستہ۔

اس ضیافت کے بعد محمد شاہ اور اس کے امرا حلقہ باندھ کر کھڑے ہوئے نادر شاہ نے بادشاہ اور اس کے امرا کو خلعت سے نوازا اور پند و نصائح کر کے اسے تاج ہند واپس کیا پھر ماہ صفر کی ساتویں تاریخ ۱۱۵۲ھ کو وہ شاہجہاں آباد سے اپنے وطن کو روانہ ہو گیا۔

نادر شاہ کی واپسی

نادر شاہ کے لوٹ جانے کے بعد محمد شاہ نے امور سلطنت کی طرف توجہ دی انتظام سلطنت میں قمر الدین، نظام الملک اور خصوصاً اسحاق خاں نے بادشاہ کی معاونت کی اسحاق خاں حال ہی میں حلقۂ امرا میں شامل ہوا تھا۔ نادر شاہ کے خلاف اس نے جس شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا بادشاہ کو اس سے بیحد خوشی ہوئی تھی چنانچہ اول روز ہی سے بادشاہ اس کا مداح خواہ نظر آتا تھا اس کو بادشاہ نے دیوان خالصہ بنایا اور موتمن الدولہ کا خطاب دیا امیر خاں عمدۃ الملک کے خطاب اور بخشی گری سوم سے سرفراز ہوا اور عظیم اللہ خاں کو صدارت کی خدمت ملی۔ ماہ مذکور کی ۲۹ ر تاریخ روز یکشنبہ کو مرتضیٰ خاں میر توزک کی خلعت سے نوازا گیا اور قراول بیگی نظام الملک کے برادر زادہ نعمت اللہ خاں کو ملی۔ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو ہادی علی خاں برادر امیر خاں کو داروغگی فیل خانہ مع خلعت شش پارچہ، سید صلابت خاں ولد سعادت خاں کو احدیوں کی بخشی گری اور امیر خاں کو اعلیٰ شاہیاں کے عہدے ملے۔ ڈاک اور سوانح حکیم معصوم علی خاں کو ملیں۔ شعبان کی ۷ ر تاریخ کو اسحاق خاں اور صلابت خاں کو ماہی و مراتب اور سعد الدین خاں میر آتش کو تحفے و تحائف ملے۔

عہدوں اور منصب کی تقسیم کے بعد بادشاہ اپنے امور کی طرف متوجہ ہوا ابتداہی سے

بادشاہ کے دل ودماغ میں نہ صرف قمرالدین اور نظام الملک بلکہ سارے تورانیوں کے خلاف شکوک پل رہے تھے۔ یہ شکوک حملہ نادری کے بعد اور زیادہ پختہ ہو گئے چنانچہ اس نے ان کے خلاف قدم اٹھانے کا قصد کیا لیکن وہ برملا ایسا کرنے سے گھبراتا تھا اس لئے اس نے عمدۃ الملک امیر خاں اور اسحاق خاں کو اپنا ہمراز بنا کر ان کی رائے طلب کی۔ امیر خاں نے جو صاحب جرات تھا بادشاہ کے اس خیال سے اتفاق کیا کہ نہ صرف ان کے خلاف کھلم کھلا کارروائی کی جائے بلکہ اعتمادالدّولہ قمرالدین کو وزارت سے بھی برطرف کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے بادشاہ سے خلوت میں کہا کہ اگر حضور کا سایۂ عاطفت والطاف مجھ پر ہو تو امور سلطنت کا سارا کام انشاء اللہ بحسن وخوبی انجام پائے گا۔ بادشاہ کو بھی چونکہ اس کی اہلیت ولیاقت اور عقل ودانش پر مکمل اعتماد تھا اس لئے اس نے اعتمادالدولہ کو عہدۂ وزارت سے معزول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اب وہ اس انتظار میں تھا کہ کب نظام الملک دکن کو عازم سفر ہو اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے نظام الملک بھی دکن جانے کے لئے بے تاب تھا۔ کیونکہ نادرشاہ کے حملوں سے وہاں کے حالات ابتر ہو گئے تھے اور خود اس کا لڑکا ناصر جنگ جس کو اس نے اپنا نائب مقرر کیا تھا خودسر ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس خوف سے کہ کہیں وہاں کے امن میں نقص پیدا نہ ہو اس نے اپنے بڑے لڑکے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو جو اعتمادالدولہ قمرالدین کا داماد تھا بادشاہ سے امیرالامرا کا عہدہ دلایا اور نوجوان امیر کو اس منصب کی خلعت میں دیکھ کر خوش ہوا اس کے بعد اس نے بادشاہ سے دکن جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ سے اجازت لے کر وہ شہر سے کوچ کرکے اپنے خیمہ میں آگیا۔

قلمدان وزارت اور امیر خاں

غرضیکہ نظام الملک کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے خفیہ طور پر قلمدان وزارت عمدۃ الملک امیر خاں کے حوالے کر دیا۔ عمدۃ الملک نے چونکہ طبعاً زود رنج تھا اعتمادالدولہ قمرالدین کی شان میں نازیبا کلمات کہے چنانچہ اعتمادالدولہ کے جاں نثاروں نے اس کی اطلاع اس کو دی، وہ ایکدم سے بپھر گیا اور فوراً ساری روداد نظام الملک کو جو مضافات شہر میں خیمہ زن تھا لکھ بھیجی اور اس سلسلے میں اس کا مشورہ طلب کیا نظام الملک نے جواب میں تحریر کیا:۔

"ایسے وقت میں بادشاہ اور خداوند نعمت سے مخالفت کرنا قرین مصلحت نہیں لہٰذا تم چون وچرا کئے بغیر بادشاہ سے رخصت لے کر میرے ہمراہ دکن چلو۔"

اعتماد الدولہ قمر الدین نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ "میری دانست میں فقیر حقیر سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہے۔ لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ بعض غرض مندوں کے مشوروں سے شاہانہ مزاج میں میری طرف سے برہمی آگئی ہے۔ چونکہ فقیر نمک حرامی یا نافرمانی کا ارادہ نہیں رکھتا ہے اس لئے فدوی نظام الملک کے ہمراہ دکن جانا چاہتا ہے۔ خداوند جسے چاہیں اس کو اپنی عنایتوں سے سرفراز کریں"۔

بادشاہ کی سوگند

یہ عرضی بھیج کر قمر الدین نظام الملک کے پاس آگیا اور خیمہ میں مقیم ہوگیا۔ بادشاہ کے مزاج میں چونکہ استقلال نہ تھا اس عرضی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ چنانچہ اس نے اسحاق خاں اور امیر خاں کو بلا بھیجا اور اس بارے میں دونوں کی رائے طلب کی۔ امیر خاں نے چند روز پہلے جو جواب دیا تھا اس بار بھی اس نے وہی جواب دیا۔ بادشاہ نے کچھ کہنے کی بجائے اسے رخصت کیا۔ خلوت میں موتمن الدولہ اسحاق خاں سے استفسار کیا اور اپنے سر مبارک کی قسم کھائی کہ جو امر قرین مصلحت ہو بلا خوف وخطر عرض کرے موتمن الدولہ اسحاق چونکہ امیر خاں کا معتمد تھا اور اس سے وعدہ کر چکا تھا کہ کسی حال میں بھی وہ ایسی بات نہ کرے گا جو اس کے محسن کی رائے کی تردید کرتی ہو اس لئے اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی بادشاہ کو اس کی خاموشی پر سخت حیرت ہوئی چنانچہ اس نے بڑی شفقت سے دوبارہ قسمیں کھائیں اور استفسار کیا تب کہیں جاکر موتمن الدولہ اسحاق خاں نے جواب دیا — "اگر میں اپنے ضمیر کی آواز دہراتا ہوں تو وعدہ شکنی ہوتی ہے اور اگر اس معاہدہ کی شرائط پر چلتا ہوں تو حضور سے نافرمانی کرنے کا جرم سرزد ہوتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں مہر بہ لب رہوں۔ مجھے امید ہے کہ حضور مجھکو معاف رکھیں گے"۔ بادشاہ کو اور بھی تعجب ہوا چنانچہ اس کا اصرار بڑھا اور اس نے اتنی قسمیں کھائیں اور اس کو اس حد تک مجبور کیا کہ آخر اسے کہتے ہی بنا۔ اسحاق خاں نے کہا "اگرچہ عمدۃ الملک امیر خاں بلاشبہ صاحب ہمت اور صاحب تدبیر ہے مگر امرائے ہند کے روبرو اور خصوصاً ہندو راجاؤں کی نظر میں اعتماد الدولہ اور نظام الملک کے برابر نہیں ہے۔ ان صاحب قدر کی نگاہوں میں ہم آج بھی ماضی کے لوگ ہیں اور ہمارا وقار اور ہمارا رتبہ بھی فرسودہ بن گیا ہے نیز یہی لوگ نظام الملک اور اعتماد الدولہ قمر الدین کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں اور ان کے ہر حکم کو سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں اور اس کی بجا آوری کو اپنے لئے باعث فخر ومباہات سمجھتے ہیں"۔ ان الفاظ کو سن کر بادشاہ اس طرح چونکا

جیسے وہ خواب سے چونکا ہو وہ اپنے پچھلے خیال سے تائب ہوگیا اور از سرنو اس نے نظام الملک اور اعتمادالدولہ کی دلجوئی شروع کردی۔

دوسرے روز عمدۃ الملک امیر خاں حسب معمول جب دربار میں آیا اور اس نے بادشاہ کے مزاج میں کچھ تبدیلی دیکھی تو اس نے اس تبدیلی کی وجہ پوچھی۔ بادشاہ نے جواب دیا "میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تورانی امرا کو آزردہ کرنا مناسب نہیں ہے اور ایسا کرنا میرے شایان شان ہی ہے۔ لہٰذا سلطنت کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کو مطمئن رکھا جائے۔ بمقتضائے دولت خواہی تم پر بھی لازم ہے کہ تم بھی ایسا کوئی کام نہ کرو کہ جو ان کے لئے باعث اشتعال یا نزاع ہو"

امیر خاں کی روانگی الہ آباد

عمدۃ الملک امیر خاں دو روز کے اندر پیدا شدہ اس تبدیلی کو بھانپ کر فوراً نظام الملک کے پاس آیا اور اس سے اور اعتمادالدولہ قمرالدین خاں سے کہا کہ اگر ان کے جی میں جو کچھ ہے اس کا اظہار کردیں کیونکہ وہ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہے۔ نظام الملک نے اس کی خوب مدح وستائش کرنے کے بعد کہا کہ چونکہ فی الحال تمہارے اور قمرالدین خاں کے مابین رنجش ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے اپنے صوبہ الہ آباد چلے جاؤ۔ امیر خاں ان کے مشوروں پر عمل کرنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں آیا بادشاہ سے بھی اس نے اجازت چاہی اور صوبہ الہ آباد کی طرف چل پڑا چند روز تو بیرون شہر آکر وہ مقدمہ کے فیصلہ کے سوال وجواب اور سامان سفر کے درست کرنے میں مصروف رہا بعد ازاں وکیل مقرر کرکے تاکہ وہ اس کی غیر موجودگی میں کام کرے خود الہ آباد کو روانہ ہوگیا۔ موتمن الدولہ اسحاق خاں نے جو دربار میں رہ گیا تھا بادشاہ کا خاصہ قرب حاصل ہوگیا تھا اس کا وقار اتنا بلند ہوا کہ نظام الملک اور اعتمادالدولہ قمرالدین خاں بھی اس کی انتہائی عزت کرنے لگے۔ دربار میں اور بھی بعض تبدیلیاں ہوئیں ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ، برہان الملک کی رحلت پر اودھ کی صوبہ داری پر سرفراز ہوا اور اس کو خوب اقتدار حاصل ہوا۔ ذکریا خاں بدستور صوبہ لاہور اور ملتان ہی میں رہا اور اس کا چھوٹا لڑکا جو اپنی جرأت وبے باکی میں مشہور تھا نور محمد خاں لٹی کی تاریب میں شاہنواز خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ وہ پنجاب ہی میں رہا جہاں اس نے اپنی حدود صوبیداری میں امن وامان قائم رکھنے میں انتہائی کوشش کی۔

شجاع خاں کا کردار

نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد دارالخلافہ اور دیگر صوبوں

ہیں کچھ دنوں تک جو بے کیفی سی پائی جاتی تھی بنگال کے حالات نے اس میں گرمی پیدا کردی۔ شجاع الدولہ کہ جو بنگالہ، عظیم آباد اور اڑیسہ کا صوبیدار تھا اس وقت طبعی موت مرا جب نادرشاہ نے شاہجہاں آباد میں قدم رکھا تھا۔ اس لائق و فائق مجاہد کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے سے زبان وقلم قاصر ہیں بلکہ اس کے اوصاف کا ایک پہلو بھی ہم اس کتاب میں بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے ملازمین میں ایسا ایک فرد بھی نہیں جس پر اس کی نگاہ کرم کی بارش نہ ہوئی ہو جب اس کو اپنی زندگی کی آس نہ رہی تو اس نے سوار و پیادہ و عمدہ و عمدہ زادہ اور غلام وغیرہ کو دو ماہ کی تنخواہیں دیدیں اور اس طرح اس نے سبھوں سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی اس کے ایام صوبہ داری میں جو بھی اس کی خدمت پر مامور ہوا اس پر عظیم احسانات کئے حتیٰ کہ اس کے مولد برہان پور کی ضعیف عورتیں تک سالانہ وظیفہ پاتی تھیں وہ حق و انصاف کا بے لاگ اور غیر جانب دار مبصر تھا اور ایسا انصاف کرتا تھا کہ لڑکے کی بھی طرفداری کا روادار نہ تھا۔ کبوتر اور باز ایک ہی آشیانہ میں آب و دانہ سے شاد کام ہوتے تھے۔ جن لوگوں کو تواریخ کے صفحات ازبر تھے ان کو ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ دورِ نوشیرواںؔ[1] میں سانس لے رہے ہوں اس کی ژرف نگاہی، ہوشیاری اور خبرداری کا یہ عالم تھا کہ وہ شخص بھی جس کے اندر ذرا بھی لیاقت ہوتی اس کے وارد بنگالہ ہونے کی اس کو اطلاع مل جاتی اور جب وہ مرشد آباد پہنچتا تین روز تک وہ اس بات کا منتظر رہتا کہ نووارد اس شہر کے کسی ارکان دولت سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ کسی کا قرابت دار ہوا اور کسی نے حضور میں اس کا ذکر کر دیا تو اس کو اپنے دربار میں بلا کر مدعا پورا کرتا اور اگر نووارد کسی ارکان دولت سے متعلق نہیں تو دربار میں اس کا ذکر کر کے فرماتا "شاید نووارد کا دربار میں کوئی واقف کار نہیں ہے ورنہ کسی کی جانب سے اس کی درخواست ضرور پہنچ جاتی۔" اتنا کہنے کے بعد وہ چند ثانیہ تک کے لئے خاموش ہو جاتا تاکہ سامعین خفت محسوس کریں اس پر بھی کسی کے کانوں میں جوں نہ رینگتی تو خود اس کو پیغام دیتا اور ملاقات کے لئے طلب کرتا اور اس سے کہتا کہ کم از کم اپنی آمد کی اطلاع تو دینی چاہئے تھی اس کے بعد وہ روپے پیسے سے اس کی مدد کرتا اس کے ملازمین میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے امور میں مداخلت کرے یا دروغ گوئی سے کام لے یہ رسم لغو ہے کہ اگر کسی رئیس، امیر یا بادشاہ نے کسی شخص کو انعام واکرام سے نوازا ہو تو اس

[1] نوشیروان خاندان ساسانی کے آخری بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ چالیس سال تک حکومت کی اور اپنی لیاقت کا لوہا سبھوں سے منوالیا۔ اسی کے دور حکمرانی میں رسول اکرمؐ کی ولادت ہوئی۔

اس کا عملہ وغیرہ اس سے رشوت کا خواہاں ہو شجاع الدولہ کے ملازموں کے اندر جو اکثر طامع اور لالچی ہوکرتے تھے مجال نہ تھی کہ ایسی مذموم حرکت کے وہ مرتکب ہوتے کیونکہ شجاع الدولہ ایسے مجرم کو فوراً برطرف اور معتوب کر دیتا تھا۔ غرض کہ اس کی صوبہ داری میں ایسی مذموم حرکتیں سرزد نہیں ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ملازموں کو اتنا وافر سب کچھ مل جاتا تھا کہ وہ دوسروں کی طرف حاسدانہ نگاہ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے اگر اس کو معلوم ہو جاتا کہ کوئی ضرورت مند ہے تو اس کو فوراً حضور میں بلواتا۔ اگر وہ سمجھتا کہ اس کو نوکری چاہیئے تو بہ کمال دل جوئی و اعزاز اپنی ملازمت میں رکھ لیتا اور مصارف کے واسطے روپیہ بھیجتے وقت وہ کہتا کہ اگرچہ یہ رقم بے حد حقیر ہے لیکن اس ارزاں ملک میں اس تھوڑی سی رقم سے بخوبی گزر بسر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ قادر ہے۔ کیا عجب ہے کہ وہ اور نواز دے۔ جملہ ملازمین روشناس کو وہ دستر خوان فراہم کرتا جس میں مرغن و ملذذ غذائیں ہوتیں۔ بعض کو روزانہ، بعض کو کبھی کبھی اور بعض کو ہفتہ میں دوبار اس عنایت خسروانہ سے نوازا جاتا اگر ایک بار بھی کسی پر اس کی نگاہ کرم پڑ گئی تو تادم زیست یہ فیض جاری رہتا ایسی مثال آج تک نہیں ملی کہ اس کی فیاضی میں ذرا بھی اور کبھی بھی فرق آیا ہو۔ وہ اپنے تمام واقف کاروں کی خواہ اس کا تعلق جس پیشہ سے بھی ہو ورق عاج کی بنی ہوئی بیاض میں اسم نویسی رکھتا تھا خوابگاہ میں جانے سے پہلے بیاض کو غور سے دیکھتا اور چند اسامی منتخب کرکے ہر نام کے مابین رقم لکھ دیتا تھا۔ بعض اوقات رقم خاصی ہو جاتی تھی اور ہر ایک کو زمیندار خالصہ کی مال گزاری پر سزاولی کے طور پر متعین کرتا اور اس سے یا اس کے وکیل سے کہتا کہ اس عزیز کی مدد کرنا میری خوشنودی کا موجب ہے۔ زمیندار اس درخواست کی تعمیل کرنا عین سعادت سمجھتے تھے اس لئے مقررہ رقم میں اضافہ بھی کر دیتے تھے۔ جب وہ شخص واپس ہوتا اس سے دریافت حال ہوتا اگر اس نے دل میں کچھ چھپائے بغیر سب کچھ ظاہر کر دیا تو اس کی آنکھوں میں سزاولی کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ورنہ بصورت دیگر وہ اس کی آنکھوں سے گر جاتا اور اس پر سے سارا اعتماد جاتا رہتا۔ غرض کہ جب تک وہ جیا اپنا یہ مقدس فرض انجام دیتا رہا۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلہٗ والحقہ بالصالحین۔

سرفراز خاں کی جانشینی

اس نیک بخت کی رحلت کے بعد اس کا لڑکا علاء الدولہ سرفراز خاں اس کی جگہ مسند آرا ہوا اور تینوں صوبے اس کی عملداری میں آ گئے اسی اثنا میں سرفراز خاں کو وہ فرمانِ نادری ملا جو دراصل شجاع الدولہ

کے نام ارسال کیا گیا تھا۔ لیکن مہابت جنگ علی وردی خاں جس کو شجاع الدولہ کی طرف سے صوبہ عظیم آباد کی نیابت ملی تھی سرفراز خاں سے گھبرایا کیونکہ اس پر اس کو ذرا بھی اعتماد نہ تھا علاوہ بریں اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ نادر شاہ کی رخصت کے بعد سلطنت انقلاب سے دوچار ہوگی اس لئے وہ خود کو مستحکم کرنے کی فکر کرنے لگا اور اسی خیال کے پیش نظر وہ سرحد عظیم آباد پر مقیم ہو گیا اس نے یہ قدم اس لئے نہیں اٹھایا کہ اس کو سرفراز خاں سے ڈر تھا — سرفراز خاں سے وہ خوف کھاتا بھی کیوں جبکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ انتہائی عبادت گزار ہے اور پانچ وقتی نماز کا سختی سے پابند ہے ماہ رمضان شریف کے علاوہ وہ مزید تین ماہ رجب و شعبان و رمضان کے روزے رکھتا تھا اور ہر ماہ وسال کے مقررہ نوافل بھی ادا کرتا تھا لیکن عقل و شعور میں صفر ہونے کے ساتھ ساتھ امور مملکت کے انتظام میں بھی کورا تھا۔ مذہبی و دینی امور میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ امور سلطنت کی طرف سرے سے توجہ نہ دیتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ رائے رایان، عالم چند، جگت سیٹھ یا حاجی احمد کو جو امور نظامت کے حل وعقد میں دخل رکھتے تھے کوئی نقصان نہ پہنچایا لیکن اس نے ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں عنان حکومت دیدی تھی جن کے دلوں میں انتقامی جذبہ کے شعلے بھڑک رہے تھے ان لوگوں میں اس کے مصاحبان قدیم یعنی میر مرتضیٰ، حاجی لطف اللہ اور مردان علی خاں شامل ہیں جن کو حاجی احمد[1] سے پرانی عداوت تھی وہ ہر جگہ اس کی اہانت اور تذلیل کرتے اور اس کی شان میں ایسی نقرہ بازی کرتے کہ کوئی شخص بھی مشتعل ہو سکتا تھا۔ ان امرا کے دلوں میں حاجی احمد کی طرف سے عداوت و نفرت کی ایسی آگ بھڑکی کہ انھوں نے سرفراز خاں کے سامنے اس کو عجیب وغریب رنگ میں پیش کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرفراز خاں اس سے منحرف ہو گیا اور مہر دیوانی جو شجاع الدولہ کے عہد سے حاجی احمد کے قبضہ میں چلی آرہی تھی اس سے لے کر مرتضیٰ کے سپرد کر دی اس کے علاوہ اس نے راج محل کی فوجداری حاجی احمد کے داماد عطاء اللہ خاں سے لے کر اپنے داماد حسن محمد خاں کو دیدی حاجی احمد اپنے بے شمار دشمنوں کی کارستانیوں سے مشتعل ہو کر اور خود کو چاروں طرف سے ہدف ملامت بنتا دیکھ کر اپنے بھائی مہابت جنگ علی وردی خاں کو ہر بات سے آگاہ کرتا رہا لیکن وہ بات کا اتنا بتنگڑ بناتا اور مبالغہ آرائی سے کام لیتا کہ معمولی

---

[1] حاجی احمد ہمہ وقت اپنے آقا شجاع خاں کے لئے حسین وجمیل عورتوں کی فراہمی میں مصروف رہتا۔ کیونکہ شجاع چار گھنٹے بھی عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا حاجی احمد نے ان امرا کے خاندانوں کی لڑکیوں کو بھی نہ چھوڑا جو اس کو ذلیل و رسوا کرتے تھے۔

سی معمولی چیز بھی بڑی نظر آتی - چونکہ وہ پہلے ہی منصوبہ بنا چکا تھا اس لئے اس نے سرفراز خاں کو ظاہری دولت خواہی دکھا کر سپاہ کی برطرفی پر اکسایا - سرفراز خاں نے بھی اپنی کمزوری کی وجہ سے اس مشورہ کو قبول کر لیا لیکن ساتھ ہی غالباً عدم اعتماد اور خوف و دہشت کی وجہ سے منوچہر خاں کے اس مشورہ کو بھی اس نے منظور کیا کہ حاجی مذکور کو مع دونوں لڑکے یعنی زین الدین احمد خاں اور سعید احمد خاں کے گرفتار کر لیا جائے - زین الدین احمد عظیم آباد سے اور سعید احمد رنگپور سے حضور میں حاضر ہوئے تھے سرفراز خاں کے ذہن کی ناپختگی کا یہ عالم تھا کہ اس مشورہ کو سننے کے بعد اس نے خود حاجی احمد پر ظاہر کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں اس طرح بڈھے کے دل کے شکوک دور ہو سکتے تھے اور اتحاد کی صورت نکل سکتی تھی اس کی داستان یہیں ختم نہیں ہوتی ہے - اعتماد میں لینے کے بعد اس نے حاجی احمد کو ایک بار پھر ذلیل و رسوا کیا جب اس نے سنا کہ عطاء اللہ خاں کی لڑکی حاجی احمد کے نواسے اور مہابت جنگ کے متبنّیٰ مرزا محمد (سراج الدولہ) سے منسوب ہو گئی ہے اس نے فوراً اس رشتے کو منسوخ کر کے لڑکی کو اپنے لڑکے کی مناکحت میں لانے کا ارادہ کیا نیز اس نے صوبہ عظیم آباد کا حساب کتاب بھی طلب کیا اس کے علاوہ اس نے ان تمام سپاہیوں کو جو اس کے باپ کے وقت سے مہابت جنگ علی وردی خاں کے پاس تھے حاضر ہونے کا حکم دیا - لیکن جب سپاہیوں نے آنے میں ہچکچاہٹ دکھائی تو اس نے سارے عطایات اور وظیفے مسترد کر دیئے جو شجاع خاں نے ان کو عطا کئے تھے - ان سارے امور کا حاجی احمد بڑے غور سے جائزہ لے رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے بھائی مہابت جنگ علی وردی خاں کے سامنے رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتا جاتا تھا - سعید خاں نے بھی اس کی حمایت کر کے اپنے چچا مہابت جنگ کو مذکورہ بالا امور سے مطلع کیا ان امور کے پیش نظر سرفراز خاں حاجی احمد اور اس کے دونوں لڑکوں کے دلوں کا اس مصرعہ کے بموجب موہ لینا چاہیئے تھا - کہ

زہی تصور باطل زہی خیال محال

علی وردی خاں کی خفیہ تحریر

مہابت جنگ علی وردی خاں کو جب ان ساری فتنہ سامانیوں کی اطلاع ملی اور جب اس نے پانی سر سے اونچا ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنے یار غار موتمن الدولہ اسحاق خاں کو جس کو حضور کا قرب خاص حاصل تھا ایک خفیہ تحریر بھیجی جس میں اس بات کی درخواست تھی کہ اگر اس کے حق میں وہ تینوں صوبوں کی سند دلوا دے تو نہ صرف ایک کروڑ روپے اس کو

دیا جائے گا۔ بلکہ سرفراز خاں کے ضبط شدہ مال کے ساتھ ساتھ سالانہ ایک کروڑ روپیہ بطور خراج ملتا رہے گا۔ اس نے ایک اور درخواست بھی کی اور وہ یہ کہ شقہ بادشاہی اس کے نام سے جاری ہو جس میں سرفراز خاں سے جنگ کرنے اور اس کے ہاتھ سے تینوں صوبوں کو نکال لینے کا اقرار بھی ہو۔ یہ دونوں درخواستیں ارسال کر کے۔ وہ اپنی فوج کی تیاری میں معروف ہوا اور ساتھ ہی یہ مشتہر کر دیا کہ وہ زمینداران بھوج پور کے خلاف جو نہایت ہی سرکش اور متمرد ہو گئے ہیں جنگ کرنے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے چنانچہ اس بہانے اس نے فوج کو جمع کیا اور چاق و چوبند رہنے کا حکم دیا۔ آخر کار نادر شاہ کی روانگیٔ ایران کے دس ماہ اور شجاع خاں کی وفات کے ٹھیک تیرہ ماہ بعد اس کو حسب خواہش شقہ بادشاہی موصول ہوا چنانچہ اس نے منجم معتمد سے ساعت روانگی دریافت کی در ایں اثنا اس نے اس ہوشیاری سے مرشد آباد کی راہ مسدود کی تاکہ کوئی مسافر آ جا نہ سکے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دوست جگت سیٹھ فتح چند کو اپنے کوچ کی تاریخ سے مطلع کر دیا۔ اس نے یہ خط اپنے کسی معتمد کی معرفت بھیجا جسے تاکید کی تھی کہ خط فلاں تاریخ تک سیٹھ جی کو پہنچ جانا چاہیئے۔ اور خود آخر ذی الحجہ ۱۱۵۲ھ بھوجپور کی مہم کو روانہ ہوا اور عظیم آباد سے نکل کر وارث خاں کے تالاب پر جو شہر کے مغرب میں واقع ہے خیمہ زن ہوا۔ روانہ ہوتے وقت اس نے اپنے چھوٹے داماد زین الدین احمد خاں کو عظیم آباد میں نائب مقرر کیا اور سید ہدایت علی خاں بہادر اسد جنگ[1] ولد فقیر حقیر کو پرگنہ سرس وکتبنہ وغیرہ کی عملداری سے سرفراز کیا اور لکھا کہ تمہیں اور زین الدین احمد خاں کو خدائے ذوالجلال کے سپرد کیا ساتھ ہی اس نے امید ظاہر کی کہ تم اس کے ساتھ اپنے تعلقات استوار رکھو گے اور صورت حال کے مطابق کام کرو گے رخصت ہونے سے پہلے اس نے تمام سرداران سپاہ کو خواہ ہندو ہو یا مسلمان جمع ہونے کا حکم صادر کیا جب اس نے مجمع کی طرف نگاہ دوڑائی تو اس نے دو آدمیوں کو منتخب کیا۔ ان میں سے ایک متقی و پرہیزگار مسلمان تھا جس کے ہاتھ میں اس نے مصحف مجید رکھا اور دوسرا برہمن تھا جس کے ہاتھ میں گنگا جل سے بھری ہوئی تھالی دی اور دوسرے ہاتھ میں ریحانِ سیاہ یعنی تلسی رکھی اس کے بعد اس نے مسلمانوں سے قرآن مجید کی اور ہندوؤں سے گنگا جل کی سوگند لی پھر وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ خاموشی ٹوٹی تو اس نے مجمع سے خطاب کیا:۔

"اب میں اپنے مخالفوں سے نبرد آزمائی کرنے جا رہا ہوں۔ چونکہ تم سبھوں کو میں اپنا قدیم رفیق سمجھتا ہوں جن پر مجھ کو مکمل بھروسہ ہے اور جن کی شجاعت و بہادری

---

[1] مصنف سیر المتاخرین سید غلام حسین طباطبائی کے والد کا خطاب اسد جنگ تھا۔

سے کامیابی کا خواہاں ہوں اس لئے میری یہ درخواست ہے کہ اگر تم واقعی میرے شانہ بشانہ رہنا چاہتے ہو اور میری رفاقت اور اعانت تم کو منظور ہے تو تم میں سے ہر ایک اس وقت یہ قسم کھائے کہ خواہ میں پانی میں کود پڑوں اور آگ کے شعلوں میں چلا جاؤں تو تم میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ خواہ میرا دشمن رستم ہو یا افراسیاب لہٰذا قسم کھاؤ کہ تم میرے دوست کے دوست رہو گے اور دشمن کے دشمن اور خواہ میری قسمت مجھے کہیں لے جائے تم میری اعانت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچو گے۔"

عہد و پیمان

اس غیر متوقع تقریر کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ وہ پرانے سپاہی جنھوں نے اس کا نمک کھایا تھا اور عرصۂ دراز سے ان پر نوازشوں کی بارشیں ہوتی رہی تھیں انھوں نے فوراً دل وجان سے ساتھ نہ چھوڑنے کا عہد و پیمان کیا۔ مسلمانوں نے قرآن مجید اور ہندوؤں نے گنگا جل پی کر اور برہمن کے چرن اور تلسی کے پتے چھو کر سوگند کھائی۔ سبھوں نے یک دل اور یک زبان ہو کر اس کی اقبال مندی کی دعائیں مانگیں اور متفقہ طور پر سبھوں نے اس کو یقین دلایا کہ وہ اس کی رفاقت نہیں چھوڑیں گے۔ ان پرانے ملازمین کو دیکھا دیکھی نئے ملازمین نے بھی خوشی خوشی عہد و پیمان کئے اور ساتھ دینے کی قسمیں کھائیں۔ ادھر سے اطمینان کر لینے کے بعد تب علی وردی خاں نے ان پر اپنی مہم کا راز ظاہر کر دیا اور کہا کہ مجھ پر، میرے بھائی پر اور میرے خاندان پر جو ستم توڑے گئے ہیں ان سے مجبور ہو کر میں سرفراز خاں کو کیفر کردار تک پہنچانے جا رہا ہوں۔" بعض یہ الفاظ سن کر ایک دم سے چونک پڑے لیکن چونکہ سبھوں نے غیر مشروط طور پر قسمیں کھائی تھیں اور اب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کے قدم بقدم چلنے اور تعمیل احکام کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہ آیا شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا اس لئے مجلس برخاست ہوئی۔ دوسرے روز بوقت ساعت معہود سامان کثیر لے کر وہ مرشد آباد کی جانب روانہ ہو گیا اس کے ہمراہ تربیت یافتہ سپاہی اور بھاری توپ خانے تھے۔ کہیں منزل کئے بغیر بہت جلد وہ درۂ شاہ آباد تک آیا۔ دروں کی وجہ سے پہاڑ سے ساحل گنگا تک جانے والی تمام راہیں مسدود تھیں چنانچہ اس نے قرب وجوار کی وادی میں لشکر کو چھپا دیا اور مصطفیٰ خاں کو جو بڑا ہی جری و دلاور افغان تھا سو گھوڑے دیئے اور اس کے ہاتھ میں پروانہ اور دستخط مہری سرفراز خاں بھی دی حالانکہ یہ فرض کسی اور سردار کو انجام دینا تھا لیکن علی وردی خان نے عین وقت پر اپنا ارادہ بدل دیا اس نے مصطفیٰ خاں کو حکم دیا کہ یہ پروانہ اور دستک درۂ مذکور کے محافظوں کو جن کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ ہو گی دکھا کر داخل درہ ہو اور ان

پر قابو پاکر آگے بڑھے اس کامیابی کے بعد اس کو اپنے اونٹ کا نقارہ بجانا چاہیئے تاکہ فوج ہمراہی کسی مزاحمت کے بغیر آگے بڑھ جائے۔ مصطفیٰ خاں اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ وادی کے اندر پہنچا تو وہاں کے دستور کے مطابق اسے خوش آمدید کہا گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس لئے آیا ہے اور یہ کہ وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھے۔ مصطفیٰ خاں نے اپنے ایک ہمراہی کی معرفت دستک پروانہ دیکھنے کے لئے بھیجا۔ پروانہ دیکھتے ہی مقتدیان متعینہ نے درہ میں جانے کی اجازت دیدی مصطفیٰ خاں نے آگے بڑھ کر نقارہ بجانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ سنتے ہی مہابت جنگ علی وردی خاں کا ہراول دستہ بڑی شان سے نمایاں ہوا۔ محافظ درہ یہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور جونہی مقابلہ کو آنا چاہا کہ مصطفیٰ خاں نے چیخ کر کہا کہ خبردار جو کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ اگر کوئی ایسی جرأت کرے گا اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس دھمکی سے ان کے ہوش و حواس اڑ گئے انھوں نے جنبش تک نہ کی۔ غرضیکہ مصطفیٰ خاں کے لوگوں نے درہ کا دروازہ کھول دیا اور اس طرح مہابت جنگ کا ہراول دستہ داخل درہ ہوا۔ ساری چوکیاں آن کی آن میں قبضہ میں کر لی گئیں۔ کیونکہ آج ہی کے روز جگت سیٹھ کو خط پہنچانا تھا لہٰذا وہ خط اس کے حوالے کر دیا گیا جگت سیٹھ نے یوم روانگی کا حساب کر کے اندازہ لگا لیا کہ آج علی وردی خاں اور اس کے ساتھی درہ تلیاگری سے گزر کر پانچ چھ روز میں مرشد آباد پہنچ رہے ہیں۔ وہ ایک دم سے گھبرا گیا اور اسی عالم سراسیمگی میں گھوڑے پر سوار مغموم شکل بنائے ہوئے سرفراز خاں کے پاس آیا اور علی وردی کا خط پیش کر دیا اور کہا کہ بہت ممکن ہے وہ اب تک راج محل کے قریب آگیا ہو اس کے بعد اس نے سرفراز خاں کے نام مہابت جنگ علی وردی کا خط پیش کیا۔ خلاصہ اس خط کا درج ذیل ہے:۔

"چونکہ میرے بھائی حاجی احمد کو آپ کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے اور میرے خاندان کے وقار پر مسلسل حملے ہوئے ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ خادم اپنے اہل خاندان کو مزید ذلت و رسوائی سے بچانے کے لئے اتنی دور آیا ہے لیکن یہاں آنے میں بندگی اور فدویت کے علاوہ کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے بھائی حاجی احمد کو مع توابع اور علائق کے میرے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

حاجی احمد کو دھمکیاں

یہ پڑھ کر سرفراز خاں ششدر رہ گیا اور بہت دیر تک خط کی تحریر میں غرق رہا۔ لیکن یکایک اس کے جسم کو حرکت ہوئی چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فوراً وزیروں اور سرداروں کو طلب کیا۔ حاجی احمد بھی موجود تھا

جب سارے سردار جمع ہو گئے تو اس نے حاجی احمد کو دھمکیاں دیں۔ حاجی احمد نے صورت حال کو نازک جان کر شیریں زبان سے کام لیا اس کے گرم مزاج کو سرد کرنے کی کوشش کی اور اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر اجازت پاؤں تو مہابت جنگ علی وردی خاں کے پاس جا کر اس کو واپس چلے جانے پر مجبور کر دوں۔ اس تجویز کا ملا جلا ردعمل ہوا۔ بعضوں نے حاجی احمد کو بھائی کے خیمے تک جانے کی مخالفت کی اور بعضوں نے کہا کہ جب اس نے وعدہ کیا ہے تو اس پر اعتماد کیا جائے۔ معاملے کو تذبذب میں دیکھ کر محمد غوث خاں رفیق قدیم شجاع الدولہ اور سرفراز خاں نے بھی اظہار خیال کیا جو سبھوں سے مختلف تھا۔ اس نے کہا۔" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ضعیف شخص کو قید کرنے یا نظر بند رکھنے سے کیا فائدہ مل جائے گا یہ بھی قابل یقین بات نہیں ہے کہ علی وردی خاں اپنے بھائی کو قید میں دیکھ کر جنگ سے باز آجائے گا۔ سوال صرف اتنا ہے کہ کیا حاجی احمد کو اس کے بھائی کے پاس بھیجا جائے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے الفاظ کا پکا ہے تو پھر ٹھیک ہے اور اگر نہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح اس کی ذات سے ہم کو کیا نقصان پہنچے گا۔ ہم میدان کارزار میں علی وردی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اگر تیار رہیں تو ہمیں اس کی پرواہ کیوں ہو کہ وہ اپنے بھائی سے مل جائے گا۔ حاجی احمد تن تنہا ہے اور بس اس کے چلے جانے سے نہ تو دشمن کی طاقت بڑھ جائے گی اور نہ علی وردی خاں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

حاجی احمد کی رہائی

محمد غوث خاں کے خیال کو سبھوں نے سراہا۔ چنانچہ حاجی احمد کو فوراً رہا کر کے اس کے بھائی کے خیمہ کی طرف بھیج دیا گیا جب وہ کچھ دور پہنچ گیا تو اس نے اپنے دوستوں کی معرفت سرفراز خاں تک یہ بات پہنچائی کہ علی وردی خاں آج بھی اتنا ہی وفادار اور سرگرم خادم ہے جتنا پہلے تھا۔ اس نے سرفراز خاں کو بھی یہ تحریر بھیجی:۔

" میرے آقا ایک طاقتور خادم کے خلاف فوج کشی نہ کریں تو اچھا ہے۔ وہ طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا احترام بھی کرتا ہے۔ حضور کو خادم کے مقابلہ کے لئے دولت خانہ سے باہر تشریف نہیں لانا چاہیئے۔ وہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کی قدم بوسی کریگا اور اپنی شکایات حضور میں پیش کرنے کی جرأت کرے گا اور یہ ثابت کر دے گا کہ وہ کتنا فرض شناس ہے اس کی زندگی کا مقصد اب یہی رہ گیا ہے لیکن اگر حضور نے فدوی کے التماس کے برعکس مفاد پرستوں کے ورغلانے میں آکر اس کے خلاف فوج کشی کی تو

مجھے ڈر ہے کہ وہ شخص اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے مایوس و نامراد ہو کر ایسی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جو دنیا و عقبیٰ کی روسیاہی کا سبب بن جائے۔"

علی وردی خاں کا پیغام

چونکہ حاجی احمد کی یقین دہانی پر اعتماد نہ تھا اس لئے دشمن کے خلاف فوج کشی کرنے یا نہ کرنے پر رائے لی گئی اس بارے میں مختلف لوگوں نے مختلف قسم کے مشورے دیئے۔ لیکن بہرحال فیصلہ یہی ٹھہرا کہ فوج کشی کرنے ہی میں عافیت ہے۔ مردان علی خاں نے فوج کشی کی سختی سے حمایت کی تھی کیونکہ حاجی احمد اور علی وردی خاں دونوں اس کے دشمن تھے۔ چنانچہ ۲۲ محرم الحرام ۱۱۵۳ھ چہارشنبہ کے روز سرفراز خاں کی کمان میں فوج نے حرکت کی اور دو تین روز کے اندر اندر کومرہ تک پہنچ گئی۔ یہاں فوج کو کچھ دیر کے لئے رک جانا پڑا کیونکہ ان دو ممتاز لوگوں کی زبانی روداد سنی تھی جن کو سرفراز خاں نے علی وردی خاں کے منصوبے معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا ان کے نام ہیں نسبت خواجہ سرا اور شجاع قلی خاں فوجدار ہگلی۔ یہ دونوں دشمن کے خیمہ سے واپس آگئے تھے اور اپنے ہمراہ حکیم محمد علی خاں کو بھی لے آئے تھے انھوں نے سرفراز خاں کو بتایا کہ علی وردی خاں اب بھی تابع اور فرماں بردار ہے۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔ جو ان کے بقول اسی کی زبان سے برآمد ہوا تھا۔

"جو عالی ہمت اور جود وسخا میں لاثانی لوگ کسی رتبۂ بلند تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کو اسی لمحہ سے نہ صرف اپنا مطیع اور ملازم گردانا شروع کر دیتے ہیں بلکہ دنیا کی نگاہوں میں انکی عزت و آبرو کو بلند کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ یہ فدوی اسی آستانۂ دولت کا پرورش یافتہ ہے جس نے ایک ذرۂ خاک کو بام عروج تک پہنچا دیا یہ ایسی عزت افزائی ہے جس کو یاد کر کے میں فخر محسوس کرتا ہوں، لہٰذا میں حضور کے سامنے اپنی دو درخواستیں پیش کرتا ہوں۔ اول یہ کہ حضور اپنے حلقہ سے ان کم ظرفوں کو خارج کر دیں جو نہ صرف ہمارے خاندان کی ترقی و اقبال مندی کے حاسد ہیں بلکہ وہ ایسے ایسے مشوروں سے حضور کے ذہن کو پراگندہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے فضا برہم ہو جاتی ہے جیسا کہ اب ہے ان کینہ پروروں کے نام یہ ہیں مردان علی خاں، میر مرتضیٰ خاں، حاجی لطف علی خاں اور محمد غوث خاں۔ ان کے نکل جانے کے بعد ہی جبکہ فدوی خود کو محفوظ سمجھے گا حضور کی قدم بوسی کو آئے گا۔

دوسری التماس یہ ہے کہ اگر آپ کے خیال میں یہ درخواست ناقابل منظور ہے تو پھر آپ محلسرا تشریف لے جائیں اور وہیں سے ایک فرمان جاری کر کے ان سب کو فدوی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے رزم گاہ بھیج دیں۔ اگر وہ غالب ہوئے تو ان کو ان کا مدعا مل جائے گا۔ لیکن انھیں شکست ہوئی تو پھر ان کو نکال دیجئے۔ میں خود سر کے بل حاضر خدمت ہوں گا۔ میں خدمت عالی میں صحیفۂ مقدس یعنی قرآن مجید بھی بھیج رہا ہوں جس کو آنکھوں سے لگا کر میں نے قسم کھائی ہے تاکہ آپ کو میرے خلوص کا اندازہ ہو سکے۔"

علی وردی خاں کی شرائط صلح

صحیفۂ آسمانی[1] حکیم محمد علی خاں نے پیش کیا لیکن چونکہ سرداران مذکور سرفراز خاں کی نگاہ میں عالی مرتبت تھے اور ان پر اس کو کامل اعتماد تھا اس لئے صلح کی تجویز ٹھکرا دی گئی لیکن ان بھائیوں کے خلاف کیا قدم اٹھایا جائے اس پر اب تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ دریں اثنا حاجی احمد راج محل میں آیا اور بھائی سے بغل گیر ہوا۔ بھائی کو ہاتھی پر سوار کر کے وہ آگے بڑھ گیا۔ حاجی احمد نے سرفراز خاں سے رخصت ہوتے وقت جو وعدہ کیا تھا اس کو ایفا کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو اس بات پر رضامند کیا کہ ہاتھی کو تقریباً سو گز پیچھے موڑ کرے جائے اور پھر اس کے بعد واپس آ جائے سرفراز خاں کو جب دشمن کے کوچ کا علم ہوا تو وہ موضع گریک تک جو دریائے بھاگیرتی کے کنارے واقع ہے پہنچ گیا اور دوسری طرف سے غوث خاں بھاگیرتی پر لشکر مخالف کے مقابل خیمہ زن ہوا مخالفین کے درمیان صرف دریا حائل تھا جو پایاب اور وسیع پاٹ کا تھا علی وردی اور سرفراز خاں کے لشکر کا فاصلہ پانچ چھ کوس سے زیادہ نہ ہوگا دونوں خیموں میں ایلچی پیغام لے کر آنے جانے لگے۔ سرفراز خاں نے علی وردی خاں سے ملنے کی رغبت ظاہر کی لیکن اس نے ایک بار پھر یہی کہا کہ میں تمہارے باپ کا نمک خوار ہوں اس لئے تم سے بدخواہی نہیں کر سکتا البتہ ایک ہی شرط پر میں تمہارے حضور میں آ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ہمارے خاندان کے ان دشمنوں کو اپنے حلقہ سے خارج کرو جنھوں نے ذلیل مشورے دیکر حالات کو بحران تک پہنچا دیا ہے اگر یہ نہیں کر سکتے تو ان سبھوں کو میرے سپرد کرو اس کے لئے بھی تیار نہیں تو پھر کسی اونچے مقام پر جلوہ افروز ہو کر ہمارا مقابلہ دیکھو اگر میں ظفریاب ہوا تو میں ضرور خدمت عالیہ میں حاضر ہوں گا ورنہ بصورت

---

[1] لیکن صحیفہ آسمانی کی بجائے طلائی پارچہ میں پیپٹ کر اینٹ بھیجی گئی تھی۔

شکست میرے خلاف جو چاہو کر سکتے ہو۔" چونکہ سرفراز خاں دونوں باتوں کے لئے تیار نہ تھا اس لئے ملاقات کی صورت نہ نکل سکی - سرفراز خاں کی طرف سے باوجود پیغام صلح و آشتی نیز ورود نوشت ہائے جگت سیٹھ جس کو اصطلاح ہند میں ٹیپ کہتے ہیں اور جس میں یہ درج تھا کہ اگر سرداران لشکر مہابت جنگ اس کو گرفتار کریں تو ہر ایک کو بہت سا روپیہ بطور انعام و اکرام دیا جائے گا اس مقام پر رات کے آٹھ بجے صادر رہا - یہ نوشتہ مذکور رہنٹوں کے علاوہ مصطفےٰ خاں کو بھی ملا چنانچہ وہ دوسرے سرداروں کو ہمراہ لے کر نوشتہ سمیت علی وردی خاں کے پاس آیا اور پیش کر دیا اس کے بعد اس نے کہا -" اگر لڑنا ہی ٹھہرا تو پھر وقت ضائع کئے بغیر کل صبح ہی کو کیوں نہ تلواریں میان سے کھینچ لی جائیں۔ ہو سکتا ہے تاخیر سے صورت حال دگرگوں ہو جائے۔"

فوج کشی کا عزم

علی وردی خاں نے رفیق خیرخواہ کی صلاح پسند کی اور اسی وقت اس نے فوج میں گولی اور بارود تقسیم کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ کل صبح فوج کشی کرنے کا عزم کر چکا تھا۔ اس نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا - نند لال کو جو فوج کا معتبر ہندو سردار تھا علی وردی خاں نے اپنے نشان کے ساتھ محمد غوث خاں کے مقابل کھڑا کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کو دریا کے اسی طرف متحرک رکھے اور باقی دو حصوں کو عبور دریا کرا کر فرمایا کہ ایک حصہ سرفراز خاں کی فوج کے عقب میں رہے اور خود دوسرے حصہ کے ساتھ سرفراز خاں کے لشکر کے روبرو آ گیا اور یہ حکم دیا کہ جوں ہی توپ دغنے کی آواز سنائی دے فوراً سرفراز خاں کے لشکر پر ہلہ بول دو چنانچہ عبد العلی خاں مع مصطفےٰ خاں، شمشیر خاں وغیرہ، سرداران افغان نوازش خاں کے ہمراہ جو علی وردی کا داماد کلاں تھا کچھ رات باقی رہے روانہ ہو گئے - علی وردی خاں بھی اپنی فوج لے کر ان کے پیچھے پیچھے چلا - کچھ فاصلہ پر حسب الحکم نندلال بھی غوث خاں کے مقابل قدم بہ قدم جا رہا تھا۔

سرفراز خاں کی رحلت

مقابلہ صبح تڑکے شروع ہوا اس وقت تک علی وردی خاں سرفراز خاں کے بالکل روبرو آ گیا تھا - اس نے فوراً ایک گولہ برسایا۔ توپ دغنے کی آواز سن کر عقب کی فوج نے بھی سرفراز خاں کی فوج پر ہلہ بول دیا اور نند لال غوث خاں کے مقابلہ کو بڑھا سرفراز خاں مضطرب ہو کر مصلٰی سے اٹھا - ہاتھی پر سوار ہوا اور سیدھے علی وردی خاں سے مقابلے کے لئے آیا - اسی اثناء میں علی وردی خاں کے ہراول دستہ نے عقب لشکر میں گھس کر محمد ایرج خاں کے لڑکے کو ہلاک

کر دیا - سرفراز خاں پیش قدمی کرتا گیا - یہاں تک کہ نقارخانہ کے قریب آیا ہی تھا کہ اس کے سر میں ایک گولی لگی اور وہ سفر آخرت کو روانہ ہو گیا - اس کے ساتھ اس کے اکثر ہمراہی شلاً میر کامل - میر گدائی، میر احمد، میر سراج الدین، حاجی لطف علی خاں اور قربان علی خاں نے بھی سفرآخرت اختیار کیا - رائے رایان عالم چند اور مرزا ایرج خاں زخمی ہو کر شہر آ گئے لیکن غوث خاں دریا کے اس پار نند لال سے لڑ کر فتح یاب ہوا - نند لال ہلاک ہوا - دشمن جب دریا کے اس پار بھاگ رہے تھے کہ سرفراز خاں کے فیل بان نے زخمی ہو کر ہاتھی کو مرشد آباد کی راہ دکھائی - محمد غوث خاں نے جب دور سے دیکھا کہ اس کے آقائے نامدار کا ہاتھی بھاگ رہا ہے تو اس کو آقا کی عدم دلیری کا اندیشہ ہوا - چنانچہ اس نے ایک تیز رفتار گھوڑے سوار کو دوڑایا اور اس کی معرفت یہ پیغام دیا کہ میں نے دشمنوں کو شکست فاش دی ہے اور ہلاک کر ڈالا ہے - لہٰذا آپ فوراً مجھ سے آملئے تاکہ باقی ماندہ کو بھی کیفر کردار تک پہنچا دیں -

غوث خاں کی دلیری

علی وردی خاں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے اپنے لوگوں سے متحد رہنے کی درخواست کی اس کو سرفراز خاں کے مارے جانے کا یقین ہو گیا تھا ساتھ ہی اس کو نند لال کی شکست اور اس کے ہلاک ہونے کی بھی اطلاع ملی - اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ غوث خاں کتنا جری اور دلیر ہے اور وہ کس طرح اپنی فوج کی کمان کر رہا ہے اس کو یہ دیکھ کر پریشانی ہوئی کہ سرفراز خاں پر حملہ آور ہونے کے لئے جو ہراول دستہ اس نے بھیجا تھا وہ فتحیاب ہونے اور سرفراز خاں کے مارے جانے کے بعد مال غنیمت اور نقد و جواہر کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا - ادھر صورت حال نازک ہو رہی تھی کہ غوث خاں کا فرستادہ گھوڑا سوار واپس آیا اور اس نے آقا کے کشتہ ہونے کی اطلاع دی یہ اطلاع سن کر وہ ششدر رہ گیا اور یاس و نومیدی کے بادل اس کے سر پر لہرانے لگے اب چونکہ یہ بات طے تھی کہ علی وردی خاں جو اس کے خاندان کا سب سے بڑا دشمن تھا فتح یاب ہو رہا ہے لہٰذا اس نے میدان کارزار میں مرجانے کا ارادہ کر لیا اس نے اپنے دونوں لڑکوں محمد قطب اور محمد پیر کو بلایا اور فرمایا کہ "بیٹو! اب میدان جنگ میں تہہ تیغ ہو جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے ہماری زندگیاں ہمیں خدا حافظ کہہ رہی ہیں لہٰذا علی وردی خاں کے مقابلہ کو چلنا چاہیئے"۔ بلاشبہ غوث خاں اور اس کے دونوں بیٹے شیر زماں اور رستم زماں تھے تھوڑے بہت سپاہی کو لے کر جو پاس تھے تینوں اپنے دشمن پر برق رفتاری سے جھپٹے - غوث خاں کی فوج کی اکثریت

سرفراز خاں کی موت کی خبر سنتے ہی میدان جنگ چھوڑ چکی تھیں بہت سے سپاہی تو شہر آ گئے تھے اور باقی جو بچ گئے انھوں نے ڈٹے رہنے کی سوگند کھائی۔ گنتی کے چند سپاہیوں کو لے کر وہ بڑھتے بڑھتے دشمن کے بالکل قریب آ گیا لیکن اس وقت اس کو گولیاں لگیں اور وہ مجروح ہو گیا تاہم اس کی پیش قدمی نہ رکی اور اس نے اسی حالت میں گھوڑا طلب کیا تاکہ علی وردی خاں پر چڑھ دوڑے۔ ہاتھی سے اتر ہی رہا تھا کہ تابڑ توڑ دو گولیاں اور لگیں اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ دونوں لڑکے باپ کو مردہ دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑے اور ڈھال اور تلوار لے کر پاپیادہ ہی دشمن پر جھپٹ پڑے۔ دونوں دشمن کے قریب آئے ہی تھے کہ چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں یہاں تک کہ دونوں گر پڑے اور ان کی لاشیں خاک اور خون میں تڑپنے لگیں محمد قطب نے کہ جو بڑا لڑاکا تھا اور شجاعت اور بہادری میں ناموری حاصل کر چکا تھا جب موت کا سایہ دیکھا اور زندگی کی امید نہ رہی تو شمشیر و سپر ہاتھ میں لے کر میدان میں بیٹھ گیا اور اسی عالم میں اس کی روح پرواز کر گئی اس کو اسی جگہ دفن بھی کیا گیا۔ میر دلیر علی کو جب سرفراز خاں کی موت کی خبر ملی تو وہ سولہ نفر کو ہمراہ لے کر میدان جنگ کی طرف نکل گیا لیکن وہ بھی مارا گیا بلاشبہ سرفراز خاں کے لوگوں نے جس جرأت اور نمک حلالی کا ثبوت دیا ہے ہندوستان میں کم ہی ایسے دوست احباب اور سپاہی نظر آئیں گے میر مشرف الدین نے بھی علی وردی خاں سے خوب مقابلہ کیا یہاں تک کہ اس کو دو تیر بھی مارے ایک تیر اس کے ہاتھ میں لگا جو کمان پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا دوش راست پر۔ المختصر یہ کہ سرفراز خاں کے تمام ہمراہیوں نے حوصلہ مندی، جوانمردی اور نمک حلالی کا ثبوت دیا۔ بعض تو میدان جنگ ہی میں کام آ گئے اور بعض عالم مایوسی میں شہر کو نکل گئے۔

علی وردی خاں کی ظفر مندی

مہابت جنگ علی وردی خاں نے فتحیاب ہوتے ہی اپنے چھوٹے بھائی حاجی احمد کو فوراً مرشد آباد روانہ کر دیا تاکہ وہ اس عظیم شہر کے باشندوں کی ڈھارس بندھا سکے اور امن و امان بحال کر سکے اس نے حاجی احمد کو یہ بھی حکم دیا کہ شہر پہنچتے ہی تمام سرکاری دفاتر اور سرفراز خاں کے محل سرا کے تمام حرم سراؤں میں محافظ تعینات کر دیئے جائیں چنانچہ حاجی احمد دل و دماغ کو قابو میں پا کر برق رفتاری سے مرشد آباد روانہ ہوا اور پہنچتے ہی اس نے شہر کے چاروں طرف علی وردی خاں کی ظفر مندی کی منادی کرا دی جس کی وجہ سے فتنہ و

فساد کے شعلے بجھ گئے۔

مرشد آباد میں علی وردی کی نفیسہ بیگم سے ملاقات

جنگ کے دو روز کے بعد ماہ صفر ۱۱۵۳ھ میں مہابت جنگ علی وردی خاں باتجمل وشان وشوکت مرشد آباد آیا۔ محل سرا میں داخل ہوتے ہی مسند نشینی سے پہلے وہ ایک دم رک گیا اور پھر شہزادی نفیسہ بیگم بنت شجاع الدولہ اور سرفراز خاں کی ماں کے حرم سرا میں داخل ہوا دروازہ پر مودب کھڑا ہوگیا اور پھر اس نے شہزادی سے عفو تقصیر کی التماس کی اور عرض کیا:۔

"تقدیر میں جو کچھ تحریر تھا وہ ہو کر رہا۔ لیکن تاریخ کے صفحات پر میں ہی سزا وار اور گنہگار ٹھہرایا جاؤں گا۔ بدنامی کا داغ میری پیشانی سے نہیں دھل سکتا لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اب سے تا بہ حیات مجھ سے بے ادبی سرزد نہیں ہوگی میں ہمیشہ مطیع و فرماں بردار رہوں گا مجھے امید ہے کہ اس ناچیز اور ادنیٰ غلام سے جو خطا سرزد ہوئی ہے وہ صفحۂ خاطر سے ہمیشہ کے لئے محو کر دی جائے نیز میں اس بات کی بھی توقع رکھتا ہوں کہ کچھ دنوں کے بعد میری اطاعت گزاری آپ کے ذہن سے جرم وخطا کو دھوڈالے گی۔"

اس موثر تقریر کے بعد وہ دارالامارۃ میں آکر واقع چہل ستون سے جسے شجاع الدولہ مرحوم نے بنوایا تھا مسند آرا ہوا۔ مسند نشینی کے فوراً بعد نوبت بجانے کا حکم دیا گیا اور پھر نذرانے قبول کئے گئے۔ یہ نذرانے مرشد آباد کے ممتاز شہری لے کر آئے تھے لیکن یہ ساری عقیدت مندیاں محض نمائشی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے آقا اور محسن کے لڑکے کا قاتل تھا اور اس لئے لوگ اس کی قبیح حرکت پر ملامت بھیجتے تھے۔

علی وردی کا کردار

لیکن مقام حیرت ہے کہ اس نے جلد ہی اپنی غربا پروری اور اپنے بلند اخلاق اور خورد و کلاں کے پاس حقوق کی وجہ سے عوام وخواص میں بے حد مقبول ہوا۔ اگر ایک طرف وہ اپنے درباری امرا اور دوست احباب پر نگاہ کرم کرتا تھا تو دوسری طرف وہ لوگ بھی اس کی نوازشوں سے فیض یاب ہوتے تھے جو قطعی آشنا نہ تھے۔ وہ مظلوموں کی داد رسی کرتا۔ غرباء پر نظر رکھتا۔ خطا کاروں کی خطائیں درگزر کرتا مختصر یہ کہ اس نے قول وفعل سے خود کو ایسا متوازن انسان پیش کیا کہ ہر کس و

ناکس کی زبان پر اس کی تعریف تھی۔ وہ لوگ جو اس کو ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے وہ چشم زدن میں اس کے گرویدہ ہو گئے۔ ایسی مثال صفحات تاریخ پر شاذونادر ہی ملے گی۔ اگرچہ اپنے آقا اور محسن کے لڑکے کو قتل کرنا قابل مذمت فعل ہے لیکن ساتھ ہی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرفراز کے اندر حکومت کرنے کی ذرا بھی صلاحیت نہ تھی لہٰذا اگرچہ کچھ دن اور وہ برسر اقتدار رہتا تو کچھ عجیب نہ تھا کہ حالات غیر معتدل ہو جاتے، بدانتظامیاں عام ہوتیں، فسادات کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا اور اس طرح تمام صوبہ جات میں تباہی وبربادی پھیل جاتی مرہٹے پہلے ہی سے ان خوشحال صوبوں پر نظر جمائے ہوئے تھے اور کچھ دن بعد ہی انھوں نے چاروں طرف سے ان پر حملہ بھی کیا تھا۔ لیکن ان صوبوں کی خوش بختی تھی کہ ان کو علی وردی سا ذہین و فطین آدمی مل گیا۔ جس نے نہ صرف ان قزاقوں کے دانت کھٹے کر دیئے بلکہ ان کو بنگال سے باہر بھی نکال دیا۔ ہم آگے چل کر ان واقعات کا بالتفصیل ذکر کریں گے۔ سرفراز خاں اور اس کے وزیروں سے ایسی ذہانت کی توقع نہیں تھی۔ کیونکہ وہ مرہٹوں کی یلغار کو کسی حال میں روک نہیں سکتے تھے لیکن علی وردی خاں نے اپنے حسن اخلاق، اپنی سیاسی اور عسکری بصیرت وذہانت سے ایسے ایسے کام انجام دیئے جو اس کے کسی معاصر یا جانشین سے انجام نہ پا سکے اس کا یہی حسن اخلاق تھا کہ اس کے تینوں برادر زادے بھی نامور ہوئے اور بجا طور پر ان کو اپنے چچا پر ناز تھا۔ ہر ایک کو منصب ہفت ہزاری اور ماہی ومراتب سے سرفراز کیا گیا ان میں سے ہر ایک کا اور علی وردی خاں کے بچوں اور خاندان کا انشاء اللہ خاص طور پر ذکر کیا جائے گا۔

"میرے دوست مصطفےٰ، گوش دل سے سنو ۔ انسان کو اپنی زندگی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی لیکن اس وقت میرے حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں تمام چیزوں پر موت کو ترجیح دے رہا ہوں لہٰذا اپنے ذہن سے یہ خیالِ خام نکال پھینکو کہ تم مجھ سے دامن چھڑالو گے ۔ کیا میری ذات سے ایسا کوئی فعل سرزد ہوا ہے جس سے تمہارے دل کو ٹھیس پہنچی ہو؟ اگر یہ حقیقت ہے تو بندہ مع سراج الدولہ کے جو مجھے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے تمہارے سامنے ہے ۔ ہمارے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ۔ بڑے شوق سے ہمارا سر تن سے جدا کر دو ۔ مجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک ہی ضرب کافی ہے لیکن اگر تمہارے دل میں رفیق دیرینہ کی یادوں کے چراغ روشن ہے اور میری محبت کے نقوش تمہارے ذہن سے مٹ نہیں سکے ہیں تو پھر میری کوتاہیوں کو فراموش کر دو اور مجھے اس عالم یاس اور نومیدی میں سہارا دو، رشتۂ الفت دوبارہ استوار کرو اور قسم کھاؤ کہ تم مجھے نامراد نہیں کرو گے ۔"

(مہابت جنگ علی وردی خاں)

باب ۵

مشرقی صوبہ جات پر علی وردی خاں کا جب مکمل اقتدار ہو گیا اور شجاع الدولہ اور سرفراز خاں کے جمع شدہ خزانے اور مال و زر جن کی مالیت کروڑوں تک تھی اس کے ہاتھ آگئے تو اس نے اپنی توجہ ملک کے امن و امان اور نظم و ضبط کی طرف مبذول کی ساتھ ہی حضور سے خطاب شجاع الملک اور حسام الدولہ اور منصب ہفت ہزاری و ماہی و مراتب سے سرفراز ہوا۔ اس کے بعد اس نے اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کو اعزاز و اکرام سے نوازا مثلاً زین الدین احمد خاں یعنی چھوٹے داماد کو جو عظیم آباد کی نیابت پر مامور تھا اور جس کو اس نے اس صوبہ کا مالک و مختار بنا دیا تھا۔ احترام الدولہ ہیبت جنگ کے خطاب اور منصب ہفت ہزاری معہ ماہی و مراتب و پالکی جھالر دار و نوبت و علم سے مرصع کیا۔ بڑے داماد نوازش محمد خاں کو چکلہ جہانگیر نگر ڈھاکہ اور فوجداری سلہٹ و اسلام آباد (چٹاگاؤں) اور تمام دیوانی صوبہ بنگالہ کی عطا کر کے منصب ہفت ہزاری اور مراتب مذکورہ مع خطاب احتشام الدولہ بہادر سے سرفراز کیا اور تیسرے بھتیجے یعنی منجھلے احمد خاں کو جو شجاع الدولہ اور سرفراز خاں کے عہد میں رنگ پور کا فوجدار تھا مراتب مذکورہ معہ خطاب مہام الدولہ بہادر صولت جنگ سے نوازا نیز وعدہ بھی کیا کہ جونہی مرشد قلی خاں یعنی شجاع الدولہ کے داماد اور سرفراز خاں کے بہنوئی سے صوبہ اڑیسہ واپس ملے گا فوراً اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

مرشد قلی خاں ایک شاعر

مرشد قلی خاں سخن فہم شاعر بھی تھا۔ سرشار تخلص اور رستم جنگ بہادر خطاب تھا۔ مرزا محمد کو جو مہابت جنگ کا پوتا اور ہیبت جنگ کا بڑا لڑکا تھا اور جسے مہابت جنگ نے فرزندی میں قبول کیا تھا سراج الدولہ شاہ قلی خاں بہادر کا خطاب ملا اور جہانگیر نگر ڈھاکہ کی خدمت نوارہ بھی ملی اس کے سب سے بڑے داماد نوازش محمد نے لاولد ہونے کی وجہ سے مرزا محمد کے چھوٹے بھائی کو فرزندی میں لے لیا اور اس کے واسطے اکرام الدولہ بادشاہ قلی خاں کا خطاب حاصل کیا ان دونوں بھائیوں کو منصب ہفت ہزاری پر بھی مامور کیا گیا اور اس طرح دونوں عہد بچپن ہی سے امرا کی صف میں آ گئے۔ عطاء اللہ خاں کو جو حاجی احمد کا چھوٹا داماد اور شجاع الدولہ اور سرفراز خاں کے عہد سے اکبر نگر راج محل کا فوجدار تھا بھاگلپور کی فوجداری کا اضافہ کر کے رسالہ ہزار سوار و پیادہ اور منصب ہفت ہزاری مع لوازمہ اور خطاب اعزاز الدولہ بہادر ثابت جنگ سے نوازا گیا حسین قلی خاں نائب شہامت جنگ نوازش محمد خاں کو منصب تین ہزاری و علم و نقارہ و خطاب بہادر عطا کیا گیا۔ عطایار خاں نصف برادر مہابت جنگ علی وردی خاں اور فقیر اللہ خاں اور نور اللہ بیگ خاں اور میر جعفر خاں و مصطفٰے خاں وغیرہ بھائی بند دوست احباب معزز خدمات اور مناصب فاخرہ پر سرفراز کئے گئے چین رائے جو دیوان رائے رایان رتن چند کا پیشکار تھا مہابت جنگ نے خود رائے رایانی اور دیوانی کے خطاب سے نوازا اور اسے اپنا دیوان مقرر کیا اور راجہ جانکی رام جو مہابت جنگ کا دیوان تھا دیوانی تن پر مقرر ہوا۔ میرے (سیر المتاخرین کے مصنف کے) چچا عبد العلی خاں کو منصب تین ہزارہ اور بخطاب بہادر و سپاہ کی بخشی گری کا درجہ عطا ہوا۔ میرے چچا کے والد ماجد سید زین العابدین مصنف کتاب کی والدہ ماجدہ کے جد امجد اور مہابت جنگ علی وردی خاں کے پسر عمہ تھے عبد العلی خاں کہ جو علی وردی خاں کے دیگر بھتیجوں کی طرح بلند مقام پر فائز ہونا چاہتا تھا اپنے کو کم درجہ پر دیکھ کر دل شکستہ ہوا اور عظیم آباد جانے کی رخصت طلب کی چنانچہ وہ ادھر چلا بھی گیا۔ احترام الدولہ ہیبت جنگ یعنی زین الدین نے جو وہاں کا حکمران تھا اس کے خیر مقدم کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھا چنانچہ اس نے عبد العلی خاں کو بہار و لبوک کے پرگنوں کے علاوہ ترہٹ کا پرگنہ بھی دے دیا ساتھ ہی اس سے دربار میں دوست کی حیثیت سے رہنے کی درخواست بھی کی لیکن چونکہ عبد العلی خاں دربار مرشد آباد سے اپنی ہی مرضی سے غائب رہنے لگا اس لئے بخشی گری کا عہدہ جو اس کے لئے

رکھ چھوڑا گیا تھا میرے خالو نصرت علی کو دیدیا گیا اور بخشی گری دوئم فقیر اللہ بیگ خاں بہادر کو ملی جو مہابت جنگ علی وردی سے بہت قریب تھا۔

علی وردی خاں اکبر نگر میں

اپنی عقل و دانش کے مطابق جب اس نے خطابات اور مناصب تقسیم کر دیئے تو اس نے بادشاہ کی خدمت میں مبلغ ایک کرڈر روپیہ پیش کش موعودہ روانہ کر دیا۔ روپیہ کے علاوہ قیمتی تحائف بھی تھے۔ یہ ساری چیزیں موتمن الدولہ اسحاق خاں بہادر کے توسل سے خزانہ شاہی میں داخل ہوئیں۔ سرفراز خاں کی ضبط شدہ جائدادیں جتنا اس نے مناسب سمجھا بادشاہ کے لئے علیحدہ کر دیا۔ لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ مرید خاں بہادر کو دو مقاصد کے پیش نظر یعنی سرفراز خاں کی املاک پر قبضہ کرنا اور سالانہ وصولیابی مالگذاری بنگالہ کہ جو سرفراز خاں کے وقت ہی نہیں مل رہی تھی دارالخلافہ بھیجا گیا تو اس نے اس کے نام ایک درخواست بھیجی کہ میں خود آپ سے ملاقات کے لئے سکری گلی آرہا ہوں جہاں میں سرفراز خاں کی املاک اور بقایا مالگذاری پیش خدمت کروں گا۔ چونکہ اس درخواست کا مقصد صرف یہ تھا کہ بنگالہ میں اس کا داخلہ نہ ہو اس لئے علی وردی خاں ماہ رجب میں اکبر نگر راج محل روانہ ہوا۔ یہاں کئی روز انتظار کرنے کے بعد مرید خاں سے اس کی ملاقات ہوئی اور وہیں اس نے کئی لاکھ روپے نقد اور ستر لاکھ روپے مالیت کے جواہر، قیمتی اشیاء مع فیل و اسپ اور ظروف طلائی و نقرہ وغیرہ دیکر اس سے وصولیابی کی تحریر لی اور اس کو ہر قسم کے تحفے تحائف دے کر رخصت کیا اس کے بعد اس نے اپنی فوج کا جائزہ لیا کیونکہ وہ اڑیسہ کے دارالخلافہ کٹک پر حملہ آور ہو کر مرشد قلی خاں سے یہ صوبہ چھین لینا چاہتا تھا۔

علی وردی خاں نے جب ہر نہج سے خود کو مستحکم اور مضبوط کر لیا تو وہ حکومت کے نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوا ادھر سے بھی جب اس نے اطمینان کر لیا تو اس نے فاتح و ظفر مند سپاہیوں کی ایک فوج تیار کی اور توپ خانے بھی جمع کئے چونکہ مرشد قلی خاں خود کو دشمن کے برابر نہیں سمجھتا تھا اس لئے اس نے آقا محمد تقی سورتی کو علی وردی خاں سے مصالحت کرنے اور اس کا خیال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ مہابت جنگ علی وردی خاں نے اس کے ایلچی کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کیا بلکہ اس کو اس کی ذہانت کی وجہ سے انعام و اکرام سے بھی نوازا لیکن مصالحت و امن پسندی کی آنی اچھی ابتدا مرزا باقر خاں کی سازشوں

کی وجہ سے نزاع میں بدل گئی۔ مرزا باقر اصفہانی ماں کی طرف سے علویہ صفویہ سے منسوب تھا اور مرشد قلی خاں کا داماد تھا اس رشتہ نے اسے بھی بنگال کی دولت کا لالچی بنا دیا۔ چنانچہ وہ سرداری بنگالہ کی طمع میں حالانکہ وہ اس کے لائق نہ تھا مصالحت پر رضامند نہ ہوا اور انتقام سرفراز خاں کے قتل کا مشہور کرکے اس نے اپنی ساس کی تحریک کو ہوا دی۔

مرشد قلی کی بیگم حوصلہ مند شہزادی

مہابت جنگ علی وردی خاں نے مرشد قلی خاں کو لکھا کہ میں کسی حال میں آپ کی ایذا رسانی نہیں چاہتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ کٹک میں قیام کرنا طرفین کے لئے مناسب نہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ حضور اپنے خاندان سمیت مرشد آباد دکن تشریف لے جائیں۔ اگر یہ پیغام کسی اور کی جانب سے آتا تو تعلقات یقیناً ناخوشگوار ہو جاتے لیکن مرشد قلی چونکہ دور اندیش اور مآل اندیش بھی تھا اس لئے مہابت جنگ کے ساتھ مقابلہ کرنا اس نے مناسب نہ سمجھا بلکہ اس نے ترک عناد کی کوشش کی۔ مگر مرزا باقر نے جنگ کی ٹھانی اور اس کی طرف سے برابر مقابلہ میں آنے کی تحریک ہوتی رہی اس کی اس تحریک کی حمایت اس کی ساس نے بھی کی۔ مرشد قلی کی بیگم بڑی ہی حوصلہ مند شہزادی تھی، ہمیشہ اپنے شوہر کو اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لینے پر ابھارتی اور اسکی بزدلی وکم ہمتی پر طعن وتشنیع بھی کرتی کٹک میں شوہر سے زیادہ شہزادی کا احترام کیا جاتا تھا۔ اور اسی لئے تو اس نے اپنے بزدل شوہر کو ملک سے نکال باہر کرکے سارے خزانے حتّٰی کہ صوبہ تک داماد کو دینے کا ارادہ کیا۔ داماد بھی اسی جیسا سازشی تھا اس نے ساس کا ہم خیال بن کر مہابت جنگ علی وردی خاں سے آمادہ پیکار ہونے کا ارادہ کیا۔ دونوں کے اکسانے سے آخر کار مرشد قلی خاں کو بھی اپنا خیال بدل دینا پڑا اور اس نے علی وردی خاں کو لکھ بھیجا کہ مصالحت کی بات اس کی مرضی کے خلاف پیش کار کے اکسانے پر کی گئی تھی لہٰذا اس کی اب کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اب تو شمشیر آبدار ہی اس کا فیصلہ کرے گی کہ ہم میں سے کون زیادہ طاقتور ہے۔ مہابت جنگ علی وردی اطلاع پاتے ہی اپنے بھائی حاجی احمد اور برادرزادے کو مرشد آباد کی نیابت میں چھوڑ کر اوائل ماہ شوال میں دس بارہ ہزار تازہ دم فوج لے کر کٹک روانہ ہو گیا۔

مرشد قلی کی تقریر اور فوج کی یقین دہانی

علی وردی خاں کی لشکر کشی کی اطلاع دربار کٹک میں فوراً پہنچ گئی۔ مرشد قلی خاں نے

بھی جو جنگ کے لئے تیار تھا رفقائے مجلس کے ذہنوں کو ہموار کرنا چاہا چنانچہ وہ اسی ارادے سے اپنے رفیقوں اور سرداران فوج کے سامنے آیا تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے اپنی تلوار مجمع کے درمیان رکھدی اور اس کے بعد علی وردی خاں کی درازدستی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہا۔

"میرا مقصد جتنا عظیم ہے، صورت حال اتنی ہی نازک ہے لیکن میرے لئے اب اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں کہ تم لوگوں کے ذہنوں کو ٹٹولوں اگر تم لوگ عزم جزم کرتے ہو تو پھر ہم عزم رزم کرتے ہیں لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو پھر خدا کے لئے اپنے ارادوں سے آگاہ کرو تاکہ میں ان ہی کی روشنی میں کوئی قدم اٹھاؤں"۔

اس کی اس مختصر تقریر نے جادو کا کام کیا اس کی فوج کے سردار خاص عابد علی خاں نے اس کو یقین دلاتے ہوئے کہا کہ آپ کو اپنی فوج پر اعتماد رکھنا چاہیئے یہ کہکر وہ تمام سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور زمین پر سے اپنی شمشیر اٹھا کر اس نے مرشد قلی خاں کو تمام سپاہیوں کی وفاداری اور جرأت کا یقین دلایا۔ اس منظر سے اس کے قلب کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو اس نے مقابلہ کی ٹھانی۔ چنانچہ وہ اپنی فوج اور داماد باقر علی خاں کے ہمراہ کٹک سے روانہ ہوا اور بالسیر بندر (بالاسور) سے ہوتا ہوا دریا کو عبور کیا اور کچھ دور پیش قدمی کرنے کے بعد ایک مقام پر رک گیا یہ جگہ دشوار گزار تھی اور اس کے چاروں طرف ندیاں اور گھنے جنگل گھرے ہوئے تھے اس سے بھی جب اس کو اطمینان نہ ہوا تو اس نے لشکر کے اردگرد تین سو چھوٹی بڑی توپیں نصب کروادیں ادھر تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ علی وردی خاں مدنا پور سے برآمد ہوا اور بالسیر ہوتا ہوا دریا کے اس طرف چند کوس پر قیام پذیر ہوا۔ چند روز تک وہ اس حیص بیص میں رہا کہ دشمن پر کس سمت سے حملہ کیا جائے اور کس طرح اس کو دشوار گزار راہ سے نکالے اس کی حالت نازک ہوتی جارہی تھی بنگال کی سرحدوں کے آس پاس جو زمیندار تھے انھوں نے سامان رسد بھیجنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ مہابت جنگ علی وردی خاں کے عمال نرائن گڈھ وغیرہ سے جو غلہ بھیجتے وہ بھی راستہ میں لوٹ لیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اجناس گراں ہو گئیں یہاں تک کہ کمیاب ہو گئیں مرشد قلی خاں چاہتا تھا کہ دشمن کا رہا سہا غلہ جب ختم ہو جائے تو حملہ آور ہو لیکن مرزا باقر نے دشمن کی حالت زبوں سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہا۔ مرشد قلی نے اس ارادے سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کی آخرکار وہ بھی داماد کے آگے جھک گیا چنانچہ ذیقعدہ کے آخری ایام میں وہ اپنی مضبوط چوکی سے باہر آیا اور دشمن کی طرف بڑھا۔ مہابت جنگ علی وردی

خاں دراصل یہی چاہتا تھا لہٰذا اس نے اپنے دشمن کی فاش غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

بالاسور کی جنگ

مرزا باقر پیش قدمی کے زعم میں اس جگہ سے بالکل غافل ہو گیا جہاں اس کے بیشتر توپ خانے رکھے ہوئے تھے۔ علی وردی خاں کو اس کی اطلاع مل گئی تھی چنانچہ اس نے فوراً ادھر فوج کا ایک دستہ بھیج دیا جس نے تمام توپوں پر قبضہ کر لیا مقابلہ شروع ہوا۔ بندوق اور بان کی جنگ نے بھیانک صورت اختیار کر لی طرفین کے مردان جاں باز اس جنگ میں ہلاک ہوئے مرشد قلی خاں اکثر ہمراہی کے بچھڑ جانے کے باوجود بڑی جاں بازی سے اپنی جگہ ڈٹا رہا اتنے میں عابد خاں نامی افغان جس نے دربار کٹک میں بلند بانگ دعوے کئے تھے اور جو مرشد قلی خاں کا ساختہ پرداختہ اور معتمد علیہ تھا اپنی جگہ سے حرکت کرتا نظر آیا اس نے پہلے ہی دشمن کے رسالہ دار مصطفیٰ خاں سے جو اس کے ملک کا رہنے والا تھا ساز باز کر لی تھی۔ دغا باز عابد خاں اپنے سپاہی سمیت اس طرح آگے بڑھا جیسے واقعی وہ دشمن کے دانت کھٹے کر دے گا لیکن جب مصطفیٰ خاں کے مقابل آیا تو وہ یوں کھڑا ہو گیا جیسے کوئی تماش بین جنگ دیکھنے کی غرض سے آیا ہو اس کی اس غداری اور دغا بازی سے مرشد قلی خاں کے حوصلے پست نہیں ہوئے اس کے دیگر گروہ سادات نے ایسی دلیری دکھائی اور اتنا شدید حملہ کیا کہ دشمن کی فوج گھبرا گئی اور بنگال کی فوج کا ایک دستہ تو بھاگ کھڑا ہوا۔ علی وردی خاں اس شش و پنج میں تھا کہ کیا کرے کہ اتنے میں میرزا باقر خاں یمین سے نکلا اور مہابت جنگ کے یسار کی طرف آ کر جعفر خاں پر حملہ آور ہوا بہتوں کے پاؤں ڈگمگانے لگے یہ نازک صورت حال دیکھ کر جعفر خاں گھوڑے سے اتر گیا اور چند لوگوں کے ہمراہ شکستہ دل سپاہیوں کی مدد کو آیا جہاں صاحب خاں، دلیر خاں اور اصالت خاں جو شہرت یافتہ عمر خاں کے بیٹے تھے دشمنوں کے دانت کھٹے کر رہے تھے میر جعفر نے اس نازک وقت میں شجاعت و بہادری کے وہ وہ جوہر دکھلائے کہ ہر طرف سے داد و تحسین ملنے لگی جنگ نے ہولناک صورت اختیار کر لی تھی یہاں تک کہ سادات کی جماعت سے میر علی اکبر اور میر مجتبیٰ علی نے مجروح ہو کر جام سرشار فنا نوش فرمایا۔ نیز باقر علی خاں کے بھی چھاتی سر اور گردن میں ان گنت زخم آئے۔ سپاہیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

امداد غیبی اور مرشد قلی خاں

مرشد قلی خاں نے جب یہ دیکھا کہ قسمت اس کے مخالف ہو گئی ہے تو وہ زخمی داماد کو پالکی میں سوار کر کے بالیسر کی آبادی میں کسی طرح داخل ہو گیا اور وہیں اس نے پناہ لی۔ اس کے ساتھ اب بھی تقریباً تین ہزار سپاہی تھے لیکن وہ ان سے کوئی شجاعانہ کام نہیں لینا چاہتا تھا البتہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ لوگ کہیں اور چلے جائیں چنانچہ اس نے یہ حیلہ تراشا کہ وہ شہر میں محصور ہو کر لڑنا چاہتا ہے اس لئے ان لوگوں کو شہر سے باہر تیار رہنے کا حکم دے کر آگے بڑھنے کو کہا۔ جب یہ سپاہی اس کی نظروں سے دور چلے گئے تو خود لب دریا آ کر ہاتھی سے اترا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں آرام کرنا چاہتا ہے ساحل دریا کے قریب ایک جہاز لنگر انداز تھا جو بس مال و اسباب لاد کر جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا۔ خوش قسمتی کہئے کہ یہ جہاز اس کے ایک پرانے دوست کا تھا جو سورت کا رہنے والا تھا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اس کے اس دوست کے ان گنت جہاز تھے جہازرانی سے اس نے کافی دولت پیدا کر لی تھی جہاز مال و اسباب کے علاوہ اجناس سے بھی لدا ہوا تھا اس دوست کا نام حاجی محسن جو اس کے برے بھلے وقت میں ہمیشہ ساتھ رہا تھا۔ جہاز کے ساتھ ہمیشہ فلس یعنی پنسوی رہا کرتی تھی جو اکثر ساحل دریا میں آنے جانے کے کام آتی تھی جب جہاز کے عملہ نے ساحل دریا پر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ادھر مرشد قلی خاں کا حال معلوم کرنے کے لئے فلس بھیجدی لیکن عملہ کو یہ پتا بھی نہ تھا کہ حاجی محسن بھی جنگ کرتا رہا ہے پنسوی کو دیکھ کر مالک جہاز اور مرشد قلی خاں حیرت میں رہ گئے حاجی محسن نے پنسوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ پنسوی کا اس نازک وقت میں مدد کو آ جانا دراصل ہماری خوش بختی کی علامت ہے مرشد قلی خاں نے کسی پر یہ ظاہر کئے بغیر اور مشورہ کئے بغیر کہ وہ کہاں جا رہا ہے یہ بہانہ بنایا کہ وہ ذرا سیر و تفریح کو جہاز پر جا رہا ہے چنانچہ اس نے اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لی وہ اپنے داماد حاجی محسن اور چند خدام کو ہمراہ لے کر پنسوی پر آ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ جہاز نے فوراً لنگر اٹھایا اور چھ روز کے اندر اندر مچھلی بندر (سوں پٹم) آ گیا۔

راجہ رتی پور کی متعلقین مرشد قلی سے ہمدردی

مچھلی بندر پہنچتے ہی مرشد قلی خاں کو اپنے اہل و عیال، مال و زر اور متعلقین کی فکر ستانے لگی مال و زر بڑی مشکل سے اس نے بڑی مدت میں جمع کئے تھے اور اب ساری چیزیں کٹک میں رہ گئی تھیں اس کا ذہن پراگندہ رہنے لگا بچوں اور بیوی کی فکر الگ کھائے جا رہی تھی

چنانچہ اس نے اپنے داماد باقر علی خاں کو سیکاکول اور گنجام بھیجا جو اڑیسہ کی سرحدوں پر واقع ہیں تاکہ ان کی خبر مل سکے۔ لیکن تقدیر کی کارستانی دیکھئے کہ راجہ رتی پور کو جو مشہور مندر جگنا تھ کا مالک بھی تھا اور جہاں ہندوستان کے تمام علاقوں سے لوگ پرستش کے لئے آتے تھے مرشد قلی خاں کے متعلقین پر نہ جانے کیسے رحم آ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہندو راجہ مرشد قلی خاں کے خاص دوستوں میں سے تھا اور اس کا شمار ان ہمدردوں اور انسان دوستوں میں ہوتا تھا جو کسی کے آڑے وقت میں کام آنا اپنے لئے باعث افتخار و عزت سمجھتے تھے۔

جب اس ہندو راجہ نے مرشد قلی خاں کی شکست کی اطلاع سنی تو معاً اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ علی وردی خاں جلد ہی پورے کٹک کا مالک و مختار بن جائے گا اور ہر چیز اس کے قبضہ میں آجائے گی چنانچہ اس نے فوراً ایک مضبوط دستہ بہت سی گاڑیوں کے ساتھ اپنے دوست کے متعلقین اور مال و زر لانے کے لئے بھیجدیا ساری املاک خان زادہ مرشد قلی کے معتبر سردار شیخ مراد کے ماتحت تھیں جب وہ دستہ عین وقت پر پہنچا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور فوراً ساری املاک مع توابع و لواحق اور اسباب کو سمیٹ کر بیگم اور اسکی لڑکی یعنی زوجہ باقر علی خاں کو ساتھ لیا اور حدود کٹک سے انچھاپور میں جو سیکاکول اور گنجام کے تابع تھا پہنچ گیا اسے بھی خوش بختی سمجھئے کہ اس مقام کا حاکم نورالدین خاں مرشد قلی کا واقف کار نکلا اس نے اس کے متعلقین کو اپنے یہاں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرایا اور ان کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھا چند روز بعد باقر خاں بھی پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر کہ اس کے متعلقین اور مال و زر بحفاظت پہنچ گئے ہیں خدا کا شکر بجالایا۔ کچھ دنوں تک کے لئے وہ خود تو کٹک کی خبریں معلوم کرنے کے لئے وہاں رک گیا لیکن اس نے اپنی بیوی اور ساس کو مال و زر وغیرہ کے ساتھ مرشد قلی خاں کے حضور میں بھیج دیا اس کے بعد وہ خود بھی آ گیا جب سسر اور داماد کو معلوم ہوا کہ وہ نظام الملک آصفجاہ کے ملک میں پناہ گزیں ہیں تو ان کو اطمینان ہوا۔ وہیں اس نے کچھ دنوں تک آرام کرنا چاہا۔ لیکن علی وردی خاں کو آرام طلبی پسند نہ آئی اور وہ فوراً کٹک روانہ ہو گیا۔

سید احمد خاں۔ اڑیسہ کا صوبیدار

علی وردی خاں نے کٹک پہنچ کر تقریباً ایک ماہ قیام کیا اور اس عرصہ میں وہاں کے نظم و نسق کو درست کرنے کی کوشش کی اس ملک کا انتظام درست کرنے میں اس کو ذرا بھی دشواری پیش نہ آئی کیونکہ وہ شجاع الدولہ کے عہد میں یہاں رہ چکا تھا اور ہر زمیندار سے اس کی اچھی

خاصی واقفیت تھی چنانچہ اس نے سارے زمینداروں کو طلب کیا اور ان کی دل جمعی کر کے ان کو رخصت کیا اس کے بعد اس نے اپنے دوسرے داماد سید احمد خاں بہادر صولت جنگ کو وہاں کا صوبہ دار بنایا اس کو اپنی موجودگی میں مسند نشین کیا اور خلعت عطا کیا اس نے سید احمد خاں کی کمان سے ان سرداروں کو جن پر اس کو اعتماد تھا نکال کر گوجر خاں جماعت دار کی کمان میں دے دیا ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اپنے صوبہ دار سے مشورہ کر کے جتنی فوج چاہے مقرر کر سکتا ہے یہ سارے انتظامات کرنے کے بعد وہ اڑلیسہ سے روانہ ہو کر مرشد آباد آیا۔

نفیسہ بیگم

جب اس کو تمام متنازعہ فیہ مسائل سے نجات مل گئی تو وہ حکومت کے مالی وسائل، فوج کی تنظیم اور امرا کو اعزاز و اکرام سے نوازنے کی طرف مائل ہوا مرزا محمد کو اس نے شہامت جنگ کی طرح اپنی نظروں کے سامنے رکھا اور ساتھ ہی اس نے یہ اصول بنا لیا کہ ملک کے تمام مخصوص امرا و احباب و متعلقین دربار میں رہا کریں۔ اس نے اپنے بڑے داماد کو یہ حکم دیا تھا کہ سرفراز خاں کی حقیقی بہن نفیسہ بیگم کو اپنے گھر میں لے آئے چنانچہ نسبت فرزند دے کر اس کو اپنے حرم سرا کا مالک بنایا بالفاظ دیگر اس کو حرم سرا کا مالک و مختار بنا دیا گیا۔ بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ جب کبھی وہ اس کے خانوادہ کا اس کے سامنے حساب کتاب پیش کرتی یا ماں بیٹے میں بات چیت ہوتی تو چہرے سے نقاب نہیں اٹھاتی تھی شہزادی اس کی بیوی یعنی دختر علی وردی خاں کی بھی نگرانی کرتی اور اس کے ہر حکم کو چوں وچرا کئے بغیر مان لیا جاتا۔ مہابت جنگ اور شہامت جنگ جب بھی اس کے پاس آتے تعظیم و تکریم اور ادب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور اس وقت تک وہ اپنی جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے جب تک ان کو بیٹھنے کا اشارہ نہیں کیا جاتا تھا۔

سرفراز خاں کے اوصاف

کہا جاتا ہے کہ جس روز سرفراز خاں جنگ میں مارا گیا اس روز اس کے کسی مدخولہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا نفیسہ بیگم نے اس کو فوراً اپنی فرزندی میں قبول کر لیا۔ شہامت جنگ نوازش محمد خاں نے اپنے لڑکے سے زیادہ اس کی دیکھ بھال کی۔ چونکہ سرفراز خاں کی کوئی بیوی منکوحہ نہ تھی بلکہ ساری کی ساری مدخولہ تھیں اس لئے ان کے بطن سے جتنی اولادیں پیدا ہوئیں سب کی سب باعزت طور پر جہانگیر نگر ڈھاکہ بھیج دی گئیں۔ ان سبھوں کے لئے نوازش محمد نے گذارہ کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔

وظیفہ کی رقم اتنی زیادہ رکھی تاکہ نہ صرف وہ باعزت زندگی گزار سکیں بلکہ محتاجوں کی مدد بھی کر سکیں ۔ سرفراز خاں کے تمام متعلقین کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اس نے خود لی ۔ اس نے سبھوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں خواہ وہ آزادانہ زندگی گزاریں یا اس کی ملازمت کر لیں بلاشبہ نوازش محمد کسی کی تکلیف کا روادار نہ تھا اس کی سخاوتوں کا دریا کبھی نہیں اترا ۔ کیونکہ باخبر حلقوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ مبلغ تیس ہزار روپیہ ماہانہ ضعیفوں، بیواؤں اور خصوصاً ان لوگوں کو خفیہ طور پر نوازش محمد امداد دیا کرتا تھا جن کے نام دیوانی رجسٹر میں درج تھے ۔ ہر ماہ ان لوگوں کے وظیفے ایک تھیلے میں ان کی موجودگی میں رکھے جاتے اور اس کے خانوادے کی بڑی بوڑھی مریاں اور معتبر خواجہ سرا ہر شخص کے پاس لے جاتے ۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ صوبہ ڈھاکہ کا صوبیدار تھا لیکن سلہٹ اور اسلام آباد کی فوجداری بھی اس کے پاس تھی لیکن وہ اور اس کا نائب حسین قلی خاں دربار میں رہتا اس لئے سلہٹ اور اسلام آباد کی دیکھ بھال کے لئے رائے گوکل چند دیوان حسین قلی خاں کو مقرر کیا گیا نیز رنگ پور کی فوجداری قاسم علی خاں جو مہابت جنگ کی بیوی کا برادر زادہ تھا سونپی گئی۔

سیف الدین خاں

بنگال میں جب اتنے اہم واقعات رونما ہو رہے تھے سیف الدین علی خاں نے برادر عمدۃ الملک پورنیہ کا فوجدار تھا اور اس کی یہ فوجداری جعفر خاں کے عہد سے چلی آ رہی تھی ۔ اس نے کچھ روز تک تو علی وردی خاں کو باغی سمجھا اور اس امید میں اس کی تادیب کا چرچا کرتا رہا کہ بادشاہ کی طرف سے اس کی گوشمالی کو ضرور فوج آئے گی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی چیخ و پکار کا ذرا بھی اثر نہیں لیا گیا ۔ چنانچہ اس کو اپنے کئے پر پچھتاوا ہوا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس چیخ و پکار کی وجہ سے یقیناً اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا ۔ اس خیال کے تحت اس نے فوراً اطاعت گزاری کا پیغام دیا علی وردی خاں کی نگاہ میں چونکہ عمدۃ الملک امیر خاں کا بڑا احترام تھا اس لئے اس نے سیف الدین خاں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔

لہ میر جعفر کے ابتدائی دور حکومت میں اس شخص کو پھر طلب کیا گیا تھا کہا جاتا ہے کہ علی وردی کا قریبی قرابت مند ہونے کی وجہ سے جب اسکو موت کے گھاٹ اتارا گیا اس واقعہ سے کچھ قبل زنانخانہ میں اس نے تقریباً ایک کروڑ روپیہ چھپا رکھا تھا جعفر خاں کے لڑکے میرن کو جب اتنی رقم کی اطلاع ملی تو اس نے خود زنانخانہ میں جا کر نہ صرف ساری رقم پر قبضہ کر لیا بلکہ مقتول امیر کی دو ناکتخدا لڑکیوں کی عصمت دری بھی کی۔

ہدایت علی خاں کی زین الدین خاں سے عقیدت

زین الدین احمد خاں بہادر ہیبت جنگ پسر حاجی احمد جس کو عظیم آباد کی صوبیداری ملی تھی بڑا ہی حوصلہ مند، ذی ہوش، لائق و فائق اور اپنے منصب کا مستحق تھا اس کو خلعت کے علاوہ خطاب احترام الدولہ ہیبت جنگ اور منصب ہفت ہزاری و ماہی اور نوبت اور پالکی جھالر دار حضور سے ملی تھی اس کو جب میرے والد ماجد سید ہدایت علی خاں کے بارے میں بہت کچھ پتہ چلا جو اب تک سلطنت کے متعدد اضلاع میں رہ چکے تھے تو اس نے ان کو طلب کیا اور ان پر اعزاز و اکرام کی بارش کر کے صوبہ کی بخشی گری کا عہدہ دے کر فرمایا "چونکہ حق تعالےٰ نے یہ ملک و دولت تمہارے اس بھائی کو یعنی مجھے عطا فرمائی ہے۔ ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم باہم دگر ہو کر فوج کی تنظیم اور ملک کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دیں اور سارا انتظام اس خوش اسلوبی سے کریں کہ حاسدوں کو رشک ہو اور دوست احباب اور بہی خواہ واہ واہ کرنے لگیں"۔ اس کے بعد اس نے محبت اور شفقت کے اور بھی الفاظ ادا کئے اور میرے والد ماجد کو اعزاز و اکرام سے اس طرح نوازا تاکہ دونوں کا رشتہ اتحاد کبھی ٹوٹ نہ سکے۔

زین الدین احمد خاں ہمیشہ اچھی صلاحیت والوں کی تلاش میں رہتا تھا چنانچہ اس نے رائے چنتامن داس کو جو مہابت جنگ علی وردی خاں کا قدیم دیوان تھا اپنے سسر سے لے کر اپنے سرکار کا دیوان مقرر کیا۔ اگرچہ وہ عالم شباب میں تھا لیکن تھا بہت ہی حوصلہ مند جری اور دلیر وہ تہذیب و اخلاق اور آداب محفل سے اچھی طرح واقف تھا ملک کا کام خوش اسلوبی سے بلا ناغہ انجام دیتا۔ غرض کہ اس نے اپنے انہی نیک اطوار سے لوگوں کے دل جیت لئے جب اس کا چچا بنگال کی تسخیر کو عظیم آباد سے نکلا تھا تو اس کی محبت اور اس کے حسن سلوک سے مجبور ہو کر صوبہ کے بہتیرے زمیندار مثلاً راجہ سندر رنگھو، برہمن زمیندار ضلع مگھ اور زمینداران پرگنہ ترہٹ سمائے جو نو مسلم تھے شامل ہو گئے تھے جب یہ لوگ فتحیاب ہو کر ہاتھی گھوڑے، خلعت فاخرہ اور تحائف سے مالا مال ہو گئے اور اپنے وطن لوٹے تو ان کو ہیبت جنگ کی ملازمت ملی۔ لیکن یہاں بھی ان کے ساتھ وہی حسن سلوک کیا گیا اور اسی طرح ان کی آؤ بھگت کی گئی۔ بات یہ ہے کہ تہذیب و اخلاق اور آداب کی سادی خوبیاں اس خانوادے کو ورثے میں ملی تھیں اگرچہ چشم زدن میں دونوں چچا بھتیجے بلند مرتبے

کو پہنچ گئے تھے لیکن انکی طبیعتیں کبھی ان خوبیوں سے الگ نہیں ہوئیں اس لحاظ سے ان کا کوئی بھی حاکم یا امیر ہم عصر ان کے مقابلہ میں پورے نہیں اترتے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر ایک کی ذہانت واہلیت کی داد دیتے تھے اور سبھوں کو فرداً فرداً یاد رکھتے تھے۔ نہ مجھے یاد ہے اور نہ دیکھا اور نہ سنا ہے کہ میری حیات میں ان جیسی کوئی اور بھی شخصیت تھی، نہ مجھ سے پہلے بھی کسی نے ایسی شخصیت کا ذکر کیا ہو جو ان سے سبقت لے جائے۔

خانوادہ علی وردی خاں کے اوصاف

زین الدین احمد خاں خصوصاً سبھوں پر شفقت فرمانا اپنا اولین فرض سمجھتا تھا اس کی والدہ اور میری والدہ چونکہ ایک ہی ماموں کی لڑکیاں تھیں اور صغر سنی میں میری والدہ نے اس کو دودھ بھی پلایا تھا اس لئے وہ اس بات کو کبھی نہ بھولا اور یہی وجہ تھی کہ وہ مجھ پر نگاہ کرم اس حد تک رکھتا تھا۔ اس نے مجھ پر ایسی شفقت روا رکھی کہ کیا کوئی برادر حقیقی ایسا کرے گا۔ ایسے عالم میں جبکہ اس کا طوطی بول رہا تھا اور لعل و گوہر اس کے سامنے کچھ نہ تھے اس نے مجھ ناچیز کے خاندان کا خاص خیال رکھا اور داد و دہش میں اس نے ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ وہ ہر عزیز پر اس کے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق کرم کرتا اور اسی طرح پیش آتا۔ میرے والد، ان کے دونوں بھائی، ناچیز خود اور میرے خاندان کے دیگر افراد ہمیشہ اس کے زیر عاطفت رہے اگر میں یا کوئی اور مورخ علی وردی خاں کی خدا داد صفات یا اس کے تینوں بھتیجوں کے حالات قلمبند کرنے بیٹھیں تو نہ صرف ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی بلکہ قارئین کو شک ہوگا کہ یقیناً ان سے ہمارا مفاد وابستہ ہے لہٰذا میں خاص خاص واقعات ہی کو تحریر میں لاؤں گا اور باقی چیزیں خود قارئین کی عقل و بصیرت و ذہانت پر چھوڑے دیتا ہوں۔

فاتح اڑیسہ مہابت جنگ علی وردی خاں جب اپنے دارالخلافہ مرشد آباد پہنچا تو اس کے بھتیجے صولت جنگ نے جس کو اس نے اڑیسہ کا صوبیدار بنایا تھا عجیب و غریب روش اختیار کی اس نے سپاہ کی تنخواہ میں تخفیف کا حکم دیا اور وہ غریب الدیار رفیق قدیم جو مرشد آباد سے یہاں آئے تھے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ اس کی پوزیشن مستحکم اور محفوظ ہو جائے لیکن ان لوگوں کو اس کا یہ عمل سراسر ناپسند ہوا جو اس امید میں اپنے دوست احباب، اعزہ و اقارب اور گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے

تھے کہ ان کو کچھ فائدہ پہنچے گا کیونکہ وہ اس خاندان کے قدیم نمک خوار اور خیر خواہ تھے۔ شہر کٹک وغیرہ کے لوگ جو صوبہ اڑیسہ کے باشندے تھے گھر کی ملازمت سمجھ کر جبقدر ملا اسی میں راضی ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس صوبہ کے بہت سارے لوگ ملازم ہو گئے اور اس کے چچا کے ہمراہ جوش عقیدت اور محبت میں جو لوگ یہاں آئے تھے ان میں سے بیشتر نے ملازمت چھوڑ دی۔

شاہ یحییٰ کا کردار

اس غلطی کے بعد صولت جنگ سے دوسری غلطی بھی سرزد ہوئی۔ بہت سے سردار اور کماندار جو علی وردی خاں کے عہد میں آئے تھے اب صولت جنگ کے ملازم ہوئے لیکن وہ رہتے کٹک ہی میں تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے قدیم آقا مرزا باقر سے اظہار عقیدت شروع کر دیا۔ اس زمانے میں شاہ یحییٰ نامی ایک درویش جو صولت جنگ کے ساتھ دہلی میں پڑھ چکا تھا آیا اور اس نے صولت جنگ سے خوب دوستی گانٹھ لی۔ یہ شخص عرصہ تک دکن میں آوارہ پھرتا رہنے کے بعد اب کٹک آکر صولت جنگ کا یار غار اور ہمراز بن گیا تھا یہ شخص تھا طبعاً بد اطوار اور بدسرشت اور صولت جنگ پر چونکہ جوانی کا نشہ غالب تھا اور جو نوجوانوں کی محفلوں میں داد عیش لیتا تھا اس لئے اس نے اس کے ذہن میں یہ زہر پھیلا دیا کہ مالداروں اور اہل ثروت کو ضرر پہنچانا چاہیئے ان کے گھروں میں سپاہی بھیج دیتے جو ان کی حسین وجمیل عورتوں کو زبردستی لے آتے اور ان سے اس بات کا اقرار کراتے کہ ان کے گھروں میں کتنی دولت ہے۔ ہر اہل زر خوفزدہ رہنے لگا اور ہر حسین عورت ڈرنے لگی۔ جو عورت بھی خوبصورت نظر آتی یا اس کے خدوخال پرکشش ہوتی یا اس کی جلد ہی سفید اور چکنی ہوتی اس کو فوراً کسی نہ کسی حیلے سے طلب کیا جاتا۔ نام نہاد درویش کو خوبصورت عورتوں کو پھانسنے میں ملکہ حاصل تھا اپنے اس فن سے وہ صولت جنگ کا اتنا ہمراز و دمساز بن گیا کہ اس کے احکامات کی خلاف ورزی ہو ہی نہیں سکتی تھی اس کا مکان پنچایت کا اڈہ بن گیا جہاں ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا مظلوموں اور ستم رسیدوں کی آہیں ہفت افلاک تک پہنچ جاتیں۔ حالات اس حد تک خراب ہو گئے کہ زمیندار اور بردقار لوگ جن کا سابق حکمران کے شعبۂ مالیات وانتظام سے تعلق تھا اور جن کے واجبات کو معاف کر دیا گیا تھا اب ان کو حساب کتاب چکانے کا حکم دیا گیا جبر و تشدد نے موجودہ حکمران کے خلاف غم و نفرت اور غصہ کی فضا پیدا کر دی سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس ظلم و ستم اور جبر و اختیار سے جان بچانے کے لئے شہر کے تمام لوگ متحد ہو گئے ان کے اتحاد کی بنیاد اتنی مستحکم تھی کہ سب ایک زبان ہو گئے ایک دل، ایک جان اور ایک طاقت بن گئے خدام قدیم میں سے چند ہی ایسے ہوں گے جو نئے حکمران کے ساتھ تھے حتیٰ کہ گوہر خاں کی فوج بھی گھٹتے گھٹتے تین سو نفر تک رہ گئی اس کے نئے خدام سے سلطنت کے سارے شعبے پر کئے گئے تھے اور جو چند برقنداز اور سپاہی نظر آتے تھے ان میں سے بھی اکثر مرشد قلی خاں باقر علی خاں اور ان کے ہم نشینوں کا گیت گاتے تھے لہٰذا سازشیوں کو انتقام لینے کی فضا سازگار نظر آئی خصوصاً اس لئے کہ نوجوان حکمران جو ایک سال تک خوب عیاشی کرتا رہا تھا ئی صورت حال سے قطعاً ناواقف تھا۔ ناگاہ فلک شعبدہ باز نیرنگ ساز نے وہ حشر برپا کیا کہ الامان، والحفیظ۔ بہرحال اس کا ذکر ہم تفصیل سے کر رہے ہیں۔

مرزا باقر کی سرگرمیاں

مرزا باقر دکن میں پناہ گزیں ضرور تھا لیکن اندر ہی اندر اس کے دل میں آتش فشاں دہک رہا تھا۔ وہ اپنے سسر مرشد قلی خاں کو ہمیشہ کچھ کرنے پر ابھارتا رہا۔ اس نے سسر سے کہا کہ صوبہ اڑیسہ صولت جنگ سے چھین لیا جائے اور سرفراز خاں کے قتل کا انتقام لیا جائے لیکن مرشد قلی خان اپنے تجربوں اور زمانے کا رنگ دیکھ کر ان منصوبوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنے داماد کے خیالات کی تائید نہ کی مرزا باقر کو جب ادھر سے مایوسی ہوئی تو اس نے کہیں اور قسمت آزمانے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے جنوبی علاقوں کے تمام قسم کے لوگوں سے رابطہ پیدا کرنا شروع کیا اس کے علاوہ اس نے شہر کٹک کے لوگوں سے بھی رابطہ پیدا کرنا شروع کیا اور خط و کتابت شروع کر دی۔ کٹک سے ملحق اس کی زمینداریاں اور فوجداریاں تھیں اس لئے وہ وہیں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے حکام، زمینداروں اور مہاجنوں سے اس حد تک رابطہ بڑھایا کہ اس کو ہر بات کی اطلاع آسانی سے ملنے لگی جب اس نے دیکھا کہ صولت جنگ کے ساتھ قدیم رفقاء بہت کم رہ گئے ہیں اور جو ہیں بھی وہ مرشد قلی خاں کے پرانے ملازمین ہیں اور یا خود اس کے بھی ہیں اس نے ان لوگوں سے خفیہ طور پر سلسلۂ جنبانی شروع کر دیا ان سے وہ بلا ناغہ خط و کتابت کرنے لگا اس کو بہت جلد پتہ لگ گیا کہ اس حکومت سے لوگ کس حد تک خوش ہیں۔ ان تمام معاملات کے نشیب و فراز سے جب وہ بخوبی واقف ہو گیا تو سبھوں کو طمع و لالچ دلا کر اپنی حمایت میں لے لیا اور ایک دن ان لوگوں سے کہا کہ مدعا اسوقت

تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک گوجر خاں اور اس کی فوج پر حملہ کرنے کا طریقہ معلوم نہیں کیا جاتا یہ اشارہ کام کر گیا چنانچہ ایک دن سچ مچ سبھوں نے بلوہ کر دیا لوگ ہر جگہ جمع ہو کر ظلم و تعدی اور جبر و تشدد کے خلاف نعرے بلند کرنے لگے۔ جب بلوہ خطرناک صورت اختیار کر گیا اور صولت جنگ خواب نوشیں سے بیدار ہوا تو اس نے گوجر خاں کو آتش فساد بجھانے کا حکم دیا اس نے کہا کہ اگر ممکن ہو سکے تو بلوائیوں کو شیریں کلامی سے سمجھایا بجھایا جائے لیکن بلوہ بڑھتا ہی گیا۔ نعرے ہر سڑک میں لگائے جانے لگے اور فساد کی آگ ایسی بھڑکی کہ انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ فساد پر قابو پانا اب کسی کے بس کی بات نہ تھی جبر و تشدد کے خلاف عام طور پر اور ہر جگہ نفرت کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ بلوائی اپنے قدیم آقا میرزا باقر کے پاس جانا چاہتے تھے۔ سازشیوں میں شیخ مراد کی طرح کسی نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا۔ یہ وہی مراد ہے جس نے مرشد قلی خاں کے خاندان کو انتہائی نازک حالت میں تباہ ہونے سے بچایا تھا اس نے اتنے نمایاں کام انجام دیئے کہ پورے صوبہ میں اس کا چرچا تھا اور وہ ایک ہی جماعت کا قائد تھا جس کو نئی حکومت سے شدید نفرت تھی مختصر یہ کہ خدا بھی اس انقلاب کے حق میں نظر آیا۔

گوجر خاں کا قتل

دوسرے روز حسب معمول گوجر خاں جب صولت جنگ کے دربار کی طرف جا رہا تھا کہ بلوائی اس پر حملہ آور ہو گئے اور سر بازار اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے چند ثانیہ کے اندر اندر پورے شہر میں باقر علی خاں کی آمد کی افواہ پھیل گئی اس عرصہ میں بلوہ عام ہو گیا تھا اتنے میں باقر علی خاں کو بلانے کے لیئے ایک مناسب آدمی کو بھیجا گیا۔ یہ شخص چونکہ اس دن کا منتظر ہی تھا فوراً اڑیسہ کے دارالسلطنت کٹک میں آگیا۔ وہیں سے اس نے شہر والوں اور دیگر مخلصوں کو حکم دیا کہ چونکہ قلعہ کے پھاٹک پرانے سپاہیوں کے قبضہ میں ہیں اس لیئے وہ ایسی کوئی ترکیب کریں کہ سپاہی خوفزدہ ہو کر کنجیاں ان کے حوالے کر دیں یا پھر ان کو کسی نہ کسی طرح اپنی جماعت میں شامل کر دیں کیونکہ اس طرح صولت جنگ سید احمد خاں کو گرفتار کرنے میں کامیابی ہو سکتی ہے شہر والوں نے فوراً جو صولت جنگ کے ملازمین اور باقر علی خاں کے دوست تھے قدیم نوکروں کو جو ان کی حراست میں تھے پیغام دیا کہ اگر وہ دروازے کھول دیں تو ان کو بخش دیا جائیگا ورنہ بصورت دیگر ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں بیچارے جن کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور جو دھمکیوں سے خائف ہوتے تھے اپنے مالک کے

دعلدوں کی پرواہ کئے بغیر دروازے کھول دیئے اور خود بھی مفسدوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ میر باقر جو قریب ہی تھا فوراً شہر میں داخل ہو گیا اور محل میں جاکر صولت جنگ سید احمد خاں کو قید کرکے حراست میں لے لیا۔

سیّد احمد کی گرفتاری

صولت جنگ کو گرفتار کرنے کے بعد میرزا باقر مسند نشین ہوا۔ شہر کے ممتاز لوگ اس کی تعظیم و تکریم کو آئے حکم دیا کہ قیدی کو اس کے حرم سرا کے نزدیک ہی رکھا جائے اس کے بعد اس نے مال وزر پر قبضہ کر لیا ساتھ ہی اس نے صولت جنگ کے اہل وعیال کو بارہ باٹی میں نظربند کرنے کا حکم دیا۔

اس انقلاب کے رونما ہونے سے کچھ روز قبل صولت جنگ نے میرزا باقر کی دست درازی اور گوجر خاں کی رحلت کی اطلاع مہابت جنگ علی وردی خاں کو دی تھی اور اس نے یہ اطلاع پاتے ہی شہر سے نکل کر باہر خیمہ کیا تھا اس کا ارادہ تھا کہ وہیں سے تھوڑی بہت فوج کو لے کر جو اس کے پاس تھی صولت جنگ کی مدد کو روانہ ہو گا کہ یکایک اس کے قید ہو جانے کی افواہ پھیل گئی۔ جاسوسوں نے اس افواہ کی جب تصدیق کردی تو اس نے ادھر کا رخ ملتوی کر دیا۔ اس کے ذہن میں شکوک ابھرے کہ اتنا عظیم انقلاب نظام الملک کی خفیہ مدد اور پشت پناہی کے بغیر کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ یقیناً اس سازش میں وہ بھی شریک ہے وہ اس کی تحقیق میں مصروف ہو گیا کیونکہ اس کے بغیر وہ حتمی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اپنے شکوک کو دور کرنے کے لئے اس نے مجلس شوریٰ طلب کی جس میں وزیروں کے علاوہ اس کے قریبی اعزہ بھی شامل تھے نیز صولت جنگ کی والدہ بھی تھی جس کو مہابت جنگ اپنی ماں کے برابر جانتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے اور تینوں بیٹوں میں صولت جنگ اس کو سب سے زیادہ عزیز تھا وہ اتنا عزیز تھا کہ اس کے خیال میں ہمہ وقت غرق رہتی تھی۔ شہزادی یعنی صولت جنگ کی ماں نے مہابت جنگ علی وردی خاں کو مشورہ دیا کہ صوبہ اڑیسہ باقر علی خاں کو دے کر اس کے عوض میں اس کے بیٹے اور اس کے اہل خاندان کو رہا کرا دے۔ حاجی احمد نے بھی اتفاق کیا۔ لیکن علی وردی ان کا ہم خیال نہ تھا کیونکہ اس بات کو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میرزا باقر کے سامنے جھک جانا نہ صرف اس کے وقار کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے بلکہ اس کی حکومت کی بنیادیں بھی ہل سکتی ہیں مصطفےٰ خاں نے بھی جو اس کا دولت خواہ اور آزمودہ سردار تھا مشورہ دیا کہ طاقت کا جواب طاقت

سے دینا چاہیئے - علی وردی خاں نے بھی چند روز اس پر سوچ بچار کرنے کے بعد صلح پر جنگ کو ترجیح دی چنانچہ اس نے احکام جنگ صادر کر دیئے -

علی وردی خاں کا وعدہ

چونکہ یہ خیال تھا کہ باقر علی خاں کی پشت پر نظام الملک کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور یہ کہ صلابت جنگ کی رہائی بہت ہی مشکل امر ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ فوج اور سامان جنگ اور غذا جمع کرنے کی طرف کوشش کی گئی - مہابت جنگ علی وردی خاں نے اپنے قدیم سرداران لشکر کو حکم دیا کہ جو سپاہی قریب ہیں ان کو جمع کرو اور ان کا انتظار نہ کرو جو ملازمت کے لئے آنے والے ہوں یا آ رہے ہوں غرض کہ اس نے مصطفےٰ خاں کو پانچ ہزار سوار دیئے، شمشیر خاں کو تین ہزار، سردار خاں کو دو ہزار، عمر خاں کو تین ہزار، عطاء اللہ خاں کو دو ہزار، حیدر قلی خاں، فقیر اللہ بیگ خاں اور میر جعفر خاں کو ایک ایک ہزار، میر مشرف الدین اور شاہ محمد معصوم کو پانچ پانچ سو، امانت خاں وغیرہ نارنولیا کو ڈیڑھ ہزار، میر کاظم خاں کو ڈھائی سو اور بہادر علی خاں داروغہ توپ خانہ کو پانچ سو سوار کے تقرر کا حکم دیا - فتح راؤ بخشی اور چندن وغیرہ کو پانچہزار برقنداز مہیا کرنے کا فرمان جاری کیا یہ سب کچھ ہو گیا تو علی وردی خاں نے اپنے بھائی حاجی احمد اور صولت جنگ کی ماں سے رخصت لی - رخصت ہوتے وقت اس کا چہرہ اداس ہو رہا تھا چنانچہ جدا ہوتے وقت اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے گئے - " اس مہم سے میں زندہ و سلامت بچ کر آ گیا تو میں اپنے ساتھ صولت جنگ کو لیتا آؤں گا ورنہ بصورت دیگر اپنی شکل کسی کو نہیں دکھاؤں گا" جاتے وقت نوازش محمد خاں کو پانچ ہزار سوار اور تقریباً دس ہزار پیادے دیئے اور کہا کہ میری غیر موجودگی میں حکومت کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا - یہ کہہ کر مبارک گھڑی میں وہ بیس ہزار سوار کے ساتھ رخصت ہو گیا - وہ آہستہ آہستہ توپ و توپ خانہ کے ساتھ پیش قدمی کرتا گیا یہاں تک کہ سرحد کے قریب آ کر وہ رک گیا اور اپنے ہمراہیوں سے وعدہ کیا کہ جو بھی پہلا شخص صولت جنگ کو رہا کرا کر لائے گا اس کو بطور انعام ایک لاکھ روپیہ دوں گا اگر یہ کام کسی رسالدار نے انجام دیا تو موعودہ رقم کے علاوہ اس کے ہر سپاہی کو دو ماہ کی تنخواہ دی جائے گی -

علی وردی خاں کے قتل کا منصوبہ

میرزا باقر علی خاں، مہابت جنگ علی وردی خاں کی فوج کثیر سے واقف ہو گیا تھا -

اس کو گھبراہٹ ہوئی اور وہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کیا جائے۔ چونکہ وہ آگ میں قدم رکھ چکا تھا اس لئے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا لہٰذا اس کے پاس جتنی فوج تھی اسے لے کر وہ دریائے مہاندا کے کنارے مورچہ اور توپ خانہ لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت دریا کی طرف تھی اور سامنے توپچی اور توپ خانے تھے۔ وہ اپنا خیمہ اور ساز و سامان معہ قیدی کے تین کوس پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ صولت جنگ یعنی قیدی کو ایک رتھ میں جس کے غلاف پر سفید چاندنی اور سفید ڈوریوں سے جال سا بن دیا گیا تھا مع دو مغل تورانی کے حکم دیا کہ جس وقت مہابت جنگ کے آدمی قریب آئیں تم خنجر سے ان کا کام تمام کر دو رتھ کے ارد گرد پانچ سو سوار و پیادہ دکھنی کو تعینات کیا اور کہا کہ جب مہابت جنگ کی فوج ادھر آئے تو تم لوگ دوڑ کر ایک ایک نیزہ اس رتھ پر مارنا اور اپنی سلامتی اور حفاظت کے لئے جس کے جی میں جو آئے کرنا۔

علی وردی خاں کو ساری تفصیلات معلوم ہوئیں تو اس نے اپنے چند معتبر سرداروں اور افواج کو منظم کر کے یہ حکم دیا کہ جونہی دشمن کی صفوں میں انتشار کی کیفیت نمایاں ہو وہ فوراً دوسری راہ سے اس جگہ جہاں صولت جنگ قید ہے برق رفتاری سے حملہ آور ہو کیونکہ اس طرح اس کو قید سے چھڑایا جا سکتا ہے یہ کہہ کر وہ خود آدھی رات کو روانہ ہوا اور صبح ہوتے ہوتے دریائے مہاندہ کے پاس یعنی دشمن کے قریب پہنچ گیا یہ دیکھ کر دشمن کی فوج گھبرا گئی ان کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ علی وردی خاں کی طرف سے دو تین بان اور توپیں سر ہوئی تھیں کہ دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور ہر سپاہی کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے مہابت جنگ علی وردی خاں کی فوج یہ دیکھ کر دریا کے اوپر سے گزر گئی اور باقر علی خان کی لشکر پر چڑھ دوڑی۔

سید احمد کی رہائی

علی وردی خاں کی فوج کی ہمت و جواں مردی دیکھ کر باقر علی خاں کے سپاہیوں نے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں بہتری سمجھی۔ اسی اثنا میں مصطفےٰ خاں اور میر جعفر خاں جو صولت جنگ کی رہائی پر متقرر تھے دشمن کی پچھلی صف تک پہنچ گئے اور منزل سے یعنی جہاں صولت جنگ قید تھا۔ صرف نصف ساعت کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔ محمد امین خاں برادر علی وردی خاں جو میر محمد جعفر خاں کی بیوی کا حقیقی بھائی تھا، مع اصالت خاں اور دلیر خاں ولد عمر خاں وغیرہ ساتھیوں کے جو دس نفر سے زیادہ نہ تھے سب سے پہلے رتھ کی تلاش میں دشمن کے خیمے تک پہنچ گئے۔ وہ رتھ کی تلاش میں

میں سر گرداں تھے کہ ایک نوجوان نے جو قیدی کے ملازم کا لڑکا تھا بتلا دیا کہ رتھ کہاں ہے یہ سنتے ہی سب کے سب اسی سمت کو چل پڑے۔ اتنے میں پانچ سو مرہٹہ سپاہیوں نے رتھ کے قریب آکر اپنے اپنے نیزے مارے اور برق رفتار گھوڑوں پر بھاگ گئے ان ان گنت نیزوں سے ایک مغل جو صولت جنگ کے قتل پر مامور تھا ہلاک ہوگیا اور دوسرا مغل زخمی ہوا زخمی مغل نے جب نیزوں کی بارش دیکھی تو وہ زمین پر لیٹ گیا اور اپنے ساتھی کی نعش کو اٹھا کر اپنے جسم پر اس طرح رکھدیا تاکہ کوئی نیزہ اس کو نہ لگ سکے صولت جنگ بھی خوش قسمتی سے اسی طرح لیٹ گیا تاکہ وہ بھی نیزوں کی بارش سے محفوظ رہے اس نازک اور سنگین لمحے میں وہ بارہ جانباز سپاہی آگئے اور جب پردہ اٹھایا تو صولت جنگ، اصالت جنگ اور محمد امین خاں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا محمد امین خاں فوراً گھوڑے سے کود پڑا اور صولت جنگ کو ہاتھ سے اشارہ کرکے گھوڑے پر فوراً سوار ہونے کے لئے کہا یہ دونوں رتھ کی طرف پشت کئے باتیں کر ہی رہے تھے کہ زخمی مغل رتھ سے کود پڑا اور بڑی ہوشیاری سے گھوڑے پر سوار ہوکر اس برق رفتاری سے بھاگا اور مرہٹوں سے جا ملاکہ بارہ سوار حیران رہ گئے لیکن ان کی یہ حیرت ایک قہقہہ میں بدل گئی انھوں نے البتہ اس کی حاضر دماغی پر تحسین و آفرین کی بالآخر دلیر خاں نے اپنے گھوڑے پر سوار کر دیا۔ مہابت جنگ علی وردی خاں کی فوج متواتر بڑھی چلی آرہی تھی میر محمد جعفر خاں چند ہمراہی کے ساتھ ہاتھی پر آپہنچا محمد امین خاں اور دلیر خان نے آگے بڑھ کر صولت جنگ کی رہائی کی خوش خبری سنائی۔ میر جعفر نے فوراً اس کو پہچان لیا اپنے ہاتھی سے اترا اس کو آگے بٹھا کر خود اس کی حفاظت کے لئے پیچھے بیٹھ گیا۔ قسمت کی کارستانی دیکھئے کہ وہ جوان جو بہت پہلے موت کے جنگل میں جا چکا تھا اب ہاتھی پر سوار کتنے تزک و احتشام اور تجمل کے ساتھ جا رہا تھا۔ جن لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع ملتی اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑتے اور اس کو پہچان کر سجدہ ریز ہو جاتے اور اظہار حیرت و عقیدت کی خاطر اپنے انگوٹھے چومتے لے

فسبحانک اللّٰھُمَّ مالک الملکِ توتی الملک من تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء وبیدک الخیر انک علی کل شئٍ قدیر ٥

دائے پروردگار کہ تو تمام عیوب سے منزہ ہے اور ہر شے پر تجھے فوقیت مطلق حاصل ہے۔ تجھے ہر قسم کا اقتدار، تحکم اور تسلط حاصل ہے۔ تو اپنی منشا کے

مطابق جسے چاہتا ہے غلبہ بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے معزور ہونے کے بعد) نگوں سار اور ذلیل و خوار کر دیتا ہے کوئی کام تیرے لئے ممکن نہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے)

نماز شکرانہ

آن کی آن میں چند برق رفتار گھوڑ سواروں کو صولت جنگ کی رہائی کی نوید لے کر مہابت جنگ علی وردی خاں کے پاس روانہ کیا گیا ابھی یہ گھوڑا سوار خوش خبری لے کر پہنچے ہی تھے کہ صولت جنگ چند لمحوں بعد بہ نفس نفیس اپنے چچا کے سامنے گھوڑے سے اترا اور سربسجود ہو گیا - علی وردی خاں اس کو دیکھتے ہی اپنی چھاتی کے قریب لے آیا اور اس سے بغل گیر ہوا - لیکن وہ خاموش رہا - بہت دیر تک اس کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور جب اس کے دل کو تشفی ہوئی تو اس نے اسی جگہ خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا - نوجی نوبت بجنے لگی - شہزادے کو غسل کروایا اور تبدیل پوشاک کروائی جب وہ حمام سے باہر آیا ، علی وردی خاں کھڑا ہو گیا اور اس نے شہزادے کو خلعت پہنایا اس کے بعد سرپیچ ، جغہ ، کلغی ، مروارید کی مالا وغیرہ سے مزین کر کے اس کو مسند آرا کیا سرداران فوج کو نذر دینے کے لئے حکم دیا - تعمیل حکم ہوئی اس رسم کی ادائیگی سے بہت سے روپے پیسے جمع ہو گئے تھے جو مستحقین میں تقسیم کر دیئے گئے ان حاجت مندوں کے جانے کے بعد حاضرین کے واسطے قالین بچھائی گئی سبھوں نے ان قالینوں پر کھڑے ہو کر نماز شکرانہ ادا کی -

ہجر و فراق کے ماروں کا ملاپ

اس کے بعد صولت جنگ کی بیوی اور بچوں کو لانے کے لئے مضبوط دستے کی نگرانی میں متعدد گاڑیاں قلعہ بارہ باٹی بھیجی گئیں اس قلعہ میں میرزا باقر کے جو محافظ تھے وہ دو حصّوں میں بٹ گئے تھے وہ محافظ جنھوں نے قیدیوں کے ساتھ برا سلوک کیا تھا ان کی توہین کی تھی وہ اس خوف سے قلعہ کے دروازہ کھولنے کے حق میں نہیں تھے کہ یقیناً ان سے انتقام لیا جائے گا لیکن وہ محافظ جنھوں نے ان پر رحم کھا کر ان کی خدمت کی تھی وہ اس امید میں دروازے کھولنے کے حق میں تھے کہ ان کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا موخر الذکر حصہ کے لوگ آخر کار کامیاب ہو گئے - دروازے کھول دیئے گئے اور ان قیدیوں کو ان کے حوالے کر دیا گیا تمام افراد کو گاڑیوں میں بٹھا کر جو پردے سے ڈھکی ہوئی تھیں

لشکر میں پہنچایا اور خیمہ میں اتارا جو صولت جنگ اور حرم سرا کے واسطے نصب کیا گیا تھا۔ اور یہاں وہ مجروح دل ملے جو جنگل جنگل ہجر و فراق میں مارے مارے پھر رہے تھے اور جدائی کے ریگ زاروں میں سسکیاں بھر رہے تھے چند روز کے بعد مہابت جنگ علی وردی خاں نے صولت جنگ کو ضروری اسباب مثلاً ہاتھی گھوڑے، توشک خانہ، جواہرات اور اسلحہ اور دیگر اشیاء دے کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ مرشد آباد روانہ کیا جہاں پہنچ کر وہ اپنے والدین کے شکستہ دلوں کو مسرتوں سے معمور کر گیا اور خصوصاً اپنی نیم جاں ماں کو اس کی جدائی کے غم میں جو دن کی روشنی سے محروم ہوگئی تھی عالم جانکنی سے نجات دلائے گا۔ لیکن بدبخت شہزادی کو یہ یقین نہ آئے گا کہ قسمت برگشتہ نے اس کی فریاد سن لی ہے اور اس کا لال اپنے زرافشاں چہرہ کے ساتھ اس کی خوشیوں اور مسرتوں کا چراغ روشن کرنے آیا ہے اور اس کی آمد سے سچ مچ جیسے اس کا کلبۂ تاریک جگمگا اٹھا ہے۔

جب صولت جنگ مرشد آباد روانہ ہوا۔ مہابت جنگ علی وردی خاں نے اپنا بہت سا ساز و سامان اور فوج کا ایک حصہ اس کے ساتھ کر دیا اور خود پانچ ہزار سوار اور چند سرداران جاں نثار پر قناعت کرلی۔ اب وہ اپنے ملک کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سب سے پہلے مالی حالت کو درست کرنا چاہتا تھا اس کام سے نمٹ لینے کے بعد اس نے حاجی احمد کے داماد مخلص علی خاں کو صولت جنگ کی نیابت پر مقرر کیا۔ اس کو فوج کا ایک دستہ دیا۔ لیکن چند روز کے بعد یکایک اس کا خیال بدل گیا اور اب اس نے ایک افغان سردار مصطفےٰ خاں کی سفارش پر جس کی رائے کا وہ بے حد احترام کرتا تھا صوبہ مذکور کی نیابت پر شیخ محمد معصوم پانی پتی کو مقرر کیا اور اس کا دیرینہ رفیق اور اپنی شجاعت و تہوری میں مشہور و معروف تھا کچھ دن تک شیخ محمد معصوم کو اس نے اپنے ساتھ سفر میں رکھا اس عرصہ میں اس کو نہ صرف بہت ساری ہدایات دیں بلکہ اس کو خلعت فاخرہ سے بھی نوازا کل معاملات سے باخبر کرنے کے بعد اس کو کسی قدر سوار و پیادہ دیا اور صوبہ اڑیسہ روانہ کر دیا۔ شیخ مذکور کو عزت و احترام سے رخصت کرنے کے بعد خود اس نے اپنا سفر جاری رکھا اور ہر روز منزل کی جانب بڑھتا گیا اس کے ہمراہ مرزا محمد یعنی سراج الدولہ کے علاوہ اس کی بیگم بھی تھی مسافت طے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ شکار بھی کھیلتا گیا کیونکہ اس کو اس کھیل سے خاصی دلچسپی تھی۔

چنتامن داس

جن دنوں مہابت جنگ علی وردی خاں اڑیسہ کو فتح کرنے اور اپنے برادر زادے کو قید سے رہا کرانے کی کوشش میں معروف تھا ان ہی دنوں اس کا دوسرا برادر زادہ یعنی زین الدین احمد خاں بہادر ہیبت جنگ صوبہ دار عظیم آباد نے بھوجپور (صوبہ شاہ آباد)

کے ان مفسدوں کے خلاف مہم کا آغاز کیا جو خود کو خودسر اور آزاد سمجھ کر ہر قسم کے فتنہ و فساد میں مصروف تھے۔ فسادات کو ہوا دینے میں دو سرکش زمیندار، راجہ گورت سنگھ اور بابو داونت سنگھ پیش پیش تھے۔ زین الدین نے ان دونوں کو عبرت ناک سزائیں دینے کا عزم جزم کر لیا تھا چونکہ میرے معزز و محترم اور بہادر و جوانمرد والد کی اس صوبہ میں بہت ساری املاک تھیں اور وہ اپنے عمل صالح اور کردار کے لحاظ سے عالی مرتبت سمجھے جاتے تھے اور جنھوں نے اس صوبہ میں نمایاں فتح حاصل کی تھی۔ ان کے بارے میں عام خیال یہ پایا جاتا تھا کہ وہ اس مہم میں کارہائے نمایاں انجام دیں گے لیکن ان اوصاف کی وجہ سے میرے والد چنتامن داس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے چنتامن داس دیوان صوبہ اور ہیبت جنگ کا قدیمی معتمد تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرے والد عہدۂ بخشی گری کی وجہ سے ہیبت جنگ اور اس کی پوری فوج پر حد سے زیادہ اثرانداز ہو چکے ہیں تو اس کو اپنا وقار خطرہ میں نظر آیا اس کو میرے والد ماجد کی اتنی ساری خوبیوں پر نہ صرف رشک ہونے لگا بلکہ اس نے ان کے وقار، ان کی شہرت اور ان کی عزت کو خاک در آلود کرنے کے لئے اپنے آقا کے ذہن کو ان کے خلاف مشتعل کیا۔ چونکہ اس کا آقا اس کی باتوں پر توجہ دیتا تھا اس لئے اس نے نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہوئے کہا " ہدایت علی خاں بہ ہمہ وجوہ حضور عالی میں نہایت معتبر اور صاحب اقتدار ہیں اور اس ملک کے زمیندار ان کا اتنا احترام کرتے ہیں کہ ان کی نگاہ امید ان ہی نیز موخرالذکر کا ایک زمانہ سے ان کے ساتھ ربط باہمی بھی ہے اسلئے ڈر اس بات کا ہے کہ ہدایت علی خاں ان کو خطرہ میں گھرا ہوا دیکھ کر ان کی تقصیر معاف نہ کر دیں نتیجہ یہ ہوگا کہ حضور اس مہم میں جو روپیہ صرف کریں گے اور اس سلسلے میں جو مشقتیں اٹھانا پڑیں گی نہ صرف رائیگاں جائیں گی بلکہ مفسدوں کے گناہ معاف کر کے ان کی املاک واپس کرنا پڑیگی اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ جب اس مہم کا اتنا افسوس ناک انجام ہونے والا ہے ایسی صورت میں ذرا بھی ہوش و گوش رکھنے والا آدمی اس بات سے انکار نہیں کرے گا کہ یہ زمیندار خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں اور فتح کا خواب دیکھ رہے ہوں لیکن ان کا یہ قاعدہ ہے کہ معمولی سی پسپائی کے بعد مال و زر دینے کی بجائے اطاعت قبول کر لینا گوارا کریں گے لہٰذا ہدایت علی خاں کو جو یقیناً مدافعت کریں گے اور حضور ان کی راہ میں حائل ہونا مناسب سمجھیں گے کسی حیلے بہانے سے اپنے حضور سے کچھ دور کر دیں یہ کام حضور کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ ہیبت جنگ کے غیر پختہ ذہن میں چنتامن داس کی باتیں بیٹھ گئیں۔ چنانچہ اس نے والد ماجد کو پرگنہ نرہٹ سمائی وغیرہ تعلقہ

گمھ کی فوجداری دے کر وہاں کے زمینداروں کے معاملات کا خودمختار بنا دیا اور جلد از جلد ادھر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ میں ان اضلاع کے لیل ونہار سے اچھی طرح واقف نہیں ہوں اور نہ تعلقہ مگھ ہی کا جہاں راجہ سندر سنگھ نامی ایک طاقتور زمیندار پہاڑ کی ترائی کی کل زمین کا مالک ہے۔ مجھ کو اچھی طرح تجربہ ہے اس بتے میں ایسے باصلاحیت اور قابل شخص کو وہاں بھیجنا چاہتا تھا جو وہاں کے زمینداروں پر قابو پا سکے۔ تم کو میں نے اس کام کے لئے موزوں ترین آدمی سمجھا اس لئے درخواست ہے کہ تم فوراً ادھر کا رخ کرو اور مجھ کو ہر معاملہ سے ہمیشہ آگاہ کرتے رہو اس طرح میں مطمئن ہو کر شاہ آباد اور رہتاس کی طرف رخ کر سکتا ہوں۔" اس کے بعد ہیبت جنگ نے میرے والد سے یہ بھی کہا کہ۔ "چونکہ تمھاری غیر موجودگی سے بہت سارے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور دشواریاں نمودار ہو سکتی ہیں اس لئے ان دشواریوں کو کم کرنے کے لئے میں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ تم اپنے چھوٹے بھائی مہدی نثار خاں کو اپنے اس عہدہ بخشی گری پر مامور کر کے میرے ہمراہ کر دو۔"

والد ماجد نے اپنے آقا کی خوشنودی وخوشی کو نگاہ میں رکھ کر کار مامور پر روانہ ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بھائی مہدی نثار خاں کو ہیبت جنگ کے پاس چھوڑا اور خود کار مامور پر روانہ ہو گئے دریں اثنا ہیبت جنگ مناسب فوج اور توپ خانے لے کر اپنی مہم کو چل پڑا او وہ شاہ آباد پہنچ کر بھوجپور کے استیصال کا عزم کر چکا تھا۔ وہاں کے زمیندار نہ صرف فتنہ وفساد کے شعلہ بھڑکا رہے تھے بلکہ عوام بھی ان کے ہاتھوں پریشان ہو چکے تھے ان کے دست تعدی سے مسافروں کی راہیں بند ہو گئی تھیں اگر کوئی مسافر مقابلہ کرنے کی سوچتا تو اس کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ غرض کہ وہاں کی انسانیت کے خلاف یہ لوگ جس درندگی اور وحشیانہ پن کا مظاہرہ کرتے آرہے تھے اس کی تفصیل لکھنے کے لئے دفتر بے پایاں کی ضرورت پڑے گی۔

خلاصہ یہ کہ ان مفسدوں کو نکال باہر کرنے کے لئے دو خونریز جنگیں ہوئیں۔ بہت سارے لوگ تہہ تیغ ہوئے اور خاصہ وقت برباد ہوا بہر حال زمینداروں کو ان کے قلعوں سے نکال دیا گیا۔ ان کے محلات مسمار کر دیئے گئے اور ساری کی ساری آبادیاں نیست ونابود کر دی گئیں اور اس طرح شاہ آباد ان کے مستقل ظلم وتعدی اور تشدد سے نجات پا گیا۔

ظالموں کے پنجۂ استبداد سے نجات پا لینے کے بعد ہیبت جنگ شاہ آباد کی فضا کو پرامن

بنانے کی طرف متوجہ ہوا نیز مالی و ملکی انتظام کی طرف بھی اس نے خوب دلچسپی لی۔

اس عرصہ میں روشن خاں تراہی افغان جس کی شجاعت و تہوری کا دور دور تک چرچا تھا اور جو بڑا نامی گرامی سردار تھا اور جو عظیم آباد اور الہ آباد میں بھی اپنی مردانگی کا لوہا منوا چکا تھا سرکار شاہ آباد میں ملازم تھا۔ عظیم آباد اور الہ آباد کے زمینداروں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت مستحکم تھے وہ اکثر اوقات ان کا ہم خیال بن جاتا، ان کے مشورے قبول کر لیتا اور جب ان کو طاقت کے ذریعہ مطیع و فرمانبردار نہ بنا سکا تو ان سے صلح و اتحاد کر لیتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شاہ آباد کے زمینداروں کا اخراج ہو۔ اس نے ہیبت جنگ سے اس سوال پر ہمیشہ اختلاف کیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں ایسی صورت میں جبکہ یہ زمیندار کثیر املاک کے مالک ہیں اور دوسری طرف کے کوہستانی علاقوں کے زمینداروں اور راجاؤں سے ان کے قدیم تعلقات ہیں ان کا اخراج نہ صرف غیر ضروری بلکہ خطرناک بھی ہے۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر اس نے ہیبت جنگ سے کئی ملاقاتیں کیں اور اس موضوع پر سخت لفظوں میں احتجاج کیا۔ اس نے ان کے خلاف اقدام کرنے کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ یہاں تک کہا کہ ان کو درگزر کر دیا جائے اور ان کو دوبارہ ان علاقوں میں آباد کیا جائے لیکن روشن خاں تراہی کی یہ درخواست ایسی نہ تھی جو فوراً منظور کر لی جاتی کیونکہ زمینداروں اور ہیبت جنگ کے درمیان اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ ہیبت جنگ کو اس کی درخواست کا لہجہ بھی سخت ناپسند ہوا کیونکہ اس میں ایک قسم کا تحکم تھا۔ اس لہجے کو ہیبت جنگ جیسا تند مزاج اور فطرتاً غصہ ور انسان جس کے قبضہ میں طاقت بھی تھی اور مال و زر بھی کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس کے اس رویے سے اس کا پارہ ایک دم سے چڑھ گیا۔ اس کی ناپسندیدگی اور افسردگی لوگوں پر ظاہر ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ بات دور و نزدیک پھیل گئی

"ابھی آپ صاحبزادے ہیں"

ایک دن تو ہیبت جنگ اور روشن خاں تراہی کے درمیان سچ مچ تو تو میں میں کی نوبت پہنچ گئی۔ روشن خاں تراہی نے ہیبت جنگ کی شان میں نازیبا کلمات بھی استعمال کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فضا ایک دم سے خراب ہو گئی۔ روشن خاں تراہی کو اس کی ذرا بھی پروا نہ تھی کہ اس کے ناشائستہ رویے کے نتائج کتنے برے نکلیں گے۔ اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہنا شروع کیا۔

"ابھی تک آپ صاحبزادے ہیں۔ آپ کو دنیا کے رنگ و ڈھنگ کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انقلاب زمانہ کیا کیا رنگ دکھاتا ہے۔ افسوس تو

اس بات کا ہے کہ آپ شب و روز میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔ آج ہی آپ میری درخواستیں منظور کر لیجئے۔ ورنہ انجام کار اچھا نہیں ہوگا۔"

اس نے یہ الفاظ اس گنوار پن اور آہنی آزادی سے استعمال کئے کہ ہیبت جنگ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس کو اس کی یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اس کی اس آزادانہ روی اور اکھڑ پن سے نہ صرف ہیبت جنگ ہوشیار ہو گیا بلکہ اس نے اس خونخوار جنگلی درندے کو کیفر کردار تک پہنچانے کا پختہ ارادہ بھی کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے میر قدرت اللہ پسر شاہ شکر اللہ قادری کو جو صاحب جرأت اور ہمت تھا مقرر کیا اس کی مدد کے لئے ایک اور باہمت شخص یعنی حسن بیگ خاں علحدار مونگیر کو بھی مامور کیا۔

ایک روز کی بات ہے کہ روشن خاں تراہی عصر کے وقت دربار عام کے خیمہ میں ہیبت جنگ کو سلام کرنے آیا وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ دونوں نوجوان مذکور نے چشم زدن میں کام تمام کر دیا مقتول اگرچہ قوی الجثہ اور خوب صحت مند تھا اس کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا جہاں بیٹھا تھا وہیں وہیں بیٹھا رہ گیا اور اس طرح اس نے سفر آخرت طے کیا۔

اس حرب و ضرب نے میرے چچا مہدی نثار خاں نے جو کہ صفات حمیدہ وحقیقت پسندیدہ دیگانۂ روزگار و جوان سنجیدہ و ہوشیار تھے۔ ایسی مردانگی و جرات دکھائی کہ ہیبت جنگ ان کا گرویدہ ہو گیا کہ اس نے والد ماجد کی رضامندی حاصل کر کے خدمت بخشی گری اصالتہً میرے چچا کو مع خلعت وفیل واسپ و شمشیر و دیگر عطایا کے مرحمت فرمایا اور دربار عام میں بآواز بلند ان سے کہا کہ "تم میرے رفیق کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو۔"

مہدی نثار خاں کے اوصاف حمیدہ

میرے چچا نے اس عزت افزائی کی پیش کش کو بسر و چشم قبول کیا اور اس روز سے ہیبت جنگ پاس خاطر کو اس حد تک ملحوظ رکھنے لگا کہ وہ اس کے کل رفیقوں میں ممتاز حیثیت کا مالک بن گیا۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ حقوق شناسی و فروتنی، تواضع و دادگری و شجاعت، عزت و تحمل و بردباری میں ان کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اگر میں ان کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پاکیزہ بیان کرنے بیٹھوں تو نہ جانے کتنے صفحات درکار ہوں گے اور پھر اندیشہ اس بات کا دامن گیر ہے کہ کہیں مجھ پر انگشت نمائی نہ ہونے لگے کہ میں نے کسی مفاد کی خاطر اپنے اہل خاندان کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں۔ میرے چچا مہدی نثار خاں بڑے جری سپاہی تھے لیکن ان کی

انکساری و فروتنی بھی ضرب المثل ہے اور اگرچہ وہ کسی کی دلخواہی کو بہتر نہیں سمجھتے تھے۔ مگر انھوں نے اپنے رفقاء، اعزہ اور ہموطنوں کی ہمیشہ حمایت کی۔ اس لئے انکی نگاہوں میں وہ ہر دل عزیز تھے ان کی جود و سخا اور فیاضی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہر کس و ناکس کی دادرسی اور مدد میں ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ان کی داخلی زندگی جتنی پاک و صاف تھی خارجی زندگی بھی اتنی ہی پاکیزہ تھی۔ وہ بات کے دھنی اور احباب نواز تھے۔ جہاں ان کے اندر اتنے سارے اوصاف تھے ایک سب سے بڑی صفت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخاطب کو سخن ہائے دلنوازی کی مے پلا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ بڑے ہی خوش گفتار اور شیریں کلام تھے۔ ان کی جادو بیانی سامعین کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، تحمل، برداشت اور صبر میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

کوہستانی علاقوں کا راجہ اور میرے والد محترم

میں نے تحریر کیا تھا کہ میرے والد ماجد کوہستانی علاقوں کے راجاؤں کو مغلوب کرنے کے کام پر مامور ہوئے ہیں اب میں ان کے بارے میں ذرا تفصیل سے لکھتا ہوں۔ چونکہ وہ اپنے اعلیٰ کردار اور ناموس کی وجہ سے بام شہرت پر پہنچ رہے تھے اس لئے رام گڑھ کے راجہ کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوگئی۔ کوہستانی علاقوں کا یہ راجہ ہندوؤں میں سب سے زیادہ طاقتور اور اہل زر تھا اس کے علاوہ فطرتاً وہ جنگجو بھی تھا اس لئے صوبہ کے ناظم کا اس پر ذرا بھی بس نہ چلتا تھا۔ پالامو ہرلیس کو ٹمبہ اور شہر گوئی کے کچھ زمیندار مثلاً راجہ سندر سنگھ اور راجہ جے سنگھ اور راجہ جے کشن رائے میرے والد ماجد سے مل گئے اور ان کے تمام منصوبوں میں شامل ہوگئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان راجاؤں کی مدد سے انھوں نے رام گڈھ کے قلعہ پر حملہ کر دیا اور فوراً اس پر قابض ہوگئے۔ اس تسخیر کے بعد وہ کوہستانی علاقوں کے اور اندرونی حصوں میں گئے۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ آرام کر ہی رہے تھے کہ کسی معتبر مخبر کے ذریعے ان کو یہ اطلاع ملی کہ بنگال کو فتح کرنے کے لئے رگھوجی بھوسلہ[1] پنڈت نے بھاسکر نامی پردھان کو چالیس ہزار سوار دے کر روانہ کر دیا ہے اور چند روز کے اندر اندر پہاڑوں سے ہوتے ہوئے فوج مذکور یہاں آدھمکے گی والد ماجد نے یہ اطلاع بجنسہ ایک مکتوب کے ساتھ مہابت جنگ علی وردی خاں کو ارسال کر دی

---

[1] رگھوجی بھوسلہ بہار کا خود مختار راجہ تھا۔ دکن میں پنڈت کے معنی ہیں منشی محرر یا فاضل کے لیکن یہ خطاب بھی ہے جو یہاں کے راجہ اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور پردھان غالباً مرہٹی زبان میں سردار کو کہتے ہیں۔

مہابت جنگ کو اس اطلاع کی صداقت پر یقین نہ آیا، اس لئے اس نے اس پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ اس نے اپنے برادرزادے کو جواب میں تحریر کیا کہ تم نہ گھبراؤ، خاطر جمع رکھو اور اپنا کام کرو۔ نیز اس نے یہ بھی لکھا کہ جب بھی مرہٹہ ادھر کا رخ کرے اس کے ساتھ مناسب برتاؤ کرو۔ جب یہ جواب میرے والد صاحب کو موصول ہوا تو انھوں نے اپنے رفیقوں سے صلاح مشورہ شروع کیا کیونکہ ان کے پاس اس وقت اتنے سپاہی نہ تھے جو دشمن کا مقابلہ کر سکتے یا ان کی راہ روک سکتے تھے ان کے تمام رفقاء نے کوہستانی علاقوں کو خالی کرنے کا مشورہ دیا لہٰذا ان کے مشورہ کی تعمیل کرتے ہوئے وہ پہاڑ کی ترائی میں آکر خیمہ زن ہو گئے۔

چند روز کے اندر اندر قبل اس کے کہ مرہٹوں کی آمد کی اطلاع بنگال پہنچے وہ پچپیٹھ اور موہور بھیج کی طرف سے ہوتے ہوئے میدنی پور کے موضع میں آدھمکے مہابت جنگ علی وردی خاں جیسا کہ آگے ذکر ہو چکا ہے پانچ چھ ہزار سوارے کر بڑے اطمینان سے تفریح کرتے اور شکار کھیلتے مرشد آباد پیش قدمی کرتے ہوئے یہاں تک کہ جس روز وہ میدنی پور کے ایک خوبصورت مقام پر پہنچا ہی تھا کہ کسی عامل معتمد نے ورود مرہٹہ کی خبر سناتے ہوئے کہا کہ مرہٹے یہاں سے کل بیس کوس کے فاصلہ پر ہیں اور یہ کہ بھاسکر پنڈت چالیس ہزار سوار سمیت برق رفتاری سے فاصلے طے کر رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کل شام یا پرسوں علی الصباح وہ یہاں پہنچ جائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ میں حضور کا پرانا نمک خوار ہوں اس لئے جلد سے جلد اطلاع دینا مناسب سمجھا اور اس لئے میں خود آیا ہوں۔ اب حضور کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔"

مہابت جنگ علی وردی خاں اس وقت نماز ظہر میں مصروف تھا۔ مہابت جنگ باوجودیکہ اس کے پاس بہت کم فوج تھی ذرا بھی نہ گھبرایا اور نہ اس کی پیشانی پر اس اطلاع سے بل ہی آیا بلکہ اس کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا۔" وہ کافر ہیں کہاں اور کہاں ہے وہ جگہ جہاں ان کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کیا جائے گا۔" جس شخص نے مہابت جنگ کو یہ اطلاع دی تھی وہ خود اس کی جرأت اور ہمت اور استقلال پر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے قسمیں کھا کر مجھ سے کہا کہ اس کے چہرے سے ذرا بھی پریشانی ظاہر نہ ہوتی تھی اور نہ اس کے نقوش میں ذرا بھی تبدیلی دیکھی۔ اس نے کہا بے خوفی اور نڈرپن کی ایسی مثال میں نے کہیں نہیں دیکھی اور اس واقعہ کو اتنے دن گزر جانے کے بعد اب بھی یاد کرتا ہوں تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں۔

حملے کی تفصیلات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:-

بردوان میں غلہ کی ارزانی

رگھوجی بھوسلہ راجہ ساہو کا قریبی رشتہ دار تھا اور صوبہ برار کی مرہٹہ حکومت کا جس کا دارالحکومت ناگپور کلاں ہے مشہور مرہٹہ سرداروں میں ایک تھا۔ ممکن ہے کہ نظام الملک نے اس کو بہکایا ہو یا پھر حکومت کی کمزوریاں اس پر آشکارا ہو گئی ہوں کہ اس نے بنگال کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا خیر معاملہ جو بھی ہو، اس کا اصل مدعا یہ تھا کہ یا تو بنگالہ فتح کیا جائے یا پھر اس سے چوتھ لیا جائے اس لعنت کا دکن اور ہندوستان شکار چلا آ رہا تھا لیکن بنگال اس وقت تک محفوظ تھا چنانچہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے اپنے مدار المہام بھاسکر پنڈت کا انتخاب کیا اور اس کو بیس ہزار سوار دے کر جس کی شہرت چالیس ہزار کی ہوئی تھی روانہ کیا۔ یہ سپاہی دشوار گزار کوہستانی علاقوں اور دروں کو بڑے اطمینان سے عبور کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یہ درے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کہ بنگال میں داخل ہونے کے پھاٹک ہوں کسی نے ان کی پیش قدمی کو روکنے کی جرات تک نہ کی۔ اڑیسہ کے پہاڑوں سے جب بھاسکر پنڈت کو آسان راستہ نہ ملا تو وہ بائیں سمت کو مڑ گیا اور ان وادیوں سے نکلا جہاں سے مرشد آباد کے مغرب تک پہنچنے میں آٹھ دن لگ جاتے ہیں۔ مہابت جنگ علی وردی خاں سہجرا کے قریب خیمہ زن تھا کہ اس کو مرہٹوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی اس کو بتایا گیا کہ مرہٹے بجبیھم کی وادی سے ہوتے ہوئے بردوان تک آ گئے ہیں۔ مہابت جنگ جہاں خیمہ زن تھا اس مقام کا نام تھا مبارک منزل۔ یہ اطلاع اس کے لئے غیر متوقع تھی اس نے اپنی فوج کی کثیر تعداد کو برطرف کر دیا تھا اور بہت سے سپاہی اس یقین دہانی پر کہ اب ان کو کسی مہم پر جانا نہیں ہے مرشد آباد کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ لہٰذا جب مرہٹوں کی پیش قدمی کی اطلاع آئی اس وقت اس کے پاس چار ہزار سوار اور تقریباً پانچ ہزار پیادہ برق انداز سے زیادہ نہ تھے اس کے باوجود اس نے فوراً بردوان کی طرف پیش قدمی کرنے کا عزم کر لیا۔ بردوان ایسا قصبہ ہے جہاں غلہ اور دیگر غذائی اجناس کی فراوانی ہے اور جو بنگال کے دیگر قصبات میں فوقیت رکھتا ہے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہیں خیمہ زن ہوگا اور یہیں دشمنوں سے مقابلہ کرے گا۔

بھاسکر پنڈت کا اعتراف

اسی خیال کے تحت وہ مبارک منزل سے کوچ کر کے دوسرے روز بردوان پہنچ گیا اس کے پہنچنے کے بعد ہی مرہٹے بھی آگے بڑھے۔ انھوں نے بردوان پہنچتے ہی شہر میں آگ لگا دی شہر کا بیشتر حصہ جل کر تباہ ہو گیا۔ یہیں طرفین میں معمولی سی جھڑپیں ہوئیں اور شام ہوتے ہوتے طرفین کے سپاہی خیمہ میں واپس آ گئے

بھاسکر نے جب اپنے دشمنوں کی بہادری اور شجاعت دیکھی تو اس کو یقین آ گیا کہ اس نے مہابت جنگ اور اس کے سپاہیوں کی بہادری اور تہوری کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ سچ ہے چنانچہ اس نے سوچا کہ جنگ کئے بغیر اس کو کچھ مل جائے تو میدان جنگ سے واپس چلا جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں اسی میں اس کی بہتری اور عزت ہے۔ غرضیکہ اس نے مہابت جنگ کو یہ پیغام بھیجا کہ مرہٹے چونکہ دور دراز سے آئے ہیں اور طویل سفر کرنے کے بعد واماندہ وخستہ ہو چکے ہیں اس لئے وہ اس شرط پر اپنے ملک جانے پر رضامند ہیں کہ ان کو کم از کم دس لاکھ روپے بہ رسم ضیافت عطا فرما دیئے جائیں۔ لیکن بھاسکر کی یہ تجویز مہابت جنگ نے قبول نہ کی کیونکہ اس تجویز سے اس کو اپنا وقار مجروح ہوتا نظر آیا مصطفٰے خاں کو بھی اس تجویز سے حیرت ہوئی چونکہ وہ ہمیشہ کشت وخون اور جنگ وجدال کا خواہاں رہتا تھا اور اسی کو سارے مسائل کا حل سمجھتا تھا۔ اس نے مہابت جنگ کو مشورہ دیا کہ وہ مرہٹوں کی تجویز کو ٹھکرا دے اور نیام سے شمشیر باہر نکال لے۔

علی وردی خاں اور مرہٹوں میں جنگ

مہابت جنگ علی وردی خاں کو مصطفٰے خاں کی ذہانت وصلاحیت اور تہوری وشجاعت پر اعتماد تھا اور وہ ہمیشہ اسی کے مشورہ کو مقدم سمجھتا تھا چنانچہ اس بار بھی اس نے اس کا مشورہ قبول کیا اور دشمن کی تجویز سرے سے ٹھکرا دی اور جواب بھیج دیا کہ تمہاری تجویز ہم کو منظور نہیں ہے اس جواب سے دشمن مشتعل ہو گئے اور کئی روز تک چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ علی وردی خاں چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کا عادی نہ تھا اس لئے اس نے عزم کیا کہ زائد سامان مثلاً رتھ اور ارابہ، باربرداری اور دیگر اشیاء وغیرہ لشکر میں چھوڑ کر دشمن پر یکایک ایسا شب خوں مارے کہ جنگ کا فیصلہ ایک ہی دن میں ہو جائے۔ صبح ہوتے ہی وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ منادی کرا دی کہ رتھ والے اور خیمہ والے فوج میں شامل نہ ہوں۔ لیکن اس کی منادی بے کار ثابت ہوئی کیونکہ فوج نے کوچ کیا ہی تھا کہ یہ سارے لوگ دشمن سے خوفزدہ ہو کر سپاہیوں سے جا ملے۔ جب کسی قدر راہ طے ہوئی اور خیمہ گاہ دور چھوٹا کہ مرہٹوں نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا۔ طرفین میں گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ فوج بنگالہ اپنی جگہ سے نہ ہلی قتل وخون کا بازار گرم رہا طرفین کے سپاہیوں نے شجاعت وبہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ عمر خاں کا بڑا لڑکا مصاحب خاں جو مرد جوان، صاحب نام ونشان

اور آبروئے خاندان تھا میدان رزم میں مارا گیا۔ وہ نہ صرف مرد جری اور مشہور سردار تھا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے سر کو ہتھیلی پر لئے رہتا تھا اس نے اس رزم گاہ میں سبھوں سے اپنی شجاعت کا لوہا منوالیا۔ وہ شجاعت و تہوری میں اتنا یکتا تھا کہ دشمنوں کی صفیں چیر کر بہت آگے نکل گیا لیکن پے در پے اس کے جسم پر اتنے زخم آئے کہ آخر کار وہ زمین پر گر پڑا اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ بول سکا۔

علی وردی خاں کے حوصلے

مہابت جنگ کی فوج باوجودیکہ میدان مار رہی تھی کہ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ مہابت جنگ نے مڑ کر شمشیر خاں، مصطفےٰ خاں، سردار خاں اور رحم خاں کو دیکھا جو اس کی پشت میں تھے اس کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ وہ بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور ان کے اندر کے سارے حوصلے پست ہو گئے ہیں چونکہ ان کا یہ وطیرہ اس کے لئے بالکل انوکھا تھا اس لئے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یقیناً وہ لوگ مجھ سے ناخوش ہیں اس خیال کے آتے ہی وہ سمجھ گیا کہ جنگ کا نقشہ ایک دم سے بدلنے والا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی لشکر گاہ سے بہت دور نکل چکا تھا اور مرہٹے بھی اس سے بہت دور تھے اور رات بھی پھیل رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ نہ تو لوٹ جانے کی طاقت ہے اور نہ آگے بڑھنے کی مجال۔ وہ وہیں رک گیا۔ لیکن اب بھی اس کے چہرہ پر افسردگی یا بیماری کے نشان نہ تھے۔ لیکن جہاں وہ رکا تھا وہاں کی زمین مسلسل بارش کی وجہ سے دلدلی ہو رہی تھی۔ اسی وجہ سے قدم کہیں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ بدقسمتی کہیئے یا کچھ اور کہ چار پانچ پالکی اور مختصر سے خیمہ کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس خیمہ کو فوراً بلند جگہ پر نصب کیا گیا۔ یہ جگہ بردوان سے چھ سات کوس کے فاصلہ پر واقعہ تھی۔ اس رات کو مرہٹوں نے مہابت جنگ کے تمام چھوڑے ہوئے مال و اسباب کو لوٹ لیا اور بہت سے سپاہی بھی ان کے ہاتھوں قتل یا مجروح ہوئے اور جو چند ان کے ہاتھوں سے بچ نکلے وہ فرار ہو کر آس پاس کے کھیتوں میں چھپ گئے مہابت جنگ کے ہمراہ جو تھوڑے سے گھوڑا سوار اور پیادہ سپاہی رہ گئے تھے ان کو مرہٹہ گھوڑ سواروں نے ہر جانب سے محصور کر لیا لیکن اس کے باوجود وہ شام تک دشمنوں کے وار روکتے رہے۔ جب شام ہوئی تو طرفین کی فوج جہاں تھی وہیں رک گئی اس رات کو مہابت جنگ کے لوگوں میں سراسیمگی سی پھیل گئی تھی ان کے نام و شیون اور آہ و فریاد سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت کی گھڑی سر پر آ گئی ہو، مصطفےٰ خاں شمشیر خاں، سردار خاں، اور دیگر افغان سردار دل آزردہ اور افسردہ نظر آ رہے تھے اور اسی وجہ سے لڑائی میں دل کھول کر حصہ نہیں لے رہے تھے ان کی آزردگی کے کئی اسباب تھے۔

علی وردی خاں سے سپاہیوں کی بیزاری

جنگ سے ان سرداروں کی طبیعت اچاٹ ہو جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دو تین مہمات میں مہابت جنگ نے فوج کو ملازم رکھا اور جب جنگ ختم ہوگئی تو اس کو برطرف کر دیا اس کے اس فعل سے بہتیرے رسالدار تباہ ہو گئے، سرداروں کے اندر ناراضگی پھیل گئی اور سارے سپاہی آزردہ خاطر ہو گئے۔ آخری مہم میں جبکہ اڑیسہ کے ناظم صولت جنگ کو نظر بندی سے رہا کرایا گیا تھا مصطفیٰ خاں نے عرض کیا تھا کہ "حضور بارہا دلاسا دے کر اور وعدے کر کے فوج کو ملازم رکھتے ہیں اور خطرہ کی گھڑی سر سے ٹل جانے کے بعد فوراً ملازمت سے برطرف کر دیتے ہیں اور اس طرح نہ صرف مستحق سرداروں بلکہ ان کے دوسرے آدمیوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ برطرفی کے بعد ان کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کو پتہ تک نہیں لگتا کہ آخر کس خطا اور جرم کی بنا پر ان کو برطرف کیا گیا ہے" اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے صاف صاف مہابت جنگ سے کہہ دیا کہ یہ صرف اس کے دل کی آواز نہیں بلکہ وہ دوسروں کے جذبات کی بھی ترجمانی ہے۔ ساتھ ہی اس نے درخواست کی کہ اس بار وعدہ شکنی اور معاہدہ شکنی نہ ہونے پائے۔

اس عظیم مہم کی ابتدا ہی میں مصطفیٰ خاں کی یہ شکایت مہابت جنگ نے سنی اور اس نے نہ صرف مصطفیٰ خاں کی دلجوئی کو ضروری سمجھا بلکہ دیگر سرداروں اور سپاہیوں کی رنجشیں بھی دور کرنے کی کوشش کی اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن جنگ کی آخری مہم کے بعد جبکہ صولت جنگ کو قید و بند سے رہا کیا گیا اور باقر علی خاں کو فتح حاصل ہوئی تو مہابت جنگ علی وردی خاں نے تمام رنگ روٹوں کو ملازمت سے برطرف کر دیا اس کے اس اقدام سے نہ صرف سپاہیوں کی دل شکنی ہوئی بلکہ مصطفیٰ خاں اور دیگر افغان سردار سرے سے بد دل ہو گئے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وعدہ شکنی سے علی وردی خاں کے قول و فعل پر سے اعتماد اٹھ گیا اور اس کے اندر جتنی نیک صفات تھیں ان پر پانی پھر گیا۔ ایک ایسے شخص کے لئے جس کے ہاتھوں میں کل اختیارات ہوں وعدہ سے پھر جانا اور اپنے قول کا پاس نہ کرنا نہ صرف اس کے لئے باعث ذلت و رسوائی ہے بلکہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ وہ قابل اعتماد نہیں۔ حکومت کے لئے اس سے بڑھ کر خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی رعایا کا اس پر سے اعتبار جاتا رہے اگر مہابت جنگ علی وردی خاں اپنے وعدوں اور قول و فعل پر ثابت قدم رہتا تو نہ صرف رعایا کے دل اس کے قبضہ میں ہوتے بلکہ ساری انسانیت اس کے گن گاتی اور دنیا کی نظروں میں وہ

قابل احترام سمجھا جاتا۔

افغان سرداروں کو اس سے صرف یہی شکایت نہ تھی کہ اس نے اپنے وعدوں کا پاس نہ کیا بلکہ انھوں نے یہ شکایت بھی کی کہ ہیبت جنگ ناظم عظیم آباد نے جو مہابت جنگ کا چھوٹا بھتیجا اور داماد تھا بھوجپور کی جنگ میں روشن خاں افغان سردار کو ذراسی تقصیر پر ہلاک کر ڈالا۔ حالانکہ روشن خاں سرکار شاہ آباد کا فوجدار اور بھوجپوریوں پر حکومت کرتا تھا اس کے اس مذموم اور ذلیل فعل پر نہ صرف تمام افغانوں نے احتجاج بلند کیا بلکہ کل سپاہ نے بھی شور مچایا کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مذموم حرکت نہیں ہو سکتی۔

مصطفیٰ خاں سے علی وردی کی بدگمانی

ان ساری شکایتوں اور رنجشوں کا مداوا ابھی وہ کر بھی نہ پایا تھا کہ مہابت جنگ سے ایک اور ایسا فعل سرزد ہو گیا جس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور مصطفیٰ خاں کا دل بھی ہمیشہ کے لئے اس سے پھر گیا۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ جب سارے سپاہی اڑیسہ کی مہم میں راجہ موربھنج کے علاقوں سے گزر رہے تھے کہ راجہ مذکور نے جس کو مرزا باقر علی خاں سے بہت قربت حاصل تھی سپاہیوں کو ڈرایا دھمکایا لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نے دست درازیاں بھی کیں اور اس کی حرکتوں سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے دل میں برے خیالات پل رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے اس فعل سے مہابت جنگ کو سخت غصّہ آیا۔ اور اس عالم اشتعال میں اس نے مہم سے واپسی پر اس کی گوشمالی کا عزم جزم کر لیا راجہ مذکور خود کو خطرے میں گھرا دیکھ کر فوراً مصطفیٰ کے پاس آیا اور اس سے مدد طلب کی۔ مصطفیٰ خاں نے سختی سے اس کے حق میں وکالت کی لیکن اس کی وکالت اور طرف داری کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہابت جنگ اس کی طرف سے بدگمان ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد میر محمد جعفر خاں کو یہ حکم دیا گیا کہ جوں ہی راجہ مذکور در دولت پر حاضر ہو اس کا کام تمام کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ اس کی درخواست کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے تو اس نے درخواست بمعیت خود دربار میں جانے کا قصد کیا۔ دربار میں پہلے ہی سے میر جعفر خاں اور اس کے مسلح لوگ آگئے تھے ہندو راجہ جو نہی دربار میں حاضر ہوا مسلح آدمی فوراً اس پر حملہ آور ہو گئے اور اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دربار نہیں بلکہ کوئی شکار گاہ ہے۔

یہ سارا واقعہ مرہٹوں کی آمد سے چند روز قبل پیش آیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف مصطفیٰ خاں بلکہ اس کے سارے افغان سردار اور دیگر سپاہی ملازمت سے نکل جانے کی سوچنے لگے۔

ان کا یہ فیصلہ کوئی راز نہ تھا جو خفیہ رہتا۔ چنانچہ اس کی اطلاع فوراً مہابت جنگ علی وردی خاں کو مل گئی وہ اس نازک اور پریشان کن گھڑی میں اس خطرناک بحران سے سناٹے میں آگیا۔ مصطفےٰ خاں مہابت جنگ علی وردی خاں کا نہ صرف بہترین دوست تھا بلکہ اس کے تمام سرداروں اور سپہ سالاروں میں سب سے زیادہ باہمت، جوانمرد اور دلیر تھا نیز بیشتر سپاہیوں میں اس کے اثرات بہت زیادہ تھے۔ سرداروں، سپہ سالاروں اور سپاہیوں کے اندر یہ عام بے اطمینانی کی لہر ایسی نہ تھی جس کا مداوا فوراً اور آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ جس بحران میں وہ اسیر ہوگیا اس سے نکلنے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی مرہٹہ اس کو مع سپاہیوں کے چاروں طرف سے محصور کر چکے تھے۔ دشمنوں کے چنگل سے بجز موت کے رہائی مشکل نظر آرہی تھی مرہٹوں نے ان کو اس طرح سے گھیر لیا تھا کہ رسد وغیرہ تک نہ پہنچ سکتی تھی۔

مرہٹوں سے صلح کی بات چیت

اب جبکہ مہابت جنگ علی وردی خاں کو خطرہ کا احساس ہو چکا تھا کہ صورت حال نازک ہوگئی ہے تو اس کے ذہن میں ان حالات پر قابو پانے کا ایک خیال آیا اس نے سب سے پہلے اپنے آزمودہ سردار میر خیر اللہ خاں کو جو دکن کا رہنے والا تھا اور بردوان کے راجہ کی فوج کے لئے بخشی گری کے عہدے پر فائز مرہٹوں کے خیمے میں روانہ کیا تاکہ مرہٹہ سردار کے ساتھ صلح وصفائی ہو جائے۔ مرہٹہ سردار یعنی بھاسکر پنڈت کو جس نے فوج بنگالہ کے سارے ساز وسامان کو لوٹ لیا تھا یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مہابت جنگ کے پاس کتنی فوج باقی رہ گئی ہے اور اس کے اندر مقابلہ کرنے کی کہاں تک طاقت ہے۔ اس نے پیغام صلح کو بڑی بے توجہی سے پڑھا اور ان الفاظ میں جواب دیا:۔

> "اپنے آقا سے جاکر کہدو کہ ایسی صورت میں جبکہ وہ بے سر وسامان ہو چکا ہے اس کے سارے سپاہی بھی محصور ہو گئے ہیں اور راہ فرار بھی مسدود ہو چکی ہے۔ صلح وصفائی کی بات کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تاہم چونکہ وہ ہندوستان کے بڑے امرا میں سے ہے اسلئے میں اس کی زندگی بخش دیتا ہوں ـــ لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ایک کروڑ روپیہ نقد اور کل ہاتھی میرے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس شرط پر وہ مرشد آباد کی راہ لے سکتا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری طرف سے ذرا بھی مزاحمت نہیں ہوگی۔"

یہ جواب انتہائی توہین آمیز تھا ـــ لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ اس کے حالات جو سنگین اور نازک

ہوتے جا رہے تھے۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار گھوڑ سوار فوج میں سے بھی بہت سے یہ دیکھ کر کہ اس کے پاس اب کچھ نہ رہا دشمن سے جا ملنے کی یا پھر چند شرائط پر ملازمت پر رہنے کی سوچ رہے تھے۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ادھر سے جب توہین آمیز جواب آیا تو اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ جواب راجہ مانکی رام کے سامنے ہی آیا تھا۔ راجہ مذکور دیوان تن، صاحب اخبار سررشتہ سپاہ اور دولت خواہ معتمد تھا۔ جب اس نے مہابت جنگ کو خاموش دیکھا تو کہا۔

"جو مختصر سے سپاہی حضور کے پاس رہ گئے ہیں وہ نقصان اٹھانے کے بعد بددل ہو چکے ہیں۔ نہ تو کسی کی زندہ و سلامت بچ نکلنے کی توقع ہے اور نہ کسی کے پاس رسد ہی پہنچ سکتی ہے۔ دشمنوں کا غلبہ حد درجہ ہے۔ جو تھوڑی سے فوج رکاب دولت میں ہے وہ بھی حالات کا مشاہدہ کر کے دشمن کے طرفدار بن گئے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں میرا مشورہ یہی ہے کہ بھاسکر پنڈت کی شرائط مان لی جائیں۔ ملک بنگالہ میں ہاتھیوں کی کوئی قدر نہیں ان سے بہتر ہاتھی فیل خانے میں موجود ہیں رہا روپے کی ادائیگی کا سوال تو فی الوقت چالیس لاکھ روپیہ خزانہ میں ہے۔ باقی ساٹھ لاکھ روپیہ جیسے بھی ہوگا بندہ اس کی فراہمی کا انتظام کرے گا۔"

اہانت برداشت نہیں کر سکتا

مہابت جنگ علی وردی کو اس کا یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ اس نے اپنی شجاعت و تہوری ذلیل و رسوا ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس کے احساسات و جذبات ایک دم سے برہم ہو گئے اور اس نے جواب دیا:۔

"جب تک میری جان میں جان ہے، میں ایسی اہانت برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے پاس جو چند سپاہی رہ گئے ہیں مجھے ان کے آہنی عزائم سے پوری امید ہے کہ وہ نہ صرف ان قزاقوں اور ڈاکوؤں کو کیفر کردار تک پہنچا کر رہیں گے بلکہ وہ اپنی شجاعت و بہادری پر آنچ تک آنے نہیں دیں گے۔ میں اپنے دشمن کو اتنی خطیر رقم دے کر ان کے ہاتھ اور مضبوط کیوں کروں؟ انشاء اللہ بعد فتح و ظفر یہ رقم ان جاں نثاروں میں تقسیم کروں گا جو میری خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کو تیار ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رک گیا لیکن وہ پھر راجہ جانکی رام سے مخاطب ہوا اور بولا۔" مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ خزانہ میں اتنے لاکھ روپے موجود ہیں۔ دس لاکھ روپے الگ کر دو کیونکہ میں یہ رقم اپنے وفادار سرداروں اور جاں نثار سپاہیوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے جانکی رام کو رخصت کر دیا۔

دن ڈھل چکا تھا اور اندھیرا بڑی تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا رات کی اس سیاہی میں اکثر سیہ بخت سردار مہابت جنگ علی وردی خاں کی رفاقت سے منہ کالا کرکے مرہٹوں سے جا ملے اب اس کے پاس امراء، سرداران مشہور، اعزہ اور فعل و قول کے پکے سپاہیوں کے علاوہ کوئی نہ رہا اور جب میر خیر اللہ ایک فوج سے دوسری فوج کی طرف جا رہا تھا کسی نے صلح کی خبر اڑا دی اس خبر کے اڑتے ہی بہت سے سپاہیوں نے بھی نجی طور پر دشمنوں سے مل جانے کا ارادہ کر لیا۔ ان میں میر حبیب اللہ جیسا باوقار سردار بھی تھا۔ اس کو مہابت جنگ علی وردی خاں سے بہت پہلے سے نفرت تھی اور اس نے دشمنوں سے رابطہ بھی پیدا کر لیا تھا لیکن راہ فرار اختیار کرنے کے لئے موقع کے انتظار میں تھا۔ رات کے پچھلے پہر نشان دہرم دھار نسب کرکے منادی کر دادی کہ جس کو اپنا جان و مال عزیز ہے وہ صرف اس کے نیچے آجائے۔ یہ منادی سن کر وہ سپاہی اور سردار جن کو عزت و ناموس کا پاس نہ تھا اور جو نہیں جانتے تھے کہ شرم و حیا کیا چیز ہے مختلف حیلے بہانے تراش کر اس کے نیچے آگئے اور وہیں پناہ لی۔ مہابت جنگ علی وردی خاں نے یہ منظر دیکھا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی لیکن خوش قسمتی کہیئے کہ جب یہ سپاہی مال و زر سے مٹھی بھر بھر کر مرہٹوں کی طرف جانے لگے تو ان کے منہ میں پانی آگیا۔ وہ ان پر لوٹ پڑے اور ان کو لوٹنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مزید سپاہیوں کی ہمت نہ ہوئی اور اس طرح یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

علی وردی خاں عالم یاس میں

مہابت جنگ علی وردی خاں جب مجبور و بے بس ہو گیا تو اس نے جان پر کھیل جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ رات کو وہ خیمہ سے باہر آیا اور کوئی خدمت گار اور مشعلچی لئے بغیر اس نے سراج الدولہ کو ہمراہ لیا اور پیدل ہی مصطفٰے خاں کے خیمے میں آگیا۔ اس وقت مصطفٰے خاں سو رہا تھا اس نے اس کو جگایا اور کہا کہ میں تم سے بہت ضروری باتیں کرنے آیا ہوں، مصطفٰے خاں مہابت جنگ علی وردی خاں کو اس وضع میں دیکھ کر سخت حیران ہوا اس کو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہ آیا۔ بہر حال وہ بستر پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو دوسرے خیمہ میں لے جا کر بٹھایا اور کہا کہ جو ارشاد ہو میں اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ مہابت جنگ نے کہا :۔

میرا سر تن سے جدا کر دو

"میرے دوست مصطفٰے گوش دل سے سنو! انسان کو اپنی زندگی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔ لیکن

اس وقت میرے حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں تمام چیزوں پر موت کو ترجیح دے رہا ہوں۔ لہٰذا اپنے ذہن سے یہ خیال خام نکال پھینکو کہ تم مجھ سے دامن چھڑا سکو گے کیا میری ذات سے ایسا کوئی فعل سرزد ہوا ہے جس سے تمہارے دل کو ٹھیس پہنچی ہو؟ اگر یہ حقیقت ہے تو بندہ مع سراج الدولہ کے جو مجھے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے تمہارے سامنے ہے ہمارے علاوہ یہاں کوئی اور نہیں۔ بڑے شوق سے ہمارے سر تن سے جدا کر دو۔ مجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک ہی ضرب کافی ہے لیکن اگر تمہارے دل میں اب بھی رفیق دیرینہ کی یادوں کا چراغ روشن ہے اور میرے احسانات کے نقوش تمہارے ذہن سے مٹ نہیں سکے ہیں تو میری کوتاہیوں کو فراموش کر دو۔ اور مجھے اس عالم یاس و نومیدی میں سہارا دو، رشتۂ الفت دوبارہ استوار کر دو اور قسم کھاؤ کہ تم مجھے نامراد نہیں کرو گے اتنا اطمینان دلا کر ہی مجھے کچھ سوچنے اور سمجھنے کے قابل بنا سکتے ہو۔ مجھے یقین دلا دو تاکہ میں مرہٹوں کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کر سکوں۔ میں عزم کر چکا ہوں کہ مرہٹوں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوں گا۔"

مصطفیٰ خاں اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے جواب دیا "اس مسئلے پر میں تنہا کیسے کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے پہلے دوسرے سرداروں اور اپنی جماعت کے لوگوں سے مشورہ کر لینے دیجئے اس کے بعد ہی میں کوئی جواب دے سکتا ہوں۔" مہابت جنگ نے فوراً کہا "مجھے کوئی مضائقہ نہیں۔" اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے کسی کو بھیج کر شمشیر خاں، سردار خاں اور دیگر افغان سرداروں کو بلایا۔ سب کے سب جمع ہو گئے تو مصطفیٰ خاں نے مہابت جنگ علی وردی خاں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تھوڑی دیر پہلے آپ نے مجھ سے جو کچھ فرمایا تھا وہی ان کے سامنے دہرا دیجئے۔ مہابت جنگ نے اپنے الفاظ دہرا لئے لیکن مجمع میں خاموشی طاری رہی کسی نے کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بھائیو! تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ تمہارے دل میں جو کچھ ہے ظاہر کر دو۔"

یہ سن کر شمشیر خاں اور سردار خاں وغیرہ سردار نے جواب دیا کہ "مصطفیٰ خاں ہمارا سردار ہے اس کا اقبال و انکار ہمارے دل و جان کو منظور ہوگا۔"

مصطفیٰ خان نے کہا:۔

قصۂ پارینہ

”رفیقو! چونکہ تم لوگ میرا خیال معلوم کرنا چاہتے ہو، تو اس بارے میں میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ جو کچھ اب تک میرے دل و دماغ میں تھا اسے قصۂ پارینہ سمجھو۔ اس وقت میرا سر، میری جان اور میرے اہل خاندان کی جان اور ان سبھوں کی جو میرے ساتھ ہیں اپنے آقا، اپنے محسن اور ولی نعمت کے قدموں پر نچھاور ہے۔ جب تک میرا سر میرے جسم کا جز و لاینفک ہے وہ مہابت جنگ علی وردی خاں، اس کے آل وعیال اور خاندان کے لئے وقف رہے گا۔ نہیں میں تو یہاں تک کہوں گا کہ جب تک مصطفٰے خاں زندہ ہے اس کو اس بات پر ناز رہے گا کہ اس کا سر حضور کے ادنیٰ غلاموں کے پائے اسپ سے بندھا ہوا ہے۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے، رفیقو، کیا میں تم کو وہ بات یاد دلاؤں کہ چالیس نفر متحد ہو جائیں تو ملک فتح ہو جاتا ہے۔ ہم چالیس تو کیا تین ہزار سے زیادہ ہی ہوں گے۔ یاد رکھو، مایوسی و نامرادی، خوف اور ڈر انتہائی بزدلی اور نامردی کی علامت ہے۔ خدا کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ ہم ان کافروں پر غالب آئیں گے اور فتح و کامرانی ہمارے قدم چومے گی دوستو، میں اپنے دل کی بات تم سے کہہ چکا اب تم جو چاہو فیصلہ کرو۔“

سبھوں نے یہ تقریر توجہ سے سنی کسی نے بھی اس سے اختلاف نہ کیا۔ ہر ایک نے اس کی پیروی کی۔ سبھوں نے اپنی اپنی رضامندی دیدی تو مصطفٰے خاں نے اشارہ سے کہا کہ سب شکرانہ کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ سب کھڑے ہو گئے اور نماز شکرانہ ادا کی۔

پٹھانوں کا قول

مہابت جنگ علی وردی خاں یہ دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ فوراً خیمہ میں آیا۔ اور اطمینان کی نیند سونے کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے اپنے خاص ہمراز اور دوست غلام علی خاں کو مصطفٰے خاں کے پاس یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ اس کی اور دیگر افغانوں کی کیا کیفیت ہے غلام علی خاں نہ صرف یہ کہ معزز و محترم امیر تھا بلکہ کچھ دنوں تک کے لئے صوبہ عظیم آباد میں دیوان بھی رہ چکا تھا اور اس کے لڑکے یوسف علی خاں نے تو سرفراز خاں کی لڑکی سے شادی ہی کر لی تھی۔ غلام علی خاں کچھ دیر تک مصطفٰے خاں کے ساتھ اس کے خیمہ میں رہا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک شخص شمشیر خاں کا یہ پیغام لے کر آیا کہ معاہدہ کی رو سے انھوں نے جو نشان مرہٹہ سے طلب کئے تھے وہ آج ہی آنے والے ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں آپ اپنی مرضی بتائیے۔ مصطفٰے خاں نے گذشتہ شب کی گفتگو کا اعادہ فرما کر کہا، کہ جو بھی پٹھان کے نسب سے

ہو گا وہ گزشتہ شب کے معاہدہ پر قائم رہے گا۔"

مرہٹوں کی گولہ باری

غلام علی خاں یہ کلمات سن کر مہابت جنگ کے پاس آیا اور اس سے بے کم و کاست ساری باتیں بیان کر دیں مہابت جنگ نے اطمینان کی سانس لی اور دشمن سے جنگ کرنے کا عزم جزم کر لیا۔ ایسے نازک وقت میں اپنے طاقتور جری اور دلیر دوست کی زبان سے ہمت افزا کلمات سن کر اس کی رگ رگ میں شجاعت و تہوری کا خون دوڑنے لگا۔ اس کے ولولے جوان ہو گئے، اس کے عزائم کو نئی زندگی ملی اس نے رفیقوں سے مشورہ کیا اور پھر دشمن کی صفیں چیر کر مرشد آباد جانے کا ارادہ کر لیا۔ جہاں سے وہ اپنے بال و پر درست کر کے باز کی طرح دشمن پر حملہ آور ہو گا۔ اتنے میں شام کا اندھیرا پھیل گیا اور مرہٹوں نے وہ توپ جو مہابت جنگ علی وردی کے خیمے سے لوٹ کر لے گئے تھے کسی درخت پر نصب کر کے گولے برسانے لگے۔ اس آتش بازی سے رات بھر چیخ و پکار اور آہ و بکا اور نالہ و شیون نے آسمان کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ حتیٰ کہ دیوان مانک چند جو راجہ بردوان کا دیوان تھا صبح ہوتے ہوتے مارے خوف کے اپنے گھر کو فرار ہو گیا اس کی آنکھیں کشت و خون اور قتل و غارت گری کا بھیانک منظر نہ دیکھ سکیں۔ اسی وقت مرہٹوں نے ایک بار پھر فوج بنگالہ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ مہابت جنگ بڑی مشکل سے ہاتھی پر سوار ہو کر انسداد دشمن کی طرف متوجہ ہوا۔ چونکہ مرہٹے یکایک چاروں طرف سے چڑھ آئے تھے اور سپاہیوں کے اندر اس اچانک حملہ سے خلفشار مچا ہوا تھا اس لئے ترتیب فوج کی ذرا بھی مہلت نہ ملی اور نہ خلفشار کو ختم کرنے ہی کا موقع ملا مرہٹے برابر بڑھتے چلے آ رہے تھے یہاں تک کہ میر حبیب جو دوسروں کی طرح چوکنا نہ تھا دشمنوں میں گھر گیا۔ تین زخم کھا کر زمین پر گرا اور مرہٹوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اس کے بعد اس نے مرہٹوں کے یہاں ملازمت کر لی اور ان ہی کی طرف سے لڑائی کی۔ حیدر علی خاں داروغہ توپ خانہ دستی نے اس روز خوب جوانمردی اور شجاعت دکھائی ان گنت مرہٹوں کو خاک و خون میں تڑپایا۔ اس کے علاوہ مصطفےٰ خاں، شمشیر خاں عمر خاں، سردار خاں، میر جعفر خاں اور رحمان خاں نے بھی شمشیر زنی کے خوب جوہر دکھائے۔ انھوں نے بے شمار دشمنوں اور خصوصاً نامور سرداروں کو یا تو تہ تیغ کیا یا زخمی کر ڈالا ان کی ہمتیں جواب دے گئیں ان کے دست و بازو تھک گئے اور شمشیروں کی برق زنی ختم ہو گئی انھوں نے شجاعوں کے دست حرب اور نیز اپنے مقتولہ و مجروح سپاہیوں کی کثرت دیکھ

دیکھ کر یورش کو موقوف کیا اس کے بعد وہ پھر مجتمع ہوئے اور از سر نو صفیں درست کیں اس عرصہ میں فوج بنگالہ کو سانس لینے کا موقع مل گیا۔ مہابت جنگ کی منتشر فوج جمع ہوکر کٹوہ کی طرف دشمن کی صفیں چیرتی ہوئی روانہ ہوئی۔ جو تھوڑا سا مال واسباب بچ گیا تھا وہ بھی مرہٹوں کے ہاتھ لگا۔ ماکولات ملبوسات اور مرکوبات کچھ بھی نہ رہا۔ دو تین ہزار آدمی وامانده گھوڑوں پر سوار اور پانچ چھ ہزار برق انداز بھوک اور پیاس سے نڈھال خستہ حال دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے پیش قدمی کرتے جا رہے تھے مرہٹے چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے تھے، ان پر حملہ کرتے اور ان کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے رہ رہ کر جھڑپیں بھی ہوتیں لیکن اس کے باوجود مہابت جنگ کے لشکر میں خوف وہراس یاس وناامیدی کی جھلک تک نظر نہ آئی۔ اپنے سپہ سالار کی ثابت قدمی اور سالار کی ہمت وجرأت سے ہر لمحہ وہ نئی زندگی اور توانائی حاصل کرتے اور دشمن کی صفیں چیر کر آگے بڑھتے جاتے۔ ان کی تلواریں دشمن کے خون سے نہا رہی تھیں ان کے گھوڑے کے پیروں تلے لاشیں کچلی جا رہی تھیں یہاں تک کہ دشمن ان کے شجاعانہ کارناموں سے مرعوب ہو گئے۔ لیکن ان بہادروں کو غذا میسر نہ آئی۔ وہ بھوک وپیاس سے نیم جان ہو گئے تھے۔ خوش بختی کہیئے کہ کٹک کی راہ میں جو جگن ناتھ کی راہ ہے وہاں پانی کے کئی تالاب ملے ہندوؤں نے زمین کھود کھود کر یہ تالاب بنائے تھے۔ ان تالابوں کے چاروں طرف درختوں کے جھنڈ بھی تھے۔ جب شام ہوتی یہ سپاہی ان ہی تالاب کے کنارے زمین پر مرتفع لیٹ جاتے سپاہی اور سردار کی کوئی تمیز نہ تھی۔ سب درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر شکم پری کرتے اور تالاب کا پانی پیتے اس کے بعد کھلے آسمان کے نیچے اور خالی زمین پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ جاتے ان کو ایک عرصہ تک چاندنی میسر نہ آسکی بارش سے بچنے کے لئے بھی ان کے پاس سامان نہ تھا۔ مرہٹے روزانہ ایک نہ ایک دیہات کو تاخت وتاراج کرتے اور دس دس کوس تک کے علاقہ کو چاروں طرف سے نذر آتش کر دیتے ان قزاقوں نے مہابت جنگ کا ایک ایک خیمہ، سارے مال واسباب، ایک ایک ظرف اور غذائی اجناس لوٹ چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔ فوج بنگالہ خوراک کو ترس گئی تھی اس کو جنگ فتح کرنے سے کہیں زیادہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کی فکر تھی۔ روزانہ کی پیش قدمی اور خوراک کی نایابی نے ان کو نڈھال کر دیا تھا۔ سپہ سالاروں اور سالداروں کے پاس اگرچہ مال وزر تھے لیکن ان کا یہ مال وزر ان کی بھوک نہیں مٹا سکتا تھا۔ سپاہیوں نے ان درختوں کی چھالیں اور پتیاں اور جونٹیاں کھانا شروع کیں جیسا کہ یوسف علی خاں پسر غلام علی خاں مرحوم

نے اس مہم کے بارے میں تحریر چھوڑی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تین روز میں جبکہ کٹوہ کی قطع راہ ہوتی تھی ایک روز پاؤ بھر کھچڑی میسر آئی لیکن اس ایک پاؤ کھچڑی میں سات افراد شریک تھے اور دوسرے روز سات عدد شکر پارہ میں تین آدمیوں نے شرکت کی۔ تیسرے روز آدھ سیر گوشت گاؤ ملا جس کے کھانے میں چند آدمی شریک تھے غرضیکہ اس عالمِ بےبسی و بےکسی میں فوج بنگالہ پیش قدمی کرتی چلی جارہی تھی۔ چھوٹے بڑے توپ خانے چھن چکے تھے۔ دشمن کا حملہ شدید ہوتا جارہا تھا اور کھانے کی اشیاء معدوم ہوچکی تھیں —— ان حالات نے بیشتر رسالداروں کو پریشان کردیا تھا۔ خصوصاً مصطفےٰ خاں نے سپاہیوں اور سرداروں کی جب یہ کم ہمتی دیکھی تو اس کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہوگئیں اور اس نے اپنے قریب کے لوگوں سے چیخ کر کہا۔

مذہب اسلام کے لئے باعث رسوائی

"مذہبِ اسلام کے لئے باعث رسوائی ہے اور افغانیوں کے لئے باعث تذلیل کہ روزانہ دن اور رات اہل دکن تم کو محاصرہ میں لیتے جارہے ہیں افسوس کہ بھوک اور پریشانی کے عالم میں پڑ کر جان دے رہے ہو۔ یہ نہیں ہوتا کہ بہ ہیئتِ مجموعی زندگی سے ہاتھ دھو کر ان کو کیفر کردار تک پہنچادو"

اس تقریر کا فوری اثر ہوا۔ جو لوگ اس کے قریب تھے انھوں نے جواب دیا "آپ جو حکم دیں ہم اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں اور آپ ہی کے نقش قدم پر چلیں گے" مصطفےٰ خاں نے اپنے ہمراہیوں کو پر عزم اور باارادہ دیکھ کر سپر اور شمشیر اٹھائی اس کے بعد اس نے سپاہیوں کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کردیا۔ ورنہ اس سے پہلے ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سب کے سب تماشائی ہوں۔ مرہٹوں کے سان و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مہابت جنگ کی مریل، نیم جاں، اور نڈھال فوج حملہ آور ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس خیال کے تحت انھوں نے اسلحہ رکھ دیئے اور بڑے اطمینان سے آرام کرنے لگے ان کو کیا پتہ تھا کہ مہابت جنگ آہستہ آہستہ قریب آرہا ہے مصطفےٰ خاں اور اس کے ہمراہیوں نے اس موقع کو غنیمت شمار کرکے فوراً نیام سے شمشیریں باہر نکال لیں اور اس طرح ان کافروں پر چڑھ دوڑے کہ وہ بھونچکا رہ گئے۔ بہت سے لوگوں کی جانیں ہلاک ہوئیں۔ اور بعضوں نے کھانا پینا اور کپڑے لتے چھوڑ چھاڑ کر راہ فرار اختیار کرلی مصطفےٰ خاں کے ہمراہیوں نے میدان جنگ کو دشمنوں سے خالی پایا تو وہ زیادہ سے زیادہ غذائی اجناس لے کر اپنے خیموں میں آئے دوسروں نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی غذا کی طرف دوڑے اور جس قدر ممکن ہوا ماکولات

اٹھالائے نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے بھوکے پیاسے اور نڈھال سپاہیوں نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ آنتوں میں جب غذا پہنچی توان کی طاقت پھر عود کر آئی۔ ان کی رگوں میں گرم خون دوڑنے لگا اور ہاتھ پاؤں میں بجلیاں پھر بھر گئیں دشمنوں نے جب یہ حال دیکھا توان کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ مصطفیٰ خاں کی فوج نے خوب کھا کر نہ صرف وہ پہلے سے زیادہ چوکنا ہو گئے اور ہوشیار و خبردار ہو گئے بلکہ دشمنوں سے ذرا فاصلے پر رہنا ہی مناسب سمجھا۔ لیکن مہابت جنگ کی فوج برابر پیش قدمی کرتی گئی۔ تمام سپاہی جلد از جلد کٹوہ پہنچ جانا چاہتے تھے افواج بنگالہ پیش قدمی کر رہی تھیں کہ یکایک صبح سویرے ان پر حملہ کر دیا گیا اور قبل اس کے کہ مہابت جنگ کے سپاہی منظم ہوتے اور اپنی صفیں درست کرتے یا مہابت جنگ خود ہی ہاتھی پر سوار ہوتے کہ مرہٹے طوفان کی طرح چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے چونکہ جماعت کی تشکیل نہیں ہوسکی تھی اس لئے حالات کو مدنظر رکھ کر ہر سپاہی جہاں تھا اس نے وہیں سے دشمن کے دانت کھٹے کرنے شروع کر دیئے لیکن جب دشمنوں نے چاروں طرف سے محصور کر لیا تو ہر سپاہی کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے وہ نہ اپنے آس پاس کے سپاہیوں کی مدد کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنے آقا کی جان کی اس کو فکر تھی مہابت جنگ خود دشمنوں میں گھر کر اکیلا شمشیر خون آشام کے جوہر دکھا رہا تھا شکست قریب تھی کہ یکایک حافظ حقیقی نے اس کی اعانت کی اس کو معجزہ ہی کہا جائے گا کہ جب اس کے قدم اکھڑ جانے کو تھے اور شکست یقینی تھی کہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا مہابت جنگ کے ہاتھی کے برابر نشان والا ہاتھی تھا اور ان دونوں کی سونڈوں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں جن کی آواز سے وہ لطف اندوز ہوا کرتے تھے ان ہاتھیوں نے جب اپنے قریب اتنے اجنبیوں کو آتے دیکھا توان کے کانوں میں غیب سے آواز آئی اور ان آوازوں کو سن کر انھوں نے انہی زنجیروں سے مرہٹوں کو مارنا شروع کیا۔ زنجیروں کی ضرب جس پر پڑتی وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر مرہٹے انگشت بدنداں رہ گئے انھوں نے اب مارے خوف کے آگے بڑھنا چھوڑ دیا سب کے سب عالم بے سرو سامانی میں بھاگے۔ ان کے بھاگ جانے سے مہابت جنگ کے بہت سارے سپاہی اپنے آقا کے پاس آئے اور ان کے ہاتھی کو گھیر لیا دوسرے سپاہی بھی فوراً اپنے آقا کی مدد کے لئے دوڑے اب ان کی تعداد خاصی ہو گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے مرہٹوں پر جو مہابت جنگ کے رفیقوں اور ہمراہیوں کو گھیرے ہوئے تھے حملہ کر دیا ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

کشتے کے پشتے | دشمنوں کا صفایا ہو جانے کے بعد مہابت جنگ کی فوج مرتب و منظم ہوئی۔

اور پھر اس نے پیش قدمی شروع کر دی۔ دشمنوں نے ان پر پھر حملہ کیا لیکن ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس بار بھی ان کے کشتے کے پشتے لگا دیئے گئے۔ غرض کہ کشت و خون تکلیف و مصیبت، دشواری و پریشانی میں گھر کر اور خطرناک و مہیب راستوں کو عبور کر کے مہابت جنگ اور اس کے ہمراہی قصبہ کٹوہ میں جو کہ مرشد آباد سے جنوب میں دو منزل پر واقع ہے خدا کے فضل و کرم سے مع الخیر پہنچ گئے لشکر والوں نے اس خیال سے کہ قصبہ کٹوہ میں غلہ وغیرہ کی فراوانی ہوگی راستہ طے کرنے میں جلدی کی لیکن مرہٹوں نے ان کی آمد سے پہلے ہی اس گاؤں کو تاخت و تاراج کر دیا تھا اور غلہ کے انبار میں جس کو اٹھایا نہیں جا سکتا تھا آگ لگا دی تھی اس کے باوجود مہابت جنگ کے حیوان و انسان نے جو فاقہ زدہ اور بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے جلے ہوئے غلہ ہی کو غنیمت سمجھا انھوں نے جلے ہوئے غلہ کے انبار کو ایسی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا جیسے دستر خوان پر مرغن غذائیں رکھی ہوں۔

بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریزی

مہابت جنگ علی وردی خاں نے کٹوہ میں رک کر اپنے بھائی حاجی احمد کو خط کے ذریعہ حالات سے باخبر کیا نیز یہ بھی تحریر کیا کہ صولت جنگ سید احمد کو فوراً غذائی اجناس اور دیگر ضروری سامان کے ساتھ اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ مہابت جنگ علی وردی خاں کی صحت و سلامتی کی خبر ملتے ہی دونوں بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئے ان کو دوامی خوشی ملی کیونکہ ایک عرصہ تک کوئی خبر نہ ملنے کی وجہ سے وہ ان کی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکے تھے لیکن جب اس کا مکتوب ملا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ شہر کے اتنے قریب موجود ہے تو حاجی احمد اور شہامت جنگ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ بچھڑے ہوئے اور گمشدہ مہابت جنگ سے جلد بغل گیر ہوں گے اور ان کو نئی زندگی ملے گی جو اس سے مایوس ہو کر بیجان ہو گئے تھے اس کے بعد انھوں نے صولت جنگ سید احمد کو مع فوج شائستہ، توپخانہ اور غلہ وغیرہ کے ساتھ رخصت کیا نیز اس کو خیمے اور دیگر ضروری اشیا بھی دیں۔ صولت جنگ چند روز کے بعد ہی روانہ ہو کر مہابت جنگ علی وردی خاں یعنی اپنے چچا سے منزل مقصود پر قدیم سپاہیوں اور غذائی اجناس کے ساتھ جا ملا مہابت جنگ اور اس کے ہمراہی اس کو دیکھ کر پھولے نہ سمائے۔ ان نیم جان، پریشان حال اور واماندہ و خستہ سپاہیوں نے مسلسل فاقہ کشی اور تکلیف و مصیبت کے بعد جب اتنا سامان دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ سبھوں نے خدائے برتر کا شکریہ ادا کیا اور پھر اتنے دنوں کے بعد اطمینان و مسرت کی سانس لی۔ صوبہ کے دیگر حصوں سے بھی مقامی لوگ اور سوداگر ہر قسم کی غذائی اجناس

لے کر آ گئے، قحط، کال اور بھوک کے ستائے ہوئے سپاہی اجناس سے لدی ہوئی گاڑیاں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ان کی آنکھیں کوئی عجیب و غریب منظر دیکھ رہی ہیں۔ وہ بہت دیر تک اسی طرح حیرت زدہ نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے رہے۔

بھاسکر پنڈت کی پسپائی

مہابت جنگ علی وردی خاں کی اس شاندار فتح و نصرت سے اس کی رعایا کو از حد خوشی ہوئی اور دشمنوں پر اس کا رعب و دبدبہ بیٹھ گیا بھاسکر پنڈت کے ہوش و حواس ٹھکانے آ گئے۔ مہابت جنگ علی وردی خاں کی آنکھوں کے سامنے ایسی سرزمین تھی جہاں سب کچھ تھا جس کی آرزو کی جا سکتی تھی۔ دشمنوں پر خوف طاری ہو گیا کہ مہابت جنگ کے سپاہی جب انتہائی خستہ حالی اور مشکلات میں ثابت قدم اور مستقل مزاج رہ سکتے ہیں تو اب جبکہ وہ منظم ہیں اور ان کو اسلحہ بھی مل گئے ہیں کیا حشر برپا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بنگال میں مزید رکنا اس نے مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ برسات بھی شروع ہو گئی تھی اس لئے اس نے بیرم بھوم کے راستے اپنے ملک کو واپس جانے کا ارادہ کر لیا لیکن میر حبیب نے جس کو مہابت جنگ علی وردی خاں سے انتہائی عداوت تھی پنڈت بھاسکر کے فیصلے کی سختی سے مخالفت کی۔

میر حبیب ایران یعنی اپنے ملک کا بہت ہی معمولی آدمی تھا۔ اس کا تعلق انتہائی معمولی خاندان سے تھا اس لئے اس کو نوشت و خواند نہیں آتی تھی۔ لیکن اپنی محنت و مشقت اور ذہانت و فطانت سے خاصی ناموری حاصل کر لی تھی حتّٰی کہ سپہ سالاری کے عہدہ پر بھی فائز ہو گیا۔ شجاعت و تہور ی میں بھی اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے دست و بازو کے بھروسے پر پنڈت بھاسکر سے کہا کہ اگر اس کا مدعا روپیہ کا حصول ہے تو وہ (میر حبیب) اس کے لئے کہیں نہ کہیں سے مہیا کرے گا لہٰذا اس نے کہا کہ صرف چند ہزار سوار اس کے حوالے کر دیئے جائیں تاکہ وہ مرشدآباد جا کر جو شہر بے حصار ہے اور مہابت جنگ کوٹھ میں ہے سیٹھ جگت[1] کی کوٹھی وغیرہ لوٹ مار کر خاصی دولت اس کے لئے لے آئے۔

---

[1] جگت سیٹھ عالم چند دنیا کا امیر ترین شخص تھا اس کے مکان میں اب تک (۱۷۸۶ء) ہزاروں نفوس سے کم نہ ہوں گے۔ اس مکان سے دو کروڑ روپے لوٹے گئے پھر بھی اس کی پیشانی پر بل نہ آیا اس عالم میں بھی وہ حکومت کے خزانے میں بیک وقت ایک کروڑ روپیہ دیا کرتا تھا۔

جگت سیٹھ کی کوٹھی

بحث وتمحیص کے بعد میر حبیب کے اس خیال کی تائید کی گئی۔ چنانچہ فوراً چند ہزار سوار جرار اس کے ہمراہ کردیئے گئے اور وہ ان سواروں کو لے کر ادھر روانہ ہوگیا لیکن اس کا یہ منصوبہ پوشیدہ نہ رہ سکا۔ مہابت جنگ علی وردی خاں کو اس کی اطلاع مل گئی۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے بھائی اور بھتیجے سے مدافعت نہیں ہوسکتی اس لئے وہ خود اس کی گوشمالی کو روانہ ہوگیا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی میر حبیب ایک ہی دن میں منزل تک پہنچ گیا۔ اس نے جگت سیٹھ کی کوٹھی سے دو کروڑ روپیہ نقد اور کسی قدر جنس لوٹ کر شہر کے دیگر علاقوں کا رخ کیا ان علاقوں کو بھی اس نے لوٹا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی قیام گاہ تک آگیا۔ یہاں سے اس نے اپنے بھائی میر شریف کو اپنے ہمراہ لیا لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ دارالامارۃ پر شہامت جنگ اور عطار اللہ خاں کے مکانات پر سپاہیوں کا سخت پہرہ تھا اسی اثنا میں میر حبیب کو جب مہابت جنگ کی آمد کی خبر ملی تو اس نے ایک لمحہ بھی تاخیر کئے بغیر راہ فرار اختیار کرلی۔ جس روز کہ مرہٹوں نے لوٹ مار کرنے کے بعد راہ فرار اختیار کی تھی اسی روز شام کو مہابت جنگ مرشد آباد میں داخل ہوا۔ اس کی آمد سے اس کے سارے رفقاء درباری اور اعزہ مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے۔ یہ سارا واقعہ ۱۱۵۵ھ کے ماہ صفر میں رونما ہوا۔

قلعہ ہگلی پر قبضہ

مہابت جنگ علی وردی خاں جب مرشد آباد کی طرف پیش قدمی کررہا تھا بھاسکر نے بنگال کی برسات سے خوفزدہ ہوکر اپنے وطن لوٹ جانے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ اس ارادہ کے تحت وہ بیر بھوم پہنچا ہی تھا کہ میر حبیب بھی دو کروڑ روپیہ، مال غنیمت اور دیگر اشیاء لے کر اس کے پاس آگیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ بھاسکر پنڈت بنگال سے کوچ کررہا ہے تو اس نے اس کو اس ارادے سے نہ صرف باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ اس کے مشورہ پر عمل نہیں کرتا ہے تو وہ ناگپور پہنچ کر اس کی بزدلی، کم ہمتی اور کمزوری کے قصہ بیان کرنے سے نہیں چوکے گا۔ میر حبیب نے اگرچہ اشتعال آمیز فقرے استعمال کئے تھے لیکن اس کی باتیں، بھاسکر پنڈت کے دل کو لگ گئیں وہ فوراً ہوش میں آگیا اور چند روز کے اندر اندر کٹوہ میں خیمہ زن ہوگیا میر حبیب نے نہ صرف سپاہیوں کے لئے اجناس کا انتظام کیا بلکہ سپاہیوں کے حوصلے بھی بڑھا دیئے اس کے علاوہ اس نے ہگلی کے لوگوں اور زمین داران اطراف سے بھی راہ ورسم پیدا کی نتیجہ یہ ہوا کہ بھاسکر پنڈت اور ان لوگوں کے درمیان سلسلۂ خط وکتابت شروع ہوگیا یہاں تک کہ میر حبیب کو واسطہ بنا کر مفاہمت کرلی اور ساکنانِ ہگلی میر ابوالحسن اور میر ابوالقاسم وغیرہ نے جو

مشہور تاجر تھے اور محمد یار خاں کے یار غار تھے میر جیب کے مشورہ سے راتوں رات ہگلی پہنچے اس وقت قلعہ کے پھاٹک بند ہو چکے تھے چنانچہ انھوں نے یہ جھوٹا پیغام دیا کہ بہت ضروری باتیں ناظم تک پہنچانی ہیں۔ محمد یار خاں ان کے فریب اور جل میں آگیا۔ اس نے پھاٹک کھول دینے کا حکم دیدیا اور اس طرح میر جیب کی سرکردگی میں پندرہ افراد قلعہ کے اندر داخل ہو گئے ناظم اس وقت بالکل یکہ و تنہا تھا فوراً قید کر لیا گیا ان مکاروں اور دغابازوں نے فوراً بھاسکر پنڈت کو فوج بھیجنے کے لئے خط لکھا اس نے خط ملتے ہی سیس راؤ کی کمان میں فوج کا ایک دستہ بھیجدیا میر جیب نے اس دستہ کو ہگلی کے قریب ہی چھپ کر رہنے کا حکم دیا۔ جب اس کو محمد یار خاں کی گرفتاری کی اطلاع ملی وہ فوراً شہر میں آیا اور مسند دولت پر بیٹھ گیا۔ بہت سارے مغلیہ تجار بھی میر جیب کے بہکانے پر اس سے مل گئے تھے۔ اس طرح نہ صرف شہر کے اندر افراتفری کی فضا معمول پر آگئی بلکہ مرہٹوں کا تسلط بھی ہو گیا۔

اس مہم سے بھاسکر پنڈت کو چونکہ بہت سامال وزر ملا تھا نیز بندرگاہ سے اور بطور خراج کافی دولت ہاتھ آئی تھی اس لئے اس نے بنگال ہی میں قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا اس کے علاوہ کٹوہ کو اس نے اپنا صدر مقام بنایا۔ اسی روز سے میر جیب مدارالمہامی کے عہدہ پر فائز ہوا۔ اپنے اس اہم منصب کی وجہ سے کبھی وہ ہگلی اور کبھی کٹوہ میں رہتا تھا۔

اہالیانِ مرشدآباد کی ہجرت

جنوبی بنگال میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ادھر مہابت جنگ علی وردی خاں جس کی فوج کا بیشتر حصہ بارہ ماہ کی محنت و مشقت، علالت و بیماری، قحط اور کال کی وجہ سے تباہ ہو چکا تھا سوچ رہا تھا کہ اب جبکہ موسم برسات سر پر آپہنچا ہے مرہٹوں کو ملک سے بھگانے کا منصوبہ قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جتنی فوج اس کے پاس رہ گئی تھی اس پر وہ قانع ہو کر ملک کے انتظام اور انصرام میں لگ گیا اس خیال کے تحت وہ وہاں سے کچھ فاصلے پر امانی گنج اور تارکپور کے قریب خیمہ زن ہوا۔ اس وقت تک برسات شروع ہو گئی تھی دریائے جاگیرتی میں سیلاب آگیا چونکہ کٹوہ دریائے مذکورہ کے اس پار رہے اس لئے مرشدآباد مرہٹوں کے تاخت و تاراج سے محفوظ رہا۔ لیکن دوسرے پرگنوں پر وہ دست درازی کرتے گئے یہاں تک کہ بردوان، میدنی پور اور بالیسر تک ان کے قدم آگئے۔ بالیسر بندر بھی ان کے قبضہ میں آگیا۔ میدنی پور کے فوجدار میر قلندر اس ہنگامہ خیزی اور افراتفری سے نجات حاصل کر کے گوشۂ عافیت میں چلا گیا اور

صوبہ کٹک کے نائب شیخ معصوم نے بھی دشمن کے ہجوم سے پریشان ہو کر اپنی راہ لی۔ وہ اس حد تک خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اس نے مدافعت تک نہ کی اور ملک چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ غرضیکہ اس طرح اڑیسہ، میدنی پور، بردوان، راج شاہی کا کچھ حصہ اور قصبہ اکبر نگر بھی مرہٹہ کے قبضہ میں آگیا۔ علی وردی خاں کے پاس مرشد آباد اور گنگا کے اس کنارے کی مملکت کے علاوہ کچھ نہ رہا۔ مرشد آباد کے باشندے کہ جنھوں نے عرصۂ دراز سے ایسی تباہی و بربادی نہ دیکھی تھی اور نہ سنی تھی اپنی جائداد اور اہل و عیال کے لئے بہت خوفزدہ ہوئے انھوں نے موسم برسات سے فائدہ اٹھا کر گنگا کے اس پار یعنی جہانگیر نگر، مالوہ اور رام پور بولیا وغیرہ میں پناہ لی۔ ان ضلعوں میں آکر بہتوں نے رہائش گاہیں تعمیر کیں اور زندگی کے باقی ماندہ دن یہیں گزار دیئے شہامت جنگ نوازش محمد خاں نائب ناظم نے بھی اپنے خاندان والوں اور مال و اسباب سمیت دریائے گنگا عبور کیا اور گوداگاری میں جو شہر سے محض ایک روز کے فاصلہ پر واقعہ تھا سکونت اختیار کی۔ یہیں اس نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رہائش بھی تعمیر کی۔ مہابت جنگ علی وردی خاں کے مال و اسباب بھی وہیں منتقل کر دیئے۔ یہ سب کر چکنے کے بعد نائب ناظم یعنی نوازش محمد خاں شہر آگیا اور اپنے چچا علی وردی خاں کے ساتھ رہنے لگا۔ علی وردی خاں کو جب تمام الجھنوں سے نجات مل گئی تو وہ اپنی سپاہ کی تالیف قلوب میں مصروف ہوا ان کی قربانیوں اور وفاداری کے صلے میں حسب وعدہ دس لاکھ روپے تقسیم کئے۔ اپنے بروقت جود و سخا سے اس نے ان کے دلوں میں محبت و شفقت کے تخم بھی بوئے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ مرشد آباد پہنچ جانے کے بعد مہابت جنگ علی وردی خاں نے اپنے چھوٹے داماد احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ صوبہ دار عظیم آباد کو خط لکھا اور ساتھ ہی ایک خط عبدالعلی خاں بہادر یعنی میرے خالو کے نام بھیجا کہ صوبے کے انتظام کو درست حالت میں رکھیں جس حد تک ممکن ہو سکے فوج اور توپ خانے جمع کریں کیونکہ سبھوں کی سلامتی دشمنوں کو شکست دینے میں ہے۔ خط کے حاشیہ میں عبدالعلی کے نام یہ فقرہ خاص بھی دست خود سے تحریر کیا کہ اگر تم کو اپنے ضعیف چچا کی بھلائی مقصود ہے تو ایسے نازک وقت میں آکر رفاقت کرو۔ نوجوان صوبہ دار احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ بنگال کی تباہی پر نہ صرف متحیّر ہوا بلکہ ناراض بھی ہو گیا کیوں کہ ابھی ابھی بھوج پور کے استیصال سے اس کو نجات ملی تھی وہاں کے زمینداروں کی سرکوبی میں نہ صرف اس کا بہت سا وقت بلکہ روپیہ بھی ضائع ہوا تھا اور اب جب کہ

اتنی جدوجہد اور محنت و مشقت کے بعد اس کو ذرا دم لینے اور آرام کرنے کا موقع ملا تو بنگال سے طلبی آگئی چنانچہ سارا کام چھوڑ چھاڑ کر وہ اپنے دارالخلافہ آگیا اس کو اس بات کی ذرا بھی فکر نہ تھی کہ فوج کی تنخواہ کیسے بے باق ہو اور زیر غور مہم کی ضروریات کہاں سے پوری کی جائیں۔

سپاہیوں کا بقایا

غرضیکہ چند روز آرام کرنے کے بعد وہ اپنے شہر سے نکل کر بنگال روانہ ہوا اور باغ جعفر خاں کے مشرقی علاقہ میں خیمہ زن ہو گیا یہیں اس نے حقیر فقیر کے والد ہدایت اللہ علی خاں بہادر کو طلب کیا۔ ان کے علاوہ چند اور رفقا بھی آئے سبھوں سے مشورہ کیا گیا کہ تنخواہ سپاہ کی ادائیگی کیسے ہو اور آئندہ مہم کے لئے کیا سبیل نکالی جائے لیکن روپے کی قلت کی وجہ سے اس موضوع پر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب صوبہ دار عظیم آباد کو کوئی صورت نظر نہ آئی اور اس کی مایوسی بڑھتی گئی تو اس نے ایک دن ناچیز کے والد کو خلوت میں لے جاکر کہا کہ جہاں سے بھی ہو اپنے چچا کی کمک کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام کرو جو میرے خاندان کی قسمت کا خالق ہے۔ اس کی شکست و فتح کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ میں جلد سے جلد بنگال پہنچ جاؤں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سپاہ کا بقایا کہاں سے اور کیسے ادا کروں نیز اس بات سے بھی میں بے حد پریشان ہوں کہ ابھی ابھی جو علاقہ میں فتح کر چکا ہوں اس کا انتظام بھی درست نہ کر سکا تھا کہ ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ ساری چیزیں عجیب انتشاری کیفیت میں ہیں میری غیر موجودگی میں نہ جانے وہاں کی حالت کیا ہوگی۔ یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اپنی غیر موجودگی میں کس کے شانے پر اتنی اہم ذمہ داری رکھوں۔ تحصیل مال گزاری اور حالات کو معمول پر لانے کا کام بہت ہی اہم ہے۔ بہت غور فکر کرنے پر مجھے ایک ہی آدمی نظر آیا ہے اور بار بار اسی پر نظر جاتی ہے اور وہ تمہارے علاوہ دوسرا کوئی نہیں۔ عقل و دانش، فہم و ادراک اور ذہانت و فطانت میں تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر تم نے کوئی راہ بتادی اور مجھ کو پریشان ہونے سے سبکدوش کر دیا تو میں تمہارا احسان مند ہوں گا۔ کیونکہ جب تک فوج مجھ سے مطمئن نہیں ہوتی یا میں فوج کو اطمینان نہیں دلادوں اس وقت تک نہ تو وہ اس مہم میں میری معاونت کرے گی اور نہ مجھ کو یہاں سے باہر جانے دیگی اس کے علاوہ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میری عزت بحیثیت ایک سپاہی کے اور میرا کردار بحیثیت ایک مطیع و فرماں بردار بھتیجے کے دنیا کی نگاہوں، اعزہ و اقربا اور ہم وطنوں کے دلوں میں اسی وقت اہم مقام حاصل کرے گا جب میں جلد سے جلد اس آدمی کی مدد کے لئے خاطر خواہ فوج اور دیگر ضروری سامان کے ساتھ روانہ ہو جاؤں جو بیک وقت

میرا آقا ہے، میرا مربی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرے خاندان اور میری جماعت کی فلاح وبہبود اور خوش حالی کا بانی مبانی ہے۔

یہ سن کر ناچیز کے والد ہدایت علی خاں نے جواب دیا ۔" میں نے آپ کا اور آپ کے خاندان کا نمک کھایا ہے اور میں خود کو آپ سے بہت قریب محسوس کرتا ہوں۔ لہٰذا جو کچھ حضور ارشاد فرمائیں گے اس کی تعمیل میں نہ صرف یہ کہ میں حتی المقدور قاصر نہ رہوں گا بلکہ مجھے اس بات پر فخر محسوس ہوگا کہ اس بحران میں میں آپ کے کام آسکا اور آپ کے دکھ درد میں شریک ہو سکا۔"

امید کی یہ شعاع دیکھ کر نوازش محمد خاں کی طبیعت خوش ہوگئی۔ چنانچہ اس نے جواب دیا کہ " فی الوقت میرے دل ودماغ کو دو باتیں پریشان کر رہی ہیں اول ادائے تنخواہ سپاہ کیونکہ اگر سپاہیوں کو تنخواہیں مل گئیں تو نہ صرف ان پر یہ بہت بڑا کرم ہوگا بلکہ وہ کسی حال میں مجھ سے پہلو تہی نہ کریں گے اور دوئم یہ کہ بندوبست صوبہ ایسے قابل، لائق اور معتبر شخص کے ہاتھوں میں ہو کہ میں بڑے اطمینان کے ساتھ اتنی فوج اور توپ خانے لے کر اپنے چچا کے پاس جا سکوں کہ ان سے وہ دشمن کی سرکوبی کر سکے یا بالفاظ دیگر میں ایک جری سپاہی، دوررس سپہ سالار اور لائق بھتیجے کی حیثیت سے ان کے روبرو کھڑا ہو سکوں۔"

والد محترم کا جواب

ان غیر متوقع تجاویز سے راہ میں جو مشکلات پیش آسکتی ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ناچیز کے والد نے کہا۔" حضور کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ہمارے ذرائع کتنے محدود ہیں اور ہمارے پاس کتنی محدود رقم ہے۔ اس محدود رقم سے سپاہ کو پوری تنخواہیں مل ہی نہیں سکتیں۔ بہرحال بندہ چونکہ حضور کے خاص مقربین میں سے ہے جیسے بھی ہوگا آپ کی خدمت بجا لانے کو فخر سمجھونگا۔ فی الحال اتنا ہو سکتا ہے کہ سپاہیوں کی تنخواہ کی کچھ رقم مالگذاری سے وصول کی جائے اور کچھ قرض لے کر دی جائے۔ باقی کا ذمہ فدوی خود لیتا ہے۔ میں قرض خواہوں کو مقررہ وقت میں ساری رقم ادا کر دوں گا۔ اب رہا بندوبست صوبہ کا سوال تو انشاء اللہ جب تک تن میں جان باقی ہے یہ ذمہ داری میں سنبھالتا رہوں گا۔ اگر صوبہ میں کہیں فساد کی چنگاری بھڑکی یا کسی نے بغاوت کے لئے سر اٹھایا تو اس کا جوابدہ میں ہونگا۔"

نوازش محمد خاں کو اس جواب سے روحانی مسرت حاصل ہوئی اس کے ذہن کو سکون ملا۔ چنانچہ اس نے اس کا شکرادا کرتے ہوئے کہا کہ میرے دماغ کو ہمیشہ یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سپاہی میری رفاقت پر رضامند ہو جائیں اور صوبہ کا انتظام وانصرام معتبر آدمی

کے ہاتھوں میں ہو۔ لہٰذا اب جبکہ ان پریشانیوں سے نجات پا چکا ہوں، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے بہت بھاری بوجھ میرے سر سے اتر گیا ہے۔ میری نگاہ ہمیشہ تم پر پڑی ہے کیونکہ اس ذمہ داری کا بار تمہارے علاوہ کوئی اٹھا نہیں سکتا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے بخوشی اور خندہ پیشانی سے اس بارگراں کو قبول کر لیا۔"

مازیاں راچشم یاری داشتیم

ناچیز کے والد ہدایت علی خاں تعمیل حکم کا وعدہ کرکے گھر آئے اور اپنے چھوٹے بھائی مہدی نثار خاں جو فوج کا بخشی اور سالار تھا طلب کیا اور اس سے اس گفتگو کی تفصیلی روداد بیان کی جو ان کے اور صوبہ دار نوازش محمد خاں کے درمیان ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ اس کے سپاہیوں کے بقایا حساب کتاب میں اپنے ذمہ لیتا ہوں ساتھ ہی انھوں نے سرداران فوج کو بلا کر یہ وعدہ لیا کہ وہ اس عالم پریشانی اور دور ابتلاء میں اپنے صوبہ دار کی معاونت کریں گے اور بنگال کی مہم سر کرنے سے انکار نہیں کریں گے۔ اس کے بعد سپاہیوں کو نہ صرف نوازش محمد خاں کی رفاقت پر راضی کیا بلکہ مالگذار اور مہاجنوں سے روپیہ لے کر ان میں تقسیم بھی کیا کچھ روپے جو وصول کرنے سے رہ گئے تھے ان سب کا تمسک لکھ کر دیدیا۔ اور کہا کہ میں روپیہ پہنچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس نے ہر ایک سے ایک ایک سند لے لی تاکہ اس کو روپیہ دے کر رسید حاصل کرے۔ جب یہ مشکل کام بحسن وخوبی انجام پا گیا اور نوازش محمد خاں کی ادھر سے دلجمعی ہوئی تو اس نے مبارک گھڑی کا انتخاب کرکے پانچ ہزار سوار اور چھ سات ہزار پیادے مع ہمراہی کے مرشد آباد کا رخ کیا۔ لیکن روانہ ہونے سے پہلے فدوی کے والد ہدایت علی خاں کو صوبہ عظیم آباد کی نیابت سے نوازا۔ اس نے اپنے ہمراہ میرے چچا مہدی نثار خاں اور پھوپھا عبدالعلی خاں کو بھی لے لیا۔ انھوں نے بھی اپنے مکان سے جتنا ہو سکا روپیہ نکال کر ساتھ لے لیا تاکہ اس کی فوج میں بے اطمینانی کی لہر نہ دوڑ سکے۔ اگر قارئین کو یہ بتایا جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ اس کے روانہ ہونے سے کچھ پہلے مہابت جنگ علی وردی خاں کا دوسرا خط آیا جس میں سابق خط کا مضمون دہرایا گیا تھا البتہ اس نے اپنے ہاتھ سے کسی شاعر کا یہ مصرع تحریر کر دیا تھا ؎

مازیاراچشم یاری داشتیم

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

لیکن مصرعہ ثانی تحریر نہیں کیا۔ البتہ منزلیں طے کرنے کے بعد جب دونوں امراء فوج کثیر کے ساتھ مرشد آباد پہنچ گئے اور دونوں مہابت جنگ کی قدم بوسی کے لئے گئے تو موخرالذکر نے عبدالعلی خاں سے معانقہ کرتے وقت دوسرا مصرعہ بھی پڑھ دیا ع

خود غلط بود آنکہ ما پنداشتیم

اس فوج کثیر کے باوجود مہابت جنگ علی وردی خاں نے مزید فوج اکٹھا کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے رسالہ داران لشکر کو بقدر لیاقت ترقی بھی دی۔ مصطفیٰ خاں کو جس کے رسالہ میں پانچ ہزار سوار تھے آٹھ ہزار سوار دیئے نیز اس کو منصب پنج ہزاری نوبت اور پالکی جھالردار اور ببر جنگ بہادر کا خطاب بھی ملا۔ اسی طرح فقیر اللہ بیگ خاں، نور اللہ خاں، حیدر علی خاں برادر حسین قلی خاں اور میر محمد جعفر خاں بہادر کے خطاب اور افزائش رسالہ سے سرفراز ہوئے۔ عمر خاں، شمشیر خاں، سردار خاں اور بہادر علی خاں وغیرہ افغان سردار افزائش رسالہ اور اضافۂ تنخواہ ذاتی سے سرفراز ہوئے۔ ان حفاظتی کارروائی کے علاوہ ہلکے اور بھاری توپ خانوں کو درست کیا گیا نیز ان میں اضافہ بھی کیا گیا۔ کچھ ایسے جنگی ہاتھیوں کو اس بات کی مشق کرائی گئی کہ وہ مہابت جنگ کے ہاتھی اور اس کے سامنے رہیں غرض کہ وہ سارا سامان جو جنگی مہم میں درکار ہوتا ہے مہیا کر لیا گیا اب صرف اس بات کا انتظار تھا کہ کب بارش ختم ہو اور وہ دشمن پر یلغار کرنے کا حکم صادر کرے۔

اس نازک ساعت میں دربار شاہی سے ایک امیر کی آمد کا اعلان کیا گیا۔ وہ امیر تھا مرید خاں جو بادشاہ کی طرف سے بنگال کا خزانہ لے جانے کے لئے آیا تھا۔ مہابت جنگ نے نہ صرف بادشاہ کے اس پیغام پر اعتراض کیا بلکہ اس کو یہ بھی اعتراض تھا کہ مرید خاں نے بنگال میں قدم کیوں رکھا۔ اس نے شخص مذکور سے عظیم آباد میں اس وقت تک قیام کرنے کی درخواست کی تا آنکہ مرہٹوں کی گوشمالی نہ ہو جائے دریں اثنا اس نے بادشاہ یعنی محمد شاہ کو مندرجہ ذیل تحریر بھی بھیجی :۔

محمد شاہ کے نام علی وردی کا خط

"فی الحال فدوی مرہٹوں کے حملے کی وجہ سے حسب دستور خزانۂ شاہی روانہ کرنے سے معذور ہے لہٰذا مرید خاں کو اس آشوب گاہ کی بجائے عظیم آباد میں ٹھہرایا ہے

تاآنکہ مرہٹوں کی سرکوبی نہ ہو جائے۔ فدوی کو یقین کامل ہے کہ خدا کی مدد سے اگر میں قزاقوں پر غالب آگیا تو حضور کی خدمت میں بہت ساماں ۔۔۔ پیش کروں گا۔ اس کام کے لئے حضور کی امداد چاہیئے۔ ہو سکے تو میری اعانت کے لئے چند اچھے سردار روانہ کر دیجئے کیونکہ ڈر اس بات کا ہے کہ اگر اس جنگ میں کوئی حادثہ رونما ہو گیا تو دشمن نہ صرف پورے ملک میں قابض ہو جائے گا بلکہ سلطنت کی شان وشوکت میں بل آجائے گا اور مصارف حضور اور خزانۂ شاہی جو خزانہ بنگالہ کی وصولیابی پر منحصر ہے موقوف القلم ہوں گے لہٰذا فدوی کی اعانت کرنا اور صورت حال کی نزاکت پر توجہ دینا حضور کے لئے اشد ضروری ہے کیونکہ اس پر پوری حکومت کی بہبودی اور خوشحالی کا دارومدار ہے ۔"

علی وردی خاں کے لئے کمک

بادشاہ نے درخواست پر خوب غور وخوض کیا اور جب اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے تو اس نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر نہ صرف وزراء سے مشورے کئے بلکہ عمدۃ الملک امیر خاں صوبہ دار الہ آباد سے بھی جو حضور سے دور تھا لیکن مخلصانِ عاقل میں تھا مشورہ طلب کیا۔ امیر خاں نے فوراً خط کے ذریعہ اپنی رائے سے بادشاہ کو آگاہ کر دیا۔ اس نے تحریر کیا کہ میں وزرا کے مشورے سے متفق ہوں۔ مہابت جنگ علی وردی خاں کی اعانت ضرور کرنی چاہیئے کیونکہ اس کی صلاحیتوں پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا چنانچہ بادشاہ نے ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ داماد اور جانشین برہان الملک سعادت خاں صوبہ دار اودھ کو دست خاص سے خط لکھا کہ وہ فوراً علی وردی خاں کے پاس کمک لے کر جائے ساتھ ہی اس نے عمدۃ الملک امیر خاں کو لکھا کہ وہ ابوالمصور خاں کو فوراً رخصت کرے اور اس کی جہاں تک ہو سکے مدد کرے۔ نیز بادشاہ نے بالاجی راؤ کے نام جو جمیع لشکر دکن کا سپہ سالار تھا علیحدہ تحریر کیا کہ :-

"حضور والا سے کثیر رقم چوتھ کی بابت ملا کرتی ہے ہو سکتا ہے کہ رگھوجی بھونسلہ نے بھاسکر کی قیادت میں بنگال میں لوٹ مار کرنے کے لئے جو قزاق بھیجے ہیں ان کی وجہ سے اس رقم کی ادائیگی منسوخ ہو جائے۔ لہٰذا صورتِ حال کی نزاکت کو

دیکھتے ہوئے تم فوراً صوبہ مذکور پہنچو اور ان قزاقوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لو تاکہ لوٹ مار سے نجات مل جائے۔

کشتیوں کا پل

ادھر بادشاہ بالاجی راؤ اور عمدۃ الملک کو خطوط تحریر کر رہا تھا اور دوسری طرف علی وردی خاں سامان حرب ضرب اور لشکر جرار آراستہ کر رہا تھا چنانچہ فوج اور توپ خانوں کو لے کر مہابت جنگ علی وردی خاں ایام برسات کے بعد ہیبت جنگ، صولت جنگ، عبدالعلی خاں اور ہمراہی وغیرہ کو لے کر بھاسکر کی سرکوبی کو نکلا اس نے اپنے سب سے بڑے بھتیجے شہامت جنگ نوازش محمد خاں کو مع اس کی فوج کے شہر میں چھوڑ دیا تاکہ وہ دارالخلافہ کی حفاظت کر سکے اور چند روز کی پیش قدمی کے بعد خود دریائے بھاگیرتی کے کنارے یعنی کٹوہ کے برابر آگیا- یہ دریا مرشد آباد میں بہتا ہے- مکمل آٹھ روز تک طرفین کی فوج ایک دوسرے پر توپ کے گولے برساتی رہی بھاسکر کے لشکر کو دو طرف سے دریائے بھاگیرتی گھیرے ہوئے تھا اور مقابل کی طرف سے مہابت جنگ علی وردی خاں اس کے سامنے آجی نالہ بھی پڑتا تھا- نیز میر حبیب کی کوششوں سے بھاسکر کو ایک بجرا بھی مل گیا تھا جو مہابت جنگ کے بالکل مدمقابل ٹھہرا ہوا تھا اور اس پر جو توپیں نصب کی گئی تھیں ان کے گولے سیدے مہابت جنگ کے سپاہیوں پر برستے تھے- اس بجرے اور توپوں کی وجہ سے دریا عبور کرنا ناممکن ہو گیا تھا- مہابت جنگ نے عبور دریا کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کوئی صورت کارگر ثابت نہیں ہوئی آخر میں فیصلہ یہی ٹھہرا کہ شب تاریک میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا ہے دریائے بھاگیرتی سے پار اتر کر اجی نالہ پر پہنچا جائے اور پھر وہاں کشتیوں کا پل باندھ کر بے خطر اتر جائے کیونکہ اس صورت سے مرہٹوں پر حملہ کیا جا سکتا تھا- چونکہ اجی نالہ سے دریائے بھاگیرتی کے دونوں کنارے ملک پھیلا ہوا تھا اور یہاں مرہٹے نہیں تھے اس لئے مہابت جنگ بڑی بڑی کشتیوں سے پل باندھنے میں کامیاب ہو گیا- اس کے بعد بڑے اطمینان سے ایک ہی رات میں اس نے فوج سمیت دریا کو عبور کر لیا- اور درمیانی سائز کی کشتیاں جو پل باندھنے کو تیار کی گئی تھیں ایک ایک دو دو فوج آہستہ آہستہ کھینچ کر بھاگیرتی کے کنارے سے آجی کے کنارے تک لے آئے- قسمت کی خوبی دیکھئے کہ اس وقت مرہٹے خواب نوشیں کے مزے لے رہے تھے اور اگر کسی کی آنکھ کھل بھی جاتی تو ملاح ایسا جواب دیتے کہ انھیں

کروٹ لینے کی ہمت نہ ہوتی۔ غرض کہ اس تدبیر سے بے شمار کشتیاں اتجی میں جمع ہو گئیں اور اس پر انھوں نے جھٹپٹا ہونے سے کچھ پہلے ہی پل باندھ لیا۔ اس وقت مہابت جنگ علی وردی خاں مرہٹوں سے صرف نصف کوس کے فاصلے پر تھا۔ مرہٹوں کو ان کی کسی تدبیر کی ذرا بھی خبر نہ ملی اور نہ ان کو ذرّہ برابر بھی شک گذرا۔ لہٰذا وہ بڑے اطمینان سے اپنی دنیا میں مگن رہے دوسرا پل تیار ہوا ہی تھا کہ مہابت جنگ علی وردی خاں نے آہستہ آہستہ اپنے بہترین اور آزمودہ سپہ سالاروں کو مع اپنے دستے کے عبور کرنے کا حکم دیا۔ یہ سپہ سالار تھے مصطفیٰ خاں، شمشیر خاں، عمر خاں، سردار خاں اور جعفر خاں، مہابت جنگ پل پر سب سے آگے آگے تھا سارے سردار پا پیادہ مع ہمراہیوں کے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے لب دریا پہنچے۔ پہنچتے ہی اس نے اپنے رفقائے معتمدین کو جمع کرکے حکم دیا کہ مرہٹوں پر ایسی برق رفتاری سے ٹوٹ پڑو کہ وہ منظم نہ ہو سکیں نیز ان کو یقین بھی دلایا کہ جب وہ لوگ دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح اپنی تلوار خون آشام سے کاٹ رہے ہوں گے وہ خود (مہابت جنگ) دریا کو عبور کر لیگا اور وہیں سے ان کو مدد دے گا۔

غیر متوقع واقعہ

منصوبے پر بڑی ہوشیاری سے عمل کیا جانے لگا۔ فوج کے بہادر سپوت اعزاز حاصل کرنے کے لئے سب سے آگے آگے اور دریا عبور کرنے لگے۔ یکایک ایک عجیب و غریب اور غیر متوقع واقعہ نمودار ہوا۔ پل کے بیچوں بیچ دو ایک کشتی غرقاب ہو گئیں۔ رات چونکہ تیرہ و تاریک تھی اور جوانانِ صف شکن سبقت کرتے ہوئے اعزاز حاصل کرنے کے لئے چلے آرہے تھے۔ ان کو کیا خبر تھی کہ ایک کشتی غرق ہو چکی ہے نتیجہ یہ ہو کہ بہتیرے سپاہیوں نے غرق دریا ہو کر دیارِ عدم کی راہ لی۔ معتمدانِ خیراندیش نے بعد میں اعداد و شمار جمع کرکے بتایا کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار لشکر جرار بحرِ غفلت میں غرق ہو گئی۔ بعضوں کا تو یہ خیال ہے کہ اموات اس سے بھی زیادہ واقع ہوئی تھیں۔ جب اتنے سارے لوگ غرق دریا ہوئے تب پل کے ٹوٹنے کا راز کھلا اور اس طرح بقیہ سپاہی بچ گئے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی ہراساں نہ تھا۔ چابک دستانِ فدویت منش نے اس وقت دوسری کشتیاں لاکر رخنہ بندی کی اور اس طرح چشم زدن میں پل درست ہو گیا اور پھر مردانِ فیل تن دریا عبور کرنے میں مصروف ہو گئے۔

رات ڈوبتی جا رہی تھی اور صبح کا اجالا پھیلنے ہی والا تھا۔ اس وقت صرف دو تین ہزار مردانِ جرار پار اترے تھے۔ سبھوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ اگر صبح کا اجالا پھیل گیا اور تیرہ بخت مرہٹوں کو ہماری فوج کی تعداد معلوم ہو گئی تو یقیناً وہ اندھیر برپا کر دیں گے اور کچھ بنائے نہ بنے گا۔ لیکن اگر وہ اس وقت ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو ان میں انتشار پھیل جائے گا اور وہ گھبرا جائیں گے

آندھی اور بجلی

چنانچہ باہمت نوجوانوں نے اس فیصلہ کے بعد ہاتھوں میں شمشیر برہنہ لی، دعا مانگی اور اس برق رفتاری سے دشمنوں پر یلغار کی کہ وہ گھبرا اٹھے اور فوراً علی وردی خاں کی آمد کی چیخیں گونجنے لگیں۔ فوج مرہٹہ میں ایسا اضطراب مچا کہ وہ چون وچرا کئے بغیر گھوڑے پر چڑھ کر فرار ہو گئی۔ بہادران شیر صفت نے ہزاروں کو شمشیر خون آشام کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کی لاشیں میدان رزم میں یوں بکھری پڑی تھیں جیسے زمین پر غلہ کے بجائے سر اگ آئے ہوں۔ وہ آندھی بن کر آئے اور برق بن کر چمکے۔

علی وردی خاں نے خوشی خوشی دریا عبور کیا۔ اس طرح اس کے بقیہ سپاہی بھی آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑ سوار اور پیادہ فوج اور توپ خانے بھی آ گئے سب دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے بیتاب وبے قرار تھے۔ مہابت جنگ علی وردی خاں نے فوج کو منظم کیا، بجلی جیسی سرعت سے آگے بڑھا اور دشمنوں کا تعاقب کرتا گیا۔ اس کی زد میں جو بھی آتا جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ مرہٹے جس قدر کم اہل اقتدار اور اہل قوت تھے سب تہہ تیغ ہوئے اور باقی جو بچ گئے وہ ایسے بھاگے کہ انھوں نے مڑکر یہ دیکھنا بھی گوارا نہ کیا کہ دشمن کی طاقت کیا ہے جلدی میں ان کے ہاتھوں میں جو آیا اسی پر قناعت کر لی باقی سامان چھوڑ دیا۔ جب وہ بہت دور نکل گئے اور سستانے کا موقع ملا تو انھوں نے محسوس کیا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ پھر منظم ہوئے اور ایک میل تک آگے بڑھ آئے لیکن جونہی ان کو علی وردی خاں کی پوری فوج، اور توپ خانے کی آمد کی اطلاع ملی کہ ان کے قدم پھر اکھڑ گئے اور دم دبا کر راہ فرار اختیار کی۔

مہابت جنگ علی وردی خاں کو سپاہ کثیر کے غرق آب ہونے سے جو دلی ملال ہوا تھا اس فتح و ظفر نے اس کے بار غم کو تھوڑا ہلکا ضرور کیا لیکن اس کا دل مسرتوں سے پورے طور پر ہمکنار نہ ہو سکا۔ اس نے اس فتح کو فتح خداوندی سے تعبیر کیا۔ بہر کیف اس نے اختتام جنگ کے بعد اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کی مہلت دی اور خود مرہٹہ کے خیمہ میں آگیا۔ دریا میں جو لوگ غرق ہوئے تھے ان کی لاشیں نکلوائی گئیں۔ اسلحہ اور لباس علیٰحدہ کر کے ان کو تجہیز و تکفین کے بعد دفن کیا گیا۔ ان کا چہرہ دیکھ کر پتہ چلا کہ ان کا رنگ کبودی ہو گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ موسم خاصا گرم تھا اور موسم برشگال کے آخری دن تھے اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ زرہ بکتر کی وجہ سے ان کا دم گھٹ گیا ہو بہر حال حقیقت حال کا علم خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔

بھاسکر عالم بے بسی میں یہ شاندار اور عظیم الشان فتح ماہ شعبان ۱۱۵۵ھ میں واقع ہوئی۔ بھاسکر جب ہر طرح سے مایوس ہو گیا تو اس نے مزید ٹھہرنا حماقت سمجھ کر پچھٹہ کی راہ لی۔ اس کے سپاہی بھی انتشار اور خوف و ہراس کے عالم میں ہنگلی، بردوان اور میدنی پور ضلع خالی کر کے بھاگے لیکن وہ جدھر بھی بھاگ کر جاتے مہابت جنگ علی وردی خاں ان کا تعاقب کرتا۔ کیونکہ وہ ایک ایک مرہٹہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ بھاسکر دشمنوں کی پیش قدمی اور تعاقب سے خوفزدہ ہو کر ایسے جنگل میں پھنس گیا جہاں صرف کانٹے ہی کانٹے تھے چند روز کے بعد بڑی مشکل سے ایسی جگہ پہنچا جہاں سانپوں اور چیونٹیوں کی کائنات نظر آتی تھی لیکن اتنے لمبے لمبے اور گھنے درخت چاروں طرف اُگے ہوئے تھے کہ اس جنگل کے کسی راستے سے بھی دو گھوڑ سوار بیک وقت گذر نہیں سکتے تھے۔ اور نہ ہی کسی سردار کو یہ پتہ چل سکتا تھا کہ اس کے ہمراہی کہاں ہیں۔ جب اس دشوار گزار جنگل سے بھاسکر کا اپنے ملک کی سرحد تک پہنچنا ناممکن ہو گیا اور پھر اتنے دشمنوں کے تعاقب سے اس کا اندیشہ بڑھتا گیا تو چاروناچار اس کو میر حبیب کا احسان سر پر لینا پڑا۔ وہ اس کی رہنمائی میں جنگل بشن پور کو روانہ ہوا۔ پھر وہاں سے چندرکونہ کی راہ لے کر میدنی پور سے نکل گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے

فوج کا ایک دستہ شیخ معصوم کے دفیعہ کے لئے کٹک روانہ ہو گیا۔ یہ سپہ سالار قلیل آدمیوں کے ساتھ ہریار پور میں خیمہ زن تھا۔ مرہٹوں نے اس کی کمزوری کو محسوس کر کے اس پر حملہ کر دیا لیکن شیخ مذکور نے دل جوئی کے باوجود اطاعت قبول نہ کی بلکہ وہ مرد دلیر اپنے وقار اور عزت کی خاطر مٹھی بھر آدمیوں کو ساتھ لے کر مستعد محاربہ ہوا اور کافی خون خرابہ اور سخت جنگ کے بعد وہ زمین پر گر پڑا اور ابدیت کی راہ لی۔

مرہٹوں کا فرار

جب مہابت جنگ علی وردی خاں کو میدنی پور میں بھاسکر کے پہنچنے کی اطلاع ملی اس نے فوراً بردوان کے جنگلوں کو عبور کرتے ہوئے بھاسکر پر حملہ آور ہونے کی ٹھانی اس کی اس شجاعت اور ہمت، صبر و استقلال اور عقل و دانش کو دیکھ کر بھاسکر پر ایک بار پھر خوف و دہشت کا غلبہ ہوا۔ چنانچہ ابھی وہ کٹوہ کی شکست فاش کو بھول نہیں سکا تھا کہ پھر میدنی پور سے بھاگنا پڑا۔ وہاں سے پھر بالیسر بندر کی طرف گیا۔ لیکن مہابت جنگ بھی دھن کا پکا تھا۔ وہ اس کا تعاقب کرتا گیا۔ اس نے بھاسکر کی نہ صرف نیند حرام کر دی بلکہ اس کا سکون بھی درہم برہم کر چکا تھا۔ کیونکہ مہابت جنگ طے کر چکا تھا کہ جیسے بھی ہو گا اس کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھا کر رہے گا۔ بھاسکر نے اخیر میں مہابت جنگ سے مقابلہ کی ٹھان لی مقابلہ بڑا ہی سخت ثابت ہوا کیونکہ طرفین کے بے شمار آدمی اس میں ہلاک ہوئے لیکن بھاسکر کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ فتح کی امید سرے سے جاتی رہی اور چاروں طرف اس کو اندھیر انظر آنے لگا تو وہ پھر بھاگ کھڑا ہوا لیکن فوج بنگالہ بدستور اس کا تعاقب کرتی گئی۔ ساتھ ہی مہابت جنگ علی وردی خاں مع صولت جنگ، ہیبت جنگ عبد العلی خاں بہادر شجاع جنگ، عطاء اللہ خاں بہادر نائب جنگ، مصطفےٰ خاں بہادر ببر جنگ، میر محمد جعفر خاں بہادر، شمشیر خاں، سردار خاں، عمر خاں، حیدر علی خاں بہادر، فقیر اللہ بیگ خاں بہادر اور نور اللہ بیگ خاں بہادر وغیرہ کے فوج ظفر موج اور توپ خانہ قیامت آشوب لے کر بھاسکر کے تعاقب کو نکلا وہ طوفان اور آندھی بن کر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مرہٹے بے حال و نیم جاں ہو چکے تھے ان کو لڑائی کی مزید ہوس نہ رہی۔ وہ سرحد کٹک سے ہوتے ہوئے سرحد دکن تک آ گئے پیچھے

پیچھے مہابت جنگ بھی تھا۔ لیکن دریائے چیلکا تک پہنچ کر وہ رک گیا اور جب اُس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ مرہٹوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ کٹک میں جو صوبہ اڑلیہ کا دارالملک ہے آیا۔ مگر شیخ معصوم کے مارے جانے پر اس کو بے حد افسوس ہوا۔ اس نے مقتول کے اہل خاندان سے اپنے رنج و غم کا اظہار کیا اور سبھوں کی کفالت کا بیڑہ اٹھایا۔ شیخ معصوم کا عہدہ مصطفیٰ خاں کے چچا عبدالنبی کو دیا گیا۔ اس کی سفارش سے اس کو منصب سہ ہزاری اور خطاب بہادری اور پالکی جھالردار سے سرفراز کیا۔ اس کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کرے۔ عبدالنبی نے اپنے بھتیجے کی دعوت پر اپنا وطن ساماناں چھوڑ کر چند ہمراہیوں کے ساتھ جو اسی کے ہموطن تھے مہابت جنگ کی ملازمت کر لی تھی یہ سب کچھ جنگ بردوان کے تھوڑے ہی روز بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس کے رسالے میں پانچ ہزار سوار سے کم نہ تھے ان سواروں کو اسی کی کمان میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ پانچ ہزار سوار کے رسالے کے علاوہ بہت سے برقنداز، توپ خانے اور ضروری سامان بھی دیئے گئے۔ لیکن چونکہ یہ شخص انتظام حکومت میں بالکل کورا تھا اور طبعیتاً بھی شائستہ نہ تھا اس لیئے راجہ دولوبرام پسر راجہ جانکی رام اس کی پیش کاری پر مقرر ہوا۔

یہ سارے انتظامات روبہ عمل آ گئے تو عظیم آباد میں ابوالمنصور خاں کی آمد کی اطلاع ملی نیز اس کی بعض حرکات نازیبا کی اطلاع سے بھی مہابت جنگ کو صدمہ ہوا۔ یہ اطلاع پا کر اس کو کٹک سے فوراً کوچ کرنا پڑا۔ لہٰذا کوچ کرنے سے پہلے اس نے صوبہ کا انتظام نئے نائب کے شانے پر رکھا اس کو چند مفید نصیحتیں کیں اور پھر اپنے دو داماد دو رفیقوں اور فوج کے ہمراہ مرشد آباد روانہ ہو گیا وہ بردوان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اس کو ابوالمنصور کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ اپنے ملک واپس چلا گیا ہے یہ اطلاع اس وقت موصول ہوئی تھی جب مہابت جنگ علی وردی خاں اس کے تدارک کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اس کو ابوالمنصور کی حرکات ناشائستہ سے اتنا رنج ہوا تھا کہ کچھ روز پہلے ہی مصطفیٰ خاں سے یہ دریافت کیا تھا۔

"مصطفیٰ خاں، تمہیں معلوم ہوگا کہ اودھ کے ناظم سے معاندانہ فعل سرزد ہو رہا ہے۔ چونکہ میں مرہٹہ کی سرزنش میں مصروف ہوں اس لیئے

اگر اُس سے بھی لڑنا پڑا تو کیا کرنا ہوگا؟"

مصطفیٰ خاں نے کسی پس و پیش کے بغیر جواب دیا:۔

"چندان تشویش کا مقام نہیں ہے۔ ایک کو حضور خود زیر کریں اور دوسرے کو آپ کا غلام۔ خدا نے چاہا تو نتیجہ خاطر خواہ نکلے گا۔"

مہابت جنگ کو اس جواب سے اطمینان ہوا ہی تھا کہ اس نے یہ خبر سن کر بادشاہ کے حکم کے بموجب بالاجی راؤ بنگال کی مدد کو آرہا ہے۔ یہ سن کر وہ فوراً مرشد آباد روانہ ہوا۔ لیکن ابھی وہ پہنچا بھی نہ تھا کہ بالاجی کے پہنچ جانے کی اطلاع آگئی۔

محمد شاہ کی طرف سے خطابات

اس وقت تک مہابت جنگ علی وردی خاں کی فتح یابی کی خبر دربار محمد شاہی میں پہنچ چکی تھی۔ بادشاہ اس کے اس عمل سے اتنا خوش ہوا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے مبارک بادی اور تحسین و آفریں کا خط لکھ کر بھیجا۔ ساتھ ہی خطاب حسام الملک اور شمشیر و خنجر مرصع و عقد مروارید اور سرپیچ مرصع اور خلعت ملبوس خاص سے نوازا۔ اس کے علاوہ مہابت جنگ نے دربار محمد شاہی میں جو استدعا کی تھی اس کے بموجب اس نے اس کے خاندان کے خاص خاص افراد کو نئے اعزازات و خطابات مرحمت فرمائے۔ مثلاً نوازش محمد خاں شہامت جنگ کو احتشام الدولہ اور صولت جنگ سید احمد کو مہام الدولہ اور ہیبت جنگ کو احترام الدولہ کا خطاب ملا۔ نیز عطاء اللہ خاں ثابت جنگ کو اعزاز الدولہ اور مصطفیٰ خاں کو منصب سہ ہزاری اور خان بہادر کے خطاب حضور سے عطا ہوئے۔

والد محترم اور ابو المنصور

عظیم آباد میں ابو المنصور خاں صفدر جنگ کے کردار و عمل پر میں نے بہت ہی کم روشنی ڈالی ہے لہٰذا اس موضوع کو ذرا تفصیل سے بیان کروں گا۔ عظیم آباد میں ابو المنصور کی آمد ۱۱۵۵ھ کے ماہ شوال کے ابتدائی ایام میں اور واپسی ذی قعدہ کے اخیر میں ہوئی۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب مہابت جنگ علی وردی خاں کو اطمینان ہوگیا تھا کہ قرب و جوار میں دشمن کا وجود تک نہیں ہے اس لئے دریائے چلیکا میں پہنچ کر اس نے مزید تعاقب

کا ارادہ ترک کر دیا اور پھر فتح و ظفر مندی کے نشہ میں چور کٹک واپس آگیا تھا کٹک ہی میں اس کو عظیم آباد سے وہ خطوط ملے جن کو پڑھ کر اس کا پارہ ایک دم سے چڑھ گیا تھا۔ اس وقت تک اس کے پاؤں مرشد آباد کے آس پاس پہنچ گئے تھے یکایک اس شہر کے مخالف سمت سے مرہٹہ کی دو عظیم فوجیں نمودار ہوئیں دونوں ہی خطرناک حد تک خطرناک تھیں۔ ایک فوج رگھوجی بھونسلہ کی کمان میں تھی جس کا مقصد بنگال کو تاخت و تاراج کرنا تھا اور دوسری فوج بالاجی راؤ کی کمان میں تھی جو بحکم حضور کمک لے کر آئی تھی یہ واقعہ ۱۱۵۶ھ کا ہے جبکہ میرے خاندان کی اقبال مندی اور خوشحالی حاسدوں کی آنکھوں میں ایسی کھٹکی کہ انھوں نے میرے محترم والد اور ابو المنصور خاں کے رشتہ پر غلط روشنی ڈالی اور ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ وقت نے اس باہمی ربط و ضبط کو مہابت جنگ کی آنکھوں میں کسی نہ کسی طرح ایسے رنگ میں پیش کیا کہ وہ آزردہ خاطر ہو گیا۔ خصوصاً اس کے بھتیجے کو یعنی ان دنوں جو بہار میں ناظم الامور تھا ان کی طرف سے بد دل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوستی و رفاقت ہمدردی و محبت یکایک نفرت میں بدل گئی۔ دونوں کے دلوں میں عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اس غلط فہمی کی ابتداء یوں ہوتی ہے:۔

جب برسات کا موسم گذر گیا اور راستے خشک ہو گئے کہ ابو المنصور خاں صفدر جنگ نے اپنے دار الحکومت اودھ سے کوچ کر کے عظیم آباد کا رخ کیا۔ اس کی کمان میں بہت بھاری فوج تھی یعنی تقریباً دس ہزار ہندوستانی بڑے ہی تند و مند اور چاق و چوبند اور سات ہزار مغل گھوڑ سوار تھے ان میں بیشتر نادر شاہ کے سپاہی تھے جو اس کی ملازمت چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ ان سپاہیوں کے علاوہ توپ خانے بھی تھی جن کے پیچھے پیچھے بہت بڑا خیمہ تھا جس میں ضروری اشیاء تھیں۔ کوچ کرنے سے پہلے اس نے امیر خاں عمدۃ الملک کو جو بیک وقت اس کا دوست اور سرپرست بھی تھا یہ عرضداشت بھیجی:۔

"حضور سلطانی کے حکم کے بموجب اور خود آپ کے مشورے کے مطابق یہ فدوی صوبہ دار بنگالہ کی مدد کو روانہ ہو رہا ہے جس کو مرہٹے عرصہ دراز سے پریشان کر رہے ہیں۔ لیکن چونکہ مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے راستہ میں بہت ساری مشکلات پیش آئیں گی اور نیز یہ حقیقت آپ پر واضح ہے کہ

خود میرے صوبے میں فتنہ و فساد کا بازار گرم رہتا ہے کیونکہ وہاں کے زمیندار نہ صرف یہ کہ اطاعت نہیں کرتے بلکہ خود مختاری کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں اس لئے ان کی سرگرمی کو دبانے کے لئے اور بغاوت کو کچلنے کے لئے آہنی ہاتھ کی ضرورت رہتی ہے اس صورت حال کے پیش نظر نہ تو میں اپنے اہل خاندان کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ سکتا ہوں نہ شائستگی کے ساتھ ان کو اپنے ہمراہ لے جا سکتا ہوں اور نہ ہی ایسی کوئی مناسب پناہ گاہ ہے جہاں ان کو چھوڑ کر اطمینان سے جا سکتا ہوں۔ لہٰذا آپ کے خادم کی عرضداشت ہے کہ اس کو قلعہ رہتاس اور چنار عنایت ہو تاکہ اہل وعیال کو وہاں رکھ کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے نکل سکے "

امیر عمدۃ الملک نے اس عرضداشت کو منظور کیا اور ابوالمنصور خاں کے نام چنار کی قلعہ داری کی سند لکھ کر بھیج دی نیز اس نے اپنے قلعدار کو بھی لکھا کہ قلعہ مذکور اس کے حوالے کر دے۔ ابوالمنصور خاں اسناد لے کر بنارس پہنچا اور پل باندھ کر دریائے گنگا کو عبور کیا اس کے بعد وہ اپنے اہل و عیال سمیت قلعہ چنار کی طرف بڑھا یہاں پہنچ کر اس نے اپنی طرف سے عمدہ معتمد اور محافظ مقرر کیا اور خود بکمال شان و شوکت اور جاہ وجلال متعلقین کے ہمراہ عظیم آباد تک آیا۔ متعلقین کو عظیم آباد تک اپنے ہمراہ لانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر اس جگہ مرہٹوں سے لڑنے کی نوبت آئے تو ان کو واپس چنار بھیج دیگا۔

مجھ ناچیز کے والد سید ہدایت علی خاں بہادر ان دنوں عظیم آباد کے نائب تھے اسی اثنا میں زین الدین احمد خاں یعنی ان کے آقا کی طرف سے یہ مکتوب موصول ہوا

"حسب الحکم حضور، ابوالمنصور خاں صفدر جنگ مدد کو پہنچ رہا ہے۔ لہٰذا جونہی شہر میں اس کی آمد کی اطلاع ملے تم فوراً اس کے استقبال کو روانہ ہو جاؤ اور اس کی ضیافت و خاطر داری میں تم کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھو تاکہ اس کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔

خوفناک مہمان شہر میں ابوالمنصور خاں کی آمد کی جونہی اطلاع ملی عظیم آباد کے چاروں طرف جیسے زلزلہ آگیا۔ لوگ ہراساں و لرزاں تھے کیونکہ لوگوں کو فوج نادری کے ظلم وستم یاد تھے۔ ان کی بدقسمتی کہیئے یا کچھ اور کہ ابوالمنصور کی فوج میں زیادہ تر لوگ نادشاہ کے سپاہی ہی تھے جو وہاں سے رشتہ توڑ کر اس سے آملے تھے۔ ان کے ظلم و تعدی اور بے رحمی وستم گری سے عظیم آباد کے شہری اس حد تک خائف تھے کہ ان کو محسوس ہوگیا کہ جیسے روز محشر سر پہ ہے ان کے حافظہ میں شاہجہاں آباد کی غارتگری اور تباہی و بربادی کی داستانیں تازہ تھیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے نائب ناظم کے پاس اگرچہ چاق وچوبند اور جرار فوج موجود ہے لیکن ایسے "خوفناک مہمان" کے آگے اس کا کیا مقابلہ ہوسکتا تھا۔ جس کی کمان میں ایسی فوج ہے جس کی شقاوت و بیدردی سے دنیا کانپ اٹھتی ہے۔ خود نائب ناظم کو ابوالمنصور اور اس کی طاقت کا کوئی علم نہ تھا۔ چنانچہ حفظ و ناموس و آبرو اس نے سوچا کہ کسی کو واسطہ میں لایا جائے۔

مرید خاں طباطبائی یکایک اس کے ذہن میں مرید خاں کا خیال آیا مرید خاں اس وقت مہابت جنگ کے ایما کے بموجب عظیم آباد میں مرہٹوں کی سرکوبی کے لیئے موجود تھا۔ اس شخص کا تعلق فرقہ سادات طباطبائی سے تھا اور میرے والد بھی خوش بختی سے اس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ان ہی تعلقات باہمی کی وجہ سے دونوں کے رشتے بہت جلد مستحکم ہوگئے۔ ناچیز کے والد نے ان ہی بنا پر سوچا کہ ابوالمنصور خاں سے ملاقات کرنے کے لئے اس سے بہتر وسیلہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ امرائے حضور میں بھی تھا اور ابوالمنصور خاں سے اس کی بہت پرانی آشنائی بھی چلی آرہی تھی چنانچہ ناچیز کے والد نے بڑے اطمینان سے اپنا مافی الضمیر بیان کیا اور اس امیر نے بھی ان کے شبہات فرو کرتے ہوئے ابوالمنصور خاں سے ملاقات کرانے کا حتمی وعدہ کرلیا۔

اس خیال کے تحت مرید خاں ابوالمنصور خاں سے ملنے چلا گیا اور اسی کے خیمہ سے چند روز کے اندر میرے والد محترم کو ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ آپ بلا تکلف یہاں تشریف لایئے اور ذہن میں جو شکوک وشبہات پل رہے ہیں اُن کو سرے سے

دور کر دیجئے۔ اس خط کے علاوہ ابو المنصور خاں نے بھی علیحدہ ایک خط ارسال کیا جس میں نہ صرف والد محترم سے اظہار ہمدردی کیا گیا تھا بلکہ ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی گئی تھی۔

چنانچہ ان خطوط سے قبلہ والد کی ہمت افزائی ہوئی اور وہ مینر تک اس کے استقبال کے لئے آگئے اور اثنائے راہ میں اطاعت کر کے مورد الطاف وعنایت ہوئے ابو المنصور خاں نے والد محترم سے نہ صرف ہمدردی سے پیش آئے بلکہ ان سے باتیں بھی کیں اس کے بعد وہ اپنے سازوسامان اور لشکر کے ہمراہ عظیم آباد آیا۔ یہاں آکر اس نے سب سے پہلا فرمان جو جاری کیا وہ یہ تھا کہ زین الدین خاں ہیبت جنگ کے مال واسباب سے قلعہ کو خالی کرایا جائے۔ اس فرمان کے اجراء سے قبل ہی اس نے قلعہ کے دروازوں پر مغلوں کو بٹھا دیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان محافظوں کی وجہ سے قلعہ کے اندر سے سامان لے جانا ناممکن ہو گیا۔ لیکن جب رات کی تاریکی چھائی میں والد محترم کے حکم کے بموجب چند معتبر آدمیوں کو لے کر قلعہ کے اندر گیا اور سارے مال واسباب بکمال ہوشیاری مکان مقررہ میں لایا۔ اور پھر وہاں سے سارا سامان دور دراز علاقہ میں یعنی اپنے مکان کے قریب ہی منتقل کر دیا۔

ابو المنصور خاں عظیم آباد میں

دوسرے دن ابو المنصور خاں بڑے تزک واحتشام اور جاہ وجلال کے ساتھ عظیم آباد میں داخل ہوا اور کہیں رکے بغیر وہ قلعہ کے اندر آیا۔ یہاں اس نے اپنے چند ہمراہیوں کو تعینات کیا اور پھر قلعہ کو سرسری طور سے دیکھ کر خود جدِ مادری کی قبر پر زیارت کے لئے آیا (یہ منارہ سعادت خاں کے باپ کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے) تھوڑی دیر تک قبر پر اس نے فاتحہ پڑھی پھر وہ باغی پور آگیا جہاں اس کے لئے خیمہ پہلے سے نصب کر دیا گیا تھا یہاں سارے منصب دار امراء زمیندار، جاگیر دار اور شہر کے دیگر معزز افراد نذرانے اور تحائف لے کر حاضر خدمت ہوئے لیکن یہ شخص چونکہ فطرتاً مغرور اور نخوت پسند تھا اس لئے اس نے ان کے نذرانے اور تحائف کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اس کے علاوہ معزز ومقتدر لوگوں سے اس طرح پیش آیا جیسے ان کی کوئی اہمیت نہ ہو بلکہ اس نے معمولی لوگوں کو ان کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر بے دل اور ناراض ہو گئے۔

ان دنوں عظیم آباد میں ہیبت جنگ بعض منتخب عمدہ ہاتھی اور بڑی بڑی توپیں مرہٹہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ ابو المنصور خاں نے جونہی ان کے بارے میں

سنا کہ اس نے فدوی کے والد محترم کو طلب کیا اور کہا کہ وہ ہاتھی اور توپیں جتنی قیمت میں بھی ہو مجھے دلوا دو۔ ہدایت علی خاں نے ان الفاظ میں جواب دیا:۔

"حضورِ والا نہ تو میرا کوئی سوداگر ہے اور نہ یہ بندہ گماشتہ۔ حضور بھی اہل ثروت دعا لیجاہ ہیں اور وہ بھی اس کے علاوہ آپ دونوں میں ایسا ربط باہمی ہے اور اتنا اتحاد و اتفاق ہے کہ آپ کا اور ان کا مال الگ الگ نہیں ہو سکتا جن اشیاء کے وہ مالک و مختار ہیں، ان پر ان کے دوستوں کا بھی اتنا ہی حق ہے لہٰذا حضور والا، جو چاہیں تصرف میں لائیں لیکن میں ایک غلام ہونے کی وجہ سے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کوئی چیز نہیں دے سکتا۔"

لیکن اس کے آگے ان باتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی لہٰذا اس نے دو تین زنجیر فیل اور تین چار ضرب توپ، ہر چند کہ اس کے شایانِ شان نہ تھیں زبردستی اپنی سرکار میں داخل کر لیں۔ جب ان باتوں کی اطلاع مرشد آباد پہنچی تو مہابت جنگ اتنا ناخوش ہوا کہ اس نے مرشد آباد آنے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ اس وقت اس کو اپنی ہی مملکت میں رہنا ضروری تھا ساتھ ہی اس نے بادشاہ کے نام بھی مندرجہ ذیل عرضی بھیجی:۔

"مجھے ابو المنصور خاں ایسے لوگوں کی قطعی ضرورت نہیں۔ کیونکہ باقبال حضور جو کچھ ہو گا اپنی جاں فشانی اور محنت و مشقت سے تعمیل کر کے دکھاؤں گا نیز خادم اور ابو المنصور خاں کے درمیان چونکہ دوستی و رفاقت کا رشتہ مضبوط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خادم امیدوار ہے کہ حضور اس کو اپنے صوبہ میں واپس جانے کا حکم صادر فرمائیں۔"

بادشاہ کا شقۂ خاص

بادشاہ نے مہابت جنگ علی وردی خاں کی درخواست کے پیش نظر ابو المنصور خاں کے نام شقۂ خاص جاری کیا کہ وہ جلد از جلد اپنے صوبے کو واپس چلا جائے۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ فرمان دار الخلافہ سے ابو المنصور خاں کے پاس پہنچا اس کو نہ صرف فرمان مذکور کا علم ہو چکا تھا بلکہ اس کو یہ بھی پتہ لگ گیا تھا کہ علی وردی خاں کی درخواست کا بادشاہ کے ذہن پر کیا ردِ عمل ہوا ہے۔ ان ہی ذرائع سے اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ بالاجی راؤ بادشاہ کے حکم سے عنقریب علی وردی خاں کو مدد دینے کے لئے عظیم آباد پہنچ رہا ہے جہاں سے وہ بنگال کوچ کرے گا۔ ابو المنصور اور

بالاجی راؤ کے درمیان پرانی عداوت چلی آرہی تھی اور اس عداوت کی بنیاد یوں پڑی تھی کہ سعادت خاں برہان الملک نے بالاجی راؤ کے والد باجی راؤ کو شکست فاش دی تھی اور بہت سارے مرہٹہ سردار اس کے ہاتھوں قید ہوئے تھے اور یہ قیدی اب تک اس کے داماد ابوالمنصور خاں کی قید میں تھے۔ ابوالمنصور خاں کو بالاجی راؤ سے سخت اندیشہ ہوا چنانچہ اس نے اپنے صوبہ اودھ کو لوٹ جانا ہی مصلحت سمجھا۔ غرض کہ ایک منٹ بھی ضائع کئے بغیر وہ عظیم آباد سے کوچ کرکے نیسر تک آیا اور جہاں اس نے کشتیوں کا پُل باندھا اور اس طرح اس نے دریائے گنگا کو عبور کیا۔ گھاٹ منیر تک فدوی کے والد محترم اس کے ہمراہ گئے تھے۔ چنانچہ یہاں پہنچتے ہی اس نے والد محترم کو رخصت کر دیا اور خود اپنے صوبے کو روانہ ہو گیا۔

والد محترم کے خلاف افواہیں

والد محترم اگرچہ محض ضرورتاً ابوالمنصور خاں سے ملنے گئے تھے۔ لیکن حسد وبغض اور چھل کپٹ کا برا ہو کہ اس واقعہ کو بالکل ہی غلط رنگ میں پیش کیا گیا۔ ان کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے دل و دماغ میں برے ارادے پرورش پا رہے تھے۔ ایسے نیک اور پاک باز آدمی کے بارے میں ایسی بے سروپا باتیں کوئی سڑی اور پاگل ہی اڑا سکتا ہے۔ مفسدوں نے یہ بات بھی اڑا دیں کہ ہدایت علی خاں نے مرید خاں کی وساطت سے ابوالمنصور صفدر جنگ سے ملاقات کی ہے۔ مہابت جنگ کو چونکہ پہلے ہی سے مرید خاں اور ابوالمنصور خاں سے ملال تھا اس لئے اس نے مفسدوں اور فتنہ پروروں کی بات مان لی اور زین الدین خاں ہیبت جنگ بھی والد محترم سے دل آزردہ ہو گیا۔ لیکن مصلحتاً کئی روز تک اس نے اپنی آزردگی کسی پر ظاہر نہ کی بعد ازاں جبکہ مہابت جنگ نے اپنے چچا کو مرہٹوں کی سرزنش اور گوشمالی میں مستعد پایا اور اس نے دوسروں کی مدد قطعاً ٹھکرا دی اس نے فوراً مدعا ظاہر کر کے رائے چنتامن داس یعنی اپنے دیوان کو ہدایت علی خاں کی جگہ عظیم آباد کی نیابت پر بھیجا۔

باجی راؤ کے مظالم

رائے چنتامن داس کو عظیم آباد آئے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ وہ علیل ہو گیا اور مختصر علالت کے بعد ہی اس کی موت واقع ہو گئی اس کی وفات کے بعد عظیم آباد میں کچھ مدت تک کوئی حاکم نہ رہا اس نازک گھڑی میں بالاجی راؤ کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس وقت اس کے پاس چالیس پچاس ہزار سوار سے کم ہمراہی نہ ہوں گے۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں جہاں بھی جاتا اس کی موجودگی سے لوگوں کا خون خشک

ہوجاتا تھا۔ یہ بات سبھوں پر ظاہر ہوگئی تھی کہ اثنائے راہ میں اس نے سبھوں سے نذر نذرانے اور تحفے تحائف وصول کئے ہیں جس نے اس کی اطاعت کر کے پیش کش قبول کی اس کا گھر بار لوٹ مار اور دکھنیوں کی قتل و غارت گری سے محفوظ رہا۔ لیکن جس نے ذرا بھی سر اٹھایا اور مدافعت کی کوشش کی اس کو لوٹ لیا گیا اس کے گھر بار زیر زمین کر دیئے گئے اور سارے مکینوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

بالاجی راؤ کے ان ہی ظلم و ستم اور قتل و غارتگری کا شکار احمد خاں نبیرہ داؤد خاں قریشی ہوا جس کے قبضہ میں عظیم آباد کے دو پر گنے یعنی انچھہ اور گومہ تھے۔ یہ داؤد نگر میں جو اس کے دادا کا بسایا ہوا تھا سکونت پذیر تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ بالاجی راؤ چونکہ علی وردی خاں کی کمک کو جا رہا ہے لہٰذا ہمارے قلعہ کے محاصرہ سے اس کو کوئی غرض نہ ہو گی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ غوث گڈھ میں جو داؤد نگر میں اسی کا آباد کیا ہوا تھا اور اس کو بہت ہی مضبوط جانتا تھا اپنی فوج، اہل و عیال، سوداگر اور ملک کے دیگر سرمایہ داروں کے ہمراہ پناہ گزیں ہوا۔ وہ یہ بھی طے کر چکا تھا کہ اگر قلعہ پر اس نے حملہ کیا تو وہ اس کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے مدافعت کرے گا۔

لیکن بالاجی راؤ کو اس منصوبہ کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ اس نے فوراً قلعہ کو مسمار کرنے کے لئے ایک جرار لشکر بھیجا۔ یہ لشکر پہلے تو داؤد نگر کی طرف بڑھا اور اس کو جلا کر خاک کر دیا اور اس کی اینٹوں اور خس و خاشاک سے غوث گڈھ کے قلعہ کی خندق کو بھرا۔ اور اس طرح چشم زدن میں قلعہ پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ اس شکست نے احمد خاں کے غرور کو خاک میں ملا دیا خوش قسمتی کہیئے کہ قلعہ کے کسی ایک پھاٹک سے بھاگ جانے میں اس کو کامیابی ہوئی۔ جب اس کو اپنی کمزوری کا علم ہوگیا اور یہ بات اس کی عقل میں آگئی کہ مرہٹوں سے مقابلہ ممکن نہیں تو لامحالہ اپنے مہاجنوں سے صلاح مشورہ کر کے پچاس ہزار روپیہ نذرانے میں دیئے اور اس طرح اپنی جان بچائی۔

جبر و تشدد اور ظلم و تعدی کی اس خبر سے عظیم آباد کے لوگوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ پاؤں تلے سے اس کی زمین کھسکتی نظر آئی اور انھیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے دنیا کی کوئی طاقت ان کی جانیں بچا نہیں سکتی چنانچہ مایوس و نامراد ہو کر سب کے سب میرے معزز والد کی اقامت گاہ میں جمع ہوئے اور ان کے ایک سردار نے سبھوں

کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ اس شہر میں آپ کے سوا کوئی رئیس نہیں لہٰذا اس شہر کے ہزاروں لوگوں کی عزت و آبرو آپ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کی حفاظت کی آپ ہی کوئی تدبیر کیجئے۔ ہدایت علی خاں پہلے ہی اپنے اہل و عیال کو دریا پار بھیج چکے تھے اس لئے ان سبھوں کو بھی انھوں نے ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا ساتھ ہی انھوں نے وعدہ بھی کیا کہ وہ ان کے شریک حال رہیں گے۔ سبھوں نے والد محترم کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو گنگا پار بھیج دیا اور پھر اس انتظار میں رہے کہ دیکھیں قسمت کیا دکھاتی ہے۔

علیم اللہ طباطبائی

اس یاس و ناامیدی کے عالم میں ان کے لئے آسمان سے ایک فرشتہ بھیجا۔ اتفاق کی بات کہ ان ہی دنوں میرے دادا سید علیم اللہ طباطبائی اسکنہ اللہ فی فرادیس الجناں (خدا جنت کے باغوں میں اس کو جگہ دے) بھی اس انقلاب سے پہلے شاہجہاں آباد سے عظیم آباد آگئے تھے۔ میرے والد محترم ہدایت علی خاں نے دادا محترم سے درخواست کی کہ وہ گنگا پار جاکر سکونت اختیار کریں لیکن ان کی یہ درخواست انھوں نے منظور نہ کی کیونکہ اس طرح نہ صرف ان کی غیرت مجروح ہوتی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ بھی نکالا جا سکتا تھا کہ ان کو علم معرفت پر قدرت نہیں ہے۔ ان کو علم معرفت کی مدد سے حال اور استقبال سے واقفیت نظر آتی تھی۔ ان کو کسی سے ذرا بھی ڈر اور خوف نہ تھا۔ اور نہ وہ دوسروں کی طرح دشمن ہی سے ہراساں تھے۔ چنانچہ انھوں نے تمام شہریوں سے کہا کہ وہ اطمینان سے شہر میں گھومیں پھریں۔ انشاء اللہ ان پر کوئی آفت نازل نہیں ہوگی۔

قابل تعریف شخصیت

ایک دن صبح سویرے وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنی عادت کے برخلاف تنہا شہر کا گشت لگاکر واپس آئے۔ واپس آکر انھوں نے اپنے لڑکے یعنی میرے والد بزرگوار سے کہا کہ اگر کوئی بلا نازل بھی ہو تو اس کا اثر انشاء اللہ اس شہر میں نہیں ہوگا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ میری طرف سے تمام اہل شہر کو بشارت دیدو اور ان سے کہو کہ وہ خوش و خرم رہیں اور خوف و ہراس کو دلوں سے نکال دیں۔ خدا کا شکر جو کچھ انھوں نے پیش گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا۔ یہ تھی ان کی عظیم الشان اور قابلِ تعریف شخصیت اگر میں اپنے دادا محترم کے عادات و خصائل اور ان کے کرامات بیان کرنے بیٹھوں تو دفتر پارینہ کی ضرورت ہوگی اور پھر اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو مبالغہ آرائی پر محمول نہ کریں۔ "مثنوی بشارۃ الامامۃ" میں جو میری تصنیف ہے ان

ان کے بعض عادات وخصائل درج کئے ہیں۔ بہر حال فی الوقت میں ان باتوں سے پرہیز کروں گا۔ کیونکہ اس وقت تو یہ بتانا ہے کہ کس طرح افضال ایزدی سے وہ واقعہ جس کے وقوع پذیر ہونے سے خوف وہراس طاری تھا سرے سے ظاہر ہی نہ ہوا۔

گوبندجی ناٹک

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بالاجی راؤ کا ایک بہت ہی دور کا قرابت مند گوبند جی ناٹک جو بڑا ہی نیک اور شریف تھا ان دنوں بنارس میں مہاجنی کرتا تھا۔ اس پیشہ میں اس کو اتنی ترقی ہوئی کہ اس نے اپنا کاروبار عظیم آباد اور آس پاس کے دوسرے علاقوں میں بھی بڑھالیا۔ اتفاقاً جن دنوں والد محترم وہاں کے حاکم تھے اس مہاجن پر انھوں نے کئی طرح سے احسان کئے تھے۔ بلکہ کہا تو یہاں تک جاتا ہے کہ گوبندجی کی اقبال مندی اور ترقی میں والد محترم کا بہت بڑا ہاتھ ہے اس طرح اس نے کافی مال وزر پیدا کئے اور اتنے بے شمار فائدے حاصل کئے کہ اس کو معاشرہ میں ایک باعزت مقام مل گیا۔ اس شخص کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ان تمام مہربانیوں اور احسانات کو بھلاتا تو کجا اپنے ذہن میں عربی کے اس خوب المثل کو ہمیشہ یاد کرتا کہ " ہل جزاء الاحسان الاحسانؐ (نیکی کا بدلہ نیکی ہے) چنانچہ اپنے اس پرانے محسن کو فائدہ پہنچانے کے لئے کمربستہ ہوگیا۔ ان ہی خیالات کے تحت وہ بنارس سے چل کر بالاجی راؤ کے خیمہ میں آگیا۔ آتے ہی اس نے ہدایت علی خاں کے پچھلے احسان گنوائے اور کہا کہ ان احسانات کا بدلہ چکانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا ہے چنانچہ اس نے بالاجی راؤ سے درخواست کی کہ آپ میرے محسن کے ساتھ ایسا سلوک کیجئے کہ آپ کے ایک عزیز کے شانے پر جو بار احسان ہے اس سے پورے طور پر نہ سہی تو کچھ تو سبکدوشی حاصل ہوجائے۔

اس درخواست سے بالاجی راؤ خوش ہوگیا، اس کی اس خواہش کی قدر کی اور پھر اس نے ہدایت علی خاں کو محبت وشفقت آمیز خط لکھا کہ آپ جملہ ساکنانِ شہر کے ساتھ بے خوف خطر اور چین اطمینان سے رہیئے۔ نیز ساکنان شہر کے ذہنوں سے یہ شبہ دور کیجئے کہ ان کی زندگی میری وجہ سے خطرہ میں ہے۔ میں طے کرچکا ہوں کہ میری ذات سے آپ لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ خط کے علاوہ اس نے والد محترم کو دکن کی بنی ہوئی بہت ساری بیش قیمت اشیاء بھی ارسال کیں۔ بفضل الٰہی اور انفاس مبارک بزرگان پاک نفس کے وہ اپنے وعدے پر پورا اترا اور اس شہر کو متوقع آفت ناگہانی سے محفوظ رکھا محمدُاللہ تم حمدُاللہ الحمدللہ کہ جن مقامات

پر والد بزرگوار رونق افروز ہوئے وہاں کی خلقت اللہ کو راقم الحروف نے نہ صرف ان کا ممنون و مشکور بلکہ اخلاق مند بھی پایا۔ ان سب کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے رطب اللسان رہے اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان ہی کی اعلیٰ شخصیت کا نتیجہ تھا کہ مجھ پر اور دیگر اولاد کے ساتھ ان کے احسان مندوں نے مناسب خدمات کیں۔ میں کیا اور میری حقیقت کیا اور میری حقیقت کیا۔ لیکن میرے ساتھ خلق اللہ کی عقیدت مندی محض جد امجد کی باوقار، معزز اور قابل رشک شخصیت کی بنا پر تھی۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ ان ہی کی خوبیاں اور نیکیاں تھیں کہ میں بارہا ایسے جان لیوا خطروں سے بچا ہوں جن سے بچ کر نکل جانا انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔

نکویاں را پس از مردن نکوئی جانشیں باشد
چہ نیکو زیست آنکہ بعد مرگش ایں چنیں باشد

مسلمان شیرنی

میں سمجھتا ہوں کہ قارئین اس اہم شخصیت اور غیر متوقع واقعات کو ذہن نشین رکھیں گے۔ اب میں تاریخ کے تانے بانے کی طرف واپس آتا ہوں بالاجی راؤ اس راز سے اچھی طرح واقف تھا کہ مرہٹے تباہی و بربادی کو دیکھ کر قصبہ میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ اپنے وعدے کا پاس کرتے ہوئے وہ داؤد پور سے نکل کر بالا بالا ٹکاری گیا، مان پور اور بہار ہوتے ہوئے مونگیر اور بھاگل پور پہنچا۔ ان دونوں قصبوں میں بے پناہ آبادی تھی جن پر اس کی آمد سے آفت عظیم نازل ہوئی اس کے خوف سے آبادی کا بیشتر حصہ گنگا پار کر گیا لیکن محمد غوث خاں کی بیوی (وہ جری سردار جو جنگ گھریا میں قتل ہوا تھا) تہدستی اور پریشانی کے عالم میں اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ دریا عبور نہ کر سکی۔ چونکہ زندہ بچ رہنے کا کوئی چارہ نہ تھا اس لئے تحفظ ناموس کے لئے اس نے عزم کیا کہ وہ خون کے آخری قطرہ تک دشمن کا مقابلہ کرے گی۔ اس شیرنی نے اپنے تمام اعزہ و اقربا کو جمع کیا اور ان پر آتشیں تقریر کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ وہ اپنی عورتوں کے ناموس پر حملہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی بجائے لڑ کر مر جائیں۔ جب اس نے سبھوں کو رضامند اور مستعد پایا اس نے مکانوں کے دروازے بند کر دیئے اور سبھوں کے ہاتھوں میں زنگ آلود تلواریں دیدیں اور کہا کہ ان سے آخری دم تک مقابلہ کرو۔

شہر کے سارے باشندے تو بھاگ گئے تھے یا پھر قید ہو کر تہ تیغ ہو گئے تھے لیکن ان ساری تباہیوں اور بربادیوں کے بیچوں بیچ یہی کہنہ، خستہ اور ٹوٹا پھوٹا مکان تھا جہاں

کے مکیں مدافعت کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس خانۂ شکستہ سے آتش تفنگ اور صدائے جنگ و جدال مشتعل ہوئی تو غارت گروں کو اس غیر متوقع مدافعت سے سخت حیرت ہوئی انھوں نے مکان کو حصار میں لے لیا اور اسی گومگو کے عالم میں رہے کہ اندر جائیں یا نہ جائیں کیونکہ گولے برسائے جا رہے تھے اور ان کے کچھ آدمی مارے بھی گئے تھے۔

جب اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع بالاجی راؤ کے کانوں تک پہنچی تو بیک وقت وہ متعجب بھی ہوا اور تعریف بھی کرنے لگا۔ تحقیقات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سردار محمد غوث خاں کی بیوی بپاس حفظ ناموس و آبرو اپنے چند رفیقوں کے ہمراہ شکستہ مکان کے اندر سے مرہٹوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ وہ فیصلہ کر چکی ہے کہ مزید دکھ، تکلیف اور پریشانی جھیلنے کی بجائے گھر کے ملبے کے نیچے مرجانا پسند کرے گی اور یہ کہ اس کے ہمراہ مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے جذبات کو اس نے اپنی شعلہ بیانی سے اس حد تک گرما دیا ہے کہ وہ اتنے طاقتور مخالف سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کا حملہ اتنا شدید ہے اور اس تیزی سے وہ تیروں کی بارش کر رہے ہیں کہ غارتگر آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ دور ہی سے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

بالاجی راؤ کی حیرت

اس تفصیل سے بالاجی راؤ کو بے حد خوشی ہوئی۔ ایک عورت کے اندر ایسی ہمت و جرأت پاکر وہ ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ اس کی جسارت و ہمت کی تعریفیں کرنے کے بعد اس نے چند بیش قیمت دکنی لباس کے ساتھ اس نے ایک پیغام بھی ارسال کیا۔ نیز اس کے گھر کی حفاظت کے لئے چند معتمد سوار بھی روانہ کئے کہ جب تک سارا لشکر دور نہ نکل جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ اگر اس کو کسی سے ذرا بھی گزند اور تکلیف پہنچے تو اس سے معافی مانگ لے۔

اس حکم کے بعد بالاجی راؤ خود کوہستانی ملک کی طرف روانہ ہوگیا۔ محافظوں نے اس ضعیفہ کی خاطر خواہ اور حسب الحکم حفاظت کرنے کے بعد اس سے رخصت چاہی اور پھر اپنے دستہ سے جا ملے۔ کئی روز تک پہاڑوں اور جنگلوں کو عبور کرنے کے بعد بالاجی راؤ نواح بیر بھوم سے ہوتا ہوا مرشد آباد پہنچا۔

رگھوجی بھونسلہ بھی اس شہر کی طرف پیش قدمی کرتا چلا آرہا تھا۔ اس راجہ نے اپنے سردار بھاسکر کے اشتعال دلانے پر ایک الگ فوج مرتب کی تھی جس کی مدد سے اس نے بنگال پر دوبارہ حملہ کیا تھا۔ ان دنوں وہ اسی صوبے کے دارالحکومت کے قریب خیمہ زن تھا

اور بالا جی راؤ دوسری طرف مقیم تھا۔ غرض کہ اس صوبہ پر بیک وقت دو ایسی خونخوار فوجوں کا مہیب سایہ پڑ رہا تھا جن میں زیادہ تر لیٹرے اور قزاق شامل تھے۔

علی وردی خاں اور بالاجی راؤ یا مریخ و زحل

بالاجی راؤ بھاگل پور کے نشیبی حصہ پر اب تک خیمہ زن تھا اس لئے علی وردی خاں نے اس سے فوج کے ساتھ وہیں ملنا پسند کیا لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ بالاجی راؤ تو اس کی قیام گاہ کے بالکل پاس ہی ہے تو وہ فوراً اس سے شرف ملاقات حاصل کرنے گیا اس نے اپنا تعارف کرایا ہی تھا کہ مرہٹہ سردار اس سے ملنے کے لئے آگے بڑھا اور ہندوستانی انداز میں اس سے معانقہ کرنے کے بعد وہ اس کو ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمہ میں لے آیا اور مسند پر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اس وقت دونوں عظیم شخصیتیں مریخ و زحل معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کی شان و شوکت اور زیبائش و آرائش دیدنی تھی، تحفے تحائف نذر و نیاز اور سلام و کلام کے رسمی تکلفات کے بعد دونوں رخصت ہو گئے علی وردی خاں اپنے خیمہ میں آیا۔ دوسرے دن بالاجی راؤ بھی اسی انداز سے علی وردی کے خیمہ میں آیا۔ صوبہ دار بنگالہ علی وردی خاں اپنے معزز مہمان کا استقبال کرنے کے لئے کچھ دور آگے گیا۔ پھر اسی شان و شوکت اور تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے خیمہ میں لے آیا جہاں اس نے اپنے ساتھ مسند نشیں کیا اس کے بعد عطر و پان کی رسوم کی تکمیل کے بعد پھر متعدد سینیاں پیش کی گئیں جن میں قیمتی اور بیش قیمت اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ بہت سی طلائی طشتریاں بھی تھیں جن میں ہیرے و جواہرات ٹکے ہوئے تھے ایک تندو مند اور عظیم الجثہ بھی پیش کیا گیا ملک میں امن و امان برقرار رکھنے اور مفسدوں کی گوشمالی کرنے پر باتیں ہوئیں رگھوجی کے خلاف بھی بہت کچھ کہا سنا گیا ان ساری رسوم کی تکمیل کے بعد بالاجی راؤ نے رخصت لی اور وہ وہاں سے سیدھے اپنے خیمہ میں آ گیا۔

دوسرے دن صبح سویرے صوبیدار بنگالہ علی وردی خاں نے رگھوجی کے اخراج کا پیغام بھیجا جس کے جواب میں بالاجی راؤ نے کہا کہ کئی سال سے چوتھ نہیں ملا ہے۔ اس نے اس بات کی بھی شکایت کی کہ چوتھ کی ادائیگی میں کوئی دلچسپی بھی نہیں لی گئی۔ مصطفےٰ خاں اور ہیبت جنگ نے سوال و جواب میں عرق ریزیاں کیں۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ضرورت آئین و قانون کو نہیں دیکھتی لہٰذا روپیہ کا بڑی مستعدی سے حساب کتاب کیا گیا اگرچہ اس حساب

کی رو سے بھاری رقم نکلتی تھی لیکن اس کے باوجود علی وردی خاں نے ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔

رگھوجی کی تادیب

اس کے بعد علی وردی خاں نے رگھوجی کی تادیب کے لئے دونوں فوجوں کی بیک وقت پیش قدمی کی تجویز رکھی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ بالاجی راؤ کا عندیہ معلوم کرتا۔ رگھوجی بھونسلہ کی تنبیہ کو چل پڑا اس نے مزید رُکنا کسی حال میں مناسب نہ سمجھا۔ بالاجی راؤ نے اس کی تجویز کی مخالفت کی چنانچہ اس نے اس کے پاس پیغام لے کر آدمی دوڑائے اب وہ مجبور ہو گیا اور اس نے بقایا وصول کرکے دوبارہ اس سے درخواست کی کہ رگھوجی بھونسلہ کی تادیب سے اب پیچھے ہٹنا حماقت ہوگی کیونکہ وہ دونوں کا مشترکہ دشمن ہے۔

بالاجی راؤ نے جو کٹوہ اور بردوان کے درمیان مقیم تھا صورت حال سے باخبر دشمن پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا حالانکہ اس کو اس بات کا بھی اچھی طرح علم تھا کہ اس کے پاس جتنی تعداد میں سپاہی ہیں وہ مقابلہ کی تاب نہیں لا سکیں گے۔ بہرکیف بنگال کے مغربی علاقوں کے جنگلوں سے روانہ ہوا۔ دوسرے روز وعدہ کے مطابق فوج ظفر موج رگھوجی بھونسلہ کے تعاقب میں چل پڑی۔ لیکن دو ایک روز کی پیش قدمی کے بعد اس کو بالاجی راؤ کا ایک پیغام ملا کہ آپ مجھ سے علیحدہ نہ ہوں کیونکہ میری دانست میں فوج بنگالہ دشمن کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر آپ میری بات کو نہیں مانتے ہیں تو میں دوسری راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں گا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ چند روز کے بعد میں دشمن کی صفیں چیر کر آگے نکل جاؤنگا جس کی خبر آپ کو مل جائیگی۔

اور یہ سچ ہے کہ دوسرے دن اس پیغام کے بعد بالاجی راؤ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوا اور چشم زدن میں رگھوجی بھونسلہ کے سر پر آ پہنچا۔ اس کو بالاجی راؤ نے نہ صرف شکست فاش دی بلکہ اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ مغربی پہاڑوں کے درہ سے اپنے ملک کی راہ لے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ چند وادیوں سے ہوتا ہوا اپنے وطن آگیا۔

بالاجی راؤ نے اپنے دشمن کو شکست فاش تو ضرور دی لیکن خاصہ نقصان اٹھانے کے بعد کیونکہ اس کے سارے ساز و سامان راستے ہی میں چھوٹ گئے تھے۔

بھاسکر جو ان دنوں میدنی پور میں مقیم تھا اپنے آقا کی شکست فاش کی خبر

سن کر ایسا بدحواس اور سراسیمہ ہوا کہ اس نے فوراً اپنا خیمہ اٹھایا اور خوف دہراس کے عالم میں دریائے گنگ سے نکل کر ایسا بھاگا کہ اس کو خود تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اس کے فرار سے بالا جی راؤ کو اطمینان ہوا۔ چنانچہ وہ بھی سکون کی سانس لیتا ہوا دکن لوٹ چلا۔ یہ شخص دراصل شاہی فرمان کی تعمیل اور صوبیدار بنگالہ کی مدد کے بہانے مال وزر لینے آیا تھا۔ چنانچہ اس مقصد میں اسکو کامیابی ہوئی۔ سارا بقایا اس نے وصول کر لیا تھا۔

بالاجی راؤ اپنے مال واسباب کے ساتھ بہت دور نکل گیا ہوگا کہ اس کے وکیل نے جو مصطفیٰ خاں کے ساتھ مل کر بعض مقدمات کے فیصلے کے سلسلے میں رک گیا تھا مرہٹہ کی طاقت وقوت سے ایسا پاگل ہوا کہ اس نے نامناسب اور ناموزوں کلمات استعمال کئے۔ مصطفیٰ خاں ویسے ہی بڑا گرم مزاج اور فطرتاً زود رنج تھا۔ اس کے نامناسب کلمات سن کر مشتعل ہوگیا اور اسے دھمکی دی کہ تم کو پٹوا کر رہوں گا چنانچہ اس نے اپنے اس ارادے کو تکمیل کا جامہ پہنایا وکیل کی خوب پٹائی ہوئی مارے شرم وندامت کے اس کی گردن جھک گئی اور اس نے اس عالم میں رخصت ہوتے ہوئے اتنا کہہ دیا کہ میں اپنے مالک کے پاس پہنچ کر سارا ماجرا بیان کردوں گا۔ لیکن چونکہ اس کی اس حرکت سے معاملہ نازک ہوجاتا اس لئے صوبیدار مہابت جنگ علی وردی خاں نے اس کو بلوایا۔ اس کی اشتعال انگیزی دور کی مصطفیٰ خاں کو برا بھلا کہا۔ نیز علی وردی خاں نے اس کو خلعت واسپ ودیگر بیش قیمت اشیاء سے خوش کر کے رخصت کیا۔ اتنے سارے تحائف پاکر اس کے غصے اور ناراضگی کی چنگاریاں سرد ہوگئی تھیں۔ وہ جلد سے جلد ان ساز وسامان کو لے کر اپنے مالک کے پاس پہنچنے کے لئے رخصت ہوگیا اس کے رخصت ہوجانے کے بعد علی وردی خاں نے مصطفیٰ خاں کو بلایا اور برہم ہو کر اس سے کہا کہ اس کی اس حرکت سے نہ صرف یہ کہ بالاجی راؤ کو اشتعال آجاتا بلکہ حالات ایک دم سے قابو سے باہر ہوجاتے۔

مصطفیٰ خاں نے کہا ــ "اگر یہ بات ہے تو حضور سے معافی کا خواستگار ہوں اگر ایسا ہوتا تو حضور جو میرے آقا اور مالک ہیں رگھوجی بھونسلہ سے نمٹ لیتے اور بندہ بالاجی راؤ کو عدم آباد کی راہ دکھاتا"

یہ واقعہ محرم الحرام کے اواخر اور صفر کے اوائل ۱۱۵۵ھ میں پیش آیا تھا۔ لیکن اب بالاجی راؤ رخصت ہوچکا تھا اور رگھوجی بھونسلہ کی بھی نقصان جان ومال اٹھانے کے بعد

واپس آنے کی امید ختم ہوچکی تھی اس لئے مہابت جنگ علی وردی خاں خاطر جمع ہو کر خوشی و مسرت کے شادیانے بجاتا ہوا مرشد آباد آیا اور ساتھ ہی ہیبت جنگ چند روز کے اندر اندر مرشد آباد سے رخصت ہو کر اپنے دارالخلافہ عظیم آباد روانہ ہو گیا۔

درباری سازشیں

ملک میں امن وامان کا دور دورہ ہوا ہی تھا کہ مرشد آباد کے دربار میں سازشوں نے سر اٹھایا اور جہانگیر نگر ڈھاکہ میں افرا تفری پھیل گئی۔ گوکل چند نامی بہت ہی مشہور و معروف مہاجن جو سرکار حسین قلی خاں کا بڑا نمک خوار تھا اس کے وسیلہ سے جہانگیر نگر سے مرشد آباد آیا۔ وہ دراصل مرشد آباد اس لئے آیا تھا کہ اپنے محسن کے احسانات فراموش کرکے اس کے ساتھ جعل سازی کرے۔ ان دنوں حسین قلی خاں نوازش محمد خاں کا نائب تھا اور اس کو کل اختیارات حاصل تھے۔ لیکن گوکل چند کی افترا پردازی اور سازش سے اتنے اہم شخص کے وقار کو ایسا شدید جھٹکا پہنچا کہ اس کو معتوب گردانا گیا، عہدہ سے سبکدوش کیا گیا اور اس کی ایسی ذلت و رسوائی ہوئی کہ وہ پھر سر نہ اٹھا سکا۔

حسین قلی خاں کو سبکدوش کرنے کے بعد اس کا عہدہ یعنی جہانگیر نگر کی نیابت لیسین خاں فوجدار کے نام مقرر ہوئی اور فوجداری کا عہدہ میر قلندر کو سونپا گیا حسین قلی خاں بلا ملازمت سے سبکدوش ہو کر یاس و نامراد مرشد آباد آیا اور اس کو جتنی تدبیریں آتی تھیں ان سے کام لے کر اس نے اپنی قسمت کو سنوارنے کی از سر نو مہم شروع کر دی آخر کار اپنی باوقار شخصیت کو کام میں لاکر اور بہت سا روپیہ دیکر اس نے شہامت جنگ نوازش علی خاں کی بیوی اور علی وردی خاں کی بیٹی گھسیٹی بیگم[1]

[1] گھسیٹی بیگم علی وردی خاں کی سب سے بڑی لڑکی اور شہامت جنگ نوازش محمد خاں کی بیوی تھی۔ نوازش محمد خاں دیگر عورتوں سے نہ صرف دلچسپی لیا کرتا تھا بلکہ شب و روز ایک نئی عورت کی تلاش میں رہتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ گھسیٹی بیگم کے پاس جو بھی خوبرو اور گبرو نوجوان آتا اور اس سے اظہار ہمدردی کرتا وہ اس کی درخواستیں بغور سنتی اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ وہ خوبرو نوجوانوں کو اپنے محل میں مدعو کیا کرتی تھی حتیٰ کہ سڑکوں پر گبرو اور حسین نوجوان کا چلنا پھرنا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔

کی نظر کرم حاصل کرلی۔ اور اس طرح اس کی قسمت کا ستارا سچ مچ چمک اٹھا شہزادی یعنی گھسیٹی بیگم نے اپنے باپ اور شوہر سے اس کی ایسی وکالت کی کہ اس کی خطائیں معاف کر دی گئیں اور اس کو جہانگیر نگر کی نیابت مع خلعت و پارچہ وغیرہ کے دلوادی۔

حسین قلی خاں کو جب گھسیٹی بیگم کی پوری حمایت حاصل ہوگئی اور اس نے خود کو ہر صورت مضبوط و مستحکم پایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ اور بکمال تزک و احتشام اپنے سابق عہدہ پر سرفراز ہوا۔ یٰسین خاں کو معزول ہونا پڑا لیکن چونکہ وہ بڑا ہی ذہین و فطین تھا۔ اور اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی وجہ سے یکتائے روزگار تھا اس لئے عطاء اللہ خاں فوجدار نے اس کو اپنے پاس بھاگل پور بلالیا اور اسے ملازمت دیدی۔ لیکن گوکل چند کی قسمت اتنی اچھی نہ تھی۔ کیونکہ حسین قلی خاں نے اپنے سابقہ عہدہ پر فائز ہوتے ہی اس کے خلاف سخت اقدام کئے۔ روپے پیسے کا حساب کتاب لیا اور اس کام میں وہ اتنا سخت ثابت ہوا کہ گوکل چند کو نہ صرف اپنے عہدے سے ہاتھ دھونا پڑا بلکہ وہ سرے سے تباہ و برباد ہوگیا۔ راجہ بلبھ کو پیش کاری کا عہدہ ملا اس معاملے میں حسین قلی خاں اتنا سخت اس لئے ہوگیا تھا تاکہ رعایا اور دیگر لوگوں پر اس کا رعب و دبدبہ ظاہر ہو جائے۔

حسین قلی خاں کا قتل

حسین قلی خاں اپنے بھتیجے حسین الدین کو نائب مقرر کرکے خود مرشد آباد چلا آیا تاکہ وہ اپنی محسنہ یعنی گھسیٹی بیگم کے قریب رہ سکے اس کا ستارہ اقبال عروج پر پہنچ گیا تھا لیکن عین عالم اقتدار و افتخار میں ہوا نے ایک دم اپنا رخ بدلہ، قسمت اس سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئی اور وہ ایک ہی جست میں اوج ثریّا سے تحت الثریٰ میں پہنچ گیا۔ سراج الدولہ کے حکم سے اس کی زندگی کی شمع بجھادی گئی اور اس کی لاش کو تڑپتے ہوئے خود اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن یہ سفاکی خود اس کے لئے باعثِ ہلاکت ثابت ہوئی۔ کیونکہ مقتول کا خون خونِ سیاہ پوش کے مانند نہ صرف پورے بنگالہ کے لئے تباہی و بربادی کا سبب بنا بلکہ اس کے قطروں میں اس کے خاندان کے ساتھ ساتھ اس کی حاکمیت بھی بہہ گئی۔

ہم تحریر کر چکے ہیں کہ مہابت جنگ علی وردی خاں نے صوبیدار بہار زین الدین

احمد خاں کو مرشد آباد سے عظیم آباد روانہ کر دیا لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اپنے صوبے کی سرحد پر پہنچتے ہی اس نے سوچا کہ کچھ دن پرگنہ ٹکاری میں گزارنا چاہیئے۔ دراصل وہ یہاں اس لئے قیام کرنا چاہتا تھا کہ اس کو والد محترم ہدایت علی خاں سے سرگرانی تھی۔ اس نے یہ حیلہ تراشا کہ وہ ان پرگنات کے نظم و نسق بچشم خود دیکھنا چاہتا ہے جن پر والد محترم کا لامحدود اثر و رسوخ تھا۔ وہ ان سارے علاقوں کے جو چھوٹا ناگپور تک پھیلے ہوئے تھے مالک و مختار تھے اور سرس، کٹنبہ، جرگانواں، شیرگھاٹی اور کوٹھی کنڈا بھی ان ہی کے اقتدار میں تھے اور سالہا سال سے یہ پرگنات ہمارے خاندان کی اجارہ داری میں چلے آ رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہاں کے سارے زمینداران سے قربت رکھتے تھے اور ان کی عزت بھی کرتے تھے ان کا اثر و رسوخ ان پر اتنا غالب تھا کہ کسی کے اندر بھی ان سے سرمو انحراف کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی خصوصاً راجہ سندر سنگھ کو تو ان سے بے حد لگاؤ تھا لہٰذا زین الدین احمد خاں کی یہ کوشش ہوئی کہ کسی طرح ان کے قبضۂ قدرت سے سارے زمیندار نکل جائیں اور پھر سب کے سب اس کے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں اس کے علاوہ وہ صوبے کا بند و بست خود کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کام کے لئے وہ اپنے ہمراہ راجہ کیرت چند پسر رائے رایان عالم چند کو کہ دیوان شجاع الدولہ تھا لیتا آیا تھا۔ وہ راجہ کیرت چند کو اپنا مدار المہام اور دیوان خاص بھی بنانا چاہتا تھا۔ ان ساری سازشوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ کس طرح والد محترم کے ان پرگنات سے اثرات ختم ہو جائیں۔ لیکن یہ منصوبہ والد محترم سے ڈھکا چھپا نہ رہ سکا۔ چنانچہ انھوں نے اس کو اس مضمون کا ایک عریضہ ارسال کیا کہ مجھے تمام امور سے چھٹی دی جائے کیونکہ میں اپنے باقی ماندہ دن ان لوگوں کی صحبت میں ہنسی خوشی گزارنا چاہتا ہوں جو میرے منتظر ہیں۔ لیکن اب ان کو جواب ملا کہ آپ خواہ مخواہ دربار سے رخصت ہونے کی زحمت نہ کریں کیونکہ میں خود آپ کی صحبت کا لطف حاصل کرنے کے لئے عنقریب عظیم آباد آ رہا ہوں۔

اس جواب کو موصول کر کے والد محترم نے وہیں رک جانا مناسب سمجھا۔ یکایک یہ شور اٹھا کہ مرہٹے جلد یلغار کرنے کے لئے عظیم آباد پہنچ رہے ہیں۔ جلد ہی اس اطلاع

کی توثیق بھی ہو گئی زین الدین نے یہ خبر سنی تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کیونکہ اڑیسہ اور بنگال کی مہمات میں اس کی فوج کا بیشتر حصہ تباہ ہو چکا تھا اور اب اس کے پاس اتنی بھی فوج نہ تھی کہ مرہٹوں کا مقابلہ کر سکتا۔ چنانچہ وہ گھبرایا اور جان بچانے کی غرض سے فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا دوسرے روز وہ اپنے دارالحکومت کے نواح میں پہنچ چکا تھا۔ والد محترم یہ سن کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور جو ہمراہی اس وقت موجود تھے ان ہی کو لے کر وہ زین الدین سے ملنے گئے۔ زین الدین خاں اس وقت تالاب سیتی پور کے متصل گھوڑے پر سوار تھا۔ والد محترم کو دیکھ کر اس نے راجہ کیرت چند سے کہا کہ معزز مہمان کا شایانِ شان استقبال کیا جائے۔ راجہ مذکور جب آیا تو والد محترم اور وہ اپنے اپنے گھوڑوں سے اترے اور باہم دگر معانقہ کیا۔ اس کے بعد دونوں زین الدین کی طرف چلدیئے۔ اس نے گگر کی آڑ سے نکل کر گھوڑے کو آگے بڑھایا والد محترم نے اس کو سلام کیا اور اس نے گھوڑے کی پشت سے جھک کر والد محترم سے معانقہ کیا۔ اس کے بعد دونوں میں مختصر سی گفتگو ہوئی اور پھر زین الدین نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ہدایت علی خاں یعنی والد محترم کچھ دیر کھڑے رہے پھر وہ اپنے بھائی مہدی نثار خاں بخشی اور دیگر سرداران سپاہ سے معانقہ کر کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور زین الدین کی سواری کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے ان کے ساتھ محل تک گئے اور پھر وہاں سے اپنے خیمہ کی طرف چل پڑے۔

ہدایت علی خاں کی سبکدوشی

چند روز کے بعد شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا، عذر خواہی ہوئی، رعایتیں دینے کی بات چلی اور آخر کار زین الدین خاں نے جو والد محترم سے بہت ساری خدمات کے متوقع تھے۔ چاہا کہ وہ اس عہدہ سے عہدہ برآ ہو جائیں جس پر وہ فائز تھے ایک دن موقع پا کر اس نے اپنا مافی الضمیر بیان کر ہی دیا۔

"مہابت جنگ علی وردی خاں تمہاری طرف سے مشکوک اور بدگمان ہو چکے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اپنے بھتیجے یعنی مجھے احکام صادر کئے ہیں اور چونکہ مجھکو ان کی خوشی و خوشنودی منظور ہے درخواست کروں گا کہ آپ فی الحال مرشد آباد جانے کے لئے اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔ مجھے

یقین ہے کہ چند روز کے بعد جب ان کی خفگی دور ہو جائے گی آپ پر وہی چشمِ کرم پھر ہو گی جو کبھی تھی۔ میں آپ کو اس بات کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہمدم دیرینہ کے کردار پر جو داغ پڑ گیا ہے اسے دھو ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور وہ عہدۂ جلیلہ آپ کو پھر مل جائے گا جس پر آپ فائز ہیں۔"

یہ الفاظ اگرچہ باحتیاط استعمال کئے گئے تھے لیکن ہدایت علی خاں پر اس کا ردِ عمل اس کی مرضی کے خلاف ہوا چونکہ اب ان کو اپنے دستار اور عزت و ناموس کا خطرہ ہے اس لئے انھوں نے زین الدین کی یہ درخواست رد کر دی۔ نیز وہ اس حد تک برافروختہ تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلے۔ زین الدین کو ان کی برافروختگی کا احساس ہو چکا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ان کو منانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ لہٰذا وہ میری والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور والد بزرگوار کے عہدہ چھن جانے کی تاویلات پیش کیں اور اپنی ہمدردیاں ظاہر کر کے ان کے سامنے وہی کچھ دہرایا جو والد محترم سے کہہ چکا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ان سے جو کچھ کہا ہے وہ محض حضور کی ترجمانی کی ہے۔

مہدی نثار خاں کا استعفیٰ

اس ملاقات کے چند روز بعد جس کا کوئی حاصل نہیں نکلا تھا ہدایت علی خاں نے ملازمت سے سبکدوش ہو جانے کا عزم بالجزم کر لیا اور انھوں نے زین الدین خاں سے رخصت لے لی کچھ دنوں تک وہ سفر کے انتظام میں مصروف رہے جب تیاری مکمل ہو گئی تو ۵ ارجب ۱۱۵۶ھ کو یعنی ساعتِ سعید دیکھ کر چند رفقاء کو لے کر اور ضابطہ کے برخلاف عین وسط شہر میں نقارۂ کوچ بجا کر سوار ہوئے انھوں نے اس ضابطہ کی بھی پابندی نہ کی جسکی توقع ایک آقا اپنے ملازم سے رکھتا ہے۔ نقارہ بجا بجا کر سارے شہر میں انھوں نے گشت کیا اور پھر دہلی جانے کا قصد کر کے باغ راے بال کشن وکیل ناظم بنگالہ میں خیمہ زن ہوئے۔ یہیں ان کے چھوٹے بھائی مہدی نثار خاں یعنی میرے چچا بھی آ گئے۔ باوجودیکہ زین الدین خاں اس کی حد سے زیادہ دلجوئی کرتا تھا اور اس کو اپنے دولت خواہوں میں شمار کرتا تھا۔ لیکن وہ اپنے بڑے بھائی کی ذلت و رسوائی کو برداشت نہ کر سکا اور دل شکستہ ہو کر بخشی گری سے مستعفی ہو گیا۔ اگرچہ زین الدین خاں نے اس کا استعفیٰ منظور کرنے

سے انکار کر دیا اور اسے اس بات کی دھمکیاں بھی دیں کہ اس کے نتائج اچھے نہیں نکلیں گے مگر وہ اپنے فیصلہ پر ثابت قدم رہے۔ جب وہ تھک گئے تو ان کے پاس سمجھانے بجھانے کے لئے اپنے معتمد بھیجے اور چاہا کہ خود ان کے گھر آ کر ان کو لے جائے لیکن ساری کوششیں رائیگاں گئیں وہ آخر کار اس سے رخصت ہوئے اور اپنے بھائی سے مل گئے۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ بھوجپوریہ زمیندار کہ جو سرکش اور لچے مشہور تھے کہیں والد محترم کے ساتھ از راہ دشمنی شرارت نہ کریں اس لئے چچا محترم والد بزرگ کے ہمراہ صوبہ عظیم آباد کی حد یعنی بکسر تک گئے اور پھر وہاں والد محترم کو چھوڑ کر خود واپس آ گئے اور اپنے مکان میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

بھری برسات کا موسم تھا اس کے باوجود والد محترم سخت پریشانیوں کا مقابلہ کر کے ابو المنصور خاں کی قیام گاہ فیض آباد آ گئے اور دوسرے روز اس سے ملنے تشریف لے گئے چونکہ ابو المنصور کی وجہ سے والد صاحب اپنے عہدے سے سبکدوش کئے گئے تھے۔ اس لئے اس نے ان کے ساتھ محبت و شفقت اور عزت و احترام سے پیش آنا ضروری سمجھا۔ اس نے ملازمت دینے کی بھی خواہش ظاہر کی لیکن چونکہ ان کو اسی روز دہلی روانہ ہو جانا تھا اس لئے انھوں نے منظور نہ کیا اور دو تین گھنٹے مزید گزارنے کے بعد وہ دربار شاہی کے لئے روانہ ہو گئے انکا یہ سفر بڑا دشوار گذار ثابت ہوا بہر حال خدا خدا کر کے بخیر و خوبی پہنچ گئے۔ میں ان کو دربار شاہی میں چھوڑ کر واپس چلتا ہوں انشاء اللہ والد بزرگ اور ابو المنصور کا باقی حال محمد شاہ، احمد شاہ اور امرائے شاہجہاں آباد کے تحت درج کروں گا فی الحال مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں تفصیل سے اور تسلسل کے ساتھ ایک جگہ بنگال اور عظیم آباد کے انقلابات کے بارے میں اور خصوصاً خاندانِ مہابت جنگ علی وردی خاں کے جاہ و جلال، شان و شوکت، عروج و بلندی اور افتخار و اعزاز کا حال بیان کروں۔ کوشش یہی کروں گا کہ ۱۱۹۴ھ تک کے سارے واقعات ایک جگہ سمیٹ لوں اس عظیم ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے فوراً بعد اگر خدائے بزرگ و برتر کی مدد شامل حال ہوئی اور اس کی چشم عنایت کا سلسلہ جاری رہا تو اپنی تاریخ ہند کا دوسرا سلسلہ تحریر کروں گا جس میں محمد شاہ اور اس کے لڑکے احمد شاہ اور اس کے پوتے عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی مع امرائے شاہ جہاں آباد، لاہور، اودھ اور اکبر آباد کا حال درج ہو گا۔ اس کے علاوہ اس دوران میں ملک دکن میں جو واقعات

دنا ہوں گے ان کا ذکر بھی وقتاً فوقتاً یعنی جوں جوں ان واقعات کا علم ہوگا دونوں ابواب میں کیا جائے گا۔ خدا کرے کہ مجھے اس میں کامیابی ہو اور میں اپنے قول وفعل میں پورا اتروں۔

زین الدین احمد خاں اپنے صوبے عظیم آباد آیا ہی تھا کہ مرہٹوں کی پیش قدمی کی افواہ چاروں طرف مشتہر ہو گئی۔ اس خبر سے چونکہ گھبراہٹ اور سراسیمگی پھیلتی رہتی تھی اس لئے اس نے عوام کی گھبراہٹ اور پریشانی دور کرنا اور ان کے جان ومال کی حفاظت کرنے کے لئے مناسب یہی سمجھا کہ شہر کے چاروں طرف اونچی دیواریں کھڑی کی جائیں ایسی دیوار پہلے سے تعمیر کی ہوئی تھی لیکن بہت ہی خستہ اور کمزور ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے حصار قدیم کی بنا پر نئی دیوار تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ نیز اس نے یہ بھی حکم دیا کہ اس کے گرد خندق کھود کر اس کی مٹی سے دیوار کا پشتہ بنایا جائے۔ حصارِ قدیم کا یہ حال تھا کہ اس کے چاروں طرف لوگوں نے مکانات تعمیر کر دیئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیوار بنانے کے لئے ان کے مکانوں کا انہدام ضروری تھا۔ لہٰذا جب یہ مکانات گرائے جانے لگے تو مالک مکان بہت پریشان ہوئے ان کے اندر بے اطمینانی اور بے چینی پھیل گئی انھوں نے اس اقدام کے خلاف فریادیں بھی کیں لیکن بے سود۔ ان کی شکایتوں کا بھی کوئی حاصل نہ نکلا۔

چونکہ انہدام مکانات حفظ عام کی وجہ سے کیا جا رہا تھا اس لئے فریادوں اور شکایتوں کی طرف کان نہیں دیا گیا۔ دیواروں کی تعمیر شروع ہوئی اور دیکھتے دیکھتے تھوڑے عرصہ میں بہت ہی مضبوط دیواریں کھڑی ہو گئیں اور آنے والے خطرات سے ذرا اطمینان ہو گیا۔ دیواریں کھڑی ہو جانے کے بعد جب بھی مرہٹے حملہ آور ہوتے (اور ایسے حملے بارہا ہوئے ہیں) شہر کے عوام اور باہر کے لوگ بھی مال وجان کی حفاظت کے لئے حصار میں آجاتے۔ نہ صرف یہ کہ گولے بارود کی زد سے بچ جاتے بلکہ ان کا ذرہ برابر بھی نقصان نہ ہوتا۔ جب لوگوں نے حصار کے فوائد دیکھے تو ان کی شکایتیں خودبخود دور ہو گئیں وہ لوگ جو کھلم کھلا اس کی مخالفت کرتے آرہے تھے اب ان ہی کی زبانوں سے تعریفی کلمات سنے جانے لگے۔

ادھر سے اطمینان ہو جانے کے بعد صوبہ دار عظیم آباد اپنے محل میں خوش خوش رہنے

لگا اور کبھی کبھی اپنے ذہن کو سکون دینے کی غرض سے وہ فدوی کے غریب خانے آجاتا اور میری والدہ محترمہ کی خدمت میں آکر نذرانے اور تحائف پیش کرتا اور ان کی دل جوئی کرتا چونکہ اس کو اپنے چچا کی طرف سے ترہٹ کے سارے پرگنے جاگیر میں ملے تھے اور ان تمام علاقوں میں اس کا ارادہ کاشت کاری کا تھا اس لئے اس نے گنگا پار جاکر ان علاقوں کا خود جائزہ لینے کا ارادہ کیا۔ اس نے وہاں کچھ روز قیام کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔ ان ہی خیالات کے تحت وہ اُدھر روانہ ہوگیا۔ فدوی کے چچا مہدی نثار خاں سے صوبیدار عظیم آباد کو چونکہ قلبی لگاؤ تھا اور وہ ان کے متعفی ہوجانے سے خوش نہ تھا اس لئے رخصت ہوتے وقت وہ ان سے ملنے گیا اور ان کو ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔

وہاں سے زین الدین احمد خاں سفر طے کر کے ضلع بہنوارہ آیا۔ اس علاقہ میں قدیم راجاؤں کے خاندان آباد تھے۔ اس نے بھی یہیں سکونت اختیار کی۔ اس نے بعض پرگنے مہدی نثار خان اور دیگر لوگوں کے سپرد کئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان لوگوں کی وجہ سے آبادی میں اضافہ ہوگا اور کاشت کاری بھی ہو سکے گی اس طرح اور اسی غرض سے اس نے صوبے کے دیگر علاقے بھی اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیئے زمینیں اس فیاضی سے تقسیم کی گئیں کہ لوگوں کی دلچسپی جاتی رہی۔

آمنہ بیگم کی آمد

زین الدین خاں اس جگہ مزید قیام نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنی بیوی آمنہ بیگم بنت علی وردی خاں کو مع اہل و عیال و خدمہ محل وغیرہ کے اپنے پاس بلا لیا۔ ساتھ ہی اس نے میری والدہ محترمہ کو بھی خط لکھا کہ آپ سے ملاقات کرنے کو بڑا جی چاہتا ہے۔ اگر حرج واقع نہ ہو تو آپ مع فرزندان دل بند کے میرے پاس تشریف لائیے تاکہ مجھے بھی خدمت کا کچھ موقع ملے۔ اگر سفر خرچ آنے میں حائل ہے تو میرے خزانے سے رجوع کیجئے غرض کہ اس کو والدہ محترمہ سے بہت عقیدت تھی۔ ایسی عقیدت جو ایک لڑکے کو اپنی ماں سے بھی نہیں ہوا کرتی۔ وہ نہ صرف ان سے عقیدت رکھتا تھا بلکہ ان کے احترام میں بھی اس نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ ان دنوں میں اور میرے چھوٹے بھائی علی نقی خاں والد بزرگوار کے ہمراہ شاہجہاں آباد میں تھے۔

مصطفٰے خاں کی بربادی کے اسباب

مصطفٰے خاں کی شخصیت، اس کے اقتدار اعلیٰ، اس کی شجاعت و دلاوری اور اس کے کردار پر ہم کئی بار روشنی ڈال چکے ہیں۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ وہ ہمیشہ اہم خدمات پر مامور رہا اور حکومت کے نظم ونسق میں اس نے نمایاں کام انجام دیئے لیکن یہ اس کی کیسی بدقسمتی ہے کہ اس کے یہی اعلیٰ صفات اس کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے۔ یہ وہ اعلیٰ صفات تھے جو علی وردی خاں کے ذہن کو مسخر کر چکے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس کو پورے ملک میں اتنے اختیارات حاصل ہوگئے اور رفتہ رفتہ اس کے اثرات اتنے زیادہ بڑھ گئے کہ کوئی شخص اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ علی وردی خاں کی کرم گستریاں اور مہربانیاں لامحدود تھیں۔ روزانہ تحفے تحائف سے وہ مالا مال ہوتا رہا اور اعلیٰ ترین اعزازات سے اس کا سر جھک گیا ایک بار تو علی وردی خاں نے خوش ہوکر اسکو بارہ لاکھ روپے دیئے نیز سات ہزار سوار عنایت کئے۔ اس کے چچا عبدالنبی خاں صوبہ دار کٹک کو بھی پانچ ہزار سوار ملے۔ عبدالنبی خاں کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عبدالرسول خاں باپ کے منصب پر فائز ہوکر صوبہ مذکور کا حاکم ہوا۔ مصطفٰے خاں پنج ہزاری اور پالکی جھالر دار، علم، نوبت اور رسالہ ہفت ہزار سوار وغیرہ قبول کرکے بڑی شان و شوکت سے رہنے لگا۔ اس کے پاس پچاس ہاتھی تھے۔ اس کے علاوہ ملکی، مالی اور فوجی امور میں اس کا اثر اتنا زیادہ ہوگیا تھا کہ علی وردی خاں کے اعزہ واقربہ معمولی سے معمولی کام کے لیئے اسی کا توسل ڈھونڈتے تھے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دربار میں لوگ اس کے حاسد ہوگئے اور اس کے خلاف سازشیں شروع ہوگئیں حتّٰی کہ علی وردی خاں کا بڑا بھائی حاجی احمد بھی جس کے تینوں لڑکے علی وردی خاں کی لڑکیوں سے بیاہے تھے اور جس کو دربار میں اعلیٰ ترین مقام حاصل تھا مصطفٰے خاں کے بڑھتے ہوئے اقتدار واثرات سے برہم ہوگیا وہ بھائی کے اس رویئے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے وہ بھائی کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ جیسے اس کی ساری توجہ مصطفٰے خاں کی طرف منتقل ہوچکی ہے۔ جیسے اس کے اقتدار و اختیار کا سورج گہنا گیا ہے چنانچہ ان

خیالات نے اس کے ذہن کو اتنا پراگندہ کیا کہ اس کو بھائی کی قربت کاٹنے لگی اور اس لئے وہ اس کی قربت سے الگ ہونے اور اس شہر کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گیا جہاں وہ عہد شجاع الدولہ سے مقیم تھا اور جس کی خاک کو وہ بے حد عزیز رکھتا تھا اس شہر کو خدا حافظ کہہ کر وہ بہت دور دراز یعنی اپنے چھوٹے بیٹے زین الدین احمد خاں صوبیدار عظیم آباد کے پاس آ گیا۔

حاجی احمد کی آزردگی کا سبب

دراصل حاجی احمد کی آزردگی کا سبب ہگلی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ علاقہ اس کو ملے لیکن علی وردی خاں نے اس کے دوسرے لڑکے سید احمد خاں کو دیدیا کیونکہ سید احمد خاں کٹک کی حکومت چھن جانے کے بعد دربار میں معمولی آدمی کی حیثیت سے زندگی گزار رہا تھا۔ آمدنی کے ذرائع بند ہو چکے تھے اور کوئی عہدہ بھی اس کے پاس نہ تھا لیکن حاجی احمد کو مرشد آباد سے بقدر ضرورت ساری چیزیں میسر تھیں اس لئے علی وردی خاں نے سوچا کہ سید احمد کی ضرورت تو حاجی احمد پر مقدم ہے لہٰذا ہگلی اسی کو ملنا چاہیئے۔ غرضیکہ حاجی احمد آزردہ خاطر اور مایوس و نامراد عظیم آباد آ گیا یہ واقعہ ۱۱۵۷ھ کا ہے۔

بھاسکر سے خوف اور مصطفےٰ خاں سے خوشامد

اس سال (موسم برسات قریب قریب ختم ہو چکا تھا) مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا۔ بھاسکر پنڈت نے اس بار ملک دکن کے مشہور سردار علی قراول کو اپنی رفاقت میں رکھ کر چھ سات ہزار سوار کا سردار بنایا۔ سال مذکور کی ابتدا میں رگھوجی بھونسلہ کے حسب الحکم بیس ہزار سوار لے کر اڑیسہ اور بنگال میں داخل ہوا۔ مطلب صرف یہ تھا کہ علی وردی خاں کو شکست فاش ہو یا پھر اس کو مصالحت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ لیکن علی وردی خاں نے کہ جو متواتر جنگ و جدال، حرب و ضرب اور مسلسل سفر سے عاجز آ گیا تھا جس کے قویٰ بھی مضمحل اور ڈھیلے پڑ گئے تھے اور ذہنی و جسمانی اعتبار سے مردہ ہو رہا تھا سوچا کہ اس بار کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ جنگ کئے بغیر بھاسکر کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ چنانچہ اس نے مصطفےٰ خاں سے مشورہ کیا کہ ایسی کوئی تدبیر نکالو کہ بھاسکر اپنی کل طاقت سمیت تباہ برباد ہو جائے

اور پھر یہ خطرہ سر پر نہ منڈلا سکے۔ لیکن چونکہ بھاسکر بہت طاقتور اور ہوشیار تھا اور مسلمانانِ بنگالہ کمزور ہو چکے تھے اس لئے علی وردی خاں کے منصوبے کامیاب ہوتے نظر نہ آئے۔ مصطفیٰ خاں بھی اس مہم کی حمایت میں نہ تھا۔ علی وردی خاں نے جب مصطفیٰ خاں کو دل برداشتہ دیکھا تو تحفے تحائف اور اکرام و اعزاز دینے کی لالچ دی نیز اس سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ بھاسکر کو مع اس کے ہمراہیوں کے حضور میں لانے میں کامیاب ہوگیا تو اس کو عظیم آباد کی صوبہ داری عطا کی جائے گی۔ مصطفیٰ خاں چونکہ صاحب عزم، دلاور، جری، ہوشیار اور کردار و گفتار میں آہنی انسان تھا طمع اور لالچ میں آکر آمادۂ رزم و پیکار ہوا۔ جب وہ علی وردی خاں کے حسب توقع اس مہم کے لئے رضامند ہوگیا تو اس نے بھاسکر سے گفت و شنید شروع کر دی۔ علی وردی بھی چونکہ جنگ و پیکار سے تنگ آکر صلح و امن کا خواہش مند تھا اس لئے مصطفیٰ خاں طرفین میں صلح و صفائی کرانے کی تگ و دو کرنے لگا۔

بھاسکر کے خلاف سازش

اس گفت و شنید کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹہ سردار بھاسکر جو جنگ و جدال اور رزم و پیکار کا دیوانہ ہو رہا تھا ملاقات کرنے پر رضامند ہوتا نظر آیا — دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ گویا مصطفیٰ خاں کو مقصد میں کامیابی ہو رہی تھی۔ غرضیکہ جب بھاسکر مصطفیٰ خاں سے ملنے کے لئے تیار ہوگیا تو علی وردی خاں نے مصطفیٰ خاں کو اپنے معتمد علیہ راجہ جانکی رام کے ہمراہ رازدل سے واقف کرا کر بھاسکر کے پاس بھیجا۔ ساتھ ہی دونوں سے اس نے یہ بھی کہا کہ جیسے بھی ہو اس ملاقات کے بہانے بھاسکر اور اس کے ہمراہیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔

مصطفیٰ خاں اور جانکی رام ان باتوں کو ذہن نشین کر کے کٹوہ گئے جہاں بھاسکر کچھ دن پہلے ہی پہنچ گیا تھا اور علی وردی خاں اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مرشد آباد سے منگرا میں کہ جو دریائے بھاگیرتی کے کنارے واقع ہے خیمہ زن ہوا۔ ادھر مصطفیٰ خاں اور راجہ جانکی رام نے بھاسکر سے گفت و شنید شروع کر دی تھی۔ دونوں مل کر مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے اس کو شیشہ میں اتارتے گئے۔ وعدے وعید کئے، قسمیں کھائیں اس کو اطمینان دلایا اور جب

اس کو ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو اس نے علی وردی خاں سے ملاقات کرنے کیلئے رضامندی دیدی۔ دراصل یہ رضامندی معاہدہ کی طرف پہلا قدم تھی۔ لیکن اب بھی اس کے ذہن میں شکوک و شبہات پلنے لگے۔ اس لئے ان شبہات کو دور کرنے کے لئے پہلے اس نے اپنے معتمد علی قراول کو علی وردی خاں کے پاس بھیجا۔ اس کو بھیجنے کا سب سے بڑا مقصد دراصل یہ تھا کہ وہ دربار علی وردی خاں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکے اور اسے معلوم ہو کہ اس کی فوج کی تعداد کتنی ہے۔ چونکہ اس کو اپنے اس سردار پر مکمل اعتماد تھا اس لئے وہ طے کر چکا تھا کہ جب وہ علی وردی خاں کے دربار سے تفصیلات معلوم کر کے واپس آ جائے گا تب وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس سے ملنے جائے گا۔

مصطفےٰ خاں اور راجہ جانکی رام نے جب دیکھا کہ ان کا منصوبہ کامیاب ہوتا نظر آ رہا ہے تو دونوں علی قراول کو اپنے ساتھ لے گئے۔ مصطفےٰ خاں نے خصوصاً جس کو افغان ہونے کی حیثیت سے چرب زبانی اور مبالغہ آرائی کا فن معلوم تھا اس سے اس انداز میں گفتگو کی کہ علی قراول کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علی قراول اس کے قبضہ ٔ قدرت میں آ گیا ہے۔ علی وردی خاں نے بھی ایسے خیالات و جذبات کا اظہار کیا اور وہ ایسے اخلاق سے پیش آیا کہ وہ اس کا ہو کر رہ گیا اس کے تکلّم کی سحر آفرینی اور اس کے اعلیٰ اخلاق کی جادوگری دراصل منٹوں میں وہ کام کر گئی جو شمشیر براں برسوں میں بھی انجام نہیں دے سکتی ہے۔ درحقیقت وہ اپنی شیریں بیانی سے علی قراول کا دل جیت چکا تھا۔ شیریں بیانی کے ساتھ ساتھ تحفے تحائف نے بھی بڑا کام کیا۔ جب علی وردی خاں کو اطمینان ہو گیا کہ علی قراول اس کے قبضہ میں آ گیا ہے تو اس نے مصطفےٰ خاں کے ساتھ اس کو آقا کے پاس روانہ کر دیا۔

بھاسکر علی وردی کے قبضہ ٔ قدرت میں

دونوں نے بھاسکر کے پاس پہنچتے ہی علی وردی کی خوبیاں اس انداز سے بیان کیں کہ اس کے ذہن میں جو شکوک پرورش پا رہے تھے وہ آنِ کی آن میں ڈھل گئے۔ اب وہ بھی اپنے ایلچی علی قراول کی مانند اس

کے دام میں آگیا۔ ادھر صلح و صفائی کی گفت و شنید ہو رہی تھی اور پانی کے رنگ کو چھپانے کے لئے اس میں خود دو پتے پھینکے جا رہے تھے اور ادھر علی وردی خاں قیمتی اشیا اور لذیز میووں سے بھاسکر کی دل جوئی کرنے میں مصروف تھا۔ یہ میوے بنگال کے بھی تھے اور بنگال سے باہر کے بھی۔ ان تحفے تحائف کی بارش کا بیک وقت دو نتیجہ نکلا۔ اول یہ کہ اس کے اخلاص و محبت اور کردار و اخلاق کا سکہ بھاسکر کے دل پر بیٹھ گیا اور دوسرے یہ کہ اس کے دل و دماغ میں نفرت کا جو بیج تناور درخت کی شکل اختیار کر رہا تھا اس کی نشو و نما بند ہو گئی اور اس کے سینے میں شکوک و شبہات اور بد اعتمادی کے جو جھکڑ چل رہے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مرہٹہ سردار کا ذہن ایکدم سے بدل گیا۔ اس نے علی وردی خاں کا گن گانا شروع کیا۔ بلکہ وہ تو اس کا اتنا معترف ہو گیا کہ اگر وہ خود اہل اقتدار نہ ہوتا تو اس کی ملازمت قبول کرنے میں فخر محسوس کرتا۔

ملاقات کی تیاری

راجہ جانکی رام بھی جو بذات خود ہندو دھرم سے تعلق رکھتا تھا اور مرہٹہ بھی تھا۔ اس کی صحبت میں دن بھر رہا اور اس نے طرفین کی ملاقات کا بندوبست کرایا۔ آخرکار علی وردی خاں اور بھاسکر پنڈت کے ملاقات کا دن مقرر ہوا۔ یہ طے پایا کہ بھاسکر پنڈت اپنے امرائے خاص کو ہمراہ لے کر میدان منکرا میں علی وردی خاں سے ملاقات کے لئے جائے گا۔ علی وردی خاں ان دنوں امانی گنج، اور بھاسکر کٹوہ میں خیمہ زن تھا۔ یعنی دونوں ایک دوسرے سے دس کوس کے فاصلے پر تھے۔ طرفین منکرا میں ملنے کے لئے اس لئے راضی ہوئے تھے کہ یہ جگہ درمیان میں پڑتی تھی۔ غرضیکہ اواخر صفر یا اوائل ربیع الاول میں جس روز کہ طرفین میں ملاقات طے پائی ایک شاندار خیمہ کھڑا نصب کرایا گیا۔ اور اس کے چاروں طرف سے زمین قنات سے گھیر دی گئی۔

رازِ درونِ خانہ

یوم ملاقات کی صبح کو علی وردی خاں اپنی پوری فوج کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ لیکن فوج کو کچھ فاصلہ پر چھوڑ کر خود خیمہ کے اندر گیا اور مسند نشین ہوا۔ اس کے ساتھ کچھ معزز و ممتاز افراد تھے اور چند معتمد افسران مثلاً خود اس کا بھتیجا سید احمد خاں، عطاراللہ خاں اور میر محمد کاظم خاں۔ کوئی شخص بھی سوائے جانکی رام، مصطفےٰ خاں اور مرزا حکیم بیگ کے رازِ درونِ خانہ سے آگاہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر درجے اور رتبہ کے معزز و ممتاز شہری بھی شہر سے وہاں آگئے تھے تاکہ وہ بھی علی وردی خاں اور بھاسکر پنڈت کی ملاقات سے محظوظ ہوسکیں ان کے پرامن رویہ سے بھی بھاسکر اور اس کے ہمراہیوں پر وہ منصوبہ ظاہر نہ ہوسکا جو ان کے خلاف تیار کیا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مصطفےٰ خاں اور راجہ جانکی رام کے جنھوں نے قسمیں کھاکر بھاسکر پنڈت کے شکوک دور کر دیئے تھے اور جو اس ملاقات کے محرک بھی تھے۔ مرہٹہ سردار کو لانے کے لئے آگے بڑھے اور درایں اثنا فوج بنگالہ کے افسرانِ خاص اور سپہ سالار مسلح اور گھوڑے کی پشت پر سوار خیمے کے باہر لیکن کچھ فاصلے پر چوکس کھڑے ہو گئے لیکن معزز و ممتاز شہری اور معتمد افسران ستونِ خیمہ کے متصل اور اور بعض علی وردی خاں کے عقب میں فرمان کے منتظر نظر آتے تھے۔ اسی عالم کش مکش میں علی وردی خاں نے اپنے بھتیجے سید احمد خاں اور عطاراللہ خاں کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس کام کی ذمہ داری مرزا حکیم بیگ کے شانے پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"مرزا کیا سید احمد خاں اور عطاراللہ خاں نے خیمہ کو ملاحظہ فرمالیا ہے اگر نہیں تو ان دونوں کو ادھر لے جاؤ تاکہ مجھے ان کا عندیہ معلوم ہوسکے۔"

مرزا حکیم بیگ نے خیمہ دکھانے کے بہانے سے سید احمد اور عطاراللہ خاں کو الگ الگ لے جاکر علی وردی خاں کے منصوبے سے آگاہ کیا اور تاکید کی کہ دونوں چاق و چوبند رہیں چند لمحے کے بعد تینوں واپس آئے اور آتے ہی انھوں نے خیمہ کی خوب تعریف کی اور کہا کہ ایک معزز اور

مقتدر سردار کے لئے یہ خیمہ بڑا زیب دے رہا ہے۔ ان کے اس فقرے سے علی وردی خاں سمجھ گیا کہ انھوں نے بھی یہ منصوبہ پسند فرمایا ہے۔ اور اس کی تکمیل میں وہ بھی حصّہ لینے کے لئے تیار ہیں اس درمیان میں علی وردی خاں مسند پر بیٹھا مہمان خصوصی کے لئے چشم براہ رہا۔ ہر لمحہ اس کی آمد کی اطلاع مل رہی تھی۔

بھاسکر کی سواری

جونہی بھاسکر پنڈت کی سواری خیمہ کے قریب آئی کہ علی وردی کے چند معزز و ممتاز درباری اس کے استقبال کو بڑھے۔ علی وردی خاں کا ہاتھی بان بھی پردہ سرا کے عقب میں لیکن اپنے آقا کے بالکل قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اسی اثنا میں بھاسکر پنڈت کے تقریباً پچاس افسران جو اس کے آگے آگے گھوڑے پر سوار چلے آرہے تھے اتر گئے اور سب کے سب جنگی اسلحہ سے لیس خیمہ کی طرف بڑھے انھوں نے اپنی اس پیش روی کا یہ حیلہ تراشا کہ وہ اپنی شمشیروں پر ہاتھ رکھ کر معاہدہ کی رو سے سبھوں کے سامنے قسمیں[1] کھائیں گے ان سرداروں میں بائیس تو معزز و معتمد سردار اور باقی اینگ تھے جو پیش قدمی کر کے داخل سرا پردہ ہوئے۔ عین اسی وقت بھاسکر پنڈت بھی اپنی گھوڑی کی پشت سے اترا

خیمہ میں داخل ہوا وہ مصطفےٰ خاں کو داہنے ہاتھ سے اور راجہ جانکی رام کو بائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا۔ علی قراون اس کے رو برو اور دوسرے افسران یمین ویسار اور عقب میں شمشیر در دست، انتہائی تکبّر و نخوت اور ہیبت ناک چہرہ بنائے ہوئے چلے آرہے تھے۔ اتنے میں مصطفےٰ خاں اور راجہ جانکی رام بھاسکر سے کوئی عذر معقول کر کے وہاں سے علیحدہ ہو گئے۔ دونوں نے میدان کے سرا پردہ کا ایک چوتھائی حصّہ طے کیا تھا کہ علی وردی خاں کی آواز سنائی دی۔ اس نے ان سے پوچھا کہ ان سرداروں

---

[1] ہندوستان کی یہ فوجی رسم ہے۔ ترکی میں بھی سپاہی اپنی شمشیروں اور نان و نمک کی قسمیں کھایا کرتے ہیں۔

میں بھاسکر پنڈت کون ہے؟ اس سوال کا جواب مرزا حکیم بیگ نے اس کی طرف انگلی کے اشارے سے دیا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے بھی جو اس کام کے لئے مقرر تھے اس طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ علی وردی خاں نے تابڑ توڑ تین بار یہی سوال دہرایا اور ہر بار اس کا جواب انگلی کے اشارے دیا گیا۔

حملے کا حکم

بھاسکر پنڈت جب بالکل قریب آتا نظر آیا تو علی وردی خاں نے ان قزاقوں اور لٹیروں پر حملہ کر دینے کا حکم دیا حاضرین چونکہ اس امر سے قطعاً آگاہ نہ تھے ایسا حکم سن کر ششدر رہ گئے۔ ان کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُن کے پاؤں زمین میں گڑ گئے ہیں اور وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ میر کاظم خاں کو چونکہ سب کچھ علم تھا اس لئے اس نے پوچھا کہ کیا احکام صادر ہوتے ہیں۔ علی وردی خاں نے اپنی پوری قوت اور شانِ بے نیازی سے وہی کچھ دہرایا جو اس سے پہلے اس نے کہا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً آگے بڑھا۔ برخوردار بیگ اور کچھ جاں نثار شمشیر برہنہ لے کر اس طرف جھپٹے ان کے علاوہ مصطفٰے خاں کے پانچ چھ ہمراہی بھی جو اسی کی طرح مضبوط توانا اور جری دلاور تھے ہوا میں لہراتی ہوئی اور چمکتی ہوئی شمشیروں کو دیکھ کر دوڑے۔ اور بیک وقت مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے۔

بھاسکر کا قتل

میر کاظم خاں جو سب سے آگے آگے تھا بھاسکر پنڈت کی طرف گدھ کی طرح جھپٹا اور ایک ہی وار میں اس نے اس کو خاک و خون میں تڑپا کے دم لیا۔ گویا یہ ایک طرح سے جنگ کا سگنل تھا مرہٹے اگرچہ جنگ کے لئے بالکل تیار نہ تھے فوراً صف بستہ ہو گئے اور اس خوفناک انداز میں انھوں نے بھی اپنی شمشیریں ہوا میں لہرائیں کہ فضا خون آلود نظر آئی سر تن سے جدا ہو رہے تھے اور بے شمار لاشیں گھوڑوں کے پاؤں تلے روندی جا رہی تھیں۔ معزز و مقتدر شہریوں نے خون کی ارزانی دیکھی تو وہ سب کچھ بھول کر قتل گاہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اسی دوران میں صحن کا پردہ گر گیا۔ مصطفٰے خاں نے خونخوار نظروں سے میدانِ رزم کو دیکھا اندھیر

بڑی تیز رفتاری سے اپنا دستہ لے کر بجلی کی طرح مرہٹوں پر ٹوٹ پڑا نیز اس نے اپنے آقا یعنی علی وردی خاں کو بھی کہلا بھیجا کہ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی مدد کو آئے یہ سنتے ہی علی وردی خاں کہ جس کے محض بیس گز کے فاصلے پر خوفناک جنگ ہو رہی تھی اور جہاں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ایک دوسرے سے واقف نہیں سپر اور شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا۔ چند افراد کہ جو اس کے قریب تھے ہاتھی کی طرف اشارہ کیا لیکن وہ کفش بردار کا انتظار کر رہا تھا۔ علی وردی خاں نے کہا کہ زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے مجھے میری جوتی چاہیئے۔ کہیں سے یہ آواز سنائی دی ”مگر یہ وقت انتظار کفش کا تو نہیں“ علی وردی خاں نے جواب دیا ”ٹھیک کہتے ہو لیکن تم ہی میں سے کل کوئی یہ کہے گا کہ علی وردی خاں ایسا بدحواس ہوا کہ اس کو جوتی کا بھی ہوش نہ رہا۔

بھاسکر کی لاش

آخر کار کفش بردار حاضر ہوا۔ اس کو جوتی پہنائی اور اس طرح وہ ہاتھی پر سوار ہوا۔ اس وقت تک مرہٹوں کا کام تمام کیا جا چکا تھا۔ ہاتھی پر سوار ہو کر علی وردی خاں نے رزم گاہ کی چاروں طرف نظر دوڑائی اور پوچھا کہ مصطفےٰ خاں کہاں ہے۔ جواب ملا کہ وہ اس توقع میں مرہٹوں کا تعاقب کرنے گیا ہے کہ حضور خود بنفسِ نفیس اس کی مدد کو آئیں گے۔ اس کے باوجود وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ لٹیرے مرہٹے کا سر دیکھنا چاہتا تھا تاکہ یہ دیکھ کر اس کو اس کی موت کا یقین ہو جائے۔ اس سے بار بار کہا گیا کہ وہ کیفر کردار تک پہنچ چکا ہے اور پھر فتح و نصرت کے شادیانے بھی بجنے لگے مگر اس کو یقین نہ آتا تھا نہ آیا۔ آخر بھاسکر کی لاش لائی گئی۔ اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے اس کو شناخت کر لیا تو اس نے ہاتھی کو آگے بڑھانے کا حکم صادر کیا۔ وہ ہاتھی پر پیش قدمی کرتا گیا یہاں تک کہ کٹوہ آ گیا جہاں اس کے دشمن یعنی مرہٹہ خیمہ زن تھے۔ لیکن وہاں ایک بھی مرہٹہ نظر نہ آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مرہٹہ کے سارے سردارانِ خاص بھاسکر پنڈت کے ساتھ علی وردی خاں سے ملنے چلے گئے تھے اس لئے باقی سپاہی بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ البتہ ایک شخص نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی اس کا نام ہے رگھو گیگواڑ۔ وہ مصطفےٰ خاں، راجہ جانکی رام اور علی قراول کی باتوں میں نہ آیا۔ انھوں نے اس کو بھی لے جانے کی حتی الامکان کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ البتہ اس نے

وعدہ کیا تھا کہ بھاسکر پنڈت کی ملاقات کے بعد کل وہ بھی اپنے لوگوں کے ہمراہ علی وردی خاں سے ملنے جائے گا۔

لیکن اس کے کانوں نے جونہی قتل و غارت گری اور کشت و خون کی اطلاع سنی وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا، خیمہ تک آیا اور بھاسکر پنڈت کا سارا سامان سمیٹ کر اپنی فوج کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ اس برق رفتاری سے بھاگا کہ کوئی اس کا تعاقب نہ کر سکا۔ اگرچہ راستوں میں زمینداروں اور کاشت کاروں نے اس پر مسلسل حملے کئے اور اس طرح اس کے بہت سے سپاہی بھی ہلاک ہوئے لیکن وہ ہاتھ نہ آسکا گیگوار کی حاضر دماغی اور فہم و بصیرت کی داد نہیں دی جاسکتی کہ اس کی وجہ سے بہت سے مرہٹے قتل و غارت گری سے اور تباہی و بربادی کے چنگل سے بچ گئے اور بخیریت تمام اپنی منزل تک پہنچے۔

غرضیکہ اس طرح ایک دن میں بھاسکر پنڈت کی عظیم فوج گاجر مولی کی طرح کٹ گئی اور جو تھوڑے بہت آدمی نوک شمشیر سے زندہ بچ نکلے تھے وہ بنگالہ اور اڑیسہ کی حدود سے عالم انتشار اور خلفشار میں بھاگ گئے اور انتہائی خستہ و خراب حالت میں اپنے ملک پہنچے۔

اس مہم کے بعد علی وردی خاں اپنے دارالحکومت واپس آیا۔ اس کا ایک آدمی بھی اس جنگ میں ہلاک نہ ہوا۔ اس کا وقار بھی بلند ہو گیا اور سپاہیوں، امراء، ساہوکار اور شہریوں میں اس کی عزت کئی گنا ہو گئی لٹیروں اور قزاقوں سے اتنی جلدی نجات پاجانے پر سبھوں نے اس کو مبارک باد دی اور اس کی اس غیر متوقع کامیابی پر انتہائی خوشی منائی۔ علی وردی خاں بھی سپاہیوں۔ سرداروں اور کمانڈروں کی اطاعت و فرماں برداری سے اس درجہ خوش ہوا کہ اس نے دس لاکھ روپے تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد اس نے دارالخلافہ میں بادشاہ کو پوری روداد لکھ کر ارسال کی اور گزارش کی کہ مصطفیٰ خاں کو اضافہ منصب اور خطاب بر جنگی سے نوازا جائے نیز اس نے دیگر رفقائے جاں نثار مثلاً میر جعفر خاں جس کو انتہائی خطرناک زخم آیا تھا فقیر اللہ بیگ خاں، حیدر علی خاں وغیرہ کے لئے بھی منصب و خطاب کی سفارش کی۔

بادشاہ نے علی وردی خاں کی درخواستیں پوری کیں اس نے مصطفیٰ خاں کو خطاب ببر جنگی، نوبت اور منصب پنج ہزاری اور دیگر ہمراہیوں کو بہادری کے لقب سے نوازا۔ علی وردی خاں کو خصوصاً خلعت خاص، جواہر، خطاب شجاع الملک و اسپ و شمشیر عطا کئے۔

مرہٹوں کی سرکوبی کے بعد علی وردی خاں کو اپنے غیر ملکی دشمنوں سے تو نجات مل گئی لیکن کچھ خانگی اور اندرونی مسائل ایسے کھڑے ہوئے کہ اس کو آرام کرنے کا موقع نہ ملا۔ اسوقت تک مصطفیٰ خاں کی طاقت خاصی بڑھ گئی تھی اور اس کا اثر اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور نہ اترتا تھا۔ اب وہ نہ کسی کو اپنا ہمسر سمجھتا اور نہ ہم رتبہ اور چونکہ اس کے قبیلے کے لوگ یعنی افغان بھاری تعداد میں بنگال آگئے تھے اور علی وردی خاں کی فوج اور محل میں ان کی رسائی ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کا سر اور بلند ہو گیا۔ اس کے علاوہ کوئی افغان اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا۔ وہ آپس میں شیر و شکر تھے اور اتحاد کی رسّی کو ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑتے تھے۔

یہ بات دیدنی ہے کہ یہ لوگ اپنی تعداد اور کم فہمی کے باعث اور کچھ اپنی پہاڑی زندگی کی وجہ سے وحشی اور درندے سے بہت زیادہ مشابہ تھے درندوں اور وحشیوں کی طرح یہ لوگ انتہائی تیز رفتار بے حد جری و جوانمرد اور بہت زیادہ لالچی ہوا کرتے تھے۔ احسان فراموشی ان کی عادت تھی، نان و نمک کی پروا نہیں کرتے، محسنوں اور حتیٰ کہ حقوق دوستی کو اہمیت نہ دیتے —— معمولی باتوں پر عداوت مول لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ دوست سے یکایک دشمن اور وہ بھی کٹر دشمن بن جانا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ مختصر یہ کہ ایسا شخص جو فہم و ادراک سے خالی ہو اور جس کی نگاہ میں مروت و اخلاص، احسان و مہربانی اور شفقت و عنایات کی کوئی وقعت نہ ہو۔ وہ بڑی آسانی سے اپنے محسن کے حقوق بھول کر اس کو مار ڈالنے کی سوچ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ معمولی انعام کی خاطر اور محض ادنیٰ بات کے لئے اپنے عزیز ترین رشتہ دار کے خون سے ہاتھ رنگنے کو برا نہیں سمجھے گا آداب و اخلاق سے وہ بے بہرہ —— اور تہذیب اس کو چھو نہیں گئی۔ نرم گفتار لوگوں

کے ساتھ اس کا رویہ بڑا دوستانہ لیکن انتقام لینے پر اتر آئے تو خوفناک حد تک خونخوار درندہ۔ اگر کوئی افغان مرجائے خواہ اس کی موت کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن اس کی نگاہ میں یہ ایک ایسا جرم ہے کہ معاف ہی نہیں کیا جا سکتا وہ اس موت کا بدلہ لے کر رہے گا خواہ متوفی کے رشتہ داروں نے مصالحت ہی کیوں نہ کرلی ہو انتقام کا بیج سینے میں تناور درخت بنتا جائے گا اور وہ اس کی آگ میں جلتا رہے گا۔

مصطفیٰ خاں کی بغاوت

مصطفیٰ خاں بھی ایسی ہی قابلِ تعریف قوم کا ایک فرد تھا۔ اگرچہ اس کے اندر فہم و فراست تھی لیکن اعلیٰ اقتدار مل جانے کی وجہ سے وہ ایسا طامع ہو گیا تھا کہ بنگال کی شان و شوکت اور دولت اس کی نیند حرام کئے دے رہی تھی اس کی آنکھیں وہاں کی دولت سے ہمیشہ خیرہ رہنے لگیں اور اس کی نخوت روز بروز بڑھتی گئی وہ برابر اپنے ساتھ اتنے سپاہی رکھتا جتنے علی وردی خاں کے پاس ہوتے تھے وہ ملازم تھا لیکن علی وردی خاں بننے کا خواب دیکھا کرتا تھا بلکہ وہ درحقیقت خود کو اس سے برتر سمجھنے لگا تھا۔ مختصر یہ کہ اس نے اپنے آقا کا کام تمام کرنے کا بھی منصوبہ بنالیا۔ آتش دیرینہ مشتعل ہوئی۔ اس نے کھلم کھلا اس کو وہ وعدہ یاد دلایا جو اس نے عظیم آباد کی صوبہ داری کے سلسلے میں اس سے کیا تھا اس کے علاوہ اس نے عظیم آباد کے صوبہ دار کو بھی چیلنج کیا کہ اس پر حکومت کرنے کا اس کے علاوہ اور کسی کو حق نہیں ہے۔ اس وقت عظیم آباد کا صوبہ دار علی وردی خاں کا بھتیجا اور اس کا داماد تھا۔ لیکن وہ اس سے بھی خوف نہ کھایا۔ علی وردی خاں نے عالم مجبوری میں تو اتنا بڑا وعدہ کر لیا تھا لیکن وہ یہ طے کئے بیٹھا تھا کہ جب ایفائے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ مصطفیٰ خاں کو انعام و اکرام اور خطاب سے اس طرح نوازیگا کہ اس کی زبان بند ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے سرکشی کی تو اس کے ساتھ بھی شیریں کلامی سے پیش آئے گا اور اس کو اس طرح اپنے شیشہ میں اتارے گا کہ سرکشی و بغاوت کی آگ آن کی آن میں سرد ہو جائے گی چند مہینے اس کو تحفے تحائف دینے اور اس کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرنے میں گزر گئے اور یہ ساری مہربانیاں اس توقع میں کی گئیں تاکہ اس کے لالچی ذہن سے وہ خیالات

محو ہو جائیں جو خطرناک شکل اختیار کر رہے تھے۔ لیکن جیسا کہ یہ کبھی دیکھا نہیں گیا کہ محض چشمے کو دیکھ لینے سے کسی پیاسے کی بھڑکتی ہوئی آگ بجھ گئی ہو یا اس دل کو کہانی سنا سنا کر سلا دیا گیا ہو جو مسرتوں سے ہمکنار ہونے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ اسی طرح مصطفیٰ خاں جو آج اور کل کے بہلاوے میں کئی ماہ سے جی رہا تھا یکایک ایک دن پھٹ پڑا تکلفات کے سارے پردے چاک کر دیئے اور دوستی و مروت کا رشتہ توڑ ڈالا۔ اس کے سینے میں جو آگ دہک رہی تھی آخر کب تک اندر ہی اندر سلگتی رہتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱۵۹ھ کے اواخر محرم سے اس نے دربار میں آنا قطعی بند کر دیا۔ برہمی تعلقات کا سبب یوسف علی خاں نے بڑے خوبصورت انداز میں قلم بند کیا ہے۔

عام طور پر یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ علی وردی خاں ویسے بظاہر مصطفیٰ خاں کی برہمی اور اس کے غصہ کی آگ کو سرد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن دراصل وہ اس کی خودسری اور خوش فہمی پر بھرپور ضرب لگانا چاہتا تھا تاکہ اس کے شر انگیز منصوبے عملی جامہ نہ پہن سکیں اور وہ ان اختیارات کا غلط استعمال نہ کر سکے جن کو دیکھ کر علی وردی خاں خوفزدہ ہو رہا تھا۔

نواب بیگم کو ہیضہ

ایک دن کا ذکر ہے۔ مصطفیٰ خاں نے دربار میں جانے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے حسب دستور پہلے اپنے دو سردارانِ خاص کو یعنی دل شاہ اور حکیم شاہ کو بھیجا۔ دونوں دربار میں حاضر ہوئے اور کورنش بجا لا کر بیٹھ گئے۔ اس روز یوسف علی خاں بھی دربار میں موجود تھا۔ چنانچہ اس نے اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوپہر ہو چکی تھی دربار عام درباریوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ دونوں اشخاص بیٹھے ہی تھے کہ عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ ایک خواجہ سرا آندھی اور طوفان کی مانند دربار میں آیا اور اعلان کیا کہ نواب بیگم (یعنی علی وردی خاں کی ملکہ) کو ہیضہ ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی فوراً علی وردی خاں محل سرا کے اندر گیا اور چلتے چلتے اس نے دونوں سے کہا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں تم دونوں بیٹھے رہو۔ لیکن دونوں ایلچیوں نے چونکہ مصطفیٰ خاں

کی آمد کا پہلے ہی اعلان کر دیا تھا اس لئے بہت گھبرائے۔ لہٰذا اس سے قطع نظر کہ نتیجہ کیا نکلے گا دونوں دربار عام سے متصل ایک کمرے میں داخل ہو گئے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ دونوں کو یہ واہمہ ہوا کہ آس پاس بہت سارے مسلح سپاہی موجود ہیں جو مصطفیٰ خاں پر حملہ آور ہونے کے لئے چاق و چوبند کھڑے ہیں اور شاید اسی منصوبے کی تکمیل کے لئے بیگم کی علالت کا سوانگ رچایا گیا ہے۔

ان خیالات و توہمات کو لے کر دونوں باہر نکل گئے۔ مصطفیٰ خاں گھوڑے سے اترنے ہی والا تھا انھوں نے فوراً اپنے سردار کو تمام باتوں سے آگاہ کر دیا مصطفیٰ خاں ساری باتیں سن کر ششدر رہ گیا۔ چونکہ وہ پہلے ہی سے علی وردی خاں سے بدظن ہو چکا تھا اور اس پر سے سارا اعتماد جاتا رہا تھا اس لئے اس نے نواب بیگم کے عارضہ کو حیلہ سمجھ کر اپنے ایلچیوں کی بے بنیاد باتوں کو سچ سمجھ لیا۔ وہ فوراً اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔

علی وردی خاں کو اس کے واپس چلے جانے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے داماد نوازش محمد خاں کو اس کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ کسی طرح اس کو بہلا پھسلا کر دربار میں لانے کی کوشش کرے۔ حسب الحکم نوازش محمد خاں اس کے پاس گیا۔ راستے ہی میں ملاقات ہو گئی تھی اس نے مختلف دلائل پیش کر کے تشکوک و شبہات کو دور کرنے کی اور اس کے ذہن کو صاف کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مصطفیٰ خاں اپنے گھر آ گیا اور گھر آتے ہی اس نے اپنے رسالے کو جو نو ہزار سوار و پیادہ پر مشتمل تھا منظم کیا اور پھر اس نے علی وردی خاں کے نام ایک پیغام ارسال کیا جس کے ذریعہ اس نے اپنے سارے خطابات واپس کر دیئے اور اپنا بقایا طلب کیا۔

مصطفیٰ خاں کی لشکر کشی

علی وردی خاں نے ایک بار پھر اپنے داماد نوازش محمد خاں کو مصطفیٰ خاں کے پاس بھیجا۔ اس نے پھر اس سے وعدے وعید کئے اور اس کی ایمانداری اور

اس کے کردار وگفتار کی بڑے اچھے لفظوں میں تعریف کی۔ لیکن یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ معاملہ اس حد تک نازک ہو گیا کہ مصطفیٰ خاں نے علی وردی خاں کو ایک اور خط کے ذریعے لعنت ملامت کی اور ایک اور خط کے ذریعے عظیم آباد کی صوبہ داری کا مطالبہ کیا۔ اس کے اس معاندانہ رویے سے علی وردی خاں سناٹے میں آ گیا۔ اس نے اپنے معتمدوں سے مشورے لینے شروع کر دیئے۔ لیکن وہ اور اس کے داماد اور اعزہ واقارب اتنے سرگرداں ہوئے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ سبھوں کو مصطفیٰ خاں کی بہادری وشجاعت کا اچھی طرح علم ہو چکا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے پاس لڑنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

مرشد آباد میں انتشار اور خلفشار کی فضا پیدا ہو گئی لوگ سہمے سہمے نظر آنے لگے۔ آخر کار طرفین نے تیاریاں شروع کر دیں اور سارا شہر چشم زدن میں رزم گاہ بن گیا۔ علی وردی خاں کے مسلّح سپاہی محل کے دروازہ سے لے کر مصطفیٰ خاں کی چھاؤنی تک گشت کرنے لگے تھے۔ یہ سپاہی اس کے دو دامادوں یعنی نوازش محمد خاں اور سید احمد کی کمان میں تھے۔ ان کے علاوہ۔ میر جعفر خاں، حیدر علی خاں، فقیر اللہ بیگ خاں نور اللہ بیگ خاں اور عمر خاں مع اس کے دونوں لڑکوں کے بھی اپنے اپنے سپاہی کے ساتھ مستعد تھے۔ نیز دیگر امرائے متفرق اور ہزاری وغیرہ برق انداز مثلاً فتح راؤ اور بخشی چھیدن بھی محل کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ یہ سب کے سب مسلّح دن رات بڑی ہوشیاری سے دشمنوں کی تاک میں تھے۔ شمشیر خاں اور سردار خاں بظاہر علی وردی اور بباطن مصطفیٰ خاں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دربار میں آمد ورفت کر رہے تھے۔ علی وردی خاں اگرچہ ان کے ساتھ محبت وشفقت سے اور ہمدردی سے پیش آ رہا تھا۔ لیکن اب افغان فوج پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اس نے دل سے تو ان پر اعتماد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تاہم اس نے دونوں افغانی سرداروں کے

دل جیتنے کی کوشش شروع کر دی۔ علی وردی خاں عجیب کس مکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اول یہ کہ مصطفےٰ خاں کی سرتابی و بغاوت اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہی تھی، ساتھ ہی اس نے اس کے خلاف جو منصوبے تیار کئے تھے وہ بھی ظاہر ہو گئے تھے اور دوئم یہ کہ ان باتوں کے باوجود وہ اس کے ساتھ مفاہمت کرنے کی بھی سوچ رہا تھا۔ اس کے دل میں مصطفےٰ خاں سے مفاہمت کرنے کا خیال اس لئے بھی آنے لگا کیونکہ اس نے اس کی نازک حالات میں دستگیری کی تھی۔ اور پھر اس کی شجاعت و تہوری اس کا اپنے نصب العین پر قائم رہنا۔ اس کا استقلال، اس کا فہم وادراک یہ وہ صفات تھے جن کو یاد کر کے علی وردی خاں اس کو کھونا نہیں چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنے اچھے ملازم کو کھو کر وہ اپنی طاقت گنوا بیٹھے اس کو معلوم تھا کہ اگر وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس کے نتائج کتنے بھیانک نکلیں گے۔ لیکن ان سارے خیالات کے باوجود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دوست کا دل کیسے جیتے اور دشمن کو کیسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے مگر اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اس سے مقابلہ کرنا ہی تھا۔ لیکن مصطفےٰ خاں جیسے دشمن سے لڑنا جس کی فوج میں اس کی قوم کے بہادر سے بہادر سپاہی تھے۔ کوئی آسان کام نہ تھا۔

ان تمام باتوں کو سوچ کر ایک دن علی وردی خاں نے وہی پرانا حربہ استعمال کرنا چاہا۔ یعنی اس نے چاہا کہ سراج الدولہ کو اپنے ہمراہ لے کر اس کے پاس جائے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کا دل جیتے۔ اس سے ملاقات کرنے کے لئے اس نے پالکی بھی طلب کر لی۔ وہ روانہ ہونا ہی چاہتا تھا کہ اس کے دونوں دامادوں اور نیز میر جعفر خاں، حیدر علی خاں، فقیر اللہ بیگ خاں وغیرہ ہواخواہوں نے اس کے اس ارادے کی سختی سے مخالفت کی۔ سبھوں نے بیک زبان ہو کر کہا:-

"اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اس لئے

اس افغان سردار کے پاس جانے کا کوئی حاصل نہیں۔ اس کا دل نہیں جیتا جا سکتا۔ خوش کلامی اور شیریں بیانی اس کے دل میں اثر نہیں کر سکتی۔ اس کا مقصد واضح ہو چکا ہے۔ وہ ہر قیمت اپنے مالک اور آقا سے انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے مالک کی تباہی و بربادی کے کھنڈرات پر اپنا محل تعمیر کرے۔ اگر آپ اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو پہلے ہمارے سر قلم کر دیجئے کیونکہ ہم آپ کو دشمن کے ہاتھوں برباد ہوتے دیکھنا نہیں چاہتے۔

مرشد آباد سے عظیم آباد

ان دلائل نے علی وردی خاں پر اثر کیا۔ چنانچہ اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ یہ لوگ ابھی مصروف گفتگو تھے ہی کہ ایک شخص رحم خاں نامی جو مصطفیٰ خاں کا ہراول تھا اس کی رفاقت چھوڑ کر علی وردی سے آملا۔ اس کے علاوہ مصطفیٰ خاں کے دو اور کماندار جن پر اس کو بہت اعتماد تھا علی وردی خاں کے رفیق ہوئے۔ ان کے نام ہیں شمشیر خاں اور سردار خاں۔ دونوں اس سے برگشتہ ہو گئے تھے اور کہیں اور قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں خدا کی اس وسیع و عریض زمین پر ان کے لئے کہیں نہ کہیں کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ غرضیکہ ان تینوں رفیقوں کے بچھڑ جانے سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مصطفیٰ خاں نے اب مرشد آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ ہی بدل دیا۔ خواہ ارادہ کی اس تبدیلی کے اسباب جو بھی ہوں اس کی نگاہ مرشد آباد سے ہٹ گئی۔ اس نے سوچا کہ علی وردی خاں سے لڑنے کی بجائے اس کے بھتیجے کو عظیم آباد کی صوبیداری سے نکال دینا زیادہ آسان ہے اس خیال کے آتے ہی اس نے مرشد آباد سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ علی وردی خاں کو اس کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ قسمت اس کی مدد کر رہی ہے۔ مصطفیٰ خاں نے اپنی روانگی سے پہلے دربار میں وکیل کی معرفت

ایک رقعہ بھیجا جس میں اپنی اور سپاہیوں کی تنخواہ کا حساب درج تھا۔ اگرچہ ادائیگی سے پہلے حساب کی جانچ پڑتال اور داغ تصحیحہ کی شناخت کی سند حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ لیکن علی وردی خاں نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اس نے مجموعی رقم کی فوری ادائیگی کا فرمان جاری کر دیا۔ مجموعی رقم سترہ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ علی وردی خاں نے اس رقم کو صدقۂ ردِ بلا کا نام دیا اور کہا کہ غم بھاری رقم کے جانے کا نہیں ہے بلکہ جان بچ جانے کی خوشی ہے۔

مصطفیٰ خاں کی روانگی

مصطفیٰ خاں کو جونہی یہ رقم ملی اس نے فوراً اپنے آدمی بھیج کر چودھری سے گاڑی منگوائی۔ چودھری کو اس نے ڈرا دھمکا کر کہا کہ ہمارے جتنے سپاہی ہیں ان سبھوں کو گاڑیوں میں لے جانا ہے لہٰذا اسی حساب سے گاڑیوں کا انتظام کیا جائے گاڑیاں آگئیں تو اس نے بڑے اطمینان سے اپنا سامان لدوایا۔ سپاہیوں کے بھی سامان رکھوائے پھر چھاؤنی کو نذر آتش کر کے سپاہیانہ شان و شوکت و تجمل کے ساتھ اور بڑے کروفر سے شہر سے نکل گیا۔ اور جب کئی کوس کا فاصلہ طے ہوا تو وہ ایک جگہ رک کر خیمہ زن ہو گیا۔

بخت آور کا واقعہ

دوسرے دن اس نے پھر پیش قدمی شروع کر دی شہر والوں کو جونہی مصطفیٰ خاں کی روانگی کا علم ہوا اور جب انھوں نے اطمینان کر لیا کہ واقعی وہ رخصت ہو چکا ہے تو ان کی جان میں جان آئی اور اس روانگی کو انھوں نے "بخت آور واقعہ" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر جنگ چھڑی تو ان کو تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

چند روز کے بعد علی وردی خاں نے رحم خاں کو ترقی دینے اور اس کی دلجوئی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے شمشیر خاں اور سردار خاں کو بھی اپنی مہربانیوں اور جود و سخا سے نوازا۔ ان مہربانیوں اور الطاف و اکرام کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں افغان سرداروں نے جن کے دلوں میں اب بھی مصطفیٰ خاں کی محبت باقی تھی ہمیشہ کے لئے علی وردی خاں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا۔ اس کے علاوہ علی وردی خاں نے اپنی اعلیٰ بصیرت اور ژرف نگاہی کی وجہ سے دلیر خاں برادر مراد شیر خاں خواہر زادہ کہتر شمشیر خاں

اورالف خاں داماد سردار خاں کی ناشکری اور نامہربانی کو نظر انداز کر دیا۔ یہ دونوں سردار اس سے رخصت ہو کر مصطفیٰ خاں سے مل گئے تھے۔ علی وردی خاں ان کے ناموں کا ذکر کبھی نہیں کرتا تھا۔ اگر کبھی کوئی شخص اس کے سامنے ان کی کم ظرفی اور کمینگی کا ذکر کر دیتا تو لعنت ملامت کرنے کی بجائے وہ صرف اتنا کہتا کہ یہ ان کی جہالت تھی اور کچھ نہیں۔

مصطفیٰ خاں نے راج محل آکر کچھ توپیں اور ہاتھی جو وہاں تھے مع جنگی اسلحہ کے لے لئے۔ جب اس نے خود کو مضبوط اور طاقتور محسوس کیا تو اس کا معاندانہ فعل از سر نو شروع ہو گیا۔ یہ بات تو اب ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ مصطفیٰ خاں نے علی وردی خاں سے اپنا رشتہ محض اس بنا پر توڑا تھا کہ موخر الذکر مصطفیٰ خاں سے صوبہ عظیم آباد کی حکومت دینے کا وعدہ کر کے منحرف ہو گیا تھا۔ یہ بات اس کے بھتیجے عبدالرسول خاں کو بھی معلوم ہو گئی۔ جوان دنوں کٹک کا صوبیدار تھا۔ جب اس کو اپنے چچا کا خط ملا۔ جس میں اس کو رسالہ سمیت فوراً طلب کیا گیا تھا تو وہ مسمی داؤد خاں افغان کو اپنا نائب مقرر کر کے اپنے رسالہ سمیت مصطفیٰ خاں سے جا ملا۔

میر عبدالعزیز خاں

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عبدالرسول خاں کا باپ عبدالنبی خاں شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور اس نے محمد اعظم شاہ خلف عالمگیر اورنگ کے یہاں ملازمت کی تھی۔ وہ بڑا ہی شریف النفس اور حلیم الطبع شخص تھا۔ اس کو اگر اعلیٰ اخلاق و عادات کا مجسمہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا۔ میر عبدالعزیز اس کے عزیز رفیقوں میں سے ایک تھا۔ خاندان سادات سے اس کا تعلق تھا اور لاہور کے سمانہ علاقے میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا تعلق علی وردی خاں کے رسالہ داروں میں سے بھی تھا۔ جو حکومت کی مدد کے لئے اڑیسہ میں رہ گئے تھے۔ میر عبدالعزیز خاں نے مجھ سے (مصنف سیر المتاخرین) ایک بار کہا بھی تھا کہ مصطفیٰ خاں نے جب علی وردی خاں کی مخالفت پر کمر باندھی تھی تو عبدالنبی خاں بھی اس کے ہمراہ تھا۔ لیکن اس شخص نے اس کی سازشوں کو قبول نہ کیا۔ ایک دن جبکہ میرے اور اس کے سوا تیسرا کوئی موجود نہ تھا اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

'میرے دوست شاید تم کو علم نہیں کہ یہ لڑکا (اس کا روئے سخن مصطفیٰ خاں کی طرف تھا) نہایت ہی مکروہ اور مذموم حرکت کرنے والا ہے۔ اس کے ذہن میں سازشوں کا جال ہے۔ وہ عجیب و غریب منصوبے بناتا رہتا ہے۔ میں بھی عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اگر میں مصطفیٰ خاں کی حمایت کرتا ہوں تو میں نمک حرام کہلاؤں گا۔ مجھے باغی اور سرکش جیسے خطابات سے نوازا جائے گا۔ یہ خطاب آج تک میرے خاندان کے کسی ایک فرد کو بھی نہیں ملا ہے اور اگر علی وردی خاں سے متعلق رہتا ہوں تو میں اپنی جماعت کے افراد کی دشنام طرازیوں، لعنتوں اور گالیوں سے بچ نہیں سکوں گا۔ وہ لوگ میری طرف اشارہ کر کے کہیں گے اس کو دیکھو کہ جس نے مال وزر اور علی وردی کی ملازمت کی لالچ میں آکر اس شخص کی رفاقت کو خیرباد کہہ دینے کی ذلیل حرکت کی جس نے اسکو رسالدار بنایا تھا اور جو اس کی خوشحالی اور خوش بختی کا ذمہ دار ہے میرے دوست بہتر تو یہی ہے کہ اس رتبہ کو پہنچنے سے پہلے خدائے بزرگ و برتر اس دنیا سے مجھے اپنے پاس بلالے اور اپنی امان میں رکھے۔"

اس معزز شخص کو ان شخصیتوں سے خاص قسم کی عقیدت تھی جو شہر کٹک میں دفن ہیں چنانچہ وہاں ہر پنجشنبہ کو جاتا اور بارگاہِ خداوندی میں یہی دعا مانگتا۔ بلا ناغہ پنج شنبہ کو اس کا معمول بن گیا۔ یہاں تک کہ اس کی دعا مستجاب ہوئی۔ مصطفیٰ خاں کی مخالفت سے کچھ روز پہلے وہ ایک معمولی عارضہ میں مبتلا ہوا اور تین چار روز کے اندر اندر راہئی ملک عدم آباد ہوا۔ اس کو اس قدم شریف میں دفن کیا گیا۔ پنج شنبہ کا دن تھا۔ چنانچہ یہ دن یادگار کے طور پر منایا جانے لگا۔ ہر پنج شنبہ کو لوگ دور دراز سے اس کے مزار کی زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

عبدالرسول خاں، مصطفیٰ خاں کا مددگار

القصہ جب مصطفیٰ خاں علی وردی خاں کی رفاقت سے علیحدہ ہوا اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوا۔ اس اثنا میں اس کا بھتیجا عبدالرسول خاں بھی اس کی مدد کو آگیا۔ یہ شخص بڑا ہی مشہور تیر انداز بھی تھا۔ اور اپنے چچا کی ہر بات پر سرتسلیم

ختم کر دیتا تھا۔ چونکہ یہ اڑلیسہ چھوڑ کر چلا آیا تھا اور وہاں کوئی حکمران نہ تھا۔ اس لئے علی وردی خاں نے راجہ دولبھد رام پسر راجہ جانکی رام کو جو عبدالنبی خاں کے عہد سے پیشتر صوبے کا پیشکار تھا اور عبدالرسول خاں کی نیابت میں بھی اسی عہدہ پر بحال رہا کٹک کی صوبہ داری عطا کی۔ اس کے علاوہ اس کو منصب سہ ہزاری، پالکی جھالر دار اور دو ہزار سوار سے سرفراز کیا اور نئے منصب کی سند بھی لکھدی۔

علی وردی خاں کا خط زین الدین کے نام

اس انتظام کی تکمیل کے بعد علی وردی خاں عظیم آباد کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں اس کا داماد زین الدین خاں حکمران تھا اور جس کو وہ سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ دراصل وہ اپنے چچا اور خسر کی ضعیفی میں ایسا رخشندہ چراغ ثابت ہوا جس نے اپنے خاندان اور اپنے فرقہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کو مٹنے نہ دیا۔ لہٰذا اس شہزادے کی قیمتی جان کی طرف سے جب اسکو فکر لاحق ہوئی تو اس نے اس کے نام ایک معتمد کے ذریعہ خفیہ خط روانہ کیا اور اسکو تاکید کی کہ وہ اس راستے سے نہ جائے جدھر مصطفیٰ خاں خیمہ زن ہے۔ خط میں یہ مذکور تھا کہ وہ فوراً دریائے گنگا کی شمالی طرف سے میرے پاس آ جائے کیونکہ میں تم سے اہم معاملہ پر مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ خط ارسال کرنے کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ مصطفیٰ خاں سے تن تنہا نہ لڑے۔ کیونکہ اس کے خیال میں زین الدین خاں مصطفیٰ خاں کے سامنے معمولی لقمہ ثابت ہوگا جسے وہ بڑی آسانی سے ہضم کر جائے گا۔ جب یہ اطلاع بھیجی وہ ان دنوں ترہٹ میں تھا۔ وہیں اس کو ساری باتوں کی اطلاع ملی اتنے میں مصطفیٰ خاں کی سرکشی اور بغاوت کی خبر چاروں طرف پھیل گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا رخ عظیم آباد کی طرف ہے (اس خبر کی علی وردی خاں نے بھی توثیق کر دی تھی) چنانچہ زین الدین خاں نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے رفیقوں سے مشورے شروع کر دیئے سبھوں نے اپنی رائے دی۔ لیکن اکثریت کی رائے تھی کہ وہ اپنے چچا علی وردی خاں کی باتوں پر عمل پیرا رہے۔ انھوں نے مصطفیٰ خاں سے ٹکر لینے کی مخالفت کی اور یہ دلائل پیش کئے۔

" مصطفیٰ خاں کے ہمراہ اس وقت چودہ ہزار سوار جرار موجود ہیں

سارے سپاہی آزمودہ اور معتبر ہیں۔ اس کے علاوہ مصطفیٰ خاں خود نہایت دلیر، شجاع، تجربہ کار اور رزم و پیکار کے قواعد سے خبردار ہے تیر و شمشیر زنی میں اس کی ٹکر کا مشکل سے کوئی ملے گا۔ وہ بندوق اور توپ کی پرواہ نہیں کرتا ہے لیکن اس کے ہم قوم سپاہی اپنے پاس ضرورت کے وقت استعمال کرنے کے لئے بندوق رکھتے ہیں اس کے علاوہ اس کے پاس پچاس عدد توپ اور ڈیڑھ سو سے زائد ہاتھی وغیرہ ہیں۔ کچھ اس کے اپنے ہیں اور کچھ اس کے رفیقوں کے۔"

زین الدین کے بعض اور مشیروں نے بھی یہ کہا کہ:-

"مصطفیٰ خاں کا ہر سپاہی گھوڑے پر سوار رہتا ہے اور گھوڑے کی کم سے کم قیمت چار۔ پانچ سو روپے ہے اس کی زینیں اور لگام طلائی ہیں اور وہ خود سر پر آہنی ٹوپی پہنتا ہے جس کی کاری گری کی تعریف نہیں ہو سکتی المختصر یہ کہ اس کے پاس جملہ سامان رزم و سپاہ اور توپ خانہ وغیرہ نہایت اچھی حالت میں ہیں اس عہد میں شاید ہی ایسا سامان کسی اور کے پاس ہو لیکن آپ (زین الدین خاں) کے پاس تین ہزار سوار اور چھ ہزار پیادہ سے زیادہ نہیں ان میں سے بھی بیشتر شہر سے باہر متعین ہیں۔"

یہ تھے وہ خیالات و احساسات جو مجلس شوریٰ کے بیشتر ارکان نے پیش کئے تھے لیکن وہ لوگ جو طبعاً جری و جوانمرد اور بہادر تھے انھوں نے ان سے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ ان بہادروں اور جوانمردوں میں میرے چچا مہدی نثار خاں بھی تھے۔ انھوں نے کہا:

"موت و حیات سے کسی کو مفر نہیں۔ ہر امر میں مشیت ایزدی ضرور ہے۔ فتح و شکست بیش و کم پر موقوف نہیں اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے جیسا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں کہا گیا ہے کہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل کم من فیئۃ قلیلۃ غَلَبتْ فیئۃ کثیرۃ باذن اللہ ۰"

اس ہنگامی اور نازک حالت میں دشمن کی نظروں سے ڈر کر چھپ جانا

زیب نہیں دیتا - یہی وہ وقت ہے جب دوستوں، ہمراہیوں اور رفیقوں کی آزمائش ہوتی ہے - دل میں جو ولولہ ہے اسے رزم گاہ میں آکر پورا کرنا چاہیئے - بہتر ہے کہ عزم رزم ہو - دیکھیں کون روتا ہے اور کون ہنستا ہے اور تقدیر کس پر طنز کرتی ہے - میرا یہ خیال قطعاً ذاتی ہے اگر کسی اور نے اپنا خیال پیش کیا اور وہ میرے بزرگ ہوئے تو میں ان کے آگے سر تسلیم خم کر دوں گا اور ان کی مسرتوں پر جان نچھاور کر دونگا"

ترہٹ سے عظیم آباد

زین احمد خاں کو میرے چچا کا خیال پسند آیا - وہ خود غیور اور صاحب شعور تھے ان کی بہادری اور شجاعت میں کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا - چنانچہ وہ فوراً ترہٹ سے کوچ کر کے اور کہیں رکے بغیر عظیم آباد آیا - جہاں سے اپنے محل میں داخل ہوئے بغیر سید جعفر خاں کے باغ میں آٹھہرا - یہ باغ شہر کے بالکل مشرقی کنارے میں تھا اسی باغ میں اس کی ملاقات عبد العلی خاں بہادر اور نیز دیگر معززین شہر مثلاً عقیدت مند خاں بہادر وغیرہ منصب دار سے ہوئی سب اس کے آگے جذبۂ عقیدت میں سرنگوں ہو گئے - زین الدین خاں ہر ایک سے بڑے اخلاق سے پیش آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سب کے سب اس کی آنکھوں میں مساویانہ حیثیت رکھتے ہیں اس کے اس اخلاق نے سبھوں کے دل آنِ واحد میں جیت لیئے - سبھوں نے رزم گاہ میں ساتھ رہنے کا وعدہ کر لیا۔

شگون نیک ثابت ہوا - چنانچہ اس کے بعد اس نے فراہمیٔ سپاہ و اسلحہ میں کوشش شروع کر دی - فائز علی خاں چونکہ بخشی تھا اس لئے مہدی نثار خاں اور عبد العلی خاں کو سردارانِ سپاہ سے بات کرنے اور نئے سپاہی بھرتی کرنے پر مامور کیا گیا - نیز احمد خاں قریشی نبیرہ داؤد خاں پنی، شیخ جہان یار، شیخ احمد الدین اور شیخ امیر اللہ، کرم خاں، غلام جیلانی خاں، خادم حسین خاں، راجہ کیرت سنگھ اور راجہ رام نرائن وغیرہ رفقائے خیر اندیش کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ دن رات جوانانِ سر فروش و خوش اسپہ کی بھرتی کریں اس کے بعد صوبے کے زمینداروں کو بھی طلب کیا گیا اور ان لوگوں کو بھی جن کا ذرا بھی

زین الدین خاں سے تعلق تھا یا جو اس کے رفقا میں تھے۔ مثلاً راجہ سندر سنگھ نرہت اور سمائے کا نام دار خاں، سردار خاں اور کامگار خاں، ایسے ہی احکام سرِیس کو ٹمبہ کے زمیندار بھیین سنگھ، پہلوان سنگھ اور سرتور سنگھ برادر زمینداران سہسرام اور چین پور اور بھرت سنگھ زمیندار ادول کو بھی صادر کئے گئے۔

مذکورہ بالا سارے زمینداروں نے آکر زین الدین خاں کو اپنی خدمات پیش کیں انھوں نے یہ بھی یقین دلایا کہ وہ ہمہ دم صوبہ دار عظیم آباد کے ساتھ رہیں گے خواہ قسمت جو کچھ بھی دکھائے۔ رنگروٹوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ ایک ماہ تک دن رات یہ کام جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چودہ پندرہ ہزار سوار و پیادہ علاوہ ملازمین سابقہ کے مقرر ہو گئے لیکن جنگی اسلحہ کافی نہ تھے جس کی وجہ سے دولت خواہوں نے صلاح مشورہ کرنے کے بعد کہا کہ چونکہ ہماری فوج اچھی طرح مسلح نہیں ہے اس لئے مصطفیٰ خاں کے سپاہیوں کے سامنے اس کا ٹھہرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے سپاہی نہ صرف جنگی اسلحہ سے مسلح ہیں بلکہ سب کے سب سرفروش جانباز اور بہادر بھی ہیں۔ ہٰذا خندقیں کھودی جائیں۔ یہی ایک ایک ایسا طریقہ ہے جس کی مدد سے کامیابی ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ اس صلاح مشورہ کے بعد صوبے کے گرد و پیش سے بہت سارے مزدور اور بیلدار بلوائے گئے اور چشم زدن میں جعفر خاں کے باغ کے برج سے خندق کی ابتدا ہو گئی اور جہاں پر کہ دریا کے پانی کی حفاظت کے لئے بند بنایا گیا تھا وہاں تک خندق کھودی گئی اور اس کی مٹی سے قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے برجوں پر توپیں نصب کروا دیں گئیں اور ایک برج سے دوسرے برج تک ایک ایک سردار کو محافظ بنایا گیا۔ فوج کی سرداری چند آدمیوں میں تقسیم کر دی گئی اور چند جماعت دار اُن کے ماتحت کر دیئے گئے۔ اول عبد العلی خاں بہادر۔ مصنف کے خالو، دوم احمد خاں قریشی، سوم راجہ کیرت چند دیوان خلف رائے رایان۔ چہارم راجہ رام نرائن، پنجم خادم حسن خاں اور ششم ناصر علی خاں۔ ان سبھوں کو ان کے دستوں کے ساتھ قلعہ کے دامن میں تعینات کر دیا گیا تاکہ وہ دن رات دشمنوں کی تاک میں چوکس رہیں۔ سارے کمانداروں نے اپنے اپنے خیمے نصب کر لئے تھے اور قلعہ

پر جھنڈا لہرا دیا گیا تھا۔ اور ہر سپاہی دشمن کی گھات میں یوں لگتا تھا جیسے کوئی شکاری شکار کے انتظار میں ہو۔ اور جہاں تک مجھ حقیر و فقیر کا تعلق ہے میں اپنے چھوٹے بھائی نقی علی خاں کے ساتھ مقیم تھا۔ پانچ ماہ قبل اپنے والد محترم کی اجازت سے (ان پر ہمیشہ خدا کا سایۂ عاطفت رہے!) میں جہاں آباد سے رخصت ہو گیا تھا ذی قعدہ ۱۱۵۶ھ کا زمانہ تھا میں عظیم آباد رسم مناکحت کے سلسلہ میں پہنچا شادی کی بات چیت اپنے ہی خاندان میں بہت پہلے طے پا گئی تھی لہٰذا ۱۱۵۸ھ کے ماہ محرم میں اپنے خالو کی صاحبزادی سے میری شادی ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرے ماہ کی چودہ تاریخ کو زین الدین احمد خاں کے قلعہ میں مجھے عہدہ مل گیا اور اپنے خالو کا دست راست بن گیا جو سپہ سالار تھے۔ اور میرا چھوٹا بھائی نقی علی خاں اپنے چچا مہدی نثار خاں کی رفاقت میں زین الدین احمد کے پاس آیا۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ سو سوار تھے۔ یہ سو سوار وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ لیکن میں عاجز و ناچیز نے اگرچہ بلا تنخواہ کام کر رہا تھا اور بپاسِ آبرو اور محبت اس مہم میں شرکت کی تھی کیونکہ میں اُس احسان کا بدلہ اتارنا چاہتا تھا جو مجھ پر اور میرے خاندان پر زین الدین خاں کی طرف سے کیا گیا تھا۔

الغرض جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو زین الدین احمد خاں نے شہر کے دروازوں اور بعض برجوں پر لوگ تعینات کر دیئے تاکہ کوئی اس کے لشکر کا ایک شخص بھی مفرور ہو کر شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ اس حفاظتی کارروائی کا دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ مصطفےٰ خاں کی یہاں تک رسائی بھی نہ ہو کیونکہ اگر اس کی یا اس کے سپاہیوں کی یہاں تک رسائی ہو جاتی ہے تو خندق میں جو لوگ ہیں نہ صرف ان کی زندگی بلکہ ان کے مال و اسباب بھی خطرے میں گھر جائیں گے زین الدین احمد خاں کا دیوار اٹھانے سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان شہریوں کی جان و مال بھی خطرہ کی زد سے بچے رہیں جنھوں نے دیوار اٹھانے کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ لیکن اب ان کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اس کے کتنے فوائد ہیں۔

تسخیر قلب

اب زین الدین خاں مصطفےٰ خاں کے تسخیر قلب کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ اُس کی طرف سے اُس کے دل میں

کتنا غبارہ ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اُس کے کردار وگفتار سے اس کا مافی الضمیر بارہا ظاہر ہو چکا تھا۔ بہرحال اس نے اپنے تین آدمیوں کو اپنا ایلچی منتخب کیا۔ تاکہ وہ اس کے پاس پیغام لے جائیں۔ ان ایلچیوں کے نام ہیں:۔ حاجی عالم کشمیری، جو بعد میں حاجی محمد خاں کے لقب سے مشہور رہا۔ دوئم مولوی تاج الدین جو صوبہ اودھ کا باشندہ تھا اور جو امیر خاں عمدۃ الملک کی طرف سے سیف خاں کے مدرسہ کی نگہبانی پر مامور تھا۔ سیف خاں کا مدرسہ قصر عظیم آباد کے مغرب میں لب دریا واقع ہے یہ بہت ہی پر فضا مقام ہے۔ سرد، پرسکون اور پرسکوت۔ لوگ یہاں دنیا کے ہنگاموں سے اکتا کر تفریح کی غرض سے آتے ہیں غرض کہ اس خوشگوار جگہ میں وہ پرسکون زندگی گزارتا تھا۔ تیسرے شخص کا نام میرے حافظہ میں محفوظ نہیں ہے۔ غالبًا اس کا نام غالب ملک ہے کہ جو محمد خان دیوان صوبہ کابل کے خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ بہر کیف یہ تینوں مصطفٰے خاں کے پاس زین الدین خاں کا پیغام لے کر حاضر ہوئے۔ پیغام مندرجہ ذیل تھا:۔

مصطفٰے خاں کے نام پیغام

"اگر مرشد آباد سے آپ کی روانگی کا سبب یہ ہے کہ آپ مہابت جنگ کی رفاقت کا رشتہ توڑ چکے ہیں اور اس طرح ہمیں بھلا کر ملک کو خیرباد کہہ رہے ہیں تو میں بسبب رشتۂ قدیم گذارش کروں گا کہ آپ مہمانِ خصوصی بن کر اپنی آمد سے مہمان خانہ کو جلوہ افروز کیجئے اور کم از کم دو تین روز قیام کیجئے۔ تاکہ ایک بار پھر ہم ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اندوز ہو سکیں اور ساتھ ہی آپ کو اپنے سامان کے لئے بار برداری کی جو ضرورت ہو گی اس کا انتظام بھی کر دیا جائے گا۔ اور اگر مہابت جنگ سے آپ کو کوئی صدمہ پہنچا ہے تو مطلع کیجئے تاکہ بندہ بہ نفسِ نفیس حاضر ہو کر آپ کی کدورت کو دور کرنے کی کوشش کرے اور ان دو دلوں کے رشتہ کو از سر نو مستحکم کر سکے جو کبھی ایک تھے۔ میں اس کارِ نیک کے لئے اپنی خدمت بصد شوق پیش کر رہا ہوں۔ یقین مانیئے مجھے بے حد خوشی ہو گی اور اگر حضور شاہی سے اس صوبے کی آپ

نے کوئی سند حاصل کی ہو براہِ کرم میرے پاس بھیجد یجئے تاکہ میں دیکھوں اور حرب و ضرب کے بغیر یہ صوبہ آپ کے حوالے کرکے اپنی راہ لوں۔"

مصطفےٰ خاں شہر مونگیر کے مشرقی جانب خیمہ زن تھا۔ ان ایلچیوں نے زین الدین احمد خاں کا پیغام اس کے حوالے کیا ہی تھا کہ اس نے پڑھ کر فوراً جواب لکھا اور ان کو روانہ کردیا۔ جواب مندرجہ ذیل ہے :۔

تا در میاں خواستۂ کردگار چیست

"جناب والا! میرا ارادہ نہ تو مہابت جنگ سے از سر نو رشتہ جوڑنا ہے اور نہ مسافر کی طرح اس ملک کو خدا حافظ کہنا ہے۔ بلکہ میں تمہارے ہاتھوں سے تمہارے اختیارات چھیننا چاہتا ہوں تم نے مجھ سے جو سند طلب کی ہے اس کے جواب میں یہ سن لو کہ میرے پاس وہی سند ہے جو تمہارے چچا نے سرفراز خاں سے بنگالہ لیتے وقت پیش کی تھی۔"

اتنا لکھ کر وہ رک گیا اور چند سیکنڈ کے بعد اس مصرع پر خط کو ختم کیا :۔

ع تا در میاں خواستۂ کردگار چیست

یہ جواب تحریر کرنے کے بعد اس نے مولوی صاحب سے یہ سوال کیا۔" فرض کیجئے اگر میرے ایک طرف بت پرست ہوں اور دوسری طرف رافضی اور دونوں مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں اور میرے پاس اتنی طاقت ہے کہ میں بیک وقت دونوں کی سرکوبی کر سکتا ہوں تو مجھے یہ بتائیے کہ پہلے اپنی تلوار کی پیاس کس کے خون سے بجھاؤں ؟"

مولوی صاحب اس کا مطلب سمجھ کر بولے ۔" اگر کافر مسلح ہے اور مخالفت پر کمربستہ ہے تو اس پر حملہ آور ہونا قطعاً جائز ہے لیکن اہل قبلہ کو خواہ وہ رافضی ہی کیوں نہ ہوں قتل کرنا روا نہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ان رافضیوں کو اگر وہ غلطی پر ہوں صحیح راستہ دکھانا چاہیئے۔ یہ اقدام مستحسن ہوگا۔" یہ سن کر مصطفےٰ خاں نے جواب دیا۔" تو آپ کا یہ خیال ہے۔ مجھے آپ کے اس خیال سے شدید اختلاف ہے۔ کیونکہ ہمارے مشائخ کے اعتقاد اور ارشاد کے بموجب رافضی کافر سے زیادہ بدتر ہے اس لئے اول رافضی کی سرکوبی کرنا چاہیئے اور بعدہٗ کافروں کی۔"

جب گفتگو اس مرحلے پر پہنچ گئی تو مولوی صاحب نے خاموش رہنا ہی مناسب

سمجھا چنانچہ وہ مزید کچھ کہے بغیر رخصت ہو گئے۔

تینوں ایلچیوں نے واپس آکر زین الدین احمد خاں سے لفظ بہ لفظ وہ سب کچھ دہرا دیا جو وہ سن کر آئے تھے۔ زین الدین احمد خاں جو پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا۔ یہ سن کر آپے سے باہر ہو گیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اسی اثنا میں یہ اطلاع گشت کر رہی تھی کہ مصطفیٰ خاں نے نخوت اور غرور میں سب کچھ بھول کر شہریوں اور خصوصاً زین الدین احمد خاں کے رفیقوں کے سارے مکانات اپنے دوستوں اور سپاہیوں کے حوالے کر دیئے ہیں۔ اطلاع میں یہ بھی بتایا گیا کہ فلاں فلاں مکان فلاں فلاں شخص کے نام پر لکھ دیا گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ فتح و نصرت کے بعد یہ مکانات، ساز و سامان، روپے پیسے اور عورت بچے سمیت غرضیکہ جو کچھ ان کے اندر ہے سب ان کو مل جائیں گے۔ لیکن خدا کو اس کا یہ بے ہودہ منصوبہ پسند نہ آیا۔ میں بھی یہ خبر سن کر ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ لہٰذا میں نے اپنی پریشانیوں کا علاج لسان الغیب حافظ شیرازی کی کتاب میں تلاش کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ میں سن چکا تھا کہ ان کی کتاب سے فال نکالی جاتی ہے اور امیدیں بر آتیں۔ چنانچہ میں نے کتاب کا صفحہ الٹا تو پہلا شعر یہ نظر آیا ؎

تو با خدائی خود انداز کار و دل خوش دار
کہ رحم اگر نکند مدعی، خدا بکند!

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ معجزہ حرف بہ حرف صرف صحیح ثابت ہوا

قلعہ مونگیر کی تسخیر

القصہ، مصطفیٰ خاں نے مونگیر پہنچتے ہی اپنے بھتیجے — عبد الرسول خاں کو مع فوج ہمراہی کے قلعہ مونگیر کی تسخیر پر مامور کیا۔ لیکن زین الدین خاں اور اس کے مختصر سے دستے نے مدافعت شروع کر دی۔ مگر چونکہ مصطفیٰ خاں کی نظروں میں یہ کام کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے ننگے پاؤں اپنے رفیقوں کے ساتھ قلعہ پر یورش کر دی اور چشم زدن میں لوگوں کو باہر نکال کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تقدیر کی کارستانی دیکھئے کہ جس وقت عبد الرسول خاں قلعہ کے دروازے پر کھڑا ہو کر لوگوں

کو جنگ کرنے پر آمادہ کر رہا تھا کہ کسی قلعہ والے نے اس کی طرف ایک پتھر پھینک مارا۔ اس سنگدل کا سر پتھر کی ضرب سے چکنا چور ہو گیا اور اس کے شیشۂ حیات کو بھی ایسی ٹھیس لگی کہ بادۂ روح بہہ نکلی۔ اگرچہ فتح ہو گئی تھی مگر اس حادثہ کے مکافات کا تدارک قلعہ میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مصطفیٰ خاں کا حملہ

ہر چند کہ مصطفیٰ خاں کے دل و دماغ پر اس حادثۂ عظیم کا ناقابلِ بیان اثر ہوا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ کہیں لوگوں کے اندر اس کی وجہ سے مایوسی نہ پھیل جائے اس نے پائے استقلال کو مضبوط رکھا لیکن کب تک آخر کار کمر قوت کمزور ہو گئی۔ کیونکہ عبدالرسول خاں اس کا دست راست تھا اور اس کی بہادری وجوانمردی پر اس کو فخر و ناز تھا۔ چار و ناچار اس نے وہاں تین دن تک قیام کیا۔ تعزیت میں نوبت نہ بجائی۔ چوتھے روز توپ خانہ وغیرہ یعنی ضروری سامان لے کر وہ قلعہ مذکور سے آگے بڑھا اور عظیم آباد کے لئے رخصت ہو گیا۔ لیکن جب زین الدین کو اس کے نزدیک آ پہنچنے کی اطلاع ملی تو شب و روز وہ خندقوں کی نگرانی میں مصروف ہو گیا اس کو کسی پہلو چین و آرام بھی نہ تھا۔ اس کے سارے رفیق بھی پہلے سے زیادہ مستعد اور چاق و چوبند ہو گئے تھے۔ اس نے مہدی نثار خاں کو حکم دیا کہ وہ یہ دیکھے کہ مذکورہ چھ کماندار دن رات خندقوں کے ارگرد گشت لگاتے ہیں یا نہیں۔ وہ بذات خود ہر جگہ جاتا اور احکام صادر کرتا رہا تا آنکہ پنج شنبہ کے روز ۱۷ یا ۱۸ ماہ صفر کو جب سارے لوگ اپنی اپنی چوکیوں پر تیار کھڑے تھے کہ مصطفیٰ خاں نمودار ہوا اور آموں کے باغ میں جو قریب ہی تھا آ کر اس نے سکونت اختیار کی۔ وہیں سے اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ بلند خاں روہیلہ کی سرداری میں اور دوسرا حصہ اپنی ہمراہی میں لیا اور پھر ان باغات سے بلند خاں کو پیش دستی میں بھیجا۔ تاکہ وہ ادھر کی طرف سے مخالف کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ یہ احکام صادر کر کے وہ خود بھی خندقوں کے سامنے حملہ آور ہوا لیکن دوسری طرف چونکہ راجہ سندر سنگھ اور راجہ کیرت سنگھ محافظ تھے اس لئے اس کو کامیابی نہ ہوئی بلند خاں

حسب الامر نخاس اور جعفر خاں کے بڑے باغ سے جہاں اس سے پہلے بنجارہ قید ہوتے رہے ہیں نکل کر ناصر علی خاں مجروح اور اس کے بیٹے سید علی اور مرتضوی خاں کے داماد مرزا رمضانی پر ٹوٹ پڑا۔ یہ سارے لوگ ایک ہی جگہ مقیم تھے پہلے ہی حملہ میں ناصر علی خاں کو ایسا زخم لگا کہ وہ بیکار ہو گیا اور جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کی موت کے فوراً بعد ہی سید علی اور مرزا رمضانی بھی چل بسے لیکن ناصر خاں میواتی زخمی ہو کر فرار ہو گیا۔ یہاں میدان صاف کرکے وہ زین الدین خاں کے لشکر میں گھس آیا۔ اس کے ہمراہی روہیلہ لشکر میں بھگدڑ اور انتشار دیکھ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے در ایں اثنا مصطفیٰ خاں نے راجہ سندر سنگھ پر حملہ کرکے ان گنت سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ غازی خاں بابو زیان اور سندر سنگھ کے داماد بھی اس میں اپنی فوج سمیت تہ تیغ کر ڈالے گئے۔ اس قتل و غارت اور کشت و خون کے بعد چاروں طرف خلفشار مچ گیا سندر سنگھ اپنے چند ہمراہیوں سمیت مصطفیٰ خاں کی فوج جو چھ سات ہزار سے کم نہ تھی میں نہ صرف اس طرح خلط ملط ہو گئے کہ ان کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔ مصطفیٰ خاں کو بھی اس کی فکر نہ ہوئی بلکہ وہ پیش قدمی کرتا گیا یہاں تک کہ وہ اس جگہ آ گیا جہاں اس کے ہمراہی دشمنوں پر تیروں کی بارش کر رہے تھے ان تیروں سے ذوالفقار خاں میواتی اور کیرت چند زخمی ہو کر بھاگے ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑے ہی تھے کہ ان کے دیگر ہمراہی بھی بھاگ کھڑے ہوئے ہر طرف انتشار اور خلفشار کا سماں تھا۔ جدھر سینگ سمارہا تھا لوگ اسی طرف بھاگ رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زین الدین احمد خاں کے سامنے صرف ایک چٹیل میدان باقی رہا تھا جہاں سے اس کے ہمراہی بھاگ گئے تھے اور اب اس کی آنکھوں کے سامنے مصطفیٰ خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بڑھا چلا آ رہا تھا۔ زین الدین خاں کا پائے استقلال اب بھی نہیں ڈگمگایا وہ بھی ہاتھی پر سوار آگے بڑھ رہا تھا اس کے ساتھ اب کل دو سو سوار اور ڈیڑھ سو پیادہ خاص رہ گئے تھے۔ اس کے باوجود اس کی آنکھوں سے جرأت و ہمت اور تہوری و بہادری کے شعلے نکل رہے تھے مایوسیاں اس کے پاس پھٹک کر بھی نہ آئی

تھیں ان دو سو سواروں میں کامگار خاں اور نعمت خاں بھی شامل تھے اور اسی ہزار متفرق رسالہ میر بدرالدین المقلب بہ سیادت علی خاں کے بھی آگیا تھا مہدی نثار خاں مع نقی علی خاں، میر اکرام اور پانچ چھ آدمیوں کے مورچہ میں شیخ حمید الدین لکھنوی کے ساتھ محوِ گفتگو تھے کہ عجیب و غریب انقلاب نمودار ہوا۔

"ہیبت جنگ کو گرفتار کرلو"

شیخ حمیدالدین کے پاس تقریباً سات سو نفر اور شیخ اسرار اللہ کے پاس بھی سات سے زیادہ سپاہی تھے چنانچہ مہدی نثار خاں نے دونوں سے کہا کہ وہ اپنے آقا کی مدد کو فوراً پہنچے۔ لیکن ان کے قدم نہ اٹھے یہ دیکھ کر وہ خود اپنے چار پانچ ہمراہیوں کو لے کر آگے بڑھا اور زین الدین خاں کے بائیں جانب گھیرا ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ مصطفےٰ خاں نے قریب پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے اپنے لوگوں سے کہا کہ زین الدین خاں کو گرفتار کرلو۔ اس نے چیخ کر یہ بھی کہا کہ "دیکھو وہی ہے ہیبت جنگ۔ اُسے زندہ گرفتار کرلو" حکیم شاہ جو دشمنوں کی بالکل مقابل صف میں تھا اپنے گھوڑے پر سے اتر گیا اور مہدی نثار خاں کے چار پانچ ہمراہی اس سے مقابلے کو آئے اتنے میں زین الدین خاں آگے بڑھ کر بکمال ہوشیاری تیر زناں ہوا۔ وہ مسلسل تیر اندازی کرتا رہا ساتھ ہی ایک شخص کی معرفت اس نے عبدالعلی خاں کو مع فوج کے طلب کیا۔ عبدالعلی خاں اور دیگر کماندار جن کو مصطفےٰ خاں کے پہنچنے کی کوئی اطلاع نہ تھی یہ سن کر متحیر ہوا۔ چنانچہ اس نے جواب بھیج دیا کہ اس وقت یہاں سے ہٹنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دشمن ادھر کا رخ کرے اور اس طرح ہمیں شکست کھانی پڑے۔

ابھی اس کا جواب پہنچا بھی نہ ہوگا کہ زین الدین خاں کی طرف سے دوسرا شخص پیغام لے کر آیا۔ اس بار اُس نے صرف یہ مصرعہ لکھ کر بھیج دیا تھا ؎

پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

یہ مصرعہ پڑھ کر عبدالعلی خاں فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے چند، ہمراہیوں کو جو اس وقت موجود تھے زین الدین خاں کی طرف بھاگا۔ میں بھی

ان ہمراہیوں میں سے ایک تھا اور چند سوار بھی تھے ہم نے پیش قدمی کرتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ مصطفےٰ خاں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں اور اس کے ہمراہی بھی افراط وتفریط کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ضیاالدین خاں برج پر کھڑے ہو کر روہیلوں پر برابر بان اور توپ کی یورش کرتا رہا۔یہ روہیلے اپنے کماندار کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہوئے اور جدھر سینگ سمایا بھاگ نکلے۔

فتح خداداد

یہ منظر دیکھ کر عبدالعلی خاں کو سخت ندامت ہوئی چنانچہ وہ بلند آواز سے پکار اٹھا۔" ہمارے آقا نے ایسی خونریز جنگ لڑی اور ہم یعنی اس کے سپاہی تماشائی بن کر دیکھتے رہے"۔ یہ چند الفاظ کہہ کر اس نے اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیا جو اس وقت موجود تھے اور چشم زدن میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں مصطفےٰ خاں اپنے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے اور بآواز بلند جمع کر رہا تھا۔لیکن زین الدین خاں عبدالعلی خاں کی اس جرأت سے گھبرایا۔اس نے فوراً اس کے پاس ایک آدمی بھیج کر اس کو طلب کیا ایلچی نے اس کے پاس پہنچ کر اس سے پوچھا کہ آخر آپ اپنے چند رفقا سمیت دیدہ ودانستہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔آپ کے آقا نے آپ کو بلایا ہے اور کہا ہے کہ آپ منتشر سپاہیوں کو اکھٹا کیجئے اور دیکھئے کہ آج فتح خداداد کیا دکھاتی ہے۔

عبدالعلی خاں کے رفقا بھی اس کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے لیکن وہ اپنے آقا کی مدد نہ کرنے پر اتنا شرمندہ تھا کہ اسے خود پر جھنجلاہٹ ہونے لگی اور اسی لئے اس نے کسی کی نہ مانی اس نے گھوڑے کو چابک ماری اور ہوا سے باتیں کرتا ہوا بھاگا لیکن ایلچی نے بھی اس کا تعاقب کیا اور آخر کار اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا۔دوپہر ہو چکی تھی اور دھوپ کی تمازت بڑھتی ہی جا رہی تھی اس ناقابلِ برداشت گرمی سے مصطفےٰ خاں کے ہوش ٹھکانے آ گئے اس نے سوچا کہ ایسے عالم بے چارگی میں جبکہ اس کے بیشتر ہمراہی یا تو مجروح ہو گئے ہیں یا ہلاک ہو گئے ہیں اور باقی دل شکستہ ہو کر گرمی کی تاب

نہ لا کر بے ہوش ہو رہے ہیں حملہ کرنا مناسب نہیں۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے حملہ موقوف کر دیا اور اپنے خیمہ کو جو دریائے پُن پُن کے ساحل میں واقع تھا آرام کرنے کی غرض سے چلا گیا۔ اس کا یہ خیمہ دشمن سے ایک کوس کے فاصلے پر نصب تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے آموں کے باغوں میں توپیں نصب کرا دیں اور دیکھتے دیکھتے ہی گولہ باری شروع ہو گئی۔

مصطفیٰ خاں کی پسپائی کے اسباب

اس پسپائی کے فوراً بعد ہی ہمیں اصل واقعہ کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مصطفیٰ خاں کو شکست کیسے ہوئی۔ جب زین الدین خاں کو ہر طرف سے مایوسی ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ شکست یقینی ہے تو وہ آگ اور خون میں کود پڑا وہ بے عزتی کی موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر دشمن کے ہاتھوں شکست کھانی ہی ہے تو کیوں نہ خون کے آخری قطرہ تک لڑ کر مرے اس نے اس خیال کے آتے ہی اپنے ہاتھی پر سے تیروں کی مسلسل بارش شروع کر دی اس کے علاوہ اس کے محافظ بھی جو بان و شمشیر سے مسلح تھے دشمنوں پر جھپٹ پڑے۔ مصطفیٰ خاں نے زین الدین خاں کو شناخت کرتے ہوئے ادھر اشارہ کیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ اسے زندہ و سلامت گرفتار کر کے لایا جائے وہ اپنے یارِ غار اور دست راست حکیم شاہ سے جو جوانان با نام نشان سے تھا اور جملہ معتمدان مصطفیٰ خاں میں فوقیت رکھتا تھا بات کر ہی رہا تھا کہ اس کو زین الدین خاں کا تیر آ کر لگا اور وہ جاں بحق ہو گیا اس کے ساتھ اس کے کئی اور ساتھی بھی ہلاک ہو گئے تھے۔

مصطفیٰ خاں اب بالکل قریب آ گیا تھا اور دونوں جوانمرد یعنی زین الدین خاں اور مصطفیٰ خاں دست بدست جنگ کرنے کے لئے بالکل تیار تھے کہ مصطفیٰ خاں کا فیل بان زخم تفنگ سے خون میں شرابور زمین پر گر پڑا۔ ہاتھی بھی سخت اضطراب میں تھا۔ چنانچہ وہ اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا مصطفیٰ خاں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ہاتھی اس کو بھگا نہ لے جائے اور اس طرح فتح شکست میں نہ بدل جائے فوراً اس کی پشت پر سے اترا اور پیادہ پا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شمشیر تھی۔ اس کو توقع تھی کہ اس کے دیگر ہمراہی بھی اسے پیادہ پا دیکھ کر فوراً اس کے

کے گرد حلقہ باندھ دیں گے اور اس طرح زین الدین خاں کو گرفتار کر لیا جائے گا لیکن اس کی بدقسمتی کہیئے کہ اس کے ہمراہیوں نے کچھ اور ہی سمجھا۔ ہاتھی سے اس کے اترنے کا سبب لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ بھی فیل بان کی طرح ہاتھی سے گر کر جاں بحق ہو جائے گا اس لئے ان میں خلفشار مچ گیا اور وہ بھاگے۔ مجبور ہو کر مصطفےٰ خاں بھی پا پیادہ اپنے لوگوں کے پیچھے روانہ ہوا۔ اسے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور اس نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ جب اس پر اس کے ہمراہیوں کی نگاہ پڑی تو انھوں نے ایک نہایت ہی عمدہ گھوڑا سواری کے واسطے فراہم کیا اور اُس کو اُس پر سوار کیا۔ چونکہ اُس کے لوگوں کا اضطراب لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا اور چاروں طرف انتشار کی سی کیفیت تھی اور کوئی اس کے حکم پر کان دھرنے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے وہ کچھ اور آگے بڑھا اور اس امید میں شادیانہ بجانے کا حکم دیا کہ شاید اس کے وہ سارے ہمراہی جو منتشر ہو چکے تھے شادیانہ فتح ونصرت سن کر اس کے حلقہ میں آ جائیں گے لیکن اس کی یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ کیونکہ کسی نے اس کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصطفےٰ خاں بھی مایوس و نامراد ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

زین الدین خاں نے دشمنوں کی یہ کیفیت دیکھ کر تمام سرداروں، سپاہیوں اور ہمراہیوں کو جمع کیا اور دن رات گھوڑوں پر سبھوں کو چوکس رہنے کا حکم دیا اسی اثنا میں یہ بات پھیل گئی کہ راجہ سندر سنگھ کے ہمراہی دشمن کا سخت مقابلہ کرنے کے بعد آخر کار پسپا ہو گئے۔ اس کے بعد مصطفےٰ خاں کیرت سنگھ سے مقابلہ کو گیا لیکن اس نے بھی راہ فرار اختیار کر لی اور بلند خاں لوٹ مار میں معروف ہو گیا اس نے لوٹ مار کے دوران ایسی دہشت پھیلائی کہ الامان والحفیظ۔ سندر سنگھ نے جب یہ حالت دیکھی تو اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ مصطفےٰ خاں کی فتح اور زین الدین خاں کا مارا جانا خیال کر کے وہ اپنے ان تمام ہمراہیوں سمیت بھاگ گیا جو ہلاک ہونے سے بچ گئے تھے۔ اس کے بھاگ جانے کے بعد راجہ بشن سنگھ، محمد جمال اور نصر اللہ زمیندار پرگنہ سرس وکٹھنہ و ترارہ کے قدم بھی اکھڑ گئے اور جنھوں نے مصطفےٰ خاں کی ضرب کھائی تھی ان میں سے اکثر حصار عظیم آباد میں، کچھ دریا کنارے اور بعض

جعفر خاں کے باغ میں جا چھپے اس طرح ساری خندقیں محافظوں کے بغیر خالی ہو گئیں اور وہاں کوئی بھی مدافعت کے لئے نہ رہا۔ بازار، خیموں، اور جھنڈے کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ حالانکہ یہ چیزیں صبح تک نظر آرہی تھیں۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی چٹیل میدان نظر آرہا تھا۔ فوج کے دوسرے دستے جو خندقوں کی مغربی سمت مدافعت کے لئے کھڑے تھے یہ صورت حال دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے اور مشرقی سمت آگئے جہاں مصطفیٰ خاں موجود تھا

زین الدین خاں جو ہر جگہ پہنچ کر احکام صادر کرتا جاتا تھا دن کا بیشتر حصہ چھوٹے سے خیمہ میں جو عبدالعلی کے خیمہ سے تھوڑے فاصلہ پر نصب تھا قیام کرتا اور رات کو عبدالعلی خاں کے خیمہ میں آجاتا اور آرام کرتا اور مہدی نثار خاں، نقی علی خاں معہ چند محافظوں کے، عبدالعلی خاں، ناچیز خود اور میرے رفقاء وغیرہ اس کی پاسداری کرتے۔

ایک رات تو ایسا ہوا کہ پٹھانوں نے خندقوں کے قریب پہنچ کر گولے برسائے تاکہ ان کو پتہ چل سکے کہ لوگ جاگ رہے ہیں یا نہیں وہ دراصل شبخوں مارنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ لیکن مہدی نثار خاں اور عبدالعلی کی ہوشیاری کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ دونوں فوراً دوڑے اور حکم دیا کہ ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے بلکہ اگر دشمن قریب آجائے تو وہیں سے اس کا مقابلہ کرے خواہ نتیجہ جو بھی ہو اس حکم سے سارے سپاہی چوکس ہو گئے اور اس سے پہلے ان کے اندر جو خلفشار مچا ہوا تھا وہ دور ہو گیا۔

دشمنوں کی گولہ باری دوسرے دن دشمنوں نے سخت گولہ باری شروع کر دی کہ گھوڑے اور آدمی جو کسی قدر فاصلہ پر تعینات تھے مجروح ہو گئے اور جو لوگ خندقوں کے قریب تھے نہ صرف ان کی جانیں ہلاک ہوئیں بلکہ ان کے گھوڑے بھی ضائع ہوئے البتہ جو لوگ حصار کے دامن میں تھے وہ محفوظ و مامون رہے۔ مسلسل پانچ روز تک گولوں کی بارش ہوتی رہی۔ چاروں طرف قیامت کے آثار نظر آتے تھے ساتویں دن کے آخری ماہ صفر کی چہار شنبہ کی رات تھی ہرکاروں نے آکر یہ اطلاع دی کہ مصطفیٰ

خاں کل یہاں سے کوچ کر رہا ہے - اس اطلاع کے بعد زین الدین خاں نے ، مجلسِ شوریٰ طلب کی اور سبھوں کی رائے دریافت کی ان میں جو سب سے زیادہ تجربہ کار اور عقل مند تھا اس نے اپنا خیال پیش کرتے ہوئے کہا کہ مصطفیٰ خان ، ایسا شخص نہیں ہے کہ جنگ کئے بغیر کوچ کر جائے - بہتر تو یہی ہے کہ فوج کو پہلے سے زیادہ چوکس اور خبردار رہنے کا حکم دیا جائے - کیونکہ قرینہ اسی کا غالب ہے کہ وہ مقابلہ کئے بغیر نہیں جا سکتا - اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ قسمت کیا دکھاتی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ جو لشکر اس سے پہلے مغلوب ہوا ہے اس کو خندقوں کے عقب میں رکھا جائے اور جس نے مقابلہ کیا ہے اور دشمنوں کے دانت کھٹے کئے ہیں ان کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا جائے "

چنانچہ عبدالعلی خاں بہادر کو مع احمد خاں قریشی ، شیخ جہاں یار ، خادم حسن خاں اور سید عرب خاں کو مقدمۃ الجیش کیا اور جسونت ناگر ، نامدار خاں ، راجہ میٹن مع اس کے تینوں بھائیوں اور کل رسالہ خاص اور مہدی نثار خا اور شیخ حمیدالدین وغیرہ کو زین الدین کے ساتھ ساتھ رہنے کا حکم دیا - لیکن راجہ کیرت چند راجہ رام نرائن اور ذوالفقار خاں وغیرہ جن کو افغانوں کی شمشیروں کا تجربہ تھا خندقوں میں بھیجے گئے -

صبح سویرے زین الدین خاں نے نماز پڑھی اور توکل باری کر کے گھوڑے پر سوار ہوا - اس کے پیچھے پیچھے عبدالعلی خاں معہ پندرہ سو سواروں کے چلا جا رہا تھا - خود زین الدین خاں کے ساتھ دو ہزار سوار ، ایک ہزار پیادہ اور کچھ توڑے سے بان اور دو تین ضرب رہکلہ جلوئی موبرد تھے - کچھ دیر کے بعد مصطفیٰ خاں کے سوار آموں کے باغ سے جو خندق کے جنوب میں واقعہ تھا نمودار ہوئے اور اس کی توپ گاڑیاں مغرب کی سمت بڑھنے لگیں - مہدی نثار خاں یہ منظر دیکھ کر عبدالعلی خاں کے پاس آیا اور کہا " ایسا نہ ہو کہ دشمن اس ٹیلے پر قبضہ کرے جہاں جھیل کا پانی جمع ہے - اگر دشمن اس میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہم میدان جنگ میں مقابلہ نہیں کر سکیں گے "

دیوار سکندر اعظم

عبدالعلی خاں کو مہدی نثار خاں کی یہ بات پسند آئی ۔ چنانچہ وہ اس لمحہ سے چپ کی طرف روانہ ہوا اور زین الدین شارع عام سے ۔ دونوں میں ایک گولہ کا فاصلہ تھا ۔ عبدالعلی خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جن میں میں بھی شامل تھا پیش قدمی کر ہی رہا تھا کہ دشمن میدان عبور کر کے ٹیلے کی طرف آئے اور اس مضبوط چوکی پر قابض ہو گئے جہاں سے انھوں نے توپوں کا رخ ہماری طرف کر دیا اور گولوں کی بارش شروع کر دی اسی اثنا میں مرتضیٰ خاں خلف الصدق مصطفیٰ خاں اپنے متعدد ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑے سے اترا اور چوکی کے چپ وراست پر سبھوں کو اس طرح تعینات کر دیا تا کہ توپوں سے گولے برسانے میں آسانی ہو ۔ مصطفیٰ خاں نے بھی ساری راہیں مسدود کر دیں اور اپنا ہاتھی اس طرح کھڑا کر دیا تھا کہ زین الدین خاں کو راستہ نہ مل سکے ۔ باپ اور بیٹے کے درمیان جو تھوڑی سی جگہ خالی رہ گئی تھی اس کو بہادر افغانوں نے بھر دیا ۔ وہ اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے کہ دیوار سکندر اعظم ہوں ۔ وہیں سے انھوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور گولوں کی باڑھوں سے فضا میں ہنگامہ مچ گیا ۔ دشمن اور ہمارے درمیان محض ایک تیر کا فاصلہ ہو گا ۔ دیکھتے دیکھتے میرے دائیں بائیں جتنے لوگ تھے سب کے سب زخمی ہو گئے یا پھر مارے گئے اور اکثر سواروں کے گھوڑے بھاگ گئے ۔ عبدالعلی خاں کے کسی رفیق کا گھوڑا گولے سے گر گیا تھا چنانچہ اس نے میرے پاس آکر ہاتھی پر جگہ دینے کی درخواست کی چنانچہ میں نے اس شخص کو ہودہ کے عقب میں بٹھا لیا لیکن ہاتھی جونہی اس کو بٹھا کر کھڑا ہو رہا تھا کہ سن سے ایک گولی لہراتی ہوئی آئی اور اس شخص کی کمر میں لگی ۔ لیکن میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گولی اس کے کمر بند میں آ کر سرد ہو گئی کیونکہ اس کا کمر بند بہت ہی موٹا تھا ۔ یکایک ایک اور گولی سنسناتی ہوئی آئی جو میرے بازوئے چپ میں لگی چمڑا چھل گیا لیکن ہڈی بچ گئی ۔ عبدالعلی خاں کے فیلبان کو دو گولیاں لگیں وہ گر پڑا لیکن ہلاک نہیں ہوا ۔ عبدالعلی خاں نے فیلبان کے مجروح ہو جانے سے اپنے خواص رحمان خاں کو فیلبان کی جگہ بٹھایا اور اس کو دوسرے ہاتھی کے ہودج میں جگہ دلوا دی ۔

اسفندیارِ زمانہ اس وقت تک معرکہ آرائی خطرناک شکل اختیار کر گئی تھی اور بار بار لوگ اس معرکہ آرائی کو دیکھ دیکھ کر کانپ اٹھتے تھے لیکن ان لوگوں کی یہ بزدلی عبدالعلی خاں کے ایک رفیق کو جس کا نام غالباً مرزا فتح اللہ تھا ناگوار گزری۔ وہ بڑا جی دار اور بہادر تھا۔ اسفندیارِ زمانہ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ خود مجروح ہوگیا تھا اور پاؤں میں سخت چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے اس کا دو گام چلنا بھی مشکل تھا۔ اس کے باوجود اس نے عبدالعلی خاں کے تفنگچیوں کو ساتھ لیا۔ ان کی بندوقیں تیار کرا کر اور نشانہ بتا کر ان سے فائر کراتا تھا۔ یہ وقت بڑا ہی نازک تھا بہت سے لوگ اس آزمائش میں پورے نہ اترے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگ نکل گئے اب میدان جنگ میں عبدالعلی خاں، احمد خاں قریشی، شیخ جہاں باز اور خادم حسن خاں کے پاس صرف تین سو سوار رہ گئے تھے اور باقی نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس نازک گھڑی کو دیکھ کر عبدالعلی خاں نے زین الدین احمد خاں کو پیغام بھیجا کہ صورت حال نازک ہو چکی ہے اگر کمک نہ آئی تو ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ اگر آپ ہماری مدد کو آ گئے تو محض آپ کو دیکھ کر ہمارے سپاہیوں میں دشمن پر حملہ کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے گا۔ اور اگر آپ نہیں آئے تو جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا لیکن جنگ کبھی جیتی نہیں جا سکے گی۔

اس پیغام کو موصول کرنے کے بعد زین الدین خاں آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ حاجی احمد یعنی اس کا باپ مانع ہوا۔ لہٰذا یہ خبر سن کر ہم مایوس ہو گئے اور جب کوئی چارہ نہ رہا تو ہم خدائے بزرگ و برتر سے رجوع ہوئے۔

مددِ غیبی یکایک مصطفےٰ خاں کا نشان بردار ہاتھی ٹیلے کے عقب سے برآمد ہوا۔ یہ دیکھ کر ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ بس اب دشمن کا حملہ ہوا ہی چاہتا ہے اتنے میں فتح اللہ خاں نے مع تفنگچیوں کے ہمارے قریب پہنچ کر باڑھ ماری واہ رے قدرت کا تماشا۔ پہلی ہی باڑھ سے مصطفےٰ خاں کا فیلبان اور اس کا نشان بردار مجروح ہوگیا نشان بردار دو گز کے فاصلے سے مع نشان کے اچھل کر اس طرح گرا کہ غیر ارادی طور پر میری چیخ نکل گئی اور میں پکار اٹھا ـــــ وہ مارا! عبدالعلی خاں

اور باقی تینوں سرداروں نے بیک زبان جواب دیا "خدا کرے ایسا ہی ہو" یہ کہہ کر بڑی بہادری سے انھوں نے اپنے ہاتھیوں کو آگے بڑھایا اور ٹیلے سے گزر کر مرتضیٰ خاں کی فوج سے جو سامنے تھی جا بھڑے اس عرصہ میں میں نے دیکھا کہ زین الدین خاں اپنے باپ کی رائے سے اختلاف کر کے جلدی جلدی ہماری طرف آ رہا تھا اس کے پیچھے اس کے بے شمار ہمراہی تھے برق انداز اور گولہ انداز بھی اس کے ساتھ تھے۔ انھوں نے تابڑ توڑ گولوں کی بوچھاڑ شروع کر دی اس بوچھاڑ سے دشمن کے حواس معطل ہو گئے اور ہماری ہمت جوان ہو گئی دشمنوں کے خلاف ہمارا حملہ اور زین الدین کا پہنچنا تقریباً ساتھ ساتھ ہوا تھا۔ ہمارے رفقا اور مرتضیٰ خاں سے گھمسان کی جنگ ہوئی غنیم کے چالیس جرار سپاہی ہمارے روبرو مارے گئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ یکایک مدد غیبی نے اپنا کام کیا زناٹے کی ہوا چلی۔ اس کا رخ شرقی سمت تھا جس کی وجہ سے ریت کے ذرے دشمنوں کی آنکھوں میں گھسنے لگے۔ اتنے میں زین الدین کے کسی پیش قدم کی گولی مصطفےٰ خاں کی دائیں آنکھ میں لگی اور یہ گولی کان سے نکل گئی وہ ہاتھی پر یوں لیٹ گیا جیسے کوئی مردہ ہو اس کے رفیقوں کو یقین ہو گیا کہ یہ تیرہ باطن جہانِ گزراں سے چشم پوشی کر گیا۔ اب کیا تھا سپاہیوں میں خلفشار مچ گیا ان کی ہمت جواب دے گئی اور آخر کار وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مرتضیٰ خاں نے جب باپ کے ہاتھی کو افغانی خیمے کی طرف جاتے دیکھا تو اس کو اپنے سپاہیوں کی پسپائی کی وجہ سمجھ میں آ گئی چنانچہ اس کے بھی ہوش و حواس گم ہو گئے اور مایوس و نامراد میدان کارزار سے نکل گیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مصطفےٰ خاں چونکہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور محبان آنجناب کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سے پیش آتا تھا اس لیے وہ اس سزا کو پہنچا۔ اس کے علاوہ وہ ایسی سزا کا مستحق بھی تھا زین الدین خاں اور عبد العلی خاں وغیرہ فاتحین نے سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا اس کے بعد اس نے بیک وقت دو احکام صادر کیے اوّل یہ کہ دشمنوں کا تعاقب کیا جائے دوئم یہ کہ فتح و نصرت کے شادیانے بجائے جائیں۔ افغانوں نے موقع پا کر خود کو

منظم کرنا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ وہ کسی اضطراب اور گھبراہٹ کے بغیر آہستہ آہستہ پیچھے بھی ہٹ رہے تھے۔ چونکہ ان کے ساتھ ان کی بیویاں اور دیگر خاندان کے افراد بھی تھے اور خاصا سازو سامان بھی تھا اس لئے جب راستہ میں کسی وجہ سے گاڑیاں رک جاتیں تو فوراً دو تین ہزار سپاہی گاڑیوں کو گھیر کر اطمینان سے کھڑے ہو جاتے اور جب گاڑیاں چلنے لگتیں تو پھر ان کے قدم اٹھ جاتے۔ ان کے چہرے پر شکست کے آثار ذرا بھی نہ تھے وہ اس طرح جا رہے تھے جس طرح کوئی فاتح جا رہا ہو

زین الدین خاں نے ان کے استقلال اور اطمینان کو محسوس کر کے اپنے سپاہیوں کو مشورہ دیا کہ وہ دشمنوں کے تعاقب میں جلد بازی سے کام نہ لیں چنانچہ انھوں نے اپنی رفتار سست کر دی یعنی پانچ گھنٹے میں صرف ایک کوس کا فاصلہ طے کرتے جب دشمن رک جاتے تو وہ لوگ بھی رک جاتے اور فتح و نصرت کی نوبت بجاتے غرضیکہ اسی طرح وہ چلتے رہے یہاں تک کہ دشمن نظروں سے اوجھل ہو گیا شام ہوتے ہوتے یہ اطلاع ملی کہ مصطفیٰ خاں کے سپاہی تالاب میٹھی پور میں اقامت گزیں ہوئے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مصطفیٰ خاں زندہ وسلامت ہے۔ اس کو ہاتھی پر سے اتارا گیا اور پالکی میں بٹھا دیا گیا اب اس کو ہوش آ چکا ہے ہوش آتے ہی اس نے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ اور جب اس کو تفصیل بتائی گئی تو اس نے اپنی اس پسپائی پر اظہار افسوس کیا۔

زین الدین خاں کو جب بتایا گیا کہ دشمن خیمے کے اندر چلے گئے ہیں تو وہ بھی اپنے خیمے میں گیا جہاں سرداروں نے اس کو مبارکبادیاں دیں اور نذرانے پیش کئے اس نے بھی ہر سردار کو حسب خدمت انعام واکرام سے نوازا اس طرح سارے سردار بھی مطمئن ہوئے۔ زین الدین خاں بڑی گرمجوشی سے مجھ کو گلے سے لگایا اور مجھے سلام کیا شاید اس لئے کہ میں تمام ساتھیوں میں سب سے زیادہ معمر تھا۔ سپاہیوں نے اپنی راتیں اسلحہ سے گزاریں صبح کو اطلاع ملی کہ مصطفیٰ خاں چل پڑا ہے چنانچہ زین الدین خاں نے بھی پیشقدمی کا حکم دیا اور اس جگہ آ کر سب اقامت گزیں ہوئے جہاں سے دشمن چلے تھے دوسرے دن مصطفیٰ خاں نوبت پور پہنچا اور ہم تعاقب کرتے گئے۔ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ محب علی پور پہنچ گئے۔

علی وردی خاں کا خط ہم یہاں پہنچے ہی تھے کہ علی وردی خاں کا خط موصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ وہ عظیم آباد پہنچ گیا ہے لیکن یہاں اس کو قیام کرنے کا مختصر سا موقع ملا کیونکہ مصطفےٰ خاں نے رگھوجی بھونسلہ کو کہلا بھیجا تھا کہ وہ فوراً بنگال کا رخ کرے جہاں دونوں مل کر علی وردی خاں اور زین الدین خاں کو شکست دے کر رہیں گے۔ چنانچہ علی وردی خاں نے زین الدین خاں کو خط میں لکھا کہ "پہلے تم مصطفٰے خاں کی سرکوبی کرو کیونکہ وہ تم سے بالکل قریب ہے اور میں مرشد آباد جا کر کسی طرح مرہٹوں کی راہ میں حائل ہو جاؤں تاکہ دونوں دشمن آپس میں مل نہ سکیں۔

یہ خط پڑھ کر زین الدین خاں نے لشکر کی سرداری عبد العلی خاں کے حوالے کی اور کہا کہ جو مناسب سمجھو کرو اور وہ خود عبد العلی خاں کی پالکی میں سوار ہو کر اور بہت سے ہمراہی ساتھ لے کر رات سفر جاری رکھا اور جب صبح ہوئی تو اُس نے دیکھا کہ وہ اپنے چچا یعنی علی وردی خاں کے خیمہ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ اس کی قدمبوسی کو آیا اور چند روز تک اس کے ہمراہ رہ کر سراج الدولہ کو اس نے ساتھ لیا اور اپنے لشکر میں آ گیا وہ ابھی چند فرسخ ہی گیا ہو گا کہ علی وردی خاں نے اپنا خیال بدل دیا۔ اس نے پہلے اپنے قریب کے دشمن کی سرکوبی کا فیصلہ کر کے مغرب کی سمت پیش قدمی کی اور زین الدین سے آ ملا۔ چنانچہ دونوں مل کر دشمن کا تعاقب کرتے کرتے زمینیا تک آ گئے جو کہ غازی پور کے مقابل لب گنگا واقع تھا۔ غازی پور ابو المنصور خاں کے قبضہ میں ہے لیکن اس قصبہ کو مصطفےٰ خاں نے تاخت و تاراج کر کے آگ لگا دی اس کے بعد ہی یہ اطلاع آئی کہ مصطفٰے خاں قصبہ چنار گڑھ میں جس کا شمار مشہور قلعوں میں ہوتا ہے قیام پذیر ہوا ہے۔ اس اطلاع کے بعد دونوں چچا اور بھتیجے نے تعاقب موقوف کیا اور عظیم آباد آ گئے۔ یہاں پہنچ کر علی وردی خاں مرہٹوں کے انسداد و سرکوبی کے لئے مرشد آباد روانہ ہو گیا۔

علی وردی خاں اور زین الدین خاں کی واپسی کی وجہ سے مصطفےٰ خاں کو اسلحہ جمع کرنے مجروح سپاہیوں کی مرہم پٹی کرنے اور رنگروٹ بھرتی کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ زین الدین بھی عظیم آباد میں رہ کر رنگروٹ بھرتی کرنے لگا۔ سپاہیوں کی ہمت

افزائی کی اور سامان حرب جمع کیا اور آئندہ مہم کے لئے ہر طرح سے تیار ہو گیا۔

علی وردی خاں چند ضروری امور سے نمٹنے کے لیے جعفر خاں کے باغ میں چند روز تک مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ بنگال روانہ ہو گیا اس سے کچھ روز پہلے اس نے منعم خاں نامی ایک شیریں بیان اور قابل شخص کو ایلچی بنا کر رگھو جی کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ رحیم خاں جماعۃ دار نامی کو زین الدین خاں کی رفاقت پر چھوڑ کر مرشد آباد آ گیا رگھو جی بھونسلہ اپنی مہم پر نکل چکا تھا اب وہ بردوان تک آ گیا تھا۔ لیکن منعم خاں بھی وہاں پہنچ گیا اور اس کو صلح کی پیش کش کی رگھو جی بھونسلہ نے اس پیش کش کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ مجھے اگر تین کروڑ روپے مل جائیں تو میں اس پیش کش کو منظور کروں گا۔ علی وردی خاں چونکہ ٹالنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے ڈھائی ماہ تک مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس کو الجھائے رکھا اور وہ اپنی جگہ سے ٹل نہ سکا معاملہ یوں ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا کہ مصطفیٰ خاں کی شکست اور اس کی ہلاکت کی خبر ملی علی وردی خاں کے قدم اس فتح و نصرت کی وجہ سے مضبوط ہو گئے تھے اس لیے اب اس نے رگھو جی بھونسلہ کے نامناسب مطالبوں کو مسترد کر دیا گفت و شنید ٹوٹ گئی اور اس طرح جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ بہرحال تفصیل اس اجمال کی آئندہ صفحہ میں ذرا وضاحت سے درج کروں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ مصطفیٰ خاں کی شکست اور موت کیسے واقع ہوئی۔

اس وقت تک گرمی ختم ہو چکی تھی اور موسم برسات شروع ہو رہا تھا۔ جونہی زین الدین خاں کو مصطفیٰ خاں کی تیاری کا علم ہوا وہ فوراً شہر سے باہر آیا وہ اس بات پر کمربستہ ہو گیا تھا کہ جیسے بھی ہو گا دشمن کو کیفر کردار تک پہنچا کر رہے گا مصطفیٰ خاں نے چنار گڑھ کے دوران قیام میں اپنی جمع شدہ رقم کا استعمال صحیح طریقے سے کیا۔ پیسوں کی لالچ دے کر اس نے بہت سارے روہیلوں کو اکٹھا کر لیا تھا ان ہی کو ہمراہ لے کر وہ اس خیال سے عظیم آباد کی طرف روانہ ہو گیا کہ برسات جلد شروع ہو جائے گی اور رگھو جی بھونسلہ بھی وہاں ہی پہنچ رہا ہے وہ ضلع شاہ آباد میں قیام پذیر ہونا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہاں کے زمیندار اور خصوصاً بابو دوت سنگھ اور جگدیش پور کے زمیندار حکومت کے سخت مخالف

ہیں۔ وہ طے کر چکا تھا کہ اگر اس کو فتح حاصل ہوئی تو پھر اس کے قبضۂ قدرت میں سارے اختیارات آجائیں گے اور اگر وہ مارا گیا تو اس طرح اس کو سارے مصائب سے رہائی مل جائے گی۔ مصطفےٰ خاں کے دل میں یہ خیال بھی آرہا تھا کہ اگر زین الدین خاں نے مرہٹوں کی وجہ سے اپنی عزیمت میں تاخیر کی تو دریائے سون میں اُسوقت تک طغیانی آجائے گی اور اس طرح افغانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اُس کی پیش قدمی رک جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو وہ شاہ آباد کے زمینداروں سے مفاہمت کر کے وہیں اپنی فوج کے قیام کا انتظام کرے گا اور ساتھ ہی وہاں سے روپیہ بھی تحصیل کریگا۔

ہرچہ بادا باد۔۔۔

چنانچہ مصطفےٰ خاں نے عزم کر لیا کہ اتنے سارے روپے لے کر اور سپاہی فراہم کر کے وہ رگھوجی بھونسلہ کا انتظار کرے گا اور پھر جب برسات ختم ہو جائے گی تو وہ اور رگھوجی ایک ساتھ زین الدین خاں کا مقابلہ کریں گے، ''ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم'' کے مصداق وہ لڑنے پر تیار ہو گیا۔

لیکن زین الدین خاں کو اپنے نور باطن سے اس تیرہ اختر کا مافی الضمیر معلوم ہو گیا تھا اس لئے اس نے دشمن کو مہلت دیئے بغیر پیش قدمی شروع کر دی اس کے تیرہ چودہ ہزار تازہ دم سوار تھے اس کے علاوہ فوج میں دو نئے سردار شیخ دین محمد جو سر بلند خاں کا عزیز تھا (یہ وہی شخص تھا جس کو صوبیدار پورنیہ سیف خاں نے اپنے چچا کے پاس کمک لے کر بھیجا تھا۔) اور رحم خاں روہیلہ جس کو علی وردی خاں پورے رسالے کے ساتھ چھوڑ گیا تھا شامل ہو گئے تھے دونوں کی تہوری وجوانمردی ضرب المثل بن گئی تھی۔ زین الدین خاں نے چند روز کی پیش قدمی کے بعد دریائے سون کو عبور کر لیا اور دوسرے ہی دن میدان کرٹھنی میں جو جگدیش پور کے قریب ہے قیام کیا میدان کے سامنے چھوٹی ندی بھی بہتی تھی چونکہ دشمن بہت قریب تھا اس لئے زین الدین خاں کے سپاہیوں نے روز و شب بڑی ہوشیاری سے گزارے خود زین الدین نے اپنی رات خدائے برتر کی درگاہ میں دعاؤں میں گذاری اور بعد نماز فجر وہ ہاتھی پر سوار ہوا اور فوج کی تنظیم کی لیکن اس کے باپ حاجی احمد نے وہی پرانا طریقہ دہرانے کا مشورہ دیا۔ یعنی اس نے کہا کہ خندقیں کھود دی جائیں اور قلعہ

کے پیچھے سے دشمن پر حملہ کیا جائے مہدی نثار خاں نے اس مشورہ کی سخت مخالفت کی۔ دوسرے رفقانے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس نے کہا۔

"پہلی بار ہم مغلوب ہو گئے تھے اور دشمن فاتح ہو گیا تھا لیکن اب تو پانسہ پلٹ گیا ہے۔ وہ مغلوب ہو چکا ہے اور ہم فاتح ہیں۔ اگر ہم پہلے قاعدے پر عمل پیرا ہوں گے تو اس کو ٹھیک وہی فائدہ پہنچے گا جس کا وہ منتظر ہے۔ برسات بالکل قریب ہے لہٰذا کیچڑ اور دلدل میں ہم غنیم کی مدافعت نہیں کر سکیں گے لیکن چونکہ وہ دریائے سون کی دوسری جانب ہے اور اس کی پوزیشن اس کی وجہ سے محفوظ ہے اس لئے نصف صوبہ کی مالگذاری سے اس کو فائدہ پہنچ جائے (اور ہم جانتے ہیں کہ صوبہ کا بقیہ نصف اتنا زرخیز نہیں ہے) بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ جب برسات ختم ہو جائے گی تو اس وقت دشمن اور طاقتور ہو جائے گا کیونکہ مرہٹے بھی اُس وقت تک اس سے آملیں گے"

مصطفٰے خاں کا قتل

زین الدین خاں نے یہ مشورہ قبول کر کے عبدالعلی خاں بہادر کو جو ہراول اور مقدمۃ الجیش تھا حکم دیا کہ آہستہ آہستہ خندق بنانے کے بہانے سے دشمن پر ہلہ بول دے اور اس وقت تک وہ لڑتا رہے جب تک میں خود نہ آجاؤں۔ چنانچہ عبدالعلی خاں اسی طرح اس حکم کو بجالایا۔ ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ہم نے مصطفٰے خاں کو اپنی فوج کو دو حصّوں میں تقسیم کرتے ہوئے دیکھا ایک حصّہ کی کمان اس نے خود کی اور دوسرے حصّے کو اس نے سربلند خاں کی کمان میں دیا سربلند خاں اپنی فوج لے کر آگے بڑھا ہی تھا کہ یکایک توپیں سر ہونے لگیں ایک گولہ سربلند خاں کے ہاتھی پر گرا۔ سربلند خاں فوراً زمین پر گر پڑا اس واقعہ کے بعد ہی فوج میں سراسیمگی پھیل گئی۔ مصطفٰے خاں نے یہ دیکھ کر اپنی فوج لے کر پیش قدمی شروع کر دی تمام سپاہیوں نے نیام سے شمشیریں نکال کر جونہی ہوا میں بلند کیں ایسا محسوس ہوا جیسے بجلی چمک گئی ہو ہمراہی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن داؤد خاں اپنے سترہ ہمراہیوں سمیت میدان کارزار میں ڈٹا رہا اور مردانگی کے جوہر دکھاتا رہا یہاں تک کہ میدان جنگ میں کام آگر دنیا

میں اپنے لئے باعزت جگہ حاصل کر لی۔ داؤد خاں کو ہلاک ہوتا دیکھ کر وہ سپاہی جو اس کی مدد کو آ رہے تھے رک گئے اور پھر بھاگ گئے۔ اس سے نمٹنے کے بعد مصطفٰے خاں نے اپنے دست چپ پر خادم حسین خاں پر حملہ کیا دونوں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی لیکن خادم حسین مع اپنے پچاس جری وبہادر رفیقوں کے ساتھ اس جنگ میں کام آگیا۔ جب عبدالعلی خاں نے فوج کی حالت ابتر دیکھی اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اس کے آدمی مولی گاجر کی طرح کٹے جا رہے ہیں تو اُس نے اپنے ان تھوڑے ہمراہیوں کو لے کر جو اس کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی چونکہ راستہ توپ گاڑیوں اور بیلوں کی وجہ سے مسدود ہو رہا تھا اس نے رسیوں کو کاٹ دینے کا حکم دیا رسیاں کٹ گئیں تو وہ آگے بڑھا اسوقت مہدی نثار خاں پانچ چھ ہمراہی سمیت جن میں میرا بھائی نقی علی بھی تھا ہمارے ساتھ مل گیا ان بہادروں نے قسمیں کھالی تھیں کہ وہ اخیر وقت تک لڑتے رہیں گے۔ چند لمحہ بعد شیخ جہاں یار اور راجہ سندر سنگھ جو دست راست پر معین اور میمنہ سے عقب میں تھے دس بارہ سوار سمیت آپہنچے ساتھ ہی رحم خاں بندرہ سولہ آدمیوں کے ساتھ نیزہ بکف ہمارے لیسارہ سے آموجود ہوئے اتنے لوگوں کو دیکھ کر عبدالعلی خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس کی ہمت دوگنی چوگنی بڑھ گئی۔ وہ مصطفٰے خاں کی طرف بڑھا اور مصطفٰے خاں بھی اس کی طرف بڑھا اس نازک وقت میں نہ جانے کہاں سے بندوق کی گولی مصطفٰے خاں کی چھاتی میں لگی اور قلب چیرتی ہوئی پہلو سے نکل گئی۔ ہمارے سپاہیوں نے جوانمردی کے ایسے ایسے کارنامے دکھائے کہ میدان کارزار دشمنوں کی لاشوں اور زخمیوں سے پٹ گیا باقی جو زندہ رہ گئے تھے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انھوں نے اپنے سردار مصطفٰے خاں کو ہلاک دیکھ کر راہ فرار اختیار کی حتّٰی کہ اس کا لڑکا مرتضٰی خاں بھی باپ کی موت کی خبر سن کر بھاگ گیا۔

سر دھڑ سے الگ

زین الدین خان نے یہاں پہنچ کر ہاشم علی خاں داروغہ دیوان خانہ کو حکم دیا کہ وہ مصطفٰے خاں کے ہاتھی پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لے۔ حسب الحکم تعمیل ہوئی سر نیزہ پر چڑھا کر لاش

کو عظیم آباد بھیجا تاکہ سارے شہر میں اس کی تشہیر کی جائے اور پھر اس کے بعد دفن کر دیا جائے اس حکم کی تعمیل ہونے ہی والی تھی کہ کہ میر باقر منشی تو ستری نے جو کہ سادات شوسترا اور زاہدان عصر سے کمال ورع و تقویٰ میں تھا اور جس نے طرفین میں صلح کرانے کی کوشش کی تھی کہا ــ" میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام مجھے اس ملعون افغان کو شمشیر سے قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں لیکن ۔جب مجھ سے حکم کی تعمیل فوراً نہ ہو سکی تو حضرت نے شمشیر خود اپنے ہاتھوں میں لے لی اور پھر تھوڑی دیر میں نعرہٗ اللہ اکبر کہہ کر اس کی کمر دو پارہ کر دی ۔

لیکن جب میر موصوف نے یہ سنا کہ اس افغان کا سر کاٹ دیا گیا ہے اور لاش ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر گھسٹوانے کے بعد دفن کر دی جائے گی تو انھوں نے تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے تو خواب میں کچھ اور دیکھا ہے۔ جب زین الدین خاں کو اس خواب کی تفصیل معلوم ہوئی تو اس نے فوراً لاش کو دو ٹکڑے کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ایک حصّہ شہر کے مشرق میں اور دوسرا مغرب میں لٹکا دیا جائے تعمیل حکم ہوئی ۔لیکن کچھ دنوں کے بعد جب دونوں حصے سڑ گل گئے اور بوسیدہ ہو گئے تو ان کو وہاں سے ہٹا کر زمین میں دفن کر دیا گیا مرتضیٰ خاں خلف مصطفےٰ خاں نے میدان کارزار سے راہ فرار ڈھونڈھی شاید اس کو شاعر کا یہ شعر یاد آ گیا تھا ؎

تن زندہ و خندۂ ہمگناں   بہ از مردہ گریۂ دوستاں

اس شعر کے یاد آتے ہی وہ میدان قتل و غارت گری سے بھاگ گیا اور پہاڑ میں پناہ لی لیکن عیسیٰ خاں کو جو مصطفےٰ خاں کا سالا تھا قید کر لیا گیا اور چند روز کی نظر بندی کے بعد اس کو لباس اور کچھ زاد راہ سے سرفراز کر کے آزادی دیدی گئی ۔ دل شیر خاں خواہر زادہ شمشیر خاں اور مراد شیر کا چھوٹا بھائی جو تین گولیاں کھا کر میدان میں بے ہوش پڑا تھا ۔ اور لوگوں نے اس کو مردہ سمجھ لیا تھا زین الدین خاں نے سوئے اتفاق ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھ لیا وہ اس کا بچپن کا ساتھی تھا ۔جب اس نے اس میں زندگی کی رمق دیکھی اس کو فوراً اپنی پالکی میں بٹھایا

اور خیمہ میں لاکر جراحوں سے علاج کرایا لیکن کوئی حاصل نہ نکلا۔ زخم اندر ہی اندر اپنا کام کر گیا تھا۔ تیسرے ہی دن دارفانی سے رخصت ہوگیا۔ الف خاں داماد سردار خاں مرتضیٰ خاں کے ساتھ بھاگ کر زندہ وسلامت رہا۔

زین الدین خاں نے سجدۂ شکر ادا کرکے مصطفےٰ خاں کے خیمہ میں نزول فرمایا جہاں اس کے رفیقوں اور ہمراہیوں نے مبارک بادیاں دیں اور نذرانے پیش کئے۔ رات ہوئی تو وہ میرے چچا عبدالعلی خاں کے خیمہ میں آئے ان کی جوان مردی اور بہادری کی خوب تعریف کی چونکہ میدان کارزار میں مصطفےٰ خاں کے ہاتھی نوبت، نقارخانہ عبدالعلی کے ہاتھ لگا تھا اس لئے زین الدین خاں نے سب اس کو دے دیا۔ اس کے بعد فتح ونصرت کے شادیانے بجے جب یہ سب کچھ ہوچکا تو علی وردی خاں کے حضور میں مبارکبادی کا پیغام دیا اور اس سے درخواست کی کہ حضور شاہی سے عبدالعلی خاں کو علم ونقارہ دلایا جائے۔ علی وردی خاں کو جب اُس کی عظیم الشان کامیابی کی خبر ملی اور اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کامیابی کا سہرا اس کے بھتیجے اور عبدالعلی خاں کے سر ہے جنھوں نے اپنی ہوشیاری ودلیری کا لوہا سبھوں سے منوالیا ہے تو اس نے دونوں کو خلعت فاخرہ، جواہرات شمشیر، ہاتھی سے نوازا اور پھر دونوں صف شکن بہادر تحائف قبول کرنے کے لئے جعفر خاں کے باغ میں گئے اور آداب گذار ہوئے اس کے بعد خلعت زیب تن کرکے دونوں نے بڑے کرّوفر اور جاہ وحشم کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوکر عظیم آباد کی راہ لی۔ دو ماہ بعد عبدالعلی خاں بہادر کو محمد شاہ کے حضور سے عَلَم ونقارہ تحفے میں ملے۔

تمت

ہماری عظمتِ پارینہ کے زرّیں اوراق

تاریخِ اسلام

مکمّل تین حصّوں میں

مصنفہ :- مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

مغربی مورخین نے تاریخ اسلام کے واقعات کو تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور ایک عرصہ تک تاریخ اسلام کا طالب علم حقیقت سے ناواقف رہا۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے برس ہا برس کی محنت سے یہ مستند اور مفصل تاریخ مرتب کی جس کی ہر سطر اسلامی سطوت و عظمت کی آئینہ دار ہے جو مسلمان حکمرانوں، جانبازوں اور بہادروں کے زندۂ جاوید کارناموں کی مفصل تاریخ ہے۔

یہ عظیم شاہکار تین حصّوں پر مشتمل ہے

پہلا حصّہ :- یہ عہد رسالت مآب سے لے کر خلافت راشدہ تک ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ایک ان پڑھ اور غیر متمدن قوم جب ہلاکت کے سرچشمے سے سیراب ہوتی ہے تو وہ کس طرح فاتح عالم بن کر ساری دنیا کو باغ و بہار بنا دیتی ہے۔

دوسرا حصّہ :- عہد بنی امیّہ سے لے کر خلافت بنی عباس مصر پر ختم ہوتا ہے۔ یہ جلد مسلمانوں کے دور کشور کشائی تمدن آفرینی اور قیادت علمی کے عروج کی مکمل تاریخ ہے اور زوال و اسباب کی عبرتناک داستان بھی ہے اس کا مطالعہ سیکڑوں سامان بصیرت اور درس عبرت رکھتا ہے۔

تیسرا حصّہ :- بنو امیہ اندلس دولت معاویہ، سلجوقیہ، عثمانیہ، مغولانِ چنگیزی، خوارزم شاہیہ اور اس دور کی تمام مسلمان حکومتوں کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے اس طرح مصنف نے مصر میں دولت ملوکیہ کے اختتام اور سلطان سلیم خاں کی فتح مصر اور خلافت تک ۹۲۳ھ کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں یہ ہماری عظمتِ پارینہ کی دردناک داستان ہے آج جبکہ مسلمان قوم ساری دنیا میں زندگی کی انگڑائیاں لے رہی ہے ماضی کی یہ تابناک داستان مستقبل کے لئے راستہ کو روشن کرنے کا کام دے گی۔

صفحات حصّہ اول ۵۹۲، حصّہ دوم ۶۷۲، حصّہ سوم ۶۰۸

قیمت فی حصّہ پندرہ روپے ——— مکمل سیٹ پینتالیس ۴۵ روپے

منتخب اللباب مصنفہ: ہاشم علی خاں (خافی خاں نظام الملک)

کا اردو ترجمہ: از محمود احمد فاروقی (چار حصوں میں)

مغلیہ دورِ حکومت

حصہ اوّل بابر سے جہانگیر تک قیمت گیارہ روپے

حصہ دوم دور شاہجہانی قیمت نو روپے

حصہ سوم: دور عالمگیری ——— قیمت پندرہ روپے

حصہ چہارم: شاہ عالم سے ناصر الدین محمد شاہ تک قیمت بارہ روپے

برعظیم ہند میں سلطنت آرائی اور فرماں روائی کی تاریخ میں سلطنتِ مغلیہ کا زریں عہد ایک ناقابل فراموش یادگار ہے اس کی یہ لازوال تابانی بابر سے عالمگیر تک کے اولوالعزم جہاں دار و جہاں کشا فرماں رواؤں کی مرہونِ منت ہے جس بہادری اور شجاعت اور جس تدبر اور سیاست سے انھوں نے اس خطۂ ارض کو بنانے سنوارنے کا فریضہ انجام دیا اور جس محنت اور سلیقہ سے انھوں نے ہندوستان میں ایک نئی تہذیب اور نئے تمدن کو پروان چڑھایا اس کی مثال ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے آج بھی سرزمینِ پاکستان و ہند کے چپہ چپہ پر مغلوں کے پرشکوہ حکمرانی کے انمٹ نشان ماضی کی یاد دلاتے ہیں زمانہ کے تیز و تند انقلابات کے باوجود اسی آب و تاب کے ساتھ درخشاں ہیں ہندوستان میں پہلے مغل فاتح ظہیر الدین بابر کا داخلہ مسلمانوں کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اگر خانوادۂ تیموری کا یہ جنگجو سلطان ہندوستان کا رخ نہ کرتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا تین سو سالہ اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا۔ مغلوں نے بروقت ہندوستان پہنچ کر مسلم اقتدار کو ہندو گردی کی نذر ہونے سے بچالیا بابر کے بعد اس کے جانشینوں نے جس بہادری اور شجاعت سے جس حکمت و تدبر سے جزیرہ نمائے ہند کی وسعتوں پر فرماں روائی کی اس نے یہ ثابت کردیا کہ مغلوں ہی کو قدرت نے حکمرانی کی تمام صلاحیتیں بخشی تھیں آج ہم اس دورِ حکومت کی مستند ترین تاریخ منتخب اللباب مصنفہ خافی خاں (نظام الملک) فخر کے ساتھ پیش کر رہے ہیں یہ تاریخ شاہانِ مغلیہ کے تاریخی ماخذوں میں اہم ترین ماخذ ہے اس سے استفادہ کئے بغیر مغل تاریخ کو سمجھنا ناممکن ہے منتخب اللباب کا مصنف انصاف پسند اور راست گو مورخ گزرا ہے جس نے شاہانِ مغلیہ کے قریب رہ کر مغل دربار کے ظاہر و باطن کو بچشم خود دیکھا ہے اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ میدانِ جنگ میں بھی یہ لڑتا رہا ہے۔

اس اہم تاریخی دستاویز کو پڑھنے کے بعد آپ اندازہ کرسکیں گے کہ مغربی مصنفین اور ہندو مورخین نے مغل شہنشاہوں کے ساتھ کتنی بے انصافیاں کی ہیں۔

اردو ادب میں یہ تاریخی شاہکار پہلی دفعہ فارسی سے ترجمہ کرکے پیش کیا جارہا ہے اس کتاب کو ہر صاحب ذوق کی لائبریری میں موجود ہونا ضروری ہے۔

وہ کتابیں جن کے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہیں کہلا سکتی

تاریخ طبری مکمل گیارہ حصّوں میں

حصہ اول سیرت النبی صلعم ولادت رسولؐ سے وفات رسولؐ ۱۱ھ تک۔ ترجمہ: سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی
قیمت سولہ روپے

حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ اول ۱۱ھ تا ۱۶ھ
ترجمہ سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی قیمت پندرہ روپے

حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ دوم ۱۶ھ تا ۳۵ھ
ترجمہ، مولانا رشید احمد ارشد ایم اے قیمت سولہ روپے

حصہ سوم کا حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ سوم
خلافتِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ: ترجمہ: حبیب الرحمن صدیقی
قیمت سولہ روپے

حصہ چہارم امیر معاویہؓ سے شہادت حسینؓ تک
۴۱ھ تا ۶۰ھ: ترجمہ: سید حیدر علی طباطبائی
قیمت پندرہ روپے

حصہ پنجم اموی دورِ حکومت ۶۰ھ تا ۹۹ھ
ترجمہ: سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی قیمت سولہ روپے

حصہ ششم حضرت عمر بن عبدالعزیز تا مروان ثانی
۹۹ھ تا ۱۳۲ھ ترجمہ: سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی
قیمت سولہ روپے

حصہ ہفتم عباسی دور حکومت ۱۳۲ھ تا ۱۷۰ھ
ترجمہ محمد ابراہیم ایم اے ندوی قیمت سولہ روپے

حصہ ہشتم ہارون الرشید اور اسکے جانشین ۱۷۰ھ تا ۲۳۱ھ
ترجمہ: سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی قیمت سولہ روپے

حصہ نہم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ اول
حصہ دہم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ دوم
نمبر قیمت فی حصہ بارہ روپیہ

تاریخ ابن خلدون مکمل نو حصّوں میں

اردو ترجمہ: حکیم احمد حسین الہ آبادی

تاریخ ابن خلدون قبل از اسلام

تاریخ الانبیاء حصہ اول دس روپے پچاس پیسے
تاریخ الانبیاء حصہ دوم دس روپے پچاس پیسے
پہلا حصہ رسولؐ اور خلفائے رسولؐ پندرہ روپے
دوسرا حصہ خلافت معاویہؓ و آل مروان پندرہ روپے
تیسرا حصہ خلافتِ بنو عباس (اول) گیارہ روپے
چوتھا حصہ خلافتِ بنو عباس (دوم) گیارہ روپے
پانچواں حصہ امیران اندلس اور خلفائے مصر
پندرہ روپے
چھٹا حصہ غزنوی اور غوری سلاطین
پندرہ روپے
ساتواں حصہ سلجوقی اور خوارزم شاہی سلاطین
بارہ روپے

تاریخ فاطمین مصر مصنفہ: ڈاکٹر زاہد علی ڈی فل آکسفورڈ۔ حصہ اول: نو روپے نوے پیسے
حصہ دوم ——— نو روپے نوے پیسے
تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی بارہ روپے
فتوح البلدان البلاذری اٹھارہ روپے

خلافتِ بنوامیہ (کامل ابنِ اثیر)
ترجمہ: مولانا سیّد ہاشم ندوی
حصہ اول ۴۱ھ تا ۷۴ھ بارہ روپے
حصہ دوم ۷۴ھ تا ۱۳۲ھ بارہ روپے
تاریخ غرناطہ مصنفہ: محمد لسان الدین الخطیب
ترجمہ: حکیم سیّد احمد ندوی
حصہ اول: بارہ روپے :: حصہ دوم: بارہ روپے
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ
ڈاکٹر طٰہٰ حسین چھ روپے پچھتر پیسے

حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی
علامہ مناظر احسن گیلانی پندرہ روپے
حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ
ڈاکٹر طٰہٰ حسین پندرہ روپے
حضرت عمروؓ بن العاص ترجمہ محمد احمد پانی پتی بارہ روپے
تاریخ فلاسفۃ الاسلام ڈاکٹر میر ولی الدین
آٹھ روپے
فقہ الاسلام حسن الخطیب پندرہ روپے
فلسفۂ اسلام ڈی اولیری سات روپے پچھتر پیسے

صحابیات: نیاز فتح پوری:
سات روپے پچھتر پیسے
طبقات الاولیاء: عبدالوہاب شعرانی
سولہ روپے
زبدۃ البخاری: حضرت امام بخاری
بارہ روپے نوے پیسے
الادب المفرد (کتاب زندگی)
حضرت امام بخاری: نو روپے نوے پیسے
سفینۃ الاولیاء: دارا شکوہ
سات روپے پچھتر پیسے
سیرت محمدیہ: سرسید احمد خاں: بارہ روپے
حضرت امام ابن القیم: رشید احمد ارشد
ایم اے: پندرہ روپے
دعوت اسلام: ڈاکٹر ارنلڈ
دس روپے
انسان کامل: عبدالکریم الجیلی: گیارہ روپے
امیر تیمور: ترجمہ عنایت اللہ دہلوی: بارہ روپے

تحقیق الجہاد بارہ روپے
شاہجہاں کے ایام اسیری بارہ روپے
آثر عالمگیری پندرہ روپے
اقبال نامہ جہانگیری چھ روپے پچھتر پیسے
تاریخ فیروز شاہی دس روپے
سفرنامہ ابن بطوطہ (اوّل) تیرہ روپے
سفرنامہ ابن بطوطہ (دوم) گیارہ روپے
آئینۂ حقیقت نما پندرہ روپے
سیاحت نامہ سات روپے
عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن بارہ روپے
نظام الملک طوسی پندرہ روپے
البرامکہ پندرہ روپے
کتاب الروح نو روپے نوے پیسے
الاحکام السلطانیہ گیارہ روپے
تاریخ تمدن اسلام (دو حصے) بیس روپے
اسلامی معاشیات پندرہ روپے
تجدید دین کامل نو روپے پچھتر پیسے

تجدید معاشیات نو روپے پچھتر پیسے
تجدید تصوف و سلوک آٹھ روپے پچیس پیسے
تجدید تعلیم و تبلیغ چھ روپے
علم الکلام اور الکلام گیارہ روپے
گلشن بے خار نو روپے
فلسفۂ عجم چار روپے
تذکرہ شاہ ولی اللہ چار روپے پچاس پیسے
ہزار سال پہلے چار روپے پچاس پیسے
حضرت ابوذر غفاری چار روپے پچیس پیسے
تعلیم غوثیہ سولہ روپے
صنم خانۂ عشق نو روپے نوے پیسے
عبرت کدۂ سندھ بارہ روپے
داستان کربلا چار روپے
الدین القیم چار روپے پچاس پیسے
مکاتیب امام غزالی تین روپے پچھتر پیسے
شعور و لاشعور تین روپے پچھتر پیسے
آپ بھی خوش رہیئے پانچ روپے